مکتوباتِ ماجدی

جلد اول



ادارۂ انشائے ماجدی

کی

دیگر مطبوعات

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی

کے قلم سے

۱ خطبات ماجد ۱۰ روپے
۲ ۔ معاصرین ۲۰ ،
۳ ۔ گیارہ سفر ۳۰ ،
۴ ۔ سفر حجاز ۴۰ ،
۵ ۔ مکتوبات ماجدی ۴۰ ،

زیر طبع

۶ ۔ ذکر رسول ۔ مردوں کی سیحانی

بسم اللہ

صدق جدید

دریاباد ضلع بارہ بنکی

مورخہ ... ۱۹۶۷ء

مکرم گرامی (سلمہ)

عریضہ مرسلہ موصول ہوا۔ جزاکم اللہ۔

تعلیم اور سرسید کا مسلک سے متعلق مضمون ارسال خدمت ہے۔

شائع فرمادیں تو ممنون ہوں گا۔ (سلمہ)

دعاگو و دعاجو

عبدالماجد

حضرت مولانا کی تحریر کا عکس

مکتوباتِ ماجدی

(جلد اوّل)

حضرت مولانا عبدالماجدؒ دریابادی

ترتیب

(ڈاکٹر) ہاشم قدوائی

نظرثانی

حکیم عبدالقوی دریابادی

ناشر

ادارۂ انشائے ماجدی، کلکتہ

R

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار اوّل

۱۴۰۳ھ ۱۹۸۲ء

تعداد ——— ۱۱۰۰

کتابت ——— عبدالمجید صدیقی سنبھاروی

طباعت سیما آفسیٹ پریس
دہلی ۱۱۰۰۰۶

صفحات ——— ۴۲۴

قیمت روپے

46214

باہتمام

منظور علی لکھنوی

ادارۂ انشائے ماجدی کلکتہ ۳۷

فہرست

صفحہ

پیش لفظ (ڈاکٹر) محمد ہاشم قدوائی ۴
دیباچہ حکیم عبدالقوی دریابادی ۶
دلآویز ادبی مکتوبات (حصہ اول) ۸
دلدوز تعزیتی مکتوبات (حصہ دوئم) ۱۹۳

فہرست

شمار نمبر	مکتوب الیہم کے اسمائے گرامی	تعداد خطوط	صفحہ
۱	سید آل عبا آوارہ مارہروی	۶	۶ تا ۱۰
۲	محمد احمد غریب صاحب تاجر کٹلری بازار بمبئی	۹۲	۱۱ تا ۹۳
۳	مولانا عبدالباری صاحب ندوی لکھنؤ	۱۷۱	۹۳ تا ۲۷۳
۴	مولوی صبغۃ اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محلی لکھنؤ	۲۹	۲۷۳ تا ۲۹۸
۵	ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب سابق پروفیسر صدر شعبۂ عربی الہ آباد یونیورسٹی	۲۲	۲۹۹ تا ۳۱۶
۶	پنڈت سندر لال صاحب الہ آباد وہنی دہلی	۱	۳۱۷ تا ۳۱۸
۷	ملک غلام محمد صاحب گورنر جنرل پاکستان، کراچی	۱	۳۱۸ تا ۳۱۹
۸	چودھری خلیق الزماں صاحب ڈھاکہ و کراچی	۲۰	۳۲۰ تا ۳۴۴
۹	ڈاکٹر فہیم الدین صدیقی صاحب وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی	۲	۳۴۴ تا ۳۴۶
۱۰	ڈاکٹر سید سلمان ندوی کراچی و ڈربن (جنوبی افریقہ)	۱۳	۳۴۶ تا ۳۵۹
۱۱	شعیب قریشی صاحب سابق وزیر حکومت پاکستان کراچی	۲	۳۵۹ تا ۳۶۱
۱۲	زاہد شوکت علی صاحب	۶	۳۶۲ تا ۳۶۸
۱۳	پیام بنام سکریٹری صاحب خلافت کمیٹی خلافت ہاؤس بمبئی	۴	۳۶۹ تا ۳۷۱
۱۴	بنام قطب الدین احمد صاحب عرف ملا صاحب	۱۴	۳۷۲ تا ۳۸۸

پیش لفظ

عم مرحوم جناب مولانا عبدالماجد دریابادی کے تعلقات بہت وسیع تھے اس لیے مراسلت کا دائرہ بھی بہت وسیع تھا وہ خطوط کے جواب بڑی پابندی اور مستعدی سے دیا کرتے تھے ۱۹۵۳ء سے انھوں نے خاص خاص خطوط کی نقل رکھنے کا انتظام کیا۔ یہ خدمت زیادہ تر مولانا کی منجھلی صاحبزادی یعنی راقم مرتب کے منجھلے بھائی حبیب احمد قدوائی کی بیگم نے انجام دی جو ان کی سب سے زیادہ مزاج شناس تھیں اور جن کا زیادہ تر قیام دریابادی میں رہتا تھا دوسری صاحبزادیوں اور نواسوں نے بھی یہ خدمت انجام دی۔ تقریباً گیارہ ہزار سے زیادہ خطوں کی نقلیں ان کاپیوں میں ملیں۔

زیر نظر مجموعہ حضرت مرحوم کے ادبی خطوط اور تعزیت ناموں پر مشتمل ہے۔ ان میں مولانا کا منفرد طرز نگارش اور انشا پردازی کا رنگ و آہنگ نیز رعایت لفظی کا اہتمام ان خطوط میں پوری طرح جلوہ گر ہے۔ برصغیر ہند کے مشاہیر ادب اور اکابر سے مولانا کے گہرے روابط تھے اور ان سے مراسلت کا سلسلہ قائم تھا۔ ان خطوط کا مطالعہ اس لحاظ سے دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ان سے اگر ایک طرف مولانا اور مشاہیر ادب کے درمیان جو بے تکلف روابط اور تعلقات تھے ان پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف ان کی ادبی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

یہ مرحوم کے خطوط کی جلد اول ہے جو دو حصوں میں منقسم ہے پہلے میں ادبی خطوط ہیں اور دوسرا حصہ تعزیت ناموں پر مشتمل ہے جو اپنی اثر انگیزی کے لحاظ سے بے مثال ہے اور ان سے نہ معلوم کتنے مکتوب الیہم اور ان کے متعلقین کو تسکین حاصل ہوئی ہوگی۔

زیر نظر مجموعہ میں راقم مرتب نے جہاں ضرورت سمجھی ہے توضیحی حاشیے دے دیئے ہیں اور مکتوب الیہ کا تعارف بھی کرا دیا ہے۔ آئندہ جلدوں میں بھی یہ توضیحی حاشیے ہوں گے کم سے کم ۵، ۶ جلدیں ان خطوط کی اور ہوں گی۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اپنے بھتیجے عزیزی ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی جو راقم مرتب کے چھوٹے بھائی عبدالعلیم قدوائی کے بڑے صاحبزادے ہیں اور مسلم یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی میں لکچرر ہیں کا شکریہ نہ ادا کیا جائے۔ عزیز موصوف نے مسودے کو صاف کیا تب ہی وہ ناشر کے پاس بھیجا جا سکا۔

برادر محترم حکیم عبدالقوی دریابادی صاحب کا شکریہ کن لفظوں میں ادا کروں کہ باوجود اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے انھوں نے تصحیح کا زبردست کام اپنے ذمے لیا اور اس کے لیے کلکتہ بھی تشریف لے گئے۔

آخر میں الحاج منظور علی صاحب کے لطف و کرم کا کس زبان سے شکریہ ادا کیا جائے ان کی حضرت مولانا مرحوم سے سچی عقیدت کا اظہار مولانا کی تصنیفات اور ان سے متعلق چیزوں کی دیدہ زیب طباعت سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

امید ہے کہ یہ مجموعہ حضرت مرحوم کے پرستار اور معتقدین ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

(ڈاکٹر) محمد ہاشم قدوائی
ریڈر، شعبۂ سیاسیات مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

دیباچۂ مرتب

حضرت عم مرحوم مولانا عبدالماجد دریابادی کے مکتوبات کی دوسری جلد پیش خدمت ہے۔ اس جلد میں خطوط کی تعداد ۳۸۸ ہے اور مکتوب الیہ حضرات کی تعداد تیرہ ہے۔

مرحوم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت خصوصی کا ذکر بڑی خوشی سے کرتے رہتے تھے کہ اس نے انھیں مخلصوں سے نوازا ہے۔ اس جلد میں انھیں مخلصین بلکہ اخص مخلصین کے نام کے خطوط درج کئے گئے ہیں۔

جوان حضرات سے مرحوم کے رشتۂ اخلاص کا پتہ حواشی سے چلے گا جو ان مکتوب الیہم کے تعارف کے سلسلہ میں مرتب نے دیے ہیں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر برادر محترم حکیم عبدالقوی اور ناشر جناب حاجی منظور علی مالک ادارہ انشائے ماجدی کلکتہ کا شکریہ نہ ادا کیا جائے۔ برادر محترم نے تصحیح میں بڑی محنت کی اور اس سلسلہ میں متعدد بار سفر کلکتہ کی زحمت برداشت کی اور حاجی صاحب نے کتابت وطباعت کے سارے انتظامات بڑی توجہ دانہماک سے کیئے اور اس سلسلہ میں صرف کثیر کیا۔

مکتوب کی اس جلد میں اگر کوئی خامی پائی جائے تو اس کی ذمہ داری مرتب ہی پر ہے۔

خاکسار

ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی

۱۵ر اپریل ۱۹۸۶ء

پیش لفظ

از :۔ حکیم عبدالقوی دریابادی مدیر "صدق جدید"

عم مرحوم مولانا عبدالماجد دریابادی کے مکتوبات کی پہلی جلد کئی سال ہوئے برادر عزیز ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی "حال ممبر پارلیمنٹ" کی مرتب کردہ، ادارہ انشائے ماجدی کلکتہ کے زیر اہتمام کتابت و طباعت کی نفاست کے ساتھ شائع ہو چکی تھی۔ اب اس کی دوسری جلد جو مولانا کے تیرہ مخلصین کے نام کے خطوط پر مشتمل ہے توضیحی حاشیوں کے ساتھ انہیں مرتب کی مرتب کردہ اور اس ادارہ کی شائع کردہ پیش کی جا رہی ہے۔

مولانا کی ادیبانہ شان ان کے خطوط میں جن میں بہت سے خانگی نوعیت کے ہیں بخوبی ہویدا ہے۔ اور مرتب کے دیے ہوئے بکثرت حواشی سے خطوط میں درج امور کی بہت کچھ وضاحت ہوتی ہے۔

ان تیرہ مخلصین مکتوب الیہ حضرات میں اس وقت صرف تین زندہ سلامت ہیں یعنی مولانا مرحوم کے اسکولی رفیق سید آل عبا آوارہ مارہروی، پاکستان میں مقیم ڈاکٹر رضی الدین اور جنوبی افریقہ کی یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر ڈاکٹر سید سلمان ندوی بقیہ حضرات اس جہان فانی سے اس جلد کی اشاعت سے قبل ہی رخصت ہو چکے ہیں۔

امید ہے کہ انشائے ماجدی کے قدرداں حضرات ان مکتوبات کی قدر فرمائیں گے۔

نوٹ :۔ مسودہ کی نظر ثالث کے وقت سید آل عبا آوارہ مارہروی صاحب جولائی ۱۹۸۷ء میں رحلت فرما گئے۔

حکیم عبدالقوی دریابادی

۳۱ جولائی ۱۹۸۷ء

دیباچہ

از:۔ حکیم عبدالقوی دریابادی مدیر صدق جدید

مولانا عبدالماجد دریابادی کا شمار اردو کے صاحب طرز اور سحر طراز ادیبوں میں تھا۔ ان کی تصانیف مقالات، نشریات، اخبار سچ اور اس کے جانشین صدق و صدق جدید میں ان کی سبھی باتیں، شذرات، کتابوں پر تبصروں سبھی میں انتہائی ادبی دلکشی پائی جاتی تھی۔ یہی ادبی رنگ ان کے پرائیوٹ خطوط میں بھی پایا جاتا ہے۔

ان کے خطوط کی پہلی جلد برادر عزیز ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی نے مرتب کر کے ان پر ضروری حاشیے بھی دیے ہیں جن سے مکتوب الیہم کے تعارف کے ساتھ ساتھ ان خطوں میں درج بہت سے امور کی تشریح بھی ہو گئی ہے۔

مولانا کے خطوط تو بے شمار ہیں اور بہت سے قدر دانوں نے جن سے ان کی مراسلت اکثر ہوتی رہتی تھی یہ خطوط محفوظ بھی رکھے ہیں۔ اس مجموعہ میں صرف وہ خطوط درج ہیں جن کی نقل مولانا خط بھیجنے کے بعد کاپیوں میں کرا دیتے تھے۔ نقل کا کام منجھلی صاحبزادی (اہلیہ حبیب احمد قدوائی) انجام دیتی تھیں کیونکہ وہ مولانا کی انتہائی خفی تحریر پڑھنے میں برق تھیں یہ التزام انھوں نے ۱۹۵۳ء سے شروع کیا تھا۔ ان خطوط کی نقلوں پر مشتمل کاپیاں کئی درجن موجود ہیں جن میں مندرج کل خطوط کی میزان گیارہ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ انھیں میں سے انتخاب کر کے یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔ یہ پہلی جلد دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ ادبی نوعیت کے خطوط پر مشتمل ہے جس کا نام احقر نے "دلآویز ادبی مکتوبات" رکھا ہے۔ ان میں ادبی لطائف (بعض خطوط تو رعایت لفظی کی صنعت کے شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں) لسانی بحثوں کے ساتھ ساتھ بہت سی مفید معلومات مولانا کے معاصرین سے متعلق ناظرین کے سامنے آجائیں گی۔

دوسرا حصہ تعزیتی خطوط پر مشتمل ہے۔ جس کا نام "دلدوز تعزیتی مکتوبات" رکھا گیا ہے۔ قدرتاً بڑا ہی موثر اور درد انگیز ہے۔ اس میں ہر قسم کے تعزیتی خطوط ملے۔ مثلاً ماں یا باپ کے سایہ سے محروم ہونے پر اولاد کے نام، لڑکے یا لڑکی کے دنیا سے اُٹھ جانے پر غمزدہ باپ اور دل شکستہ ماں کے نام، بیوگی کے غم میں مبتلا عورت اور رفیقۂ حیات کی وفات پر محزون قلب مرد کے نام عزیز بھائی کی جدائی پر اس کے بھائی کے نام وغیرہ وغیرہ۔ ان خطوط تعزیت میں اظہار غم و ہمدردی کے ساتھ ساتھ تسکین و تسلی کے وہ پہلو خاص طور سے نمایاں کیے گئے ہیں جو مذہب اسلام کے ساتھ مخصوص ہیں اور اسی سلسلہ میں متعلقہ آیات قرآن اور احادیث کی ترجمانی کی گئی ہے جن سے یہ ظاہر ہو کر رہتا ہے کہ موت اور سفر آخرت کی منزلیں ایک مسلمان کے حق میں کیسی کیسی نعمتوں اور بشارتوں کی حامل ہوتی ہیں

اردو ادب میں غالب کے خطوط اس صنف ادب میں تقدم زمانی کے ساتھ ساتھ حسن قبول کے اعتبار سے بجا طور پر سرفہرست ہیں۔ اس کے بعد متعدد مشاہیر ادب و اکابر ملت کے خطوط کے مجموعے شائع ہوئے جن میں مکاتیب شبلی (دو حصے) خطوط محمد علی، مکاتیب سرسید، مکتوبات اقبال کے متعدد مجموعے، غبار خاطر و کاروان خیال (مولانا آزاد) وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ خود مولانا دریابادی نے اپنے حاشیوں کے ساتھ دو مجموعہ مکاتیب شائع فرمائے تھے (۱) خطوط مشاہیر مولانا شبلی، اکبر الہ آبادی اور مولانا محمد علی جوہر کے ان مکتوبات پر مشتمل ہے جو انھوں نے مولانا دریابادی کو لکھے تھے (۲) مکتوبات سلیمانی (دو جلد) ان میں مولانا کے مخلص رفیق مولانا سید سلیمان ندوی کے خطوط مولانا دریابادی کے نام ہیں۔

امید ہے کہ مولانا دریابادی کے خطوط کا یہ پہلا مجموعہ ادب اردو میں ایک وقیع اضافہ ثابت ہوگا اس کے مزید مجلدات آئندہ شائع ہو کر رہیں گی۔

اس کتاب کی اشاعت کا شرف محترمی حاجی منظور علی لکھنوی اور ان کے ادارہ انشائے ماجدی کلکتہ ہی کو حاصل ہو رہا ہے جو اس سے قبل مولانا کی متعدد کتابیں، کاغذ طباعت کی نفاستوں کے ساتھ شائع کر کے نام حاصل کر چکے ہیں۔

۳۱ مارچ ۱۹۸۲ء

دلآویز اَدبی مکتوبات

حصّہ اوّل

خط بنام سیّد آل عبا صاحب ماہر دی آوارہ

بسم اللہ

دریاباد

۱۷ر جولائی ۱۹۵۳ء

برادرم! وعلیکم السّلام

"آوارگی" کے پردے میں یہ "ردائے آلِ عبا" خوب نکلی۔ سبحان اللہ۔

ہماری کم نگاہی تم کہاں تھے ہم کہاں سمجھے

دل نے کہا "فرقۂ ملامتیہ" ابھی زندہ ہے۔

کل اٹھارہ جولائی کی شب میں وقت نکال کر ضرور آپ کی پیش کردہ "بی بھٹیاری" سے دل بہلاؤں گا اور جی میں آئی تو پھر آپ کے اسٹیشن ڈائرکٹر کو اپنے تاثرات بھی بھیجوں گا۔

والسّلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

سیّد صاحب موصوف عم مرحوم کے ساتھ گورنمنٹ ہائی اسکول سیتاپور میں طالب علم تھے۔ ہم جماعت نہ تھے لیکن ملاقات اسی زمانے سے تھی اور غالباً یہ مرحوم کے تنہا دوست ہیں جو اب تک زندہ ہیں۔ ان کی تقریر "بلنکے" آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئی تھی۔ اس کی داد مولانا مرحوم نے لکھ کر بھیجی تھی خاص کر زبان کی شستگی کی اس پر سیّد صاحب موصوف نے خط لکھا۔ مندرجہ بالا خط اس شکریہ کے خط کا جواب ہے۔

خط بنام محمد بن عمر صاحب حیدرآباد

انہوں نے ڈاکٹر محی الدین زور صاحب پروفیسر اردو، جامعہ عثمانیہ و بانی ادارہ ادبیات اردو پر مولانا سے ایک مضمون کی فرمائش کی تھی۔

دریاباد

۱۴ دسمبر ۱۹۵۴ء بسم اللہ

جو "زور" مجسم ہے اس کی مدح و توصیف میں مجھ جیسا "کم زور" قلم اٹھا ہی کیا سکتا ہے۔

ادارہ ادبیات اردو کے تو خیر وہ بانی ہیں، باقی حیدرآباد، دکن سے کون ایسی ادبی تحریک ادھر ۲۵، ۳۰ سال میں اٹھی جس کے وہ روح رواں نہ تھے۔ کوئی لکھنے کو قلم اٹھائے تو کیا کیا لکھے اور کہاں تک لکھتا جائے۔

ان کے کمالات کو سمجھ لینا اور ان کی داد پر آمادہ ہو جانا یہ خود ہی ایک کمال ہے۔ آفتاب کو روشن دیکھنا خود اپنی صحت بصارت کا اعلان کرنا ہے بہ قول عارف رومی

مادح خورشید مداح خود است
کیں دو چشم روشن تام مدد ست

اس اجمال کے اندر آپ ساری تفصیل پڑھ سکتے ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) ڈاکٹر محی الدین زور صاحب جامعہ عثمانیہ اور اس کے بعد کشمیر یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر و صدر شعبہ رہے ہیں پروفیسر صاحب موصوف ادارہ ادبیات اردو کے بانی تھے جنھوں نے خاصا علمی و ادبی کام حیدرآباد میں کیا تھا۔

خط بنام سید لقمان صاحب

معتمد بزم صحافت، جمعیۃ الاصلاح، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔
مکتوب الیہ نے اپنے رسالے کے لئے پیام مانگا تھا۔

ریاباد
۳ر جنوری ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

آپ تو خود "لقمان" ہیں آپ کو حکمت کا درس کون دے سکتا ہے۔ لیکن لقمان نے دانائی نادانوں سے سیکھی تھی اس لیے اپنے لکھنے لکھانے میں کچھ حرج نہیں دیکھتا۔

"اصلاح" کا کام یوں بھی دشوار اور نازک ہے اور پھر اصلاحی صحافت تو اور دشوار تر اور نازک تر ہے۔ خدا کے لئے اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس رکھئے۔ بس اس کے بعد ہر مشکل آسان ہوتی جائے گی۔ اصلاح کا کام پیمبرانہ عزم و حوصلہ اور پیمبرانہ روحانیت و دقت نظر چاہتا ہے اور اصلاحی صحافت گویا اسی کا شعبہ تذکیر و تبلیغ ہے۔ جتنا اپنے آپ کو سیرت پیمبری میں جذب و تحلیل کرتے جائیے گا۔ جتنا اپنے آپ کو پیمبری کے سانچے میں ڈھالتے جائیے گا تزکیہ نفس اور تربیت ضمیر از خود ہوتی جائے گی۔

راہ اور شاہ راہ صرف یہی ہے اس کے سوا جتنی گلیاں اور کوچے ہیں سب منزل مقصود سے ہٹانے والے اور بھٹکانے والے ہیں۔

دعا گو

عبد الماجد

مشہور شاعر حضرت امجد حیدر آبادی پر خواجہ حمید الدین شاہدؔ[1] صاحب نے مضمون مانگا تھا اس کے جواب میں یہ پیام بھیجا۔

دریا باد

۴ر جنوری ۱۹۵۵ء بسم اللہ

"امجد" نامور، ذی شان کے باب میں "ماجد" گم نام و بے نشاں کا کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ ہے دکھانا۔

شہد کو اور کون سی مٹھاس ڈال کر میٹھا کیا جائے۔ اور نمک میں اور کون سی نمکین ڈال کر نمکین بنایا جائے؟

وہ میرے افضل التفضیل برائے نام ہی نہیں زندگی کے ہر صیغہ میں مجھ سے افضل، اکرم اشرف، اور اکمل ہیں۔

اللہ ان کی عمر میں، کمالات میں، کرامات میں زیادہ سے زیادہ برکت عطا فرمائے۔

عبدالماجد

[1] پروفیسر شعبۂ اردو، جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد۔

یوسف قمر صاحب

ایڈیٹر "ہلال نو" پشاور کے نام پیام۔

دریا باد

۸ر جولائی ۱۹۵۵ء بسم اللہ

"ہلال نو" یوں بھی آبروئے آسماں اور پھر اُمت کا قومی نشان۔ اس کی زیارت کی مشتاق کون سی آنکھ نہ ہوگی خواہ اس کا طلوع افق پشاور ہی سے ہوا کرے۔

اور پھر اس کے ایڈیٹر یوسف قمر! جمال ہی جمال! نورٌ علیٰ نور!

—— چار چاند لگ جانا اسی کو کہتے ہیں۔

اس کی ٹھنڈی روشنی یقیناً ہر دیدہ ور کے لئے "سرمہ بصارت" اور چشمۂ بصیرت ثابت ہو رہی ہوگی۔

اللہ نور السموات والارض جلد اسے آسمان معنویت و اسلامیت کا بدر کامل بنا کر رکھے

عبدالماجد

روزنامہ "سیاست جدید" کانپور کے رفیع احمد قدوائی نمبر کے لئے حسب ذیل مضمون مرحوم نے تحریر فرمایا۔

مقامِ رفیع

ہندوستان کی تازہ تاریخ میں جو مقام رفیع۔ رفیع احمد قدوائی مرحوم کو حاصل ہے اس سے انکار کسی دشمن کے لئے بھی ممکن نہیں۔ دل خوش ہوا کہ (۱) کا اعتراف سیاست جدید اپنا ایک خصوصی نمبر نکال کر کر رہا ہے۔ ایک سیاسی مخالف کی عظمت کا اعتراف خود ادارہ سیاست کی بھی شرافت کا ایک عملی ثبوت ہے۔

اپنی دوسری بے شمار خدمات کے علاوہ مرحوم نے ہندوستان کے ایک پیچیدہ ترین مسئلہ رزق کو جس طرح حل کر دکھایا اور رزاق مطلق کے نائب کی جو تجلی اس عالم ناسوت میں دکھادی اس لحاظ سے اگر انھیں "میکائیلِ ہند" کہا جائے تو بجا ہے۔

"حسرت آیات" ایسی ہی وفات کو کہا جا سکتا ہے۔

عبدالماجد

اس وقت تک یہ اخبار کانگریس کا شدید مخالف تھا۔

عبدالرؤف صاحب عباسی، ایڈیٹر "حق" لکھنؤ نے اپنے ہاں محفل میلاد میں مولانا مرحوم کو نہ صرف بڑے اصرار سے بلایا تھا بلکہ اس کی صدارت کرنے کو بھی لکھا تھا۔ اس بارے میں مرحوم نے معذرت لکھ بھیجی۔

دریاباد

۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۵ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

"امر حق" سے سرتابی کی مجال کسے لیکن گوش "حق نیوشی" میں عرض ہے کہ ۳۱ کی صبح سے مجھے لکھنؤ میں موجود ہونا ہے اور یہ پروگرام دو ہفتہ قبل سے طے ہو چکا ہے۔ اب کیا صورت رہ جاتی ہے کہ حاضری ۲۹ کو بھی رہے اور ۳۱ر کو بھی۔ یوں بھی مسند صدارت ترک کئے ہوئے ہوں۔

والسّلام معذرت خواہ

عبدالماجد

مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے ایک معنی میں شاگرد تھے۔ "صدق جدید" کے پیش رو ہفتہ وار "صدق" کے منیجر تھے۔ ان سے مولانا مرحوم سے مخلصانہ تعلقات تھے۔

مولوی حبیب ریحان خان صاحب ندوی نے اپنے اخبار "نشانِ منزل" بھوپال کے لئے پیام مانگا تھا جو حسب ذیل ہے۔

دریاباد

۲۱ر دسمبر ۱۹۵۵ء بسم اللہ

پیام

رہروانِ منزل کے لئے نشانِ منزل بھی بڑی چیز ہے چہ جائیکہ آپ کا پرچہ چو نشان

محض منزل کا نہیں منزل مقصود کا دیتا ہے۔

مبارک ہوں ایسے نشان اور نشان بردار دونوں۔

مرحبا اے پیک فرخ فال ما

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا عمران خاں صاحب ندوی کے خلف الرشید ہیں اور لیبیا کی کسی یونیورسٹی میں استاد۔ مولانا مرحوم سے ان کو بڑی عقیدت تھی لیبیا سے بھی برابر خط لکھتے رہتے تھے اور ہندوستان آنے پر نہ صرف مولانا سے لکھنؤ میں ملتے تھے بلکہ ملاقات کی غرض سے دریاباد بھی جاتے تھے۔

مکتوب بنام شوکت تھانوی لاہور

دریاباد

۲۷ر فروری ۱۹۵۶ء بسم اللہ

"مدظلہٗ" کی طرف

سے

عزیزی سلمہٗ کو

لو تبسم بھی شریک ناز ہوا

آج کچھ اور بڑھائی گئی قیمت میری

والسّلام

عبدالماجد

شوکت تھانوی نے رسالہ نقوش، لاہور میں مولانا مرحوم کی شخصیت پر بڑا عمدہ اور

دلچسپ مضمون " مدظلہ " کے عنوان سے لکھا تھا۔ مولانا مرحوم کا یہ ایک خاص معمول تھا کہ اپنے بارے میں کوئی بھی مضمون نہ پڑھتے تھے۔ مرحوم کی صاحبزادیوں نے یہ مضمون پڑھ کر ان سے بیان کیا تھا یہ خط اسی بارے میں شوکت تھانوی کو لکھا۔ ان کے مضمون کا عنوان " مدظلہ " تھا اسی رعایت سے مولانا مرحوم نے لکھا۔

مکتوب بنام شوکت تھانوی لاہور

دریاباد

۲۲ر مارچ ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

عنوان " سانپ مارخاں " پڑھ کر

یہ سانپ کے لئے " مار " کیا خوب

بہ قول شخصے " وہ مارا "

شوکت صاحب کا ایک مزاحیہ مضمون " سانپ مارخاں " کے عنوان سے شائع ہوا تھا مکتوب بالا اسی سے متعلق ہے۔ عبدالماجد

مکتوب بنام جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی

دریاباد

۳۰ر اپریل ۱۹۵۶ء بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

" علی گڑھ میگزین " کا " مجاز نمبر " ابھی نظر سے گزرا۔ عالم " مجاز " میں " حقیقت " ایک ہی

نظر آئی اور وہ ہے آپ کا مضمون "لکھنؤ کی زبان" یا سرمایہ زبان اردو پر تنقید۔ ماشاءاللہ وسبحان اللہ۔ مدت کے بعد زبان پر ایسا محققانہ مضمون نگاہ کے سامنے آیا بے اختیار آپ کو لکھنے کا دل چاہا۔ اللہ آپ کی عمر وصحت میں برکت دے۔

دعاگو

عبدالماجد

مکتوب الیہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اردو کے چوٹی کے شاعر اور نقاد پر سند۔

اردو کے نامور صاحب طرز ادیب پروفیسر سید مسعود حسن رضوی صاحب، سابق صدر شعبۂ فارسی لکھنؤ یونیورسٹی کے نام خط۔ مرحوم نے یہ روایت سنی تھی کہ وہ اردو بازار میں انجمن ترقی اردو کی مالی مدد کرنے کے لئے حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ کے ساتھ دہی بڑے کی دکان لگانے والے ہیں۔

دریاباد

۲۸ دسمبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

اردو بازار میں دکانداری تک میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن خدا کے لئے کہیں دہی بڑے کچالو یا چنا جور گرم کی دکان نہ کھول بیٹھئے گا۔

آئے وہ یوں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

دکان لگانا ہی ہے تو یا تو کباب پراٹھے گرما گرم یا پھر شیرمال کشمیری چائے یا دونوں ناممکن ہوں تو پھر گوٹا مسالا۔ بہرحال بازاریت میں بھی بانکپن نہ چھوٹنے پائے۔

تقلید میں بھی کچھ رہے ایجاد کا مزہ

والسلام

دعاگو عبدالماجد

بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی، علی گڑھ

دریاباد

۹ر جنوری ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

محترم!

السلام علیکم

جی آپ کے قلم کا کیا کہنا۔ پڑھنے والوں کا دل باغ باغ کر دیا، ایسی شگفتہ و شاداب تحریریں اب کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ اہل قلم کے مقتدا جو ٹھہرے۔ قلم پر پوری رعنائی و برنائی اس سن میں آئی! بہ قول شخصے ؎

بڑھاپے میں بھی جواں ہو رہا ہوں
لیکن پھر بھی بہ قول شخصے ہی

دین اللہ کی ہے اس میں اجارہ کیسا ہے؟

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب الیہ علی گڑھ کے رہنے والے اور صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے خاص لوگوں میں تھے۔ مدتوں یونیورسٹی پریس سے متعلق رہے۔ یہ اردو کے بڑے اچھے لکھنے والے تھے ان کی تحریریں بڑی شگفتہ، جاندار اور رعایت لفظی کا شاہکار ہوتی تھیں۔ مولانا مرحوم ان کی تحریروں کے بڑے قدرداں تھے۔

مکتوب بنام ڈاکٹر محمد حسن صاحب پروفیسر شعبۂ اردو جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی

دریاباد

بسم اللہ

۱۴ر مئی ۱۹۵۶ء

کرم گستر!

تسلیم

آپ کا خط پاکر آپ کی ستم ظریفی کا قائل ہو گیا۔ تھیٹر کو فروغ دینے کی کوشش میں ترغیب

دلچسپی کی توقع محمد دنیانوسی ملا مدیر صدق سے!

عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب

کہیں میرے پیام کو اپنے کسی Comic کے اشتہار کا جزو بنانے کا تو ارادہ نہیں "زود پشیماں" بالکل نوعمری کی تصنیف ہے اور وہ بھی بڑی حد تک قلم برداشتہ۔ شیکسپیر کا نشہ اس وقت سوار تھا اور دو چار کتابیں فن پر الٹی سیدھی پڑھ ڈالی تھیں۔

اب اگر کتاب پر نظر ثانی کروں تو پچاس فیصدی بدل ڈالوں۔ ایسی کتاب کو آپ یاد ہی کیوں دلاتے ہیں جس کے ذکر ہی سے شرمندہ ہوا جاتا ہوں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ اس وقت جواہر لال یونیورسٹی دہلی شعبہ اردو میں لکچرر تھے۔ انھوں نے مرحوم کو لکھا تھا کہ ہم لوگ اردو تھیٹر قائم کرنا اور اسے حیدرآباد و بمبئی وغیرہ لے جانا چاہتے ہیں اس میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ آپ کے ڈرامہ "زود پشیماں" کو ہم پیش کر رہے ہیں۔ مکتوب بالا اس کا جواب ہے۔

(۲) یہ ڈرامہ مولانا مرحوم نے ۱۹۱۵ء میں تصنیف کیا تھا۔

نصرت موہانی صاحب، کراچی نے یوم حسرت پر پیام مانگا تھا جو حسب ذیل ہے۔

دریاباد

۱۴ مئی ۱۹۵۶ء بسم اللہ

یونانیوں اور بہت سی قدیم قوموں میں دستور رہا ہے کہ صفات انسانی کے اعلیٰ اور مثالی درجہ تکمیل کے لیے ایک ایک دیوتا تراش لیا تھا۔ مثلاً شجاعت کا دیوتا، حسن و جمال کا دیوتا وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے دین میں اگر یہ جائز ہوتا تو عجب نہیں، بے خوفی، لاطمعی اور سادگی کا دیوتا ہم حسرت موہانی کو قرار دیتے۔ ان اوصاف کے وہ مثالی پیکر تھے اور توکل علی اللہ سب پر

مستزاد۔ ان کے شعری، ادبی اور تنقیدی کمالات کا باب ان اوصاف ملکوتی کے علاوہ ہے ایسی ہستیاں اپنی صدی میں کہیں دو چار ہی ہوتی ہیں۔

والسّلام

عبدالماجد

خواجہ حسن ثانی صاحب نظامی نے اپنے والد اور اردو کے نامور صاحب انشاپرداز خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم پر "منادی" میں شائع کرنے کے لیے ایک مضمون مانگا تھا اس کے جواب میں یہ پیام بھیجا گیا ــــــ

دریاباد

۷ر جولائی ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

البیلا انشا پرداز

خواجہ صاحب کی بزرگی وزرگی کا حال تو کوئی بزرگ ہی بتا سکتا ہے۔ اپنا ایمان تو ان کی انشا پردازی پر ہے۔ صاحب قلم (یا انھیں کی زبان میں قلم کار) کی حیثیت سے فرد تھے۔ اور اس کی شہادت یہاں سے لے کر آخر تک میں دے سکتا ہوں کہ ان کا سا البیلا انشا پرداز نہ ان کے زمانے میں پیدا ہو سکا اور نہ آج تک پیدا ہوا ہے۔

وہ صحیح معنی میں انشا پرداز تھے۔ ساز سے زیادہ سوز کے مالک اور اس سے بڑھ کر تاریخ ادب پر کوئی ظلم نہیں کہ کتابوں پر کتابیں اور مقالوں پر مقالے نثر اردو کے ماہرین پر نثار کر دیے جائیں اور ان میں مرحوم کا نام بھی نہ آنے پائے۔

والسّلام

عبدالماجد

خواجہ صاحب مرحوم سے مولانا کے تعلقات ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۳ء میں بہت رہ چکے تھے

خواجہ صاحب نے مولانا کو ہفتوں اپنے ہاں ٹھہرایا۔ اس زمانے میں مولانا مرحوم کو درگاہوں سے بڑی عقیدت تھی۔ خاص طور سے حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ سے۔

مکتوب بنام امین سلونوی

سکریٹری انجمن فردوس ادب لکھنؤ بسلسلۂ یوم وزیر لکھنوی

دریاباد

۲۵ر جولائی ۱۹۵۶ء بسم اللہ

آپ لوگ بھی خوب ہیں کہ اس زمانے میں جبکہ ہر ہوا جو چلتی ہے اردو کے خلاف ہی چلتی ہے اور نہ کوئی بادشاہ کو پوچھتا ہے نہ وزیر کو ـــــ اردو ہی کے ایک شاعر وزیر نامی کو یاد منانے اور یادگار قائم کرنے کے لیے ڈھونڈھ نکالا ؎

ڈھونڈھ ہی لیتا ہے انسان خدا ایک نہ ایک

مبارکباد قبول کیجئے اور دعائیں لیجئے اس سے زیادہ یہ دعاگو اور کر ہی کیا سکتا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام ادیب شہیر خواجہ محمد شفیع دہلوی لاہور

دریاباد۔

۱۵ر اگست ۱۹۵۶ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

خوشی اس کی ہے کہ دریافت خیریت سے خود آپ کی خیریت دریافت ہو گئی مذکورہ

میری خیریت تھی اور مقدور آپ کی خیریت۔ فالحمد للہ ہندوستان آنے کا ارادہ کبھی نہیں ہوتا؟ آپ دلی کو کبھی تو آکر دیکھ جایئے ـــــ سہاگن نہ سہی بیوہ سہی

والسّلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم کی دریافت خیریت کا خط بھیجا تھا۔

مولوی مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی نے اپنے ہاں مولانا مرحوم کو لکھنؤ صبح چائے پر مدعو کیا اور اس میں مولانا علی میاں صاحب اور حیات اللہ انصاری ایڈیٹر قومی آواز کو بھی بلانے کی اجازت چاہی تھی مکتوب ذیل اس کا جواب ہے۔

دریاباد

۵ ستمبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السّلام

دوشنبہ کی صبح کا وقت تو شہید صاحب کے لئے بک ہو چکا تھا۔ ان کی منظوری سے، آسانی اپنے ہاں منتقل کرا سکتے ہیں۔ لانفرق بین احد منکم

مولانا علی میاں صاحب اور حیات اللہ انصاری کا اجتماع پر لطف رہا۔ دین و دنیا ایک ہی دسترخوان پر ـــ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ کی عملی تفسیر

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

مراد مولانا مرحوم کے پرانے اور بے تکلف دوست اور مکتوب الیہ کے چچا مولوی صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی ہیں۔

بنام جناب نواب جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی، لکھنؤ

دریاباد۔
۱۴ر ستمبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

انشاء اللہ ۱۷ر ستمبر (دوشنبہ) کی سہ پہر کو تقریباً ۵ بجے آدھ گھنٹے کے لیے حاضر خدمت ہوں گا۔ برسات کا موسم ہے ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر شدید بارش ہو جائے اور مجھے شرمندگی سے "پانی پانی" ہونا پڑے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

بنام نواب جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی، لکھنؤ

دریاباد۔
۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

اس روز یقین فرمایئے کہ آپ کی گفتگو سے بہت کچھ مستفید ہو کر آیا۔ پھر گفتگو کی لذت پر میز کی حلاوتیں مستزاد۔ دماغ اور معدہ دونوں اپنے اپنے حصہ سے بہرہ ور۔

یہ فرمایئے کہ اودھ پنچ[1] (اول) اور فسانۂ آزاد میں جو کثرت سے ترکیب یاران سرپل کی آتی ہے یہ اس میں سرپل کی ماہیت کیا ہے اور صحیح تلفظ کیا رکھا ہے۔ کسی لغت وغیرہ میں اس کا نظر سے گزرنا یاد نہیں پڑتا

والسلام دعاگو

عبدالماجد

[1] لکھنؤ کا مشہور ادبی مزاحیہ اور طنزیہ ہفتہ وار۔

بنام خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی، لاہور

دریاباد۔
۱۷ر نومبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

بات آج سے کوئی پچاس سال قبل کی ہے۔ میرا بچپن تھا۔ داغ مرحوم کا آخر زمانہ

تھا۔ ریاض الاخبار کا شباب تھا۔ داغ کی غزل شائع ہوئی۔ مطلع تھا ؎

دل سے رخصت ہونا یا دل کو جُدا کرنا
اس سوچ میں بیٹھا ہوں آخر مجھے کیا کرنا

ریاض نے اعتراض کیا کہ "کیا کرنا" نہ دلی کا محاورہ ہے نہ لکھنؤ کا۔ داغ نے بخ کے خط میں جواب دیا کہ "یہ میری زبان ہے۔ کیا اعتراض میری زبان پر بھی ہے"۔ ریاض نے بھی بخ کے خط میں جواب دیا کہ "آپ کی زبان پر میری مجال کیا ہے جو اعتراض کر سکوں، لیکن سوال یہی ہے کہ آپ کی زبان ہے بھی؟ اگر آپ کی زبان ہے تو اپنے ہزارہا اشعار میں سے کہیں اس کی سند دکھا دیجئے فوراً مان لوں گا۔ ہوا یہ ہے کہ دکھنیوں کے درمیان سالہا سال گھر سے رہنے سے آپ نادانستہ ان کا محاورہ باندھ گئے"۔ داغ اس پر لاجواب ہو گئے۔ تو یہی معاملہ آپ کے "داخلہ لینے" کے ساتھ ہے۔ اگر اسے آپ نے دلی والوں سے سنا ہے اور اسے صحیح سمجھتے ہیں تو یہ سند بالکل کافی ہے۔ باقی اسکول اور کالج کے لڑکوں کی اردو تو انگریزی اردو یا صاحبانہ اردو ہے۔

اردو جاننا اور چیز ہے اور اردو سے متعلق جاننا اور۔ آپ کے چاروں استادوں میں مجھے علم نہیں کہ اردو جاننے والے کوئی صاحب ہیں یا نہیں ہاں اردو سے متعلق بے شک بہت کچھ جانتے ہوں گے اور اپنے لکچروں میں لسانی معلومات کا انبار لگا دیتے ہوں گے جیسا کہ ہر فرنگی محقق کر سکتا ہے۔ یہ چیزیں بھی سیکھنے کی ہیں اور اسے استادوں سے ضرور سیکھئے لیکن نفس اردو کی بول چال کا جہاں تک تعلق ہے بس اپنے شہر کی جگہوں کو اپنی درسگاہ سمجھئے۔

"امراؤ جان ادا" میں اس مقام پر میں بھی ذرا کھٹکا تھا لیکن یہ سمجھ کر گزر گیا تھا کہ بازاری خاکیہ بہت ثقیل ہوتا ہوگا ایک پیسہ میں بہت سا ملا ہوگا اور ادھر امراؤ جان ادا کی نزاکت اور نفاست اتنے کی بھی روادار نہ ہوئی ہوگی۔

"خوگینہ" سے میں واقف نہیں۔ نور اللغات وغیرہ میں بھی درج نہیں۔ شاید کسی مخصوص و محدود طبقہ کی بولی ہوگی۔

لیجئے خط بڑا لمبا ہوگیا۔ تذکرہ[۴] کا تذکرہ اس لئے اس میں قصداً نہیں کرتا پھر کبھی۔ اور وہ کوئی خوشگوار موضوع میرے لیے ہے بھی نہیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے خط میں مولانا مرحوم سے اپنے ایم۔ اے (اردو) میں داخلہ کا ذکر کیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ میں نے ایم۔ اے میں داخلہ لیا ہے۔ مولانا مرحوم کو صحت زبان کا بے انتہا خیال رہتا تھا اسی لیے اس پر انھوں نے مکتوب الیہ کو ٹوکا۔

(۲) مراد مرزا محمد ہادی رسوا کا مشہور ناول جو ایک ڈیرہ دار طوائف کی سوانح حیات ہے

(۳) کتاب میں امراؤ جان کے خاگینہ خریدنے کا ذکر ہے

(۴) لاہور کا ماہنامہ جس میں خواجہ صاحب کے قلم سے مہاجرین کے مصائب و آلام کا ذکر ہوتا تھا اور پاکستانی ارباب حل وعقد پر سخت حملے ہوتے تھے۔ مولانا مرحوم کو خواجہ صاحب کا یہ طرز ادا پسند نہ تھا اور خواجہ صاحب کو کئی بار توجہ دلا چکے تھے۔ خود خواجہ صاحب پاکستانی حکومت کے اہلکاروں اور افسروں کے ہاتھوں مصیبتیں اٹھا چکے تھے۔ ان کے حلقوں میں ان کو ناپسند کیا جاتا تھا۔

خواجہ محمد شفیع دہلوی نے مثنوی میر حسن کے بعض اشعار کے معنی مولانا مرحوم سے دریافت کئے تھے زیر نظر مکتوب اسی سے متعلق ہے۔

دریا باد

۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء بسم اللہ

برادرم سلمہ اللہ تعالیٰ! وعلیکم السّلام

(۱) واچھڑے قدیم زبان میں کلمہ داد و تحسین یا کلمہ استعجاب تھا۔ کیا خوب کے معنی میں۔ میرے نسخہ میں دوسرا مصرع یوں ہے

کہیں ہوئی دی اور کہیں واچھڑے

(۲) "موترے" وہی موتھرے ہے گھوڑوں کے پیر کی بیماری۔ میرے نسخہ میں شعر کے الفاظ یوں ہیں۔

نہ ہڈوں کا نہ موترے کا خلل

نہ پسان اوپر ستارے کابل

(۳) میرے نسخہ میں یہ شعر یوں ہے۔

ہوئی دست بازو کی سرسائیاں اڑائی گئیں ہاتھ کی گھائیاں

"سرسائی" سرپر دار کرنے کو کہتے ہیں۔ اور گھائیاں اڑانا" پٹے بازوں کی اصطلاح میں میں کسی معین ضرب کا نام ہے۔

(۴) میرے نسخہ میں دوسرا مصرعہ یوں ہے۔

لوگ لچھمی کے لے پر ملو

معنی وہی ناچ کی ایک قسم کے معلوم ہوتے ہیں۔

(۵) "جریب تاپنا" منقول از نور اللغات جلد ۲ ص ۲۱۲

بادشاہی جلوس میں ہاتھی کے پیچھے ریشم کی ڈوری پڑی رہتی تھی فیل بان اس کو ہاتھ

میں لپیٹا جاتا تھا جب کوس پورا ہو جاتا دربان ایک چھڑی لے کر بادشاہ کو مجرا کرتا جس سے مراد ہوتی کہ سواری کو سس بھر آئی۔ ریشم کی اسی ڈوری کو جریب کہتے ہیں۔

(۶) جی ہاں "قدرہ" گوٹے کے معنی میں ہے۔

(۷) بڑھا کر لکھیے سات سے نو قلم اس کا مطلب مجھ پر بھی نہ واضح ہوا۔ لکھنؤ ہی میں ایک صاحب منشی شیخ ممتاز حسین جونپوری پرانے آدمی ہیں ادیب و منشی خوش نویسی کے ماہر ان سے لکھ کر دریافت کرتا ہوں۔

(۸) شلق عاملوں کی زبان میں ایک نقش کا نام ہے جس میں نو خانے ہوتے ہیں۔ کلام کا سیاق بھی یہی چاہتا ہے کہ بات عاملوں کی اصطلاح میں چل رہی ہے۔ اپنا بھی پرانی زبان کو سمجھنا اتنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جتنا کسی غیر زبان کا۔ آئندہ کبھی اس قسم کی خدمت لینا ہو تو صفحہ فصل وغیرہ کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ بڑا وقت مجھے اپنے نسخہ میں ان اشعار کے ڈھونڈھنے میں لگ گیا۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) شیخ صاحب نہ صرف خوشنویسی کے ماہر تھے بلکہ دوسرے اصناف کے بھی محقق تھے۔ لکھنؤ کی پرانی چیزوں سے سب سے زیادہ واقف اور مرزا محمد ہادی رسوا کے خاص دوستوں میں تھے۔

مکتوب بنام شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری حسین آباد لکھنؤ

دریاباد

۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

میر حسن کی مثنوی سحر البیان میں ایک شعر صفحہ ۳۲ پر ہے ؎

ہوا جب کہ نو خط وہ شبیریں رقم
بڑھا کر لکھے سات سے نو قلم

سیاق شہزادہ کی خوش نویسی کا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں، میں یہی سمجھا "سات سے نو قلم"۔ یقیناً خطاطی ہی کی کوئی اصطلاح ہوگی۔ آپ کچھ مدد فرما سکتے ہیں۔

مرزا رسوا صاحب کا کلام جتنا امراؤ جان ادا اور ذات شریف میں ملتا ہے وہ اگر یکجا ہو جاتا تو بہت کچھ تھا پھر آگے دیکھا جاتا۔

والسلام

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ نہ صرف اردو بلکہ ادبی چیزوں کے محقق تھے اور پرانے لکھنؤ اور لکھنویات پر سند کا درجہ رکھتے تھے۔

(۲) مرزا ہادی رسوا کی تصنیف۔

مکتوب بنام شوکت تھانوی، ریڈیو پاکستان لاہور

دریاباد

یکم مارچ ۱۹۵۷ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

فرمایئے آپ بدستور لاہور ریڈیو میں ہیں نا! ماشاء اللہ یہ مضمون ہے کہ

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

بہرحال اڑتی سی خبر کان میں پڑی ہے کہ آپ حال میں اڑکر جا فتحکام پہونچے تھے اور عنقریب

لندن کی پرواز کے لیے "پر تول" رہے ہیں، اللہ ری "بلند پروازیاں"،

والسلام دعاگو

عبدالماجد

بنام شوکت تھانوی لاہور

یہ مکتوب دراصل مارچ ۱۹۴۱ء کا ہے۔ پرانے کاغذوں کے انبار میں اس خط کی نقل مل گئی۔ مکتوب الیہ نے اس خط کے ذریعہ مولانا مرحوم سے ایک شاعر عبدالرؤف صاحب۔ رؤف امروہوی کے مجموعہ "گلرنگ" پر مقدمہ لکھوانا چاہا تھا۔ مکتوب ذیل اس کا جواب ہے۔

دریاباد

۲۲ مارچ ۱۹۴۱ء بسم اللہ

بندہ نواز! وعلیکم السلام

میں تو منتظر خود "منشی جی" کی آمد کا تھا بہ نفس نفیس اصالۃً بلا شرکت غیرے و آمنرسش۔

وہ آئے تو سہی لیکن اس سج دھج سے کہ کسی کا ہاتھ پکڑے ہوئے لا رہے ہیں اور کسی کے عصائے پیری بنے ہوئے ہیں!

یہ منشی جی وکیل کب سے ہو گئے۔ خود "مختار" تو ہمیشہ سے تھے یہ "مختاری" کا جبہ کب سے پہن لیا۔؟

"لغلغہ" سونگھ لیا "گلرنگ" کے "رنگ و بو" کی سیر کر لی۔ آپ کے شاعر صاحب تضمین کے کلام کا انتخاب خوب اور بہت خوب کرتے ہیں یہ دلیل ہے ان کی سخن سنجی، سخن گوئی کی۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) شوکت صاحب لکھنؤ ریڈیو سے منشی جی کے نام سے مزاحیہ فیچر نشر کرتے رہتے تھے۔

مکتوب بنام پنڈت آنند موہن زتشی گلزار دہلوی۔ مکتوب الیہ نے یوم اردو کے لیے پیام مانگا تھا۔ مکتوب ذیل اس کا جواب ہے۔

دریاباد

۱۴ر اپریل ۱۹۵۷ء

بسم اللہ

پیام یاس

یوم اُردو اور وہ بھی خوب دھوم دھام سے ایک نہیں بیسیوں منائے جایئے اور اپنے دل کو بہلاتے رہیے لیکن اس کی آس نہ لگایئے کہ اس سے کچھ ہونا ہوانا ہے یا آپ کی داد فریاد کی شنوائی بھی کہیں ہوگی۔ جو کچھ اپنے بس میں ہے اسے کیے جایئے اور اس کے آگے ع

کشتی خدا پر چھوڑ دے، لنگر کو توڑ دے

کوئی جان سکتا ہے کہ نسیم و سرشار و مولوی لال نہرو اور بیچ بہادر سپرو، چکبست اور منوہر لال زتشی کی زبان کو یو پی سے دیس نکالا مل جائے گا اور کیا جواہر لال اور کیا کیفی[۲] اور کیا کول[۳] سب منھ دیکھتے رہ جائیں گے۔

عبدالماجد

(۱) اردو کے ہونہار شاعر اور اردو تحریک کے زبردست حامی۔

(۲) پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی۔

(۳) کشن پرشاد کول ان کا قیام لکھنؤ میں رہتا تھا اور اردو کے زبردست شیدائیوں میں تھے اور ان کا شمار اردو کے ادیبوں میں تھا۔

مکتوب بنام حکیم بنیاد علی میرٹھی دارالشفاء مصطفائی میرٹھ

انہوں نے مولانا مرحوم کو اپنے دواخانہ کے شربت "روح پرور" کی دو بوتلیں بطور تحفہ بھیجی تھیں اس پر شکریہ کا مکتوب۔

دریاباد

۳۰ر اپریل ۱۹۵۷ء بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السّلام

شربت "روح پرور" واقعی اس موسم میں ایک تحفہ روح پرور ہے۔ اور پھر ایک نہیں دو دو بوتلیں ــــ اجر کو اضعافاً مضاعفاً کرنے والی۔ جنتان ذوا فنان و مدہامتان کی شان لیے ہوئے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کے انتخاب کلام پر مفتی رضا انصاری صاحب نے پیش لفظ کی فرمائش کی تھی اس کے جواب میں یہ مختصر مضمون بھیجا گیا۔

دریاباد

۳ر نومبر ۱۹۵۷ء بسم اللہ

کلام مجذوب کی معنویت کی داد تو کوئی سالک دے سکتا ہے۔ مجھ عامی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کلام پر لطف ہے اور بہت ہی پر لطف، اصل لطف تو شاعر سے اس کی زبان سے سننے میں تھا۔ لیکن مطبوعہ صورت بھی لطف و کیف سے خالی نہیں اور ہر شخص کا حصہ لطف بہ قدر اس کے ظرف کے۔

رضا انصاری سلمہ نے یہ خوب کیا کہ اس کا انتخاب لاجواب شائع کرا دیا اور ان کا مفصل

مقدمہ بھی اپنی دلکشی میں اصل کلام سے کچھ کم نہیں۔ مجذوب کی کرامت کہ اپنی محبوبیت یاد مجذوب میں منتقل کردی۔

اور پھر اس کی اشاعت عبدالباری اکیڈمی کی طرف سے! اس کے سلسلۂ مطبوعات کی بسم اللہ۔ ایک ہی وقت میں ادب اور معرفت دونوں کی خدمت۔ یہ اکیڈمی جس جواں مرگ فرنگی محلی بزرگ[۲] کی یاد میں ہے ناسپاس گزار دنیا اس کے بھی کمالات و فضائل کو بھول گئی۔ یہ ہستی وہی ہے جس کے متعلق اکبر الہ آبادی نے ۱۹۲۰ء میں کہا تھا ؎

کچھ کام کریں کچھ سعی کریں ہر شیخ کو عبدالباری کر

عبدالماجد

(۱) خواجہ صاحب مولانا تھانوی کے حلقہ بگوش تھے اور ساتھ ہی خوش گو شاعر بھی۔

(۲) مراد مشہور عالم دین مولانا عبدالباری فرنگی محلی جو تحریک خلافت و جمعیۃ العلماء کے بانیوں میں تھے۔

عبدالحفیظ صاحب دیسنہ نے سلیمان ہال (سلسلۂ یادگار حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم) کے لیے پیام مانگا تھا۔ مکتوب ذیل اس کا جواب ہے۔

دریاباد

۲۶ دسمبر ۱۹۵۶ء بسم اللہ

"سلیمان عصر" کی یادگار کے سلسلہ میں آپ لوگوں کا مجھ "مورضعیف" کو یاد کرنا محض آپ کی ذرہ نوازی۔

اور پھر ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے علم دوست و جوہر شناس گورنر کے ورود کے موقع پر میرا ان کے فرائض کی یاددہانی کرنا بلکہ اس کی طرف اشارہ بھی کرنا

سورج کو ہے چراغ دکھانا

یا لقمان کو حکمت سکھانا۔

جو پروردگار کارسازان کے قدم وہاں لے آیا ہے وہی ان کے قلب و زبان پر بھی حکمراں ہے۔ مجھے تو صرف دور سے دعاگوئی اور خوشخبری سننے کے لیے رہنے دیجئے۔

دعاگو

عبدالماجد

ڈاکٹر ذاکر حسین اس زمانے میں بہار کے گورنر تھے۔ یہ سید صاحب کے ارادت مند تھے اور ان کے تبحر علمی کے قائل۔

مکتوب بنام حاجی محمد مقتدا خاں صاحب شروانی علی گڑھ

موصوف نے مولانا کی خدمت میں ایک مضمون مولانا شبلی پر بھیجا تھا اور اس کے ساتھ ایک دلچسپ خط۔

دریا باد

۲۵ر فروری ۱۹۵۸ء بسم اللہ

حضرت والا! وعلیکم السلام

آپ ماشاءاللہ پیدائش کے وقت سے مقتدا ٹھہرے آپ کی ہر قرارت پر ہم مقتدیوں کو آمین کہنا واجب۔ خواہ بالجہر ہو یا بالسر

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام ڈاکٹر آفتاب احمد رَدولوی پروفیسر و صدر شعبۂ اردو ڈھاکہ یونیورسٹی

ان کی کتاب "گلہائے داغ" آئی تھی۔ کتاب کی زبان سے مولانا مرحوم بہت خوش ہوئے اس مکتوب میں اسی کا ذکر ہے۔

دریاباد

۲۳ مارچ ۱۹۵۸ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

"گلہائے داغ" کا پیکٹ کل دوپہر موصول ہوا۔ سرسری نظر اسی وقت کر گیا، دل خوش ہوگیا۔ مدت کے بعد اپنی زبان اور اپنے رنگ کی تحریر پر نظر پڑی ورنہ یونیورسٹی کے "دکانرہ" نے تو وہ زبان اور وہ طرز تنقید نکالی ہے کہ میرے پلے تو کچھ پڑتا نہیں۔

کتاب کی رسید فوراً لکھے بھیجتا ہوں۔ صدق میں ذکر کرنے کی نوبت البتہ مہینوں بعد آئے گی اس سے قبل گنجائش نکلنے کا کوئی امکان نہیں لیکن پبلشر کے اس جرم کو ہرگز نہیں معاف کر سکتا ہوں کہ ظالم نے فہرست مضامین قسم کی کوئی چیز ہی نہ رکھی۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

ڈاکٹر صاحب موصوف کی مولانا مرحوم سے قرابت بھی ہوتی ہے۔

مکتوب بنام رازق الخیری صاحب "ایڈیٹر عصمت" کراچی

انہوں نے "عصمت" کے جوبلی نمبر کے لئے مولانا سے مختصر مضمون مانگا تھا، پیام ذیل اسی بارے میں ہے ــــ

دریاباد — جوبلی نمبر پر

۱۷ر اپریل ۱۹۵۸ء — از عبدالماجد

ہوش کی آنکھیں جب سے کھلیں "عصمت" کی زیارت سے مشرف ہوتا رہا مدتوں آنکھوں نے نور اور دل نے سرور اس کے مطالعہ سے حاصل کیا۔ خدا جانے کتنی بہو بیٹیوں کی زندگیاں اس سے سنور گئیں۔ سنبھل گئیں۔ پچاس برس کی مدت کوئی معمولی مدت ہوتی ہے۔ پھر کتنی مدت کے علاوہ کس قیامت کی انقلابی، کس غضب کی حشر انگیز، ہندوستان اور پاکستان دونوں کیا سے کیا ہو گئے۔ خاتون مشرق کہاں سے کہاں پہنچی۔ اور دیکھئے ابھی کیا کیا اور دیکھنا باقی ہے! اکبر اور اقبال دونوں اپنا سر پیٹتے رہ گئے۔ اگر میں ہے آپ کی ہمت پر کہ آپ آج بھی پرانی صدا لگائے چلے جا رہے ہیں اور بیڑا اسی کا اٹھائے ہوئے ہیں کہ "چراغ خانہ" کو کسی حال میں "شمع انجمن" نہ بننے دیں گے۔ نقشہ

چراغ لے کر کہاں سامنے ہوا کے چلے

کا کھینچا ہوا۔

یہ سب اگر بانی "عصمت" حضرت راشد الخیری کے اخلاص کی کرامت اور فیض کا تصرف نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ آپ کے دم کو قائم رکھے اور آپ کے دم خم کو بھی بیتے رہیے اور اسی آن بان سے اسی قلندرانہ شان سے اپنے میدان جہاد میں جمے رہیے۔ ڈٹے رہیے۔

دعاگو

عبدالماجد

پیام جو رسالہ "اردو ادب" کے مولانا آزاد نمبر کے لئے بھیجا گیا۔

دریاباد

۱۸ر اپریل ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

پیام

اردو ادب نے مولانا آزاد کی یاد میں جو خصوصی نمبر شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے ہر طرح مبارک و قابل تحسین ہے۔ اس سے کم سے کم ایک ظلم کی تو کسی حد تک تلافی ہو جائے گی اس دس بیس برس کے اندر اردو ادب کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ آزاد تلمے ایک بڑے ادیب و انشا پرداز کی کوئی ہستی موجود ہی نہیں ہے! یہ کتنا بڑا ظلم ہوا ہے! یہ ظلم دو چار اور صاحبوں پر بھی ہوا ہے لیکن مظلوم اعظم آزاد ہی ہیں۔

مولانا کی دینی و سیاسی خدمات کا جائزہ تو دوسرے بھی لے سکتے ہیں۔ لیکن ان کی ادبی اور انشائی خدمات کا صراحت و تفصیل سے جائزہ لینا آپ کے رسالہ کا خاص موضوع ہونا چاہیئے۔ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ خود شرح و بسط سے لکھوں۔ کچھ نہ کچھ بہر حال صدق میں لکھ ہی چکا اور آپ کے علاوہ چار چار جگہوں سے اور فرمائشیں آئی ہوئی ہیں۔ آپ کے رسالہ نے اگر یہ کام کر دیا تو گویا سب کی طرف سے ایک ادبی فرض کفایہ ادا کر دیا اور تاریخ ادب کے دامن سے ایک بدنما دھبے کو دور کر دیا۔

مولانا کی انشا کے مختلف دور قائم کرنے لازمی ہیں، تین دور تو کھلے ہوئے ہیں اور شبلی اسکول سے ان کا تعلق واضح کرنا ضروری ہے۔ یہ ایک عجیب لطیفہ ہے کہ شبلی سے اتنا قریب اور متاثر ہو کر بھی مولانا دور اور غیر متاثر رہے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام مولوی حبیب ریحان خاں صاحب ندوی

دریاباد

۶ر جون ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

منزل و نشانِ منزل

منزل تک رسائی ہو یا نہ ہو یہ امتیاز کیا کچھ کم ہے کہ نشان منزل دکھلاتے رہنے کی خدمت مدت دراز سے آپ اپنے ذمہ لیے ہوئے ہیں۔

نشان منزل کے عام نمبر کیا کچھ کم ایسے ویسے ہوتے ہیں پھر اب کی تو آپ اس کا خاص اور خصوصی نمبر نکال رہے ہیں۔

اللہ ہم کو آپ کو سب کو راہ منزل سے گزارتا ہوا منزل مقصود تک جا پہنچائے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام سید علی عباس حسینی صاحب وزیر گنج لکھنؤ

دریاباد

۱۵ر مئی ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

طلسم اسرار تک رسائی مبارک لیکن حضرت یہ تنہا خوری کیا معنی؟ میں تو شاید آپ سے

بھی زیادہ بھوکا تھا۔ بہرحال ایک نظر تو مجھے دکھا ہی دیجئے۔

اپنے پاس زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ رکھوں گا۔ حبیب سلمہٗ ایک ہفتے آئیں گے اور دوسرے ہفتے واپس پہنچا دیں گے۔ جزاک اللہ

انگریزی تفسیر لکھنے میں چار پانچ سال لگ گئے اور پھر نظر ثانی وغیرہ میں دو ایک سال اور۔ ۱۹۳۳ء میں شروع کی تھی ۱۹۴۰ء کے شروع میں مسودہ ناشر صاحب کے ہاتھوں میں پہونچ گیا تھا۔ ان کی عنایت "کیجئے" (مینجنگ ایجنٹ کا نام شیخ عنایت اللہ ہے) یا میری قسمت کہ اتنی مدت میں اور پچاسوں تقاضوں کے بعد اب تک کل پہلی جلد نکل پائی ہے۔

سمجھا تھا جن کو پھول وہ نکلے شرار سنگ
شیشے میرے نصیب سے پتھر کے ہو گئے

اردو تفسیر اس کے بعد شروع کی تھی اس کا نصیبہ اس سے کچھ بہتر رہا اب تک چار جلدیں نکل چکی ہیں اور تین باقی ہیں۔

مرزا صاحب ضرور تیار کیجئے اور کرائیے ہر امکانی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ آپ کی فرمائش ہے بڑی ضروری اور اہم لیکن پورا وقت اور پوری محنت چاہتی ہے۔ ایک سن ایسا آجاتا ہے کہ جب خود کوئی نیا مستقل کام شروع کرنے کے بجائے طبیعت دوسروں کی مدد اور مشورہ دینے اور انھیں DIRECT کرنے پر زیادہ آمادہ رہتی ہے یہی صورت اس موضوع کے لیے ہے۔ کوئی اور صاحب ہمت کریں تو ان کے ساتھ شریک ہو جانے پر حاضر ہوں۔ ہاں خوب یاد آیا شرر مرحوم کی کتاب اس موضوع پر ضرور دیکھ ڈالیے کتاب کا نام بھی غالباً یہی ہے "تاریخ عرب قبل از اسلام" (یہ جواب پہلی ڈاک سے جا رہا ہے۔ ۱۲ کا عنایت نامہ ۱۴ کی شام کو ملا)

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ جوبلی کالج لکھنؤ میں استاد تھے۔ اردو کے مشہور و معروف انشا نویس صحت زبان کا بڑا اہتمام رکھتے تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں مولانا مرحوم کے کچھ دنوں شاگرد رہے تھے نہ صرف اس کا آخر دم تک لحاظ کرتے رہے بلکہ مولانا سے ارادت مندی کا خاص تعلق رکھا۔ اپنے خط میں مکتوب الیہ نے مرزا محمد ہادی رسوا کی ایک کتاب "طلسم اسرار" کے مل جانے کے بارے میں لکھا تھا۔ مولانا مرحوم کی انگریزی تفسیر کی پہلی جلد انھوں نے اسی زمانے میں پڑھی تھی اس کا بہت تعریف سے ذکر لکھا تھا اور آخر میں مولانا سے ایک کتاب تاریخ عرب قبل از اسلام کی تصنیف کے لیے اصرار سے لکھا تھا ان ہی باتوں کا جواب اس خط میں مولانا مرحوم نے فرمایا۔

(۲) مولانا مرحوم کے بھتیجے اور داماد جو اس وقت یوپی سکریٹیریٹ میں اسسٹنٹ تھے اور مکتوب الیہ کے جوبلی کالج میں شاگرد رہ چکے تھے اور اس زمانے میں تقریباً ہر ہفتے دریاباد جاتے رہتے تھے۔

(۳) تاج کمپنی کے مینجنگ ڈائرکٹر (۴) مشہور ناول نویس مرزا رسوا سے مولانا مرحوم کے گہرے تعلقات تھے اور مولانا مرحوم ان کی زبان اور فن ناول نویسی دونوں کے بڑے قائل تھے۔ (۵) فرمائش سے مراد تاریخ عرب قبل از اسلام پر کتاب لکھنے کی ہے (۶) اردو کے مشہور و معروف مورخ و مصنف مولوی عبدالحلیم شرر۔

مکتوب بنام ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب، پرو وائس چانسلر
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دریاباد
۸ اگست ۱۹۵۰ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

یوسف گم گشتہ باز آمد بہ کنعاں غم مخور

گم گشتہ نہ سہی علی گڑھ کے از دست رفتہ تو یہ یوسف بھی تھے۔ واپسی اور وہ بھی پروردگار کی چانسلری پر۔ اللہ ہر طرح مبارک کرے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) موصوف کی تقرری پر۔

مکتوب بنام شیخ قدیر الزماں صاحب، خاتون منزل لکھنؤ

مولانا کے بھانجے اور بھتیجے داماد۔

ایک پرانے اور گھر کے پروردہ ملازم تیغ علی جو مولانا کے بڑے بھائی مولوی عبدالمجید صاحب، ڈپٹی کلکٹر کے یہاں کھانا پکاتے تھے، کسی بات پر ناراض ہو کر گھر سے چلے گئے تھے۔ ان کو خاتون منزل میں رہنے والے ایک صاحب منشی دلیل اللہ صاحب جن سے ہم سب لوگوں کے عزیزانہ تعلقات تھے، سمجھا بجھا کر واپس لے آئے۔ اس بارے میں مولانا نے یہ خط لکھا۔

دریاباد

۹ر اگست ۱۹۵۶ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

اولیاء راہست قدرت از الٰہ

تیر جستہ را باز گرداند ز راہ

یہ "دلیل اللہ" بھی اس سفلی عالم میں عالم علوی کے اولیاء اللہ سے کچھ کم نہ نکلے "تیغ"

بے نیام کو خوب "نیام" میں کر کے لے آئے۔ انعام نہ سہی داد سے تو بہر حال انھیں مالا مال ہی کر دینا۔ ابھی ابھی یاد پڑا کہ ولیل اللہ کے والد کا نام ولی اللہ تھا۔ سبحان اللہ ایک ولی اللہ نام کے دوسرے کام کے۔ یوں بھی لڑکا ہوتا آخر کاہے کے لیے ہے۔ باپ کا نام روشن کرنے کے لیے۔ اس کے ادھورے کام پورا کرنے یا اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

فقط

عبدالماجد

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی، علی گڑھ

دریاباد

۱۶ دسمبر ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

معلی الالقاب! السلام علیکم

تحفہ لطیف ولذیذ کا کیا کہنا۔ صاحب "نان وحلوا" کہیں سن پائے تو منھ میں پانی بھر آئے سوجان سے للچائے۔

مثنوی[1] کی بلاغت ومعنویت۔ سبحان اللہ۔ لیکن عنوان ثانی ذرا عام فہم وسلیس بھی ہونا تھا مثلاً مثنوی شیر مال وقورمہ۔ مثنوی بریانی وزردہ وغیرہ اور سب سے بڑھ کر مثنوی اشتیاق آفریں برائے دل حزیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے کوئی مثنوی مولانا کی خدمت میں بھیجی تھی۔

مکتوب بنام چودھری مبارک علی خاں صاحب نلگنڈہ

دریاباد

۲۶ ستمبر ۱۹۵۸ء ۳۶ھ بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

میں تو سمجھا تھا کاغذ کے معاملے میں میں ہی شاید سب سے زیادہ بخیل اور بخل الناس ہوں لیکن آپ کے آگے کان پکڑتا ہوں۔ آپ تو کاغذی کفایت میں مجھ سے بھی کہیں بازی لے گئے! اتنی خوش نویسی کے باوجود اس قدر نکتیاں حمائی ہیں کہ ذرا بھی گنجائش کہیں بھی ایک لفظ بڑھانے یا بدلنے کی نہیں! ایک بالکل نئے قسم کے یاقوت رقم[۲]

خدا کے لیے امام مہتران کے لقب پر جھاڑو پھیر دیجئے۔ ہر جگہ مجھے کاٹنا پڑا ہے۔ اسی طرح وہ حاشیہ بھی جو شیخ کے حوالہ سے ان کی غلط قرآن خوانی سے متعلق ہے۔ اس قسم کی تمام تر شخصی تضحیک و تعریض ہمارے مولوی صاحبان ہی کو مبارک کرتے[۳]۔ میں بہت ان چیزوں سے بچتا ہوں۔

انگریزی الفاظ بلا ضرورت شدید نہ لائیے کتابت اور چھپائی میں مسخ ہو جاتے ہیں ہجری سنہ درج کرنا یا پتہ ہندی میں لکھنا یہ سب تصنیع وقت میں داخل ہے۔ اب کی ہر خط دو نمبروں کا ہے۔ گویا یہ چار خط آٹھ پرچوں کے لیے کافی ہوں گے۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخلصین میں تھے اور ایک زمانے میں شاید کے خط سلیم کے نام سے پرویز صاحب مدیر طلوع اسلام اہل قرآن کے غلط اور گمراہ عقیدوں کی تردید میں شائع ہوتے رہے۔ زیر نظر مکتوب میں اسی کا ذکر ہے۔

(۲) مکتوب الیہ بڑے ہی خوشخط تھے اور مولانا مرحوم کے سفرنامہ پاکستان کے مسودہ کو نہ صرف بہت خوش خط لکھا بلکہ اس پر بیل بوٹے بھی بنا دیئے۔
(۳) مولانا مرحوم ذاتی حملوں اور تعریض سے بہت بچتے تھے یہ مرحوم کا خاص مذاق تھا۔

اردو کے مشہور شاعر پنڈت آنند موہن گلزار زتشی دہلوی کی شادی کے موقع پر ایک کتاب شائع ہونے والی تھی اس کے لیے پیام بھیجنے کے لیے عزیز دارتی صاحب، مینجر ہمدرد دواخانہ نے لکھا تھا۔ پیام ذیل اسی سے متعلق ہے۔

دریاباد
۲۷ ستمبر ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

گلزار سلمہٗ اردو کی برات کے دولہا تو پہلے ہی سے تھے مبارک ہو کہ اب مجازی استعارہ کی دنیا میں نہیں عالم اجسام کی ٹھوس اور مادی دنیا میں بھی نوشہ بن رہے ہیں گلزار کے سہرے کے پھول کھلنے ان کے والدین، عزیزوں، مخلصوں بلکہ سارے اردو والوں کو مبارک ہو۔

ان کا گھر مشتم بدو دور شعر و ادب کا ایک کھلا ہوا چمن اور لہلہاتا ہوا لالہ زار ہے۔ ان کی ہستی اس کا ثبوت ہے کہ نسیمؔ اور سرشارؔ، چکبستؔ اور کیفیؔ کی قوم آج بھی اپنے بزرگوں کے ورثہ سے محروم نہیں۔

گوشہ نشین
عبدالماجد

(۱) پنڈت دیا شنکر نسیم (۲) پنڈت رتن ناتھ سرشار (۳) پنڈت برج نارائن چکبست (۴) پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی۔ یہ سب اردو کے ممتاز شاعروں اور نثر نگاروں

ہیں تھے۔

(۵) مراد کشمیری پنڈت جو تمام تر اردو کلچر اختیار کئے ہوئے تھے۔

مکتوب بنام نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی کشمیری محلہ لکھنؤ

دریاباد

۷ر اکتوبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

خدا کرے ہر طرح بخیریت ہوں۔

(۱) فسانۂ آزاد میں کئی جگہ محاورہ آیا ہے "حکم بس آیا داخل ہے" حکم بس آیا ہی چاہتا ہے کے محل پر "داخل" کا یہ استعمال مجھے نامانوس معلوم ہوا۔

(۲) شعر یا غزل لکھنے کے بجائے فعل کہنا تو برابر استعمال میں ہے لیکن اپنے لڑکپن میں مجھے یاد پڑتا ہے یہی فعل کہنا میں نے کتاب کی تصنیف کے لیے بھی سنا ہے۔ مثلاً یہ کتاب کس کی کہی ہوئی ہے۔

ان دونوں محاوروں سے متعلق براہ کرم اپنی تحقیق سے مستفید فرمائیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) اس مکتوب سے مولانا کے طالب علمانہ مذاق کا اندازہ ہوگا کہ کس طرح وہ برابر علمی تحقیق میں مصروف رہتے تھے۔

خط بنام پروفیسر عبدالوہاب صاحب بخاری مدراس بسلسلۂ تعارف عزیز الہیٰ صاحب حسن پوری جو اس زمانہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سفیر تھے۔

دریاباد

۲۳ر نومبر ۱۹۵۸ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

اس عریضہ کے حامل ماسٹر عزیز الہیٰ بی اے (علیگ) سفیر ندوہ کی حیثیت سے حاضر خدمت ہو رہے ہیں۔

علاوہ اپنی اس سرکاری حیثیت کے میرے مخلص خصوصی ہیں۔ نام کے "عزیز" ہیں لیکن مصر ندوہ کے "یوسف" سے کم نہیں۔ آپ کی نگاہ اعجاز ندوہ کی قدردانی کے لیے یقیناً کوئی "زلیخا" ڈھونڈھ نکالے گی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) عزیز الہیٰ صاحب مولانا کے بڑے مخلصوں میں تھے اور مولانا کو بھی ان سے گہرا تعلق تھا برابر خط و کتابت رہا کرتی تھی۔

پیام بنام حکیم عبدالاحد صاحب پرنسپل طبیہ کالج پٹنہ

بسلسلۂ یادگار دوبرسی حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم

دریاباد

۲۶ر جنوری ۱۹۵۹ء بسم اللہ

اجمل خاں کے ذکر جمیل سے اپنے کو تر زبان رکھنا خود اپنی خوش ذوقی

46214

اور احسان شناسی کا ثبوت دینا ہے اور اس کا اعلان کرنا ہے کہ آپ کا ادارہ حذاقت فن کا بھی قدرداں ہے اور شرافت نفس اور صحیح انسانیت کا بھی۔

مرحوم کا مونوگرام (MONOGRAM) کاغذات پر چھپا ہوا تھا۔ افضل الاشتغال خدمت الناس اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل پر کندہ تھا خدمت خلق میں دن رات لگے رہنا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اور یہی گویا ان کا ہمہ وقتی فریضہ۔

جلسہ یادگار کی صدارت کے لیے بھی انتخاب ڈاکٹر ذاکر حسین کا خوب رہا جمال شرافت سے اسی طرح آراستہ و پیراستہ۔

حکیم صاحب کی یادگار اگر اخلاص سے منانا ہے تو خصوصی توجہ ان تین چیزوں پر لازمی ہے (۱) ان کے مدرسہ طبیہ دہلی کی ہر طرح تعمیر و ترقی انھیں کی قائم کی ہوئی بنیادوں پر۔

(۲) ہندو مسلم اتحاد کا فروغ گاندھی جی کے قائم کئے ہوئے خطوط پر۔

(۳) جامعہ ملیہ اسلامیہ کی فلاح و ترقی اس کی قدیم خصوصیات کے ساتھ۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام ابن احمد صاحب، ناظم اعلیٰ حلقۂ ادب

معرفت حفیظ اللہ وکیل گورکھپور، انھوں نے اپنے رسالہ پرواز کے لیے پیام مانگا تھا ــــــ

دریاباد

۲۶ مارچ ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

پیام

اللہ آپ کے "پرواز" کو طاقت پرواز عطا فرمائے اور اس کا رخ ہمیشہ سیدھا رکھے!

زمانے کی ہوائیں جس رخ پر چل رہی ہیں اس کا مقابلہ آسان نہیں۔ اللہ آپ کی ہمت کے بازوؤں کو قوی رکھے اور ہر قسم کی "بادِ ہوائی" باتوں سے بچائے

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی

مکتوب الیہ نے یہ لکھا تھا کہ میں نے اپنے لڑکے کو جوتے کی دکان رکھوا دی ہے اور اس کا نام شوشو کمپنی رکھا ہے اور ایک نظم "کیلو" روشنائی کے متعلق بھیجی تھی جس کے ہر شعر کے آخر میں سیاہی، تباہی، ماہی وغیرہ تھا۔ مولانا نے صدق میں اپنی بدخطی کے متعلق لکھا تھا اس پر موصوف نے انھیں سوزن رقم لکھا تھا۔

دریاباد

۷ر اپریل ۱۹۵۹ء بسم اللہ

والامناقب! وعلیکم السّلام

"چمار" صاحب زادہ کے لیے یہ "شوشو" کا شوشہ آپ نے خوب چھوڑا۔ اور اس ضلع میں ایک بات نوک کی رکھ لی زمانے کے سر پہ ایک ٹھوکر جما دی۔ "داستان کیلو" کا کیا کہنا۔ پڑھنے والے کو چارہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ شروع سے آخر تک ہر شعر پر سر ہی دھنا کرتا رہے۔ رقیبوں، حریفوں کے چہرے پر خوب ہی سیاہی مل دی یا "کیلو" کی مناسبت سے یوں کہیے کہ ان کے تابوت میں کیل ٹھونک دی۔

اس بدخط کو سوزن رقم کا خطاب دے کر آپ نے ادھر تو یکسوئی حاصل کر لی ادھر معترض کا گلا ناپ دیا۔

دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام مولوی عبدالحق صاحب، بابائے اردو ایڈیٹر "اردو" کراچی

دریاباد

۸ر اپریل ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

"اردو" کا تازہ ڈبل نمبر کل موصول ہوا۔ دو ایک باتیں اس نمبر کے متعلق عرض کرنے کی ہیں ملاحظہ ہوں۔

(ا) صفحہ ۲۰۷ پر ذکر مرزا محمد ہادی رسوا لکھنوی کے منظوم ڈرامے "مرقع لیلیٰ و مجنوں" کا ہے اور لکھا ہے کہ ڈرامہ ۱۸۷۷ء میں الناظر پریس لکھنؤ میں طبع ہوا، ۷۰ صفحات میں۔

(الف) گزارش ہے کہ اول تو یہ تصنیف مرزا لکھنوی کی ہے نہ کہ "رسوا" کی مرزا صاحب اس وقت تک محض مرزا تھے اور شاعری میں یہی تخلص آخر دم تک رکھا۔ "رسوا" کا نقاب تو انھوں نے بہت بعد میں صرف ناول نگاری کے لیے اختیار کیا تھا۔ مرقع میں تخلص جہاں جہاں بھی آیا ہے مرزا ہی آیا ہے۔

(ب) سنہ طبع جو ۱۸۸۷ء درج کیا گیا ہے یقیناً صحیح ہوگا۔ پہلا ایڈیشن اسی سال نکلا ہوگا۔ لیکن الناظر پریس کا اس وقت کہیں وجود ہی نہ تھا۔ یہ تو کہیں اس کے ۲۰، ۲۲ سال بعد قائم ہوا ہے۔ میرے پاس جو نسخہ ہے وہ طبع ثانی ہے الناظر پریس کا چھپا ہوا لیکن اس پر سنہ کوئی درج نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ۱۹۱۱ء کا ہوگا اس کی ضخامت ۷۷ نہیں ۷۹ صفحہ ہے۔

(ج) کوئی ادیب مادر زاد ادیب نہیں ہوتا۔ پختگی تو آتے آتے ہی آتی ہے۔ یہ مرقع مرزا صاحب کی بالکل ابتدائی تصنیفوں میں ہے اسے اسی معیار سے دیکھنا چاہیے "امراؤ جان ادا" اس کے بہت بعد کی تصنیف ہے کم از کم بارہ سال بعد کی۔ اس وقت ان کا قلم خوب منجھ چکا تھا۔

(د) مرزا صاحب سے ۱۸۵۷ء میں اس کی توقع رکھنا کہ انہوں نے فن میں کوئی اصلاح بجدید یا ترمیم کی ہوگی غلط ہے۔ ان کے پیش نظر اصلاح فن نہ اس وقت رہی نہ اس کے بعد وہ صرف زبان کے رسیا تھے اور زبان کی صحت، سلاست، نفاست اور نزاکت کے معیار سے دیکھا جائے تو اس مرثیہ اور اس کے معاصر اردو ڈراموں کے درمیان نمایاں فرق نظر آتا ہے

(ہ) شوکت سبزواری کے دونوں مضمون اور تیسرا مضمون کلام اقبال کی زبان تینوں بہت خوب ہیں۔ ہر طرح قابل داد۔ البتہ ص۳۹۵ پر وسط میں امیر مینائی کے سلسلہ میں جو یہ فقرہ درج ہے کہ "ان کے کلام کا مجموعہ "صنم خانہ عشق" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ یہ فقرہ اگر یوں ہوتا تو صحیح تر ہو جاتا کہ ان کے عاشقانہ کلام کا دوسرا مجموعہ "صنم خانہ عشق" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

والسلام

دعاگو عبدالماجد

(۱) مراد ڈرامہ "مرقع لیلیٰ و مجنوں" مصنفہ مرزا محمد ہادی

مکتوب بنام جناب ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی ردولوی صدر شعبہ ڈھاکہ یونیورسٹی

دریاباد

۱۸ر اپریل ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہ! السلام علیکم

"صہبائے مینائی" کل موصول ہوئی۔ انشاء اللہ اسے وقت نکال کر پڑھوں گا اور ضرور پڑھوں گا، لیکن "آفتاب" کی یہ شاید پہلی اشاعت ہے جو "گلہائے داغ" کے بعد اس

"ذرہ" کے نصیب میں آئی۔ "شبلی" کی زیارت کو تو آج تک آنکھیں ترستی ہیں۔
"لسان العصر" کا اشتہار دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) ڈاکٹر صاحب موصوف اب کراچی یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اردو ہیں۔
(۲) مکتوب الیہ کی کتاب مولانا شبلی پر۔

مکتوب بنام احمد جمال پاشا، سب ایڈیٹر قومی آواز، لکھنؤ

مکتوب الیہ نے حسب ذیل سوالات کئے تھے ان کے جوابات مکتوب ذیل میں ہیں ــــــ

دریاباد

۲۶ر اپریل ۱۹۵۹ء بسم اللہ

سوال	جواب
(۱) آپ کے خیال میں انشائیہ کی وہ کیا خصوصیات ہیں جو اسے تمام ادبی مضامین سے الگ کرتی ہیں؟	(۱) انشائیہ کی امتیازی خصوصیت حسن انشا یہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ انشائیہ وہ ہے جس میں بجائے مغز اور مضمون کے اصل توجہ حسن اور مہارت پر ہو۔
(۲) سرسید، شبلی، آزاد، حالی میں کسے آپ انشائیہ نگار کی حیثیت سے زیادہ پسند کرتے ہیں؟	(۲) ان چاروں میں انشائیہ نگار صرف آزاد تھے۔ باقی تینوں اپنی اپنی جگہ اچھے لکھنے والے

اور ماہر فن ادیب تھے لیکن انشا پردازی ان میں سے کسی کی مقصود اصل نہ تھی۔

(۳) مہدی افادی کی انشائیہ نگاری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے

(۳) وقت اور ماحول و معیار کے لحاظ سے اچھے انشا پرداز تھے۔ عمر کم پائی۔ کچھ اور زندہ رہ جاتے تو کہیں بہتر نکلتے

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام صدر مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس کرم جاہی روڈ، حیدرآباد دکن

دریاباد

۸ رجون ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام

اردو کانفرنس میں تقریریں تو بہت ہو چکیں۔ اپنی کانفرنس میں سب سے زیادہ زور عملی پہلو پر رکھئے۔ اردو کا سکہ کہیں نہ کہیں چلا کر رکھئے۔ مثلاً یہ کہ اسکولوں اور کالجوں میں اردو چل جائے جیسے کہ پہلے چلی ہوئی تھی۔ یا ریل کے ٹکٹ پر، ڈاک کے ٹکٹ پر، بینکوں پر۔ کرنسی نوٹوں پر، دفتروں کچہریوں کی تختیوں پر اردو حروف از سر نو نظر آنے لگیں۔

کانفرنس کی اصل کامیابی کا معیار انھیں عملی پہلوؤں کو رکھئے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب صدر انجمن ترقی اردو کراچی،

دریاباد

۲۲ جون ۱۹۵۹ء بسم اللہ

حضرت والا! السلام علیکم

تازہ "اردو" پیش نظر ہے۔ مقالہ فاضلانہ "مقدمہ جدید اردو لغت" کا کیا کہنا۔ مقالہ نگار کی شان علم و مرتبہ تحقیق کے مطابق۔

اجازت ہو تو دو ایک معروضات اپنی بساط کے مطابق پیش کروں۔

(۱) نفائس اللغات ہی کے طرز پر ایک اور لغت لکھنؤ میں تصنیف ہوا تھا۔ امجد علی شاہ کے زمانہ میں نام "النفس النفائس" مصنف میر حسن لکھنوی سال تصنیف و طبع ۱۲۶۳ھ ہجری ضخامت ۲۲۰ صفحہ مطبوعہ میر حسن رضوی ہر صفحہ دو کالمی۔ ہر کالم میں تین خانے۔ پہلا ہندی بہ معنی اردو لفظ کے، دوسرا فارسی اور تیسرا عربی کا۔

(۲) جلال لکھنوی کی سرمایہ زبان اردو ۱۳۰۱ھ ہجری۔ سید احمد دہلوی کی لغات النساء ۱۹۱۷ء خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کی لغات اردو چار جلدوں میں ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۳ء اور خود انجمن ترقی اردو کی شائع کی ہوئی فرہنگ اصطلاحات پیشہ وران قابل ذکر و قابل توجہ کتابیں ہیں۔

(۳) انجمن ہی کی شائع کی ہوئی قدیم فرہنگ مصطلحات اور جدید اصلاحات جغرافیہ و فرہنگ اصطلاحات علم ہیئت سب ہی اہل لغت کے لیے ایک قیمتی مصدر و ماخذ کا کام دے سکتی ہیں۔

(۴) نیر لکھنوی کی بازاری زبان و اصطلاحات پیشہ وران ۴۰ صفحہ مطبوعہ کانپور ۱۹۳۰ء

بھی اہل لغت کے لیے کارآمد ہے اور اسی طرح میر کی محاورات ہندی بھی۔

(۵) مہذب اللغات بجائے خود اچھی کتاب ہے، البتہ اس کی دو باتیں بڑی تکلیف دہ ہیں ایک ہندی کی بھرمار اور دوسرے اس کا مناظرانہ و لفوقانہ لب ولہجہ۔

خدا آپ کی عمر وصحت میں برکت دے، آپ کی نگرانی میں کتاب، انشاء اللہ قابل دید ہوگی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد رسالہ "اردو" کراچی ہے۔

مکتوب بنام مولانا جمال الدین عبدالوہاب صاحب فرنگی محلی ثم پاکستانی

موصوف نے مولانا مرحوم کو بہت نفیس کھدر کا کرتا، پاجامہ بھیجا تھا جو ان کو راجہ صاحب محمود آباد مشہور مسلم لیگی لیڈر نے دیا تھا اس کے شکریہ میں ذیل کا خط لکھا۔

دریاباد

۲۵ر جولائی ۱۹۵۹ء بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

وہ خرقہ کل جمعہ کے وقت پہنا ــــ ماشاء اللہ وسبحان اللہ

اتنا بیش بہا اتنا لطیف اتنا نفیس کہ جسم معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ملبوس ہے بھی!

حلۂ بہشتی کا نمونہ ــــ جمال کا کمال!

اخلاص کا قائل پہلے ہی سے تھا کرامت کا معتقد اب ہونا پڑا! جزاک اللہ وبارک اللہ

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا موصوف اس زمانہ میں تقریباً ہر سال پاکستان سے لکھنؤ آیا کرتے تھے مولانا مرحوم کو جب ان کی لکھنؤ آمد کی اطلاع ہوتی تھی تو دریاباد سے خاص طور سے ملنے آتے تھے اور جمال میاں صاحب بھی خاص اخلاص وعقیدت سے ملا کرتے تھے اور بعد میں جمال میاں کی آمد دونوں ممالک کی خرابی تعلقات کی وجہ سے تقریباً بند ہوگئی۔

مکتوب بنام ایڈیٹر "ہماری زبان" علی گڑھ

دریاباد

۲۷ر جولائی ۱۹۵۹ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

"ہماری زبان" ۲۲ر جولائی ۱۹۵۹ء پیش نظر ہے۔ کتاب کا سرورق حسب ذیل ہے ضلع جگت ۱۳۲۳ھ مصنفہ عالی جناب معلی القاب راجہ رایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے سی آئی ایس یمین السلطنت پیش کار وزیر اعظم دولت آصفیہ المتخلص بہ شاد۔ تلمذ حضرت آصف خلد اللہ وملکہ وسلطنتہ در مطبع اختر دکن طبع شد۔

۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء/۱۹۰۶ء کے پڑتا ہے۔ حجم ۱۸×۲۲ سائز پر ۵۳ صفحہ دو کالمی ہے۔ مہاراجہ شاد اس فن کے مانے ہوئے استاد تھے۔ اصلاً جلیل جانشین امیر کی تصنیف ہے لفظ "جگت" پر مرزا شوق لکھنوی کا ایک شعر رسالہ کے دیباچہ سے آپ کے صفحات میں نقل ہو چکا ہے۔ دوسرا شعر بھی ان ہی شوق لکھنوی کا سن لیجئے۔

میرے پیچھے اس طرح نہ پڑیئے اور جا کر کہیں جگت لڑیئے

رسالہ کے خاتمہ پر اپنے نسخہ میں چند فقرے اس خاکسار نے بھی اضافہ کر دیئے ہیں مثلاً تیر وکمان کے ضلع میں "میری خطا نہیں۔ کتیرا پلاڈ۔ سوامی رام تیرتھ بڑے شخص تھے۔ عبارت قوسین میں لکھئے۔ دردزہ میں تکلیف ہوتی ہے۔ نان خطائی کھایئے وغیرہ۔

میرے نسخہ پر بہ کثرت حاشیے ایک باکمال لکھنوی نے قلم اور پنسل سے لکھ دیئے ہیں لکھنؤ میں اب بھی دو ایک اس فن کے استاد موجود ہیں۔

ہمارے بزرگوں میں مولانا سید سلیمان ندوی باوجود اپنی ساری فقاہت و متانت کے اس فن میں طاق تھے اور نام لینا اگر بالکل ہی بے ادبی میں داخل نہ ہو تو اب کیا عرض کروں کہ ہمارے اور ان کے شیخ طریقت مولانا تھانوی بھی مناسبت لفظی کے بادشاہ تھے۔

والسلام

عبد الماجد

(۱) یہ مختصر مضمون مہاراجہ کشن پرشاد کے رسالہ فن جگت کے تعارف کے سلسلہ میں ہے۔

مکتوب بنام حمید نظامی صاحب ایڈیٹر "نوائے وقت" لاہور

دریابادـ

۷ جنوری ۱۹۶۰ء بسم اللہ

برادرم! السلام ورحمۃ اللہ

اس خط کے حامل ماسٹر عزیز الٰہی بی اے جنہیں ہم لوگ اپنی صحبتوں میں یاد الٰہی کے نام سے یاد کرتے ہیں میرے مخلص خصوصی ہیں اور اس وقت سفیر زندہ کی حیثیت سے لاہور میں مقیم ہیں۔

ان کے خط سے معلوم ہوا کہ وہاں کا مورچہ آپ ہی کی معاونت و توجہ سے سر ہو سکتا ہے مجھے ذاتی طور پر اس سے بڑی غیرت آتی ہے کہ لکھنؤ لاہور کے آگے دست احتیاج پھیلائے لیکن ارباب ندوہ اخوت دینی کے نشہ میں سرشار جغرافیائی و سیاسی منافرت کے قائل نہیں

خیر خدا کرے اس تعارف نامہ کے بعد سفارت ندوہ میں کامیاب لوٹے اور نوائے وقت" "نوائے ملت ثابت ہو۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام صدق جائسی رائے بریلی

دریاباد

۱۳ر جنوری ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

تازہ قسط ساقی[1] میں پڑھ کر۔

"طلاق" لکھنؤ کی عام زبان میں تو (جیسا آپ نے لکھا) مونث ہی ہے لیکن مرزا محمد ہادی رسوا فرماتے تھے کہ میری زبان پر تو مذکر ہے اور سند میں اس ضرب المثل کو پیش کرتے تھے کہ جمعہ کا نکاح اور ہفتہ کا طلاق۔ نور اللغات میں ایک شعر بھی دبیر کا خلاف جمہور درج کیا ہے۔ دوسرا مصرعہ ہے۔

دنیا کو طلاق اپنے بزرگوں نے دیا ہے

ناظم[2] رامپوری کی وہ مشہور غزل عجب نہیں کہ غالب کی ہو۔ تخیل و زبان دونوں پر رنگِ غالب ہی غالب ہے۔ مولانا شبلی فرماتے تھے کہ کلام ناظم کا خاصہ غالب ہی کا کہا ہوا ہے تضمین بھی غزل ہی کی ٹکر ہے۔

والسلام

عبدالماجد

---

[1] مراد وہ قسطیں ہیں جو پرنس معظم جاہ جونیئر پرنس حیدرآباد کے درباری حالات کے بارے میں ساقی، کراچی میں شائع ہو رہی تھیں اور جنھیں مولانا مرحوم بڑی دلچسپی سے پڑھتے

تھے ان ہی قسطوں کو "دربار دُربار" کے نام سے حصّہ اول کی صورت میں لکھنؤ سے پروفیسر مسعود حسن رضوی صاحب نے شائع کیا اور دوسرا حصّہ پاکستان سے شائع ہوا۔

ع۲ مراد نواب صاحب یوسف علی خاں والیٔ رام پور۔

بنام شاہد احمد سب ایڈیٹر ماہ نامہ ساقی کراچی ع۱

دریاباد

۱۶ر جولائی ۱۹۵۶ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

یہ کیا غضب ہوا کہ وہ نشریہ آپ ہی تک نہ پہونچا! کوئی سنتا نہ سنتا ایک آپ ہی تو سن لیتے۔ داغ نے تو آرزو کی تھی۔

میری فریاد دوسرا نہ سنے
تم سنو اے بتو خدا نہ سنے

(اور دوسرے مصرع کی گستاخی اللہ معاف کرے) یہاں اس کے بالکل الٹا ہوا چھاپنے میں وہ بات آدھی بھی نہیں رہ سکتی۔ اس کا تعلق سُننے سے تھا پڑھنے سے نہیں، میں ٹاک سنانے کے لئے تیار کرتا ہوں بہ طور مقالہ یا مضمون پڑھنے کے لیے نہیں

خیر اب تو جو ہونا تھا ہو چکا سوچ رہا ہوں کہ صاف کروا کے یہاں ع۲ وہاں ع۳ کے کسی رسالہ کے حوالہ کر دوں۔

اتفاق سے تازہ ساقی ابھی ابھی ملا۔ ہر مضمون اور ہر رسالہ پڑھنے کی ہمت کہاں سے لا سکتا ہوں لیکن ساقی ان چند رسالوں میں سے جس پر ایک نظر ضرور ڈال لیتا ہوں۔ گستاخی معاف ہو تو اپنے سن کی بڑائی سے فائدہ اٹھا کر کچھ عرض کر دینا چاہتا ہوں

(۱) فسانہ آزاد پر مضمون بحیثیت مجموعی بہت اچھا ہے قابل داد ہے لیکن احکام کے

بجائے "یہ" احکامات" کیا؟ اور محل مدح پر خامہ فرسائی کیسی؟ اس طرح "کو" کا استعمال ایسے فقروں میں کہ دل کو بہلایا۔ ایڈیٹر کو ذہنی مروت زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔

(۲) جوشؔ اپنے فن کے اُستاد سہی اور زبان کے ماہر لیکن لغزش استادوں اور ماہروں سے بھی ہوجاتی ہے پہلی رباعی کے پہلے مصرع میں "گویا" کا محل استعمال سمجھ میں نہ آیا۔

(۳) صفحہ ۳۱ کے متعدد مصرعے میری فہم سے بالاتر نکلے اور پھر مصرعہ ثانی میں تو ایک کھلا ہوا کرشمہ ایڈیٹری مروت کا ہے۔ کسی شعر میں کوئی بات قابل داد نہ معلوم ہوئی۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) ڈپٹی نذیر احمد کی مشہور و معروف تصنیف توبۃ النصوح پر مولانا مرحوم کی ۴ر جولائی ۱۹۵۶ء کو لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے ٹاک نشر ہوئی تھی اس کو سننے کے لیے مولانا مرحوم نے مکتوب الیہ کو جو ڈپٹی صاحب کے پوتے تھے لکھا تھا ان کا جواب آیا کہ افسوس ہے کہ ان کے سیٹ پر لکھنؤ اسٹیشن صاف نہیں آیا جس کی وجہ سے وہ تقریر نہ سن سکے۔

(۲) مولانا مرحوم کی غیرت ایمانی اور حشیت الٰہی کا نمونہ (۳) مولانا کے نشریوں یا ٹاک کی امتیازی خصوصیت تھی کہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ بے تکلف بات چیت کر رہے ہیں نہ کہ ٹس قسم کا مقالہ پڑھ رہے ہیں (۴) یہاں سے مراد ہندوستان (۵) وہاں سے مراد پاکستان (۶) مولانا کو صحت زبان کا بہت خیال رہتا تھا یہ گرفت اسی نقطۂ نظر سے ہے (۷) مراد جوشؔ ملیح آبادی۔

مکتوب بنام خلیل الرحمٰن اعظمی

لکچرر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی، بسم اللہ محل علی گڑھ

دریاباد

۲۵ر مارچ ۱۹۵۷ء بسم اللہ

"بسم اللہ محل" سے خط "بسم اللہ کے گنبد" میں پہونچا۔

یہ تبصرہ دفتر سے ناشر کے نام اسی وقت روانہ کر دیا جانا ہے، اب اس وقت دفتر لکھے بھیجتا ہوں کہ ایک تراشہ آپ کو بھی بھیج دیا جائے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ اس وقت شعبہ اردو میں لکچرر تھے بعد میں ریڈر ہو گئے تھے ان کا انتقال یکم جون ۱۹۷۸ء کو ہوا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ میری کتاب پر "صدق" کے جس پرچے میں تبصرہ نکلے بھجوا دیا جائے۔

بنام احمد جمال پاشا صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ لکھنؤ

مکتوب الیہ نے اودھ پنچ کے لیے پیام مانگا تھا۔

دریاباد

۱۴ر اگست ۱۹۵۹ء بسم اللہ

پیام

آپ کا پرچہ اگر تصوف کی تبلیغ کرنے والا ہوتا تو بس مثنوی کے دفتر سوم کا پہلا شعر اس کے لئے کافی تھا۔

اے ضیاالحق حسام الدین بہار دفتر سولہ کہ نیست شد سہ بار

لیکن آپ کی راہ دوسری ہے۔ اس لیے اس شعر کا کوئی محل نہیں۔

اودھ پنچ نے اپنے دور اول میں زبان و ادب کی بڑی خدمت کی ہے اس کا اعتراف و احترام ہم سب پر واجب ہے اور اس کی پیروی ہم سب کے لیے قابل فخر۔ لیکن دور اول و دوم کی خدمتوں کے ساتھ بدقسمتی سے اس کی بدخدمتی کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ سرسید حالی، شرر اور اقبال کی اندھا دھند مخالفت کو کوئی کیسے بھلا دے۔

خدا کرے آپ کانٹوں سے بچ کر پھول ہی پھول کھلاتے رہیں۔ اور اردو کو گل و گلزار بنا کر دم لیں۔

عبدالماجد

مکتوب بنام جناب غلام رسول مہر[1] صاحب ماڈل ٹاؤن لاہور

دریاباد

۱۰ ستمبر ۱۹۵۹ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

"نقش آزاد"[2] کے بتصرے اور تذکرے فلاں اور فلاں پرچے میں دیکھ کر صدق کی زبان سے ع

ہم سے پردہ رہا غیروں سے ملاقات رہی

والسلام، دعاگو، دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مشہور صحافی و ادیب، مولانا مرحوم کے خصوصی عقیدت مند۔

(۲) مہر صاحب کی تصنیف۔

مکتوب بنام ایم، اے فاطمی صاحب

صدر اردو فارسی سوسائٹی لکھنؤ یونیورسٹی

مکتوب الیہ نے ایک پیام سوسائٹی کے لیے مانگا تھا۔

دریاباد

۲۲ ستمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

پیام

اردو کی خدمت تو ہر دور میں واجب تھی اب واجب تر ہو گئی ہے اور پھر لکھنؤ کے طلبہ کے لیے تو یہ فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔

ضرور کام کیجیے اور پورے عزم کے ساتھ ٹھوس خدمات کی طرف متوجہ ہو جائیے محض کاغذی کارروائیوں سے کام نہ چلے گا۔

نوائے طلبا کا صحیح املا نوائے طلبہ ہے۔

اسکولوں اور کالجوں میں اردو طلبہ کا داخلہ اگر اپنا مقصد عمل بنا لیجیے تو ایک بڑا کام ہو جائے میں خود بھی کیننگ کالج[1] کا گریجویٹ ہوں اس زمانہ میں اردو داخل نصاب تھی۔

والسلام

عبدالماجد

---

[1] ۱۹۲۳ء میں اسی کالج کو لکھنؤ یونیورسٹی کے نام سے یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔

مکتوب بنام جوشؔ ملیح آبادی

بذریعہ مولوی عبدالحق صاحب انجمن ترقی اردو، کراچی

دریاباد
۲۰ ستمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

کیا بتاؤں کتنی مسرت "قومی زبان" میں ترک بادہ نوشی[1] کی خبر پڑھ کر ہوئی مخلصانہ مبارکباد صدق دل سے پیش ہے۔

ایسی شئے جو مزیل عقل ہو ہرگز کسی صاحب فہم و ادراک کے شایان شان نہیں ہے اب دوسری خوشخبری سننے کے لیے بھی مشتاق و منتظر ہی نہیں دعاگو ہوں۔ آپ کی شرافت پر مجھے ہمیشہ اعتماد رہا ہے اور میرا وجدان یقین کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ جس قلم سے وہ زبردست ولولہ انگیز و وجد آفریں نعت[2] نکل چکی ہے۔

ناممکن ہے کہ وہ اپنے مالک و مولیٰ کے حضور میں منکر و مکذب، باغی و طاغی کی حیثیت سے حاضری دے۔

وہ سعدی، حافظ، جامی، خسرو، ڈاکٹر اقبال و حسرت ہی کی صف میں محشور ہوگا۔

پتہ معلوم نہ تھا خدا کرے اس پتے سے پہونچ جائے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

[1] یہ خبر افسوس ہے کہ غلط نکلی۔

[2] جوشؔ صاحب نے دور الحاد سے پہلے ایک زبردست نعت کہی تھی۔ اور مولانا مرحوم کو سنائی تھی۔

مکتوب بنام شورش کاشمیری ایڈیٹر چٹان میکلوڈ روڈ لاہور

شورش صاحب نے رئیس احمد جعفری[1] کی تازہ کتاب آزادی ہند پر اس کے خلاف تبصرہ لکھا تھا اس میں مولانا مرحوم کا بھی ذکر کیا تھا یہ خط اسی کے متعلق ہے۔

دریاباد

۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۹ء بسم اللہ

کیوں حضت یہ کیا می نماید کجا می زند کی مشق اپنے اس نیازمند پر۔ میں تو "آزادی ہند" کی شکل تک دیکھنے کا گنہ گار نہیں پھر گرم گرم بحث کی لپیٹ میں میرا ذکر خیر کیسا میں اس کا نہ محل سمجھ سکا نہ محمل۔

بای ذنب قتلت

ظاہر ہے کہ چٹان ۱۲ر ستمبر ۵۹ء کے وسط کا ہے۔

منیجر صدق حکیم عبدالقوی سلمہٗ ابھی کھڑی سواری لاہور گئے تھے آپ کے ہاں بھی حاضر ہوئے تھے اتفاق سے آپ موجود نہ ملے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

[1] جعفری صاحب مشہور صحافی مولانا مرحوم کے مخصوص ارادت مندوں اور مخلصوں میں سے تھے۔ خالص مسلم لیگی اور پاکستانی نقطہ نگاہ سے مولانا آزاد مرحوم کی مشہور و معروف انگریزی کتاب INDIA WINS FREEDOM کی تردید میں ایک کتاب "آزادی ہند" کے نام سے لکھی۔

مکتوب بنام خفائی صاحب بذریعہ ایڈیٹر ہماری زبان علی گڑھ

دریاباد

۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

آپ "خفائی" ہوں یا شدت ظہور سے "ظہوری" بہرحال اردو پر لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ مدت کے بعد اردو کے حق میں اتنا گہرا، پرمغز اور حقیقت پسندانہ مضمون دیکھنے میں آیا اور قلم بے ساختہ داد دینے پر مجبور ہو گیا۔

آپ شاگرد "رشید" جس کسی کے بھی ہوں ہیں ماشاء اللہ اپنے فن میں استاد ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام محمد ثانی حسنی صاحب ایڈیٹر ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ

انہوں نے "رضوان" کے "خاتون" نمبر کے لیے پیام مانگا تھا۔

دریاباد

۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیزم! علیکم السلام

آپ کے "رضوان" کا کیا کہنا۔ کاغذ کے صفحات پر روضہ رضوان کا نقشہ، بیویوں، بچیوں کو رضوا تا من اللہ کی بشارت پہونچانے والا۔

اتنے ناموافق حالات ایسے نامساعد حال میں دین توحید اور اسلامی معیشت و معاشرت کی نمائندگی کرتے رہنا آپ ہی کی ہمت کا حصہ ہے۔ ورنہ جو احساس صحیح رکھتے ہیں انھیں

بھی دم مارنے کا یارا اور زبان کھولنے کا حوصلہ کہاں اور خود یہ احساس ہی کتنوں کو ہے سب کے سب آپ ہی دجالیت کے سیلاب عظیم میں بہتے چلے جا رہے ہیں۔ خیر انجام جو کچھ بھی ہو بس اپنا کام کئے چلے جائیے۔

من طریق سعی می آدم بجالیس للانسان الا ما سعیٰ

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام سید ہاشمی فرید آبادی

سکریٹری عبدالحق جوبلی کمیٹی کراچی

مکتوب الیہ نے بابائے اردو جوبلی کے لیے پیام مانگا تھا۔

دریاباد

۱۵ر دسمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

پیام

بابائے اردو کی خدمات زبان و ادب پر کچھ لکھنا لکھانا ؎

سورج کو چراغ ہے دکھانا

جو چیز خود ہی آفتاب کی طرح روشن ہو اس پر کوئی روشنی کہاں سے لاکر ڈالے گا۔ یہ عظیم الشان تناور درخت جس کا نام انجمن ترقی اردو ہے اور جس کی شاخیں ہندوستان و پاکستان دونوں مملکتوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ خوب یاد ہے کہ ایک زمانہ میں کچھ بھی نہ تھا اور یہ سارا فیض ایک ہی ذات کی ان تھک آبیاری کا ہے۔ یہ انجمن ابتداً محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے صرف ایک شعبہ کی حیثیت سے شعبہ علمیہ کا نام رکھتی تھی۔ غالباً ۱۹۰۳ء میں قائم ہوا تھا پھر ۱۹۱۱ء میں مولوی عزیز مرزا مرحوم کی وفات سے بالکل مردہ ہو گیا تھا ۱۹۱۲ء میں

صاحب زادہ آفتاب احمد خاں مرحوم کی مردم شناس نگاہ نے اس کا سکتر مولوی عبدالحق صاحب کو منتخب کیا اور اسی گھڑی سے قالب بے جان میں جان پڑ گئی بلکہ قالب تک نیا ہو گیا۔ موصوف حیدر آباد، اورنگ آباد، دہلی جہاں کہیں بھی رہے ہوں بس وہی اردو تحریک کا مرکز بن گیا اور اب قیام کراچی کے وقت سے جو کچھ کر رہے ہیں سب پر روشن اور آشکارا ہے۔ انجمن کو ایک مستقل قائم بالذات خود مختار ادارہ کس کی مسیحا نفسی نے بنایا۔ سیاسی، علمی، یا لسانی ہر محاذ پر یہی اردو کے لئے لڑائیاں لڑے اور شدید مخالف قوتوں کے باوجود میدان پر میدان مار لیے۔

بس ایک دھن ہے خدمت اردو کی جو ان کی زندگی کی رگ رگ میں بسی ہوئی ان کے عقیدے میں عبادت کا درجہ حاصل کئے ہوئے ہے۔

اللہ ان کی عمر میں برکت زیادہ سے زیادہ عطا فرمائے اور ان کی ہمت کو جو جوانوں کو شرمائے ہوئے ہے ہمیشہ جوان ہی رکھے! ان کی سرگرمیاں قابل رشک ہیں اور ان کی بلند ہمتی قابل صد تقلید و ہزار آفریں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام سید مصباح الدین صاحب لکھنؤ

انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی میں مولانا مرحوم کو بلایا تھا اس کا جواب ذیل جواب گیا۔

دریاباد

۲۹ دسمبر ۱۹۵۹ء بسم اللہ

کریم گسترا! السلام علیکم

"نورنظر" کی رخصتی خدا کرے "مصباح" کی نظر میں نور مزید پیدا کرے

اور فرض کی انجام دہی والدین کے دل میں سرور اور آنکھوں میں نور کا باعث ہو۔
اللھم الف بینھما کی دعا یہیں سے پڑھے دیتا ہوں۔

دعا گو

عبدالماجد

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب روزنامہ رہنمائے دکن حیدرآباد (دکن)

دریاباد

یکم فروری ۱۹۶۰ء بسم اللہ

جناب من! السلام علیکم

آپ کے روزنامے میں حال میں ایک صاحب نے لکھا ہے کہ بہن کو ہمشیرہ کہنا از روے لغت غلط ہے۔ لیکن فارسی میں خود ایک قاعدہ آخر میں ہائے زائدہ بڑھا دینے کا ہے جس کی ایک مثال "ہمخوابہ" اسے موید الفضلا اور غیاث وغیرہ نے درج کیا ہے اسی پر قیاس ہمشیرہ کا کیا جائے اسے اردو اہل لغت نے بے تکلف استعمال کیا ہے۔

ہمشیر۔ ہمشیرہ = بہن (لغات سعیدی صـ۱۱۳)

ہمشیرہ (ف) مؤنث = خواہر۔ بہن (نور اللغات جلد صـ۹۹۸)

فرہنگ آصفیہ کی جلد ۴ اس وقت سامنے نہیں ہے لیکن جلد اول صـ۲۴۴ پر جہاں لفظ "بہن" درج ہے۔ وہاں اس کے آگے دیا ہے "ماجائی"۔ ہمشیرہ" اسی طرح اس کی جلد ۲ صـ۲۱۵ میں خواہر کا ایک مترادف ہمشیرہ بھی دیا ہے۔ فارسی لغت بہار عجم میں ایک مستقل لفظ ہمشیرہ انگو کر دیا ہے اور سند میں ایک شعر بھی لکھا ہے صـ۲۹۶

والسلام۔

عبدالماجد

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب صداقت، حیدرآباد

انہوں نے اپنے پرچہ کے لیے پیام مانگا تھا جو حسب ذیل ہے۔

دریاباد

۵ر فروری ۱۹۶۰ء بسم اللہ

جناب من! وعلیکم السّلام

"صداقت" کو جو مناسبت "صدق" سے ہے اس کے بعد صداقت کی داد صدق کے لیے تو کہنا چاہیئے کہ خودستائی کے مترادف ہے۔

لیکن اس اتحاد و اشتراک لفظی سے قطع نظر معنوی اعتبار سے بھی مذہبی رنگ کا روزنامہ نکالنا اس دور میں ایک مجاہدہ سے کم نہیں چہ جائیکہ جب وہ صحافتی خصوصیات و لوازم میں اپنے کسی معاصر سے پیچھے نہ ہو۔ تسلیم باتوں کی ایک بات یہ کہ وہ ابتک فلمی اشتہارات کی لعنت سے بچا ہوا ہے۔ اللہ اسے ہر طرح ترقی نصیب کرے۔

والسّلام۔ دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام ڈاکٹر انعام احسن صاحب آئی کلینک، آرام باغ روڈ کراچی

دریاباد

۱۸ر فروری ۱۹۶۰ء بسم اللہ

ماہرہ کا خط یوں بھی مردم خیز ہے۔ احسن مرحوم اس عموم میں ایک مرتبۂ خصوصی رکھتے تھے۔

داغ کے شاگرد رشید ہی نہیں زبان میں ان کے ہم زبان، غزل گوئی کے میدان میں فرد آدب کے صاحب نظر استاد۔

ان کا یہ مقطع کبھی کا کان میں پڑا ہوا بھلانے سے بھی نہیں بھولتا ۔

اپنی تصویر کی تقدیر پہ کیوں رشک نہ آئے
وہ منگائی گئی احسن کو بلایا نہ گیا

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی، علی گڑھ

دریاباد

۲۴ فروری سنہ ۱۹۶۰ء بسم اللہ

مخدوم و مقتدا! وعلیکم السّلام

آپ کے اشہب قلم نے ضلع کے سبزہ زار میں ماشاء اللہ وہ جولانیاں دکھائی ہیں وہ وہ کلیلیں بھری ہیں وہ وہ کاوے کاٹے ہیں، وہ وہ طرارے بھرے ہیں کہ میری ہمت تو تقلید کی بن نہیں پڑتی۔ اس میدان کے غازی مرد تو آپ ہی ٹھہرے۔ میرا ابلق خامہ اگر داد کی سخن زوری کا حوصلہ کرے تو پہلے ہی قدم پر ٹھوکر کھائے۔ داغ پر داغ اٹھائے۔ ایک ہی گردنی میں درست ہو جائے نعل در آتش ہو کر زبان بند کرتا ہوں۔ قافیہ تنگ ہے۔ زینہار آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہیں کرتا۔ اللہ آپ کا کارساز ہے۔

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام مولوی حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی

بسم اللہ

دریاباد۔

۱۱ر اپریل سنہ ۱۹۶۰ء کرم گستر! السلام علیکم

نظم نے مولوی نذیر احمد مرحوم کی یاد تازہ کردی۔ وہی رنگت وہی ڈھنگ وہی ساز وہی آہنگ، تیسرے شعر کے پہلے مصرعہ میں ٹیک کے معًا بعد "لینا" کیا خوب ایک نئی صنعت "ضلع ذولسانین"

والسّلام

عبدالماجد

(۱) اردو کے صاحب طرز انشا پرداز ادیب شہیر شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (۲) TAKE

مکتوب بنام ایڈیٹر صداقت، حیدرآباد

مکتوب الیہ نے اپنے اخبار کے بابائے اردو نمبر کے لیے مضمون مانگا تھا جو حسب ذیل ہے۔

دریاباد

۶ر مئی سنہ ۱۹۶۰ء بسم اللہ

بابائے اردو

ہمارے مخدوم ومکرم مرزا محمد ہادی مرزا لکھنوی (رسوا نہیں مرزا، رسوا تو انہوں نے بدنامی سے بچنے کے لیے ایک نقاب ناول نویسی کے لیے تیار کرلیا تھا ورنہ شاعری کی دنیا میں محض مرزا تھے) شعر بڑے مزے کے کہتے تھے ان کی ایک غزل کا شعر ہے ؎

ہو کوئی حوروں پہ فدا کوئی بتوں پہ شہید
ڈھونڈھ ہی لیتا ہے انسان خدا ایک نہ ایک

سو ہمارے بزرگ بابائے اردو نے اپنا خدا اردو ڈھونڈھ نکالا ہے۔ وہی ان کا مرجع، وہی ان کا ملجا، وہی ان کا مقصود، وہی ان کا مسجود، وہی ان کی عبادت وہی ان کی ریاضت وہی ان کا معبد، وہی ان کا مصلیٰ۔ نہ سوی نہ بچے۔ ساری خانگی الفتوں دلچسپیوں کا وہی ایک مرکز و محور۔ ۱۹۱۲ء سے جب انجمن ترقی اردو اس کس مپرسی میں پڑی ہوئی ان کے حوالے ہوئی ہے یہی دیکھئے کیسی نکھر گئی ہے۔

اورنگ آباد ہو کہ حیدر آباد، دہلی ہو کہ کراچی۔ جہاں کہیں بھی رہے سوتے جاگتے یہی ایک دھن ان پر سوار۔ جوان سے ادھیڑ ہوئے اور ادھیڑ سے بوڑھے اسی ایک عشق میں۔ عجب نہیں کہ جب کبھی گنگناتے ہیں تو اپنے اسی محبوب کو مخاطب کر کے۔

اے تو افلاطون دجالینوس ما

دولت لٹائی تو اسی کی خاطر دست گدائی پھیلایا تو اسی کے لیے۔ آج اس سے لڑے کل اس سے ملے۔ سب اسی پر جفا و پر وفا کے لیے۔ اتنے مجاہدے دین و مذہب کی خاطر کرتے تو عجب کیا کہ جنیدؒ و بایزیدؒ کی صف میں شمار ہوتے۔

آندھیاں اٹھیں اور گزر گئیں۔ انقلاب آئے اور ختم ہو گئے، وہ بدستور اسی بساط اردو سے چمٹے ہوئے۔

ان کے کارناموں کو گنانا، ان کی تفصیل لکھنا دوسروں کا کام ہے۔ یہاں تو داد محض ان کی استقامت بلکہ کرامت کی دینا ہے۔ جس کسی نے انھیں بابائے اردو کہا بہت خوب کہا۔ کچھ خیال ایسا پڑتا ہے سب سے پہلے شاید میرؔ نیرنگ مرحوم کی زبان سے نکلا تھا یا شاید اس کے موجد خواجہ حسن نظامی ہوں۔

اللہ ان کی عمر و توانائی میں زیادہ سے زیادہ برکت دے اور خدمت اردو

کے لیے ان کی جسمانی اور دماغی قوتوں کو سدا جوان رکھے۔

عبدالماجد

ع۱ انبالہ کے مشہور مسلم لیڈر اور وکیل میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم جو تبلیغ اسلام کے لیے خاص طور سے ساعی رہتے تھے۔

مکتوب بنام مولانا صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی لکھنؤ

دریاباد

۱۸ر جولائی ۱۹۶۰ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

ضلع کے اس پورے ملیح آباد کا جواب میرے قلم کی دست رس سے باہر ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

ع۱ مولانا شہید نے اپنے خط میں آموں کا ذکر خالص لکھنوی زبان میں رعایت لفظی کی مناسبتوں کے ساتھ کیا تھا۔

مکتوب بنام ظفر الحسن صاحب نشاط، نشاط فارسی سوناتھ بھنجن اعظم گڈھ

مکتوب الیہ نے بعض الفاظ کے بارے میں پوچھا تھا۔ مکتوب ذیل اسی کا جواب ہے

دریاباد

۲ر ستمبر ۱۹۶۰ء بسم اللہ

وعلیکم السلام

"شریف زادہ" شریف کی اولاد کے معنی میں صحیح ہے۔ مجازاً "شریف لڑکا" پر بھی اطلاق ہو سکتا ہے۔ (۲) "تقریب" خوشی کا موقع اور بلکا جشن کو شامل ہے۔ (۳) "بلاشرط خدمت" نوکری کی پابندی کے معنی میں صحیح ہے۔ وظیفہ (باصطلاح حیدرآباد) میں پنشن کے معنی لیے جا سکتے ہیں۔ "تعمیر شدہ" صحیح ہے۔ "تعمیر کردہ" بھی ترکیب اضافی میں صحیح ہو سکتا ہے۔ مثلاً تعمیر کردۂ فلاں۔

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام ڈاکٹر رام کرشن راؤ، گورنر اتر پردیش

دریاباد

۱۲ ستمبر ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

والا مناقب!

غالب اگرچہ فرما گئے ہیں ؎

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے
یار کا دروازہ یا دیں گر کھلا

لیکن بزرگوں سے یہ بھی سننے میں آیا ہے ؎

بلبل زادب پانہ نہد در صف گلزار
تا بہ گل بہ طلب گاری اولب نکشاید

میرے حقیقی بھائی پنشنر ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ میں رہتے ہیں۔ گورنمنٹ ہاؤس کی کسی تازہ پارٹی میں باریابی ان کی بھی ہوئی تھی۔ اس ہفتہ دریاباد آئے تو محترم میزبان کے لطف و کرم کے گن گاتے ہوئے انھیں کی زبانی معلوم ہوا کہ اس موقع پر یاد فرمائی اس گمنام گوشہ نشین

کی بھی ہوئی تھی ۔ آگے حد ادب

نیازکیش

عبدالماجد

مکتوب بنام ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی ایم اے، پی ایچ ڈی

صدر شعبۂ اردو ڈھاکہ یونیورسٹی

دریاباد ـــــ

۱۰ر نومبر ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

عزیز مکرم! وعلیکم السلام

"مہر نیمروز"، نومبر نمبر اس ذرہ بے مقدار کی نظر سے بھی گزرا۔ پورا پڑھنے کی فرصت کہاں پھر بھی ایک نظر "ایک شعر" پر تو کر ہی گیا۔ خوب خوب گاؤ زوریاں، موافقت و مخالفت دونوں میں دیکھیں۔ ناگاہ نگاہ صـ۲۱ کے وسط پر پہونچ کر رک گئی گویا من و عن اپنی تحریر سامنے تھی۔ وہی تشبیب وہی گریز!

نظر جم گئی ایک ایک لفظ رک رک کر پڑھا۔ عقل نے لاحول پڑھی کہ بھلا یہ بھی کوئی پہلو داد و تحسین کا ہے۔

دل اندر ہی اندر کھل گیا کہ بری یا بھلی اپنی چیز اپنی ہی ہوتی ہے۔ اور اپنی چیز سے خوش کون نہیں ہوتا ـــــ

دعاگو

عبدالماجد

مکتوبِ ناظم صاحب انجمن اردو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

دریاباد ـــــ

۲۹ر دسمبر ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

پیام

اکبر کی عزت کرنا خود اپنی عزت بڑھانا ہے ع مادح خورشید مداح خود است

دل خوش ہوا کہ آپ نے اکبر شناسی کا ثبوت دے کر اپنے عرفان نفس کے بھی مدارج طے کر لیے۔ اکبر کا پیام صحیح، لطیف، ذوق ادب کے ساتھ اسلام اور اسلامیت کے پیام کے سوا کچھ نہیں۔ مآل سخن و حاصل کلام کے لحاظ سے اکبر و اقبال بالکل ہم زبان ہیں گو راستے دونوں کے الگ الگ ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) یوم اکبر کے لیے پیام بھیجا گیا تھا۔

پیام بنام ایڈیٹر صاحب مسیحا بمبئی

دریاباد ـــــ

۶ر جنوری ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

آپ کا مسیحا اپنے اوپر حق شاید صرف طبیبوں اور تندرستوں کا نہیں بلکہ ناتواں اور مریضوں کا بھی سمجھتا ہے جب ہی تو اس نے یوم جمہوریت کے موقع پر ایک زار اور ناتوں کو بھی یاد فرمالیا۔

جمہوریت کی جد و جہد میں ایک بڑا حصہ طبیب اعظم اجمل خاں کا تو تھا ہی باقی چھوٹے

بڑے اور بہت سے طبیب بھی اس کے لشکریوں میں رہے ہیں۔

مسیحا کا ایک کام قتل دجالا بھی ہے۔ خدا کرے "جمہوریت" فی الواقع "جمہوریت" بن جائے اور جتنے دجالان وقت اس راہ میں حائل ہوئے ہیں سب کا قلع قمع کر دے۔

والسلام

عبدالماجد

پیام بنام انوار ظہوری صاحب، ایڈیٹر ماہ نامہ نیاراہی

۱۱۶ بہادر شاہ مارکٹ کراچی۔

دریاباد ——

۲۱ر جنوری ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

پیام

"سلیمان نمبر" کے لیے سلیمان کے شایان شان یہ "مورضعیف" "پروبال" کہاں سے لائے۔ مرحوم سے اس نیازمند کے تعلقات ۴۰، ۴۵ برس تک رہے، گہرے بے تکلفانہ، عزیزانہ، طالب علمی سے لے کر سن کہولت تک، عمر کے ہر دور میں، شروع شروع میں ایک مدت تک حریفانہ۔ معارضانہ، اخلاص نے ساتھ ہر دور میں دیا۔

اتنے طویل تجربے اور ساتھ میں ایسا شریف، ایسا متین، ایسا سنجیدہ کمتر ہی کوئی نظر آیا۔ صحیح معنی میں طالب علم ساری عمر رہے۔ علم کے پتلے کتاب کے کیڑے۔ علم و تحقیق کا ذوق، ہر دوسرے ذوق پر غالب۔ سیرت نبوی سے عشق ساری عمر رہا اور آخر عمر میں فنافی الشیخ ہو کر رہ گئے تھے۔ ایک پیکر تواضع و خشوع علمی معاملات میں اپنے چھوٹے سے بھی اپنے کو چھوٹا سمجھنے والے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام جوشؔ صاحب ملیح آبادی، ملیح آباد لکھنؤ

دریاباد

۱۱ر فروری ۱۹۶۱ء بسم اللہ

حضرت جوشؔ سراپا ہوش

درود لکھنؤ کی خبر اور وہاں کی بزم آرائی لکھنؤ کے اخباروں سے معلوم ہوئی۔

ہم سے پردہ رہا غیروں سے ملاقات رہی

اگر یہ معلوم ہوتا کہ ابھی قیام لکھنؤ میں رہے گا تو ضرور ملاقات کے لیے وقت نکال کر سفر اختیار کرتا۔ یہ بھی علم نہیں کہ لکھنؤ میں قیام ہے کہاں۔

اندازے سے یہ کارڈ بھیج رہا ہوں۔

سعدی کا مصرعہ اگر ذہن سے نکل گیا ہو تو تازہ کر لیجیے۔

قدیمان خود را بیفزائے بے قدر

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام خورشید احمد صاحب، ایڈیٹر مشعل راہ کراچی

دریاباد

۲۷ر اگست ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم سلمہٗ تعالیٰ! وعلیکم السلام

"چراغ" کا بدل "مشعل" آپ کو خوب ہاتھ آگیا۔ بدل کیوں "نعم البدل" کہیے اور آپ خود ٹھہرے مطلع انوار پھر "خورشید" ع۔

ع ایں خانہ تمام آفتاب است

مشعل کی روشنی تو ابھی یہاں پہونچی نہیں صرف آپ کے خط سے اطلاع پاکر یہ ایک لفظی "پھلجھڑی" تیار ہوگئی۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام پروفیسر مسعود حسن رضوی دین دیال روڈ لکھنؤ

دریاباد بسم اللہ

۸ ستمبر ۱۹۶۲ء محترم! السلام علیکم

خدا خدا کرکے اس طوفان کا زور گھٹا۔

اے سبحان اللہ۔ یہ "طوفان" کی مناسبت سے "گھٹا" کیا خوب! دیکھیے اس داد پر مجھ غریب پر نہ برس پڑیے گا۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مصنفہ صدق جائسی بہ حالات پرنس معظم جاہ حیدرآباد۔

مکتوب بنام خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی ٹمپل روڈ لاہور

دریاباد

۱۶ر اپریل ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

یہ لطیفہ بلکہ المیہ سنیے کہ آپ ۳۱ر مارچ کو دہلی میں موجود اور میں جاکر پھر محروم دید واپس آیا ــــ سکندر کو بھی آب حیات تک پہونچ کر مایوس ہی واپس ہونا پڑا۔

مجھے خیال بھی نہ تھا آپ دہلی میں موجود ہوں گے آپ کا نام تو واپس آکر اخبارات میں بسلسلۂ مشاعرہ پڑھا۔

میرا ابھی دہلی جانا برسوں کے بعد ہوا تھا ایک ہی دن ٹھہر کر چلا آیا۔ دہلی کے تاثرات خواجہ دہلوی کے قلم سے پڑھنے کے قابل ہوں گے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

۱؎ آخر مارچ ۱۹۶۱ء میں دہلی میں انڈو پاک کلچرل کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس کے روح رواں ڈاکٹر تاراچند تھے انھیں کی دعوت پر مولانا مرحوم دہلی تشریف لے گئے تھے اور خواجہ صاحب جن سے مولانا مرحوم کے مخلصانہ تعلقات تھے اس کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے مکتوب میں اسی سفر کا ذکر ہے اور ملاقات نہ ہونے پر افسوس ہے۔

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ

دریاباد ــــــ

۲۰ مئی ۱۹۶۱ء بسم اللہ

جناب من! تسلیم

گنڈا اور غنڈہ کی بحث اگرچہ آپ کے ہاں ختم ہو چکی ہے لیکن اگر مناسب سمجھئے تو کسی موقع پر یہ اطلاع بھی اپنے ناظرین کے سامنے لے آیئے کہ ابھی لاہور میں اردو کا ایک تازہ اور مستند لغت ایک لکھنوی، اور ایک نیم لکھنوی اور ایک دہلوی تین صاحبوں کا مرتب کیا ہوا اور ڈبل کالم ۱۰۳۸ صفحہ کی ضخامت کا جدید نسیم اللغات اردو کے نام سے نکلا ہے اس کے ص ۸۰۳ پر کالم دوم میں نہ صرف گنڈا بہ معنی لچا، بدمعاش، بدچلن درج ہے بلکہ گنڈی بھی بہ معنی آوارہ عورت۔

اس کے ساتھ صدق کے ایک معتبر مراسلہ نگار نے ۱۹۱۱ء کی چھپی ہوئی کسی اردو انگریزی ڈکشنری کا حوالہ لکھ کر بھیجا ہے جس میں گنڈا ہی درج ہے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ

دریاباد ــــــ

۱۵ اگست ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

"بازار حسن" تو خدا کے لیے اپنے کالموں سے فوراً ہٹوایئے، چکلہ، قحبہ خانہ، بازار

عصمت فروشی یا بازار بدسلوکی بھی آپ کے ہاں برابر چل رہا ہے۔ "دست درازی" "بدفعلی" "حرام کاری" "منہ کالا کرنا" سب کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ اب مجھے کمیٹی کے سامنے شہادت کے لیے نہ بلوایئے گا۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) "قومی آوازیں" زنان بازاری یا طوائفوں کے اڈوں کے لیے بازار حسن کے لفظ کا استعمال کیا جاتا تھا مولانا نے اس غلطی پر ٹوکا ہے۔ اسی طرح دوسرے جملے میں بعض دوسری غلطیوں کے متعلق بھی ایڈیٹر صاحب کو ٹوکا تھا اس سے پہلے بھی اسی طرح توجہ دلا چکے تھے۔

(۲) اشارہ ہے اس سرکاری کمیٹی کی طرف جو اجاریہ کریلا نی کی صدارت میں مسٹر سی۔ بی گپتا چیف منسٹر یوپی نے اتر پردیش میں اردو کا جائز لینے کے لیے مقرر کی تھی۔ مولانا مرحوم کو بھی اس کا ممبر مقرر کر دیا گیا تھا لیکن پھر اپنی مشغولیتوں کے باعث اور اس قسم کے کاموں سے طبعاً عدم مناسبت کی وجہ سے موصوف کمیٹی سے مستعفی ہو چکے تھے۔

مکتوب بنام نادم سیتاپوری

دریابیاد

۱۳ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

پیام

جگر اپنی غزل گوئی میں تو فرد تھے ہی۔ شخصیت بھی محبوب و دل آویز رکھتے تھے۔

اور یہ ادا تو ان کی کبھی بھولنے والی نہیں کہ سالہا سال کا زمانہ رندی میں گزرا اور بدمست اس مدت میں ایک بار بھی نہ ہوئے۔ شرافت کے حدود بہرحال قائم رکھے اور اسی

وصف نے انھیں بہت بڑا انسان بنا دیا۔

اردو والوں پر فرض ہے کہ ان کی یاد کے ساتھ اپنی محبت اور عقیدت کا تعلق زیادہ سے زیادہ قائم رکھیں۔

والسّلام

عبدالماجد

بنام جوش صاحب ملیح آبادی، ترقی اردو بورڈ شاہراہ قائدِ اعظم کراچی

دریاباد

۳۱ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

والا نامہ ملا ساتھ ہی نمونہ لغت اردو بھی پہنچا انشاء اللہ جلد ہی پڑھ کر کچھ نہ کچھ عرض کروں گا۔ بعض پاکستانی تنقیدیں پڑھ کر ایسا معلوم ہوا ہے کہ جیسے نقادوں کا زاویہ نظر۔

قصور ڈھونڈھ کے پیدا کیے جفا کے لیے

کا ہے خوردبین سے دیکھئے تو حسین سے حسین چہرہ بھی داغ دار نظر آسکتا ہے علالت کے ذکر سے تشویش خاطر ہوئی۔ لیکن نثر میں "خدا کرے" اور نظم میں "معبود" تو بڑی ہی امید افزا علامتیں ہیں۔

دنیا سے اٹھنا تو سب ہی کا برحق ہے لیکن دعا ہے کہ جوش کا بلاوا جب ادھر سے آئے وہ کسی "صباگسار" "ستراد ارنار" کا نہیں بلکہ رومی، خسرو اور اقبال کی صف میں شامل ہونے اور کسی کے ذکر جمیل میں رطب اللسان رہنے والے کا ہو اور اس دعا کے مقبول ہونے سے مایوس ہرگز نہیں۔

والسّلام
عبدالماجد

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں شروانی ادارہ علم وادب
چھتاری کمپاؤنڈ رسل گنج علی گڑھ

دریاباد
۵ر دسمبر ۱۹۶۱ء بسم اللہ

بندہ نواز! وعلیکم السّلام

اس دور ظلمت میں آپ کو النور کی خوب سوجھی ۔ میں نے اس وقت پڑھی ضرور ہوگی لیکن اتنے عرصے کے بعد کہاں یاد ــــ

والسّلام
عبدالماجد

مراد مولوی سلمان اشرف صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی پرانی تصنیف جو تحریک ترک موالات کی مخالفت میں تھی مکتوب الیہ نے یہ کتاب مولانا مرحوم کو بھیجی تھی ۔

مکتوب بنام جوشؔ صاحب ملیح آبادی، ترقی اردو بورڈ کراچی

دریاباد
۹ر دسمبر ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

اردو نامہ پہنچتا رہا ہے اور اس سے آپ کی مطبوعات کا بھی پتہ چلتا رہتا ہے

"مراۃ العروس" "منتخب الحکایات" کے نئے ایڈیشن وغیرہ۔ نمبر ۶ پہونچا اور اس کو معمول سے بہتر پایا۔ ذوالفقار صاحب نے حضرت اکبر پر تو خوب لکھ ڈالا قابل داد ہی نہیں۔ میرے لیے قابل رشک بھی۔ یہ سب تو مجھے لکھنا تھا۔ نہ ہوا کہیں کا بادشاہ نہیں تو ان کا منھ موتیوں سے بھر دیتا۔

بعض دوسرے مضامین بھی بہت خوب ہیں۔ دلچسپ بھی معلومات افزا بھی۔ لغت کے باب میں آپ لوگوں کو کیا مشورے دے سکتا ہوں۔ تاہم اپنے سن سے فائدہ اٹھا کر کچھ نہ کچھ نوعرض کیے ہی دیتا ہوں۔

اہل لغات نے بہت سے مستعمل الفاظ خواہ مخواہ چھوڑ دیے ہیں۔ آپ کے جامع لغت میں ان سب کو جگہ ملنا چاہیے۔ مثلاً رکوع (رکن نماز نہیں بلکہ آیت اور پارے کی طرح تقسیم قرآن کے معنی میں۔)

محاذ جنگی FRONT کے معنی میں اخباروں میں کثرت سے چل گیا ہے۔ موجد غالباً سید جالب مرحوم ایڈیٹر ہمدم تھے۔

سُبیتا (SOOBITA) تصباتی زبان میں سبھاؤ کے مترادف ہے۔

بیڑن ادنا درجہ کی ہندو بیواؤں کی ایک ذات

حالیہ CURRENT کے معنوں میں

سنسنی خیز زبان میں داخل ہو چکا ہے موجد غالباً ظفر علی خاں۔

چشمہ سار
پارچہ
تلنگا
راستگر

یہ سب سرشار وغیرہ کے ہاں استعمال میں آچکے ہیں۔ اب البتہ کچھ متروک سے ہو گئے ہیں۔

ہی ہے (ہے ہی کے بجائے زبان پر برابر مستعمل ہے)

تلفظ بھی جہاں جہاں دو دو مستعمل ہوں دونوں دیئے جائیں مثلاً ۱۲ اور ۱۱ کا تلفظ میں نے لکھنؤ اور دہلی دونوں جگہ بارہ اور گیارہ (نون غنہ کے ساتھ) بھی سنا ہے اسے نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

بولنا حیدرآباد میں کہنے کے معنی میں ہے یہ بھی ضرور درج ہونا چاہیئے۔

لیجیئے میں لقمان کو حکمت سکھانے لگا۔ لکھنؤ میں یہ لفظ بارہا سنا ہے۔ ہاں ایک لفظ اور خیال آیا اہل لغت نے خدا معلوم کیوں چھوڑ دیا ہے۔

رنڈی کا لفظ پہلے اپنے عموم میں عورت کے مترادف تھا اب صرف بیوا کے معنی میں رہ گیا ہے اس طرح کے بکثرت الفاظ ملیں گے۔ بعض کے مفہوم کہیں وسیع سے محدود ہو گئے ہیں اور کہیں محدود سے وسیع یقیناً آپ کے جامع اور محققانہ لغت میں اس سب کی تصریح ہوگی

یہ خط ڈاک سے جا ہی رہا تھا کہ حقی[1] صاحب کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ تعمیل ارشاد کی صورت آسان نہیں بہرحال اپنی دالی کو شش کروں گا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد شان الحق حقی صاحب سکریٹری ترقی اردو بورڈ کراچی ہیں۔

مکتوب بنام عبدالقوی صاحب دسنوی

شعبہ اردو، سیفیہ کالج بھوپال کے رسالہ سفینہ کے لیے پیام

دریاباد

۱۴ر دسمبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

پیام

اردو کی خدمت یوں بھی ہر اردو بولنے والے پر واجب تھی اور اب اس دور

میں تو یہ خدمت میرے نزدیک عبادت کے درجے میں داخل ہے جس سے جو خدمت بھی بن پڑے، بھوپال کو ابھی کل تک اردو نوازی سے گہرا تعلق رہ چکا ہے اور چمن اردو کی آبیاری میں خصوصی ہاتھ سرکار بھوپال کا شامل رہا ہے۔ اس سلسلہ کو جاری رکھنا سرکار کے جانشینوں یعنی آپ لوگوں پر دگنے درجے میں فرض ہے۔

مقامی ضروریات حالات اور اپنی قوت اور توانائی کا اندازہ تو آپ ہی لوگ بہتر کر سکتے ہیں، بہرحال جو بھی خدمت ہو سنجیدہ، تعمیری ٹھوس نوعیت کی ہو۔

زبان اپنے امکان بھر سادہ اور سلیس رکھئے۔

آپ تو خود اردو کے نامور ادیب سید سلیمان ندوی کے ہم وطن ہیں اور ان کی روشن مثال کو برابر سامنے رکھئے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام جوشؔ صاحب ملیح آبادی کراچی

دریاباد

۱۲ر جنوری ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

بے شک وہ غلط فقرہ زبان قلم پر آگیا تھا، جوشؔ صاحب ملیح آبادی ہی ہونا چاہیئے تھا نہ کہ جوشؔ ملیح آبادی صاحب۔ اصلاح کا دلی شکریہ اور اصلاً یہ خط اسی کے لیے ہے ورنہ اور کوئی خاص ضرورت اتنی جلد جواب کی داعی نہ تھی۔

اور اس پر ایک واقعہ بھی سن لیجئے۔ میرا بچپن تھا کہ داغ کی وہ غزل شائع ہوئی جس کا مطلع تھا ؎

دلبر سے جدا ہونا یا دل کو جدا کرنا
اس سوچ میں بیٹھا ہوں کہ آخر مجھے کیا کرنا

ریاض الاخبار اس وقت دھوم دھام سے نکل رہا تھا۔ ریاض نے اعتراض کیا کہ "زبان" "کیا کرنا" نہیں "کیا کرنا ہے" داغ نے رنج کے خط میں جواب دیا کہ مطلع میرا لکھا ہوا ہے اور یہ جاننے کے بعد آپ کوئی مزید سند ضروری سمجھتے ہیں۔؟ ریاض نے جواب الجواب میں لکھا کہ یہی تو میری عرض ہے کہ یہ زبان آپ کی نہیں۔ اگر آپ کی ہے تو اپنے ہزارہا اشعار میں کہیں سے اس کی نظیر دے دیجیے بس میں قائل ہو جاؤں گا۔ یہ آپ کی زبان ہی نہیں ہے۔ دکھنیوں کی بولی سنتے سنتے بس یہ غلط محاورہ بھی آپ کی زبان پر چڑھ گیا اور بے خیالی میں قلم سے نکل گیا ـــــ اس پر داغ کو خاموش ہو جانا پڑا، تو برادرم جب بصورت داغ جیسے مستند اہل زبان کو پیش آسکتی ہے تو مجھ سے دہقانی کا بھلا کیا ذکر ہے خدا جانے کتنی غلطیاں دانستہ و نادانستہ کرتا رہتا ہوں اور آج کل کی اخباری زبان سے تو بس اللہ ہی اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

کراچی تک کی رسائی یوں بھی آسان نہ تھی اور اب تو دشوار تر ہو گئی ہے۔

راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

ایک ممکن صورت یہی ذہن میں آتی ہے کہ آپ کی مجلس اگر کبھی یہاں کے دو چار مستند ادیبوں (مثلاً حضرت اختر لکھنوی) کو ہفتہ دو ہفتہ کے لیے بغرض مشورہ مدعو فرمائیے تو گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح یہ نیاز مند بھی اڑتا پڑتا کسی طرح وہاں پہنچ جائے۔

ہاں صاحب اگر کتاب شوکت آرا بیگم آپ کی مجلس از سر نو شائع کرا رہی ہو تو اس کے صلہ یا معاوضہ کے ذمہ دار مستحق عبد الرؤف کاکوری کو نہ بھول جائیے گا۔

والسلام

عبد الماجد

اس سے مولانا مرحوم کے خاص طالب علمانہ ذہن کا پتہ چلتا ہے وہ آخر تک طالب علم رہے۔

اور تحقیق کے طالب جس وقت کوئی آپ کی کسی غلطی کی طرف متوجہ کرتا تو آپ بڑی خوشی دلی سے اسے تسلیم کر لیتے اور ٹوکنے والے کے انتہائی شکر گزار ہوتے تھے اور اس کا برملا اعتراف کرتے تھے اس باب میں اپنے خوردوں تک کے شکر گزار ہوتے تھے۔

مکتوب بنام ضیا علی خاں صاحب نئی سرائے بدایوں

دریاباد

۱۳ر جنوری ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام

(۱) "رہائش" عوام میں چل گیا ہے۔ فصحا اب تک احتیاط کرتے ہیں (۲) "جائے پیدائش" فصحا کے نزدیک تو البتہ عوام لکھنؤ کے نزدیک تو نہیں پہلوئے دم لیے ہوئے ہے (۳) "آج کل" کا استعمال بالکل صحیح ہے۔ (۴) دونوں مختلف فیہ ہیں میں "غدر" کی تذکیر کو صحیح سمجھتا ہوں ——

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے بعض الفاظ کی صحت کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ مولانا اس قسم کے سوالوں سے خوش ہوتے تھے اور باوجود مصروفیت کے پہلی ڈاک سے جواب روانہ کرتے تھے۔

مکتوب بنام جوش صاحب ملیح آبادی ترقی اردو بورڈ کراچی

دریاباد

۱۹ر جنوری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

یہ ۱۱ر جنوری کے مفصل نیازنامہ کا ضمیمہ ہے۔

اس خط میں داغ کے شعر کا دوسرا مصرعہ قلم سے غلط نکل گیا۔ صحیح یہ ہے

ع۔ اس سوچ میں بیٹھا ہوں آخر مجھے کیا کرنا

کہ اس میں زائد لکھ گیا۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام فراق صاحب گورکھپوری بینک روڈ، الہ آباد

دریاباد

۲۰ر جنوری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

کرم گستر! تسلیم

بڑی عنایت ہوگی اگر وہ دو شعر اپنے تحریر فرما دیں

ایک تو وہ ..... نگاہ اولیں نکلی، والا

دوسرا ..... حسن اداس اداس سا، والا

نیازکیش

عبدالماجد

مکتوب بنام نثار احمد فاروقی صاحب

دلی یونیورسٹی لائبریرین نے اردو میگزین کے میر نمبر کے لیے پیام مانگا تھا، اس کے جواب میں پیام ذیل بھیجا گیا۔

دریاباد

۲۴ر جنوری ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

پیام

میگزین کا "میر" نمبر آں عزیز کی رہبری میں نکلے گا۔ انشاء اللہ سب میگزینوں کا "میر" ہوگا۔ مضامین تحقیقی ہوں گے لیکن خشک نہیں، عمیق ہوں گے لیکن دقیق نہیں لطیف و شگفتہ ہوں گے لیکن سپاٹ و بے مغز نہیں۔ ندرت رکھیں گے لیکن غرابت نہیں یہ سب باتیں بہ طور ایمان بالغیب پہلے ہی سے فرض کیے ہوں۔

اور خدانخواستہ یہ سب نہ سہی جب بھی یہ جراءت کیا کچھ کم قابل داد اور مستحق آفریں ہے کہ میر تقی میر جیسے پرانے شاعر کی یاد آپ اس دور جدت پرستی میں منانے نکلے ہیں! ایسے باکمال کی یاد منانی خود اپنے حسن ذوق کا ثبوت پیش کرنا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار لکھنؤ

مکتوب الیہ کے پدم بھوشن ملنے کی خبر پڑھ کر۔

دریاباد

۲۷ر جنوری ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

خطاب کی خبر پڑھ کر

"نیاز" مقام "ناز" میں ــــ خیر کسی اردو والے کی تو قدر ہوئی۔

والسلام نہنیت گزار

عبدالماجد

مکتوب بنام پروفیسر احتشام حسین صدر شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی الہ آباد

دریاباد

۲۶ر جنوری ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

تازہ "ہماری زبان" میں خالق باری کے شعر پر مضمون پڑھ کر بڑی ہی حیرت ہوئی۔ شیرانی جیسا محقق اور صاحب نظر فاضل اور ایک معمولی سا شعر سمجھنے میں ایسی فاحش غلطی! مجھ جیسا بھی دنگ رہ گیا۔ سچ ہے فوق کل ذی علم علیم انسان اپنے کسی ہنر پر ناز کرے کل اس کی یہ بساط ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) ترقی اردو ہند کا ترجمان (۲) امیر خسرو کی مشہور و معروف نظم (۳) مراد اردو کے فاضل محقق حافظ محمود خاں شیرانی سے ہے۔

مکتوب بنام مولوی صبغت اللہ شہید نصاری فرنگی محلی لکھنؤ

دریاباد

۲۶ر فروری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

مع الخیر مراجعت وطن پر دلی مسرت محسوس ہوئی اور مبارک بادیوں بھی پیش کرتا اس چیز[۲] کے تحفہ نے اب لازم کو لازم اور واجب کو واجب تر کر دیا جزاک اللہ وہاں تو انشاء اللہ سب خیریت ہی ہوگی۔

ملاقات آپ سے مہینوں نہ سہی لیکن احساس قرب اور امکان ملاقات خود کچھ تھوڑی نعمت ہے۔؟

بازاریت کی صحت میں شبہ میں اپنے قصور فہم سے نہ سمجھ سکا، لاحقہ "یت" تو ہر اردو لفظ لگا کر حاصل مصدر بنایا جا سکتا ہے ــــ خواہ اصلاً وہ کسی زبان کا بھی لفظ ہو۔ جیسے انگریزیت، عیسائیت، شہریت وغیرہا۔

عید سے ایک ہفتہ بعد انشاء اللہ لکھنؤ آنے کا پروگرام ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مولوی صاحب موصوف اپنے صاحبزادے مولوی حبیب فرنگی محلی سے ملنے ڈھاکہ تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے کئی ہفتے بعد واپس ہوئے تھے۔

(۲) موصوف نے مولانا مرحوم کی خدمت میں پنیر کا تحفہ بھیجا تھا یہ شکریہ اسی بارے میں ہے۔ پنیر مولانا کو بہت مرغوب تھا۔

مکتوب بنام ڈاکٹر وارث علی شاہ، سیالکوٹ

دریاباد

۱۰ر مارچ ۱۹۶۲ء بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام

• چھان پھٹک" بے شک قلیل الاستعمال ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ اس پر اطلاق الفاظ کا للعدم کا ہو۔ مولوی سید احمد دہلوی کی لغات النساء میں بھی نہ ملا۔

یہ چھان بین ہی کی ایک شکل ہو یا خود کوئی مستقل محاورہ یہ تو محض ایک ظن وتخمین کی چیز ہے عمل واستعمال پر اس کا کیا اثر ہوگا گو میں ذاتی طور پر ترجیح اس کو دوں گا کہ یہ مستقل محاورہ ہے۔

والسلام، دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام صدق جائسی رائے بریلی

دریاباد

۱۲ر مارچ ۱۹۶۲ء بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام

مسعود صاحب کا خط تو خود اس وقت پہونچ چکا ہوگا۔ انھوں نے کئی دن ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ براہ راست لکھ رہے ہیں، کتاب اس وقت ان کے دعوے کے مطابق

تیار ہو گئی ہو گی۔

صدق خیر نگِ خیال کے بتا دے میں جاری ہو چکا ہے۔

اس لفظ کا املا مدت سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ جلالؒ، فرہنگ آصفیہ۔ نور اللغات مد اش اش، کی تائید میں ہیں (ان کے نزدیک یہ لفظ انشاش بروزن تلاش کا مُوَرِّدی) لیکن میں نے اکثر ادیبوں کے قلم سے "عش عش" دیکھا ہے اور صاحب فرہنگ انشا پردازی بھی اس کی تائید میں ہیں۔

میری زبان و قلم پر بھی یہی املا ہے۔

قول فیصل یہ ہے کہ دونوں صورتیں پوری طرح جائز ہیں۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مراد پروفیسر مسعود حسن رضوی، اردو کے نامور ادیب لکھنؤ یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ اردو و فارسی سے ہے جو مکتوب الیہ کی کتاب "دربار دُربار" کا حصہ اول اپنے مکتبہ سے شائع کر رہے ہیں۔

(۲) اردو زبان کے نامور محقق جناب جلال لکھنوی۔

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب اردو نامہ ترقی اردو بورڈ، کراچی

دریابادہ

۱۹ مارچ سنہ ۱۹۶۲ء بسم اللہ

صاحب من! السّلام علیکم

نمبر ۲ پہنچا اب تو ہر پرچہ پڑھنے کے قابل ہونے لگا ہے۔ یہ نمبر بھی خوب ہے کیفیت و کمیت دونوں کے اعتبار سے۔

"جیسا" کی بحث تو آپ ختم ہی کر چکے لیکن اتنا عرض کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ مرے بچپن تک فصحاء عموماً اس موقع پر "سا" یا "سی" ہی لاتے تھے اور اس حد تک جوش صاحب کا خیال صحیح ہے پھر بھی یہ نہ تھا کہ "جیسا" کا استعمال سرے سے معدوم ہو آخر سبزواری صاحب[1] نے اس کی بھی سندیں ڈھونڈھ نکالی ہیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے درجہ کے ادیبوں (خصوصاً اخبار نویسوں) نے "جیسا" اور "جیسی" کی بھرمار کر دی اور اس سے صف اول کے بعض ادیبوں کو متاثر ہونا ہی پڑا۔

اجازت ہو تو اپنے استفادہ کے لیے دو سوال بھی عرض کر دوں۔

(۱) صـ۶۲ ک ۲ وسط کے بعد "خامہ فرسائی"، کیا ایسے محل پر بھی استعمال ہوا ہے؟ میں سمجھتا تھا کہ اس میں ذم اور تحقیر کا پہلو شامل رہتا ہے۔

(۲) صـ۷۶ لفظ "املا" کیا مؤنث ہے؟

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد اردو کے نامور محقق شوکت سبزواری ہیں۔

مکتوب بنام عابد نظامی صاحب صدر حلقہ ادب پاکستان

رضوی اسٹریٹ لاہور

دریاباد

۲۱ مئی ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

پیام

خواجہ صاحب کی دوسری حیثیتوں سے متعلق جو بھی رائے قائم کی جائے بحیثیت ادیب و انشا پرداز ان کا مرتبہ بالکل مسلم ہے۔ سلاست، گھلاوٹ، شگفتگی کے وہ بادشاہ

تھے ایک مخصوص طرز انشا کے وہ مالک تھے۔ اس کے موجد بھی وہی اس کے خاتم بھی وہی۔ فن بلاغت میں جسے سہل ممتنع کہا گیا ہے یہ انھیں کی انشا تھی۔

میں نے اپنے ابتدائی دور میں ان کے قلم سے خاصا کسب فیض کیا ہے۔ حال میں جن لوگوں نے اردو ادب کی تاریخیں لکھی ہیں انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے کہ خواجہ صاحب کا ذکر ہی سرے سے اڑا گئے ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ کوئی عشق و عاشقی کی تاریخ لکھے اور اس میں نام قیس عامری کا نہ آنے پائے۔

میں نے حال ہی میں ایک مضمون لکھا ہے عنوان ہے "اردو کے چند مظلوم ادیب" ان مظلوموں کی فہرست میں مولانا آزاد[۲] کے بعد ہی نام خواجہ صاحب کا رکھا ہے۔

ان کا قلم جامع تھا، "آہ" اور "واہ" کا لیکن مسکراہٹوں سے بھی کہیں بڑھ کر آنسوؤں کے لیے موزوں تھا۔

ان کی ادبیت کی یاد منا کر آپ لوگ خود اپنے حسن ذوق کا ثبوت دے رہے ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) یہ پیام خواجہ حسن نظامی کے یوم کے لیے بھیجا گیا تھا۔

(۲) مولانا مرحوم زبانی بھی اکثر اس کا ذکر کیا کرتے تھے کہ بعض ادیبوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اردو ادب میں ان کا نام بھی نہیں آتا ان میں وہ مولانا آزاد خواجہ حسن نظامی، سید سلیمان ندوی، راشد الخیری۔ قاضی عبدالغفار، صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمان خان شروانی کا نام لیتے تھے اور اسے ظلم سے تعبیر کرتے تھے۔

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ

دریاباد

۳ر جون ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

آپ کے ہاں CRIMINAL ASSAULT، MISBEHAVIOUR وغیرہ کی طرح CANCER کا ترجمہ سرطان بھی برابر غلط آرہا ہے۔ یہ سرطان تو اس "کینسر" کا ترجمہ ہے جو فلکیات اور جغرافیہ کی اصطلاح ہے مثلاً برج سرطان یا خط سرطان نہ کہ مرض کینسر کا۔ امراض میں سرطان مرادف کارسنکل کا، کینسر بہ اصطلاح طب کا ترجمہ ہے "آکلہ"۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد "قومی آواز" ہے۔

(۲) قومی آواز میں ان دونوں انگریزی لفظوں کا ترجمہ بدستور کی سے کیا جارہا تھا، مولانا مرحوم نے اس غلطی کے بارے میں انصاری صاحب کو توجہ دلائی تھی مکتوب بالا میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب بنام مرزا سعید الظفر چغتائی لکچرر فزکس گورکھپور یونیورسٹی

دریاباد

۱۹ر اگست ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

جی ہاں خدمت "مصحف" کے بعد اللہ کی ذرہ نوازی سے اب خود اپنے

ظرف و بساط کے مطابق "مصحفی" ہو رہا ہوں۔ "مصحفی" شاعر بے چارہ کی طرف اب کیا توجہ کروں۔

قافیہ اندیشم و دلدارِ من
گویدم میندیش جز دیدارِ من

البتہ ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب جو کچھ بھی عنایت فرمائیں ان کا عین کرم سمجھوں گا اللہ انھیں بھی لفظ و عبارت کی منزلوں سے گزار کر جلد عالم معانی تک پہنچا دے۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ اس زمانہ میں گورکھپور یونیورسٹی میں فزکس کے اسسٹنٹ پروفیسر یا لکچرر تھے اور انھوں نے مولانا مرحوم سے "مصحفی" پر لکھنے کی فرمائش کی تھی بہت پہلے مولانا مرحوم ان کی ایک مثنوی "بحر المحبت" کو ایڈیٹ کر چکے تھے۔

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں شروانی چھتاری کمپاؤنڈر
رسل گنج، علی گڑھ

دریاباد

۲۸ ستمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام

عرض سے طول کے عمق کا کیا کہنا۔ سطح بلند پر زاویۂ نظر ہے۔ نقطہ رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ خط ختم کئے دیتا ہوں کہ کہیں مقالہ اقلیدس کی شکل نہ اختیار کر لے۔

دعا گو

عبدالماجد

مولوی محمد ساجد ندوی

محمود آباد ضلع سیتاپور کی کتاب "انوار" پر پیش لفظ

دریاباد
۲۷ نومبر ۱۹۶۲ء

کتاب کا نام "انوار" اور کتاب کا موضوع و مضمون محبت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر کتاب کا ایک ایک صفحہ کیسے مطلع انوار نہ بن جائے۔

محبت کا موضوع یوں بھی نازک ہوتا ہے چہ جائیکہ محبوب ترین خلائق کی محبت پر قلم اٹھانا۔ کتنے ہی بے ارادہ لے کر اٹھے لیکن کامیاب کمتر ہی ہوئے۔ عقل پر جذبہ، ہوش پر وارفتگی ایسی غالب آئی کہ کہیں سے کہیں پہونچ گئے۔ مقصود و مطلوب اتباع رسول ہے۔ اطاعت رسول ہے۔ آپ کے احکام کی دل و جان سے پیروی کرنا آپ کے نقش قدم پر چلنا آپ کی زندگی کو ہر شعبہ میں مشعل راہ بنانا ہے۔ محبت اس راہ کو آسان بنا دینے والی ہے بغیر محبت کے یہ منزل طے کرنا آسان نہیں۔

ابوبکرؓ، عمرؓ و امثالہم جو آپ کے بہترین پیرو اور متبع ہوئے ہیں ـــ وہ وہی ہیں جو آپ کے صادق ترین عاشقوں میں تھے۔ مصنف سلمہ اللہ یہی چاہتے ہیں کہ اسی محبت کا تخم ہر مومن کے قلب میں پڑ جائے بلکہ ہر امتی کے شعور میں جم جائے جڑ پکڑ جائے اور پورا شجر بابا آور تناور بن جائے۔ مصنف کوئی خانقاہ نشین قسم کے صوفی صافی نہیں۔ صاحب علم ہیں۔ ندوی ہیں اور بڑی بات یہ ہے کہ وقت کے مشہور عارفوں اور اللہ والوں جیسے شیخ التبلیغ مولانا محمد الیاس دہلوی اور شیخ عبد القادر رائے پوری کی آنکھیں دیکھے ہوئے اور ان سے فیض اٹھائے ہوئے ہیں ان کی کتابوں کا مسودہ اس بے علم و بے عمل نے جابجا سے دیکھا اور جی خوش ہو گیا ذوق و شوق کے ساتھ ماشاء اللہ علم کی بابتیں اور دین کی ہدایتیں پوری طرح ملحوظ رکھی ہیں۔ اور

رسول کو رسول ہی بنا کر پیش کیا ہے کہیں سے "دیوتا" یا "اوتار" کی جھلک نہیں آنے دی۔ یقین ہے کہ یہی رنگ ساری کتاب کا ہوگا۔

اللہ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور انھیں ان کی جزائے کامل یہاں اور وہاں دونوں جہان میں عطا فرمائے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام حاجی مصطفےٰ خاں صاحب لکھنوی

۲۵ گل ولاعامل کالونی، کراچی ۵

دریاباد

۲۸ نومبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام

آپ کا خیریت نامہ خوب آگیا۔ اس عرصہ میں آپ کئی بار یاد آئے، اور دل نے اس کو حسرت کے ساتھ محسوس کیا کہ لکھنؤ میں آپ سے ملاقات کی صورت ایک مدت سے پیدا نہ ہوئی۔

آپ کا تازہ مجموعہ کلام کچھ رد و بدل ہوئے مل گیا تھا۔ شکریہ۔ شہید صاحبؒ کا دیباچہ خوب ہی ہے۔ گڑھنا میری زبان قلم پر ہمیشہ سے ہے اور اپنے اکابر کو میں نے یہی بولتے سنا اور یہی لکھتے دیکھا ہے۔ گھڑنا اور گھڑت صرف پنجابی حضرات کا تلفظ اور املا ہے۔ اللہ آپ کو شفائے کامل دے کہ آپ جلد ہی سفر لکھنؤ کے قابل ہو جائیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ لکھنؤ کے مشہور کارخانہ عطر و تمباکو اصغر علی محمد علی کے مالک تھے۔ اور مولانا مرحوم کے مخلص خصوصی۔

(۲) مراد مولوی صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی جو مولانا مرحوم اور مکتوب الیہ دونوں کے بے تکلف احباب میں تھے مولوی صاحب ضلع جگت میں بھی کمال رکھتے تھے اور مولانا مرحوم سے زبانی اور تحریر میں اسی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ نیز مراسلت بھی۔

مکتوب بنام جوشؔ صاحب ملیح آبادی صدر اردو بورڈ پاکستان کراچی

دریاباد
۸ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

حضرت سلامت! تسلیم

اردو نامہ تازہ پرچہ نمبر ۱ موصول ہوا۔ نمونہ لغت میں صـ۵۴ میں اکابر و مشاہیر ادب کے ساتھ ایک عامی کا حوالہ دیکھ کر حیرت اور ندامت دونوں سے گرد گیا یہ کیا کیا آپ لوگوں نے۔ خواہ مخواہ اپنی کتاب کا معیار اتنا گرا دیا۔

اب۔ خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

صـ۶۲ یا ۶۳ ابلیس..... آدم کی پیدائش سے پہلے عبادت کی بدولت فرشتوں کے زمرے میں شامل اور ان کا معلم ہو گیا تھا۔ یہ ساری عبارت بالکل بے سند اور محض عوام کے عامیانہ عقیدہ کی ترجمان ہے۔ ابلیس حسب تصریح قرآن جن تھا (کان من الجن) اور جن ہی آخر تک رہا اس کا فرشتہ و معضوب ہونا تمام تر مسیحی عقیدہ ہے۔

صـ۷۵ کی "ابے تبے" کے ذیل میں یہ ہوا چھوٹ تو نہیں گیا؟

ابے تبے کرنا، توتکار کرنا، بدزبانی کرنا۔ ڈانٹ ڈپٹ کرنا؟

فقرہ: آپ تو کالم گلوچ پر اتر آئے اور لگے ابے تبے کرنے۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) اردو نامہ میں اردو بورڈ کی مجوزہ لغت اردو کے سلسلے میں مولانا مرحوم کا ذکر مشاہیر ادب کے ساتھ سند میں پیش کیا تھا اس پر مولانا مرحوم کی طرف سے شرمندگی کا اظہار ہے۔

(۲) کتاب سے مراد اردو بورڈ کی طرف کی تصنیف کردہ لغت اردو ہے جو شائع ہو رہی ہے۔

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں شروانی چھتاری کمپاونڈر علی گڑھ

دریاباد

۱۴ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

کلام سن[1] کر ع

قیامت ڈھائے گا جنت میں یہ بوڑھا جوان ہو کر

تل شکری[2] کھا کر

نیشکر اس کے کیا مقابل ہو

آم بھی اس گزک کے آگے ہیچ

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کو مکتوب الیہ نے علی گڑھ میں عند الملاقات اپنی ایک نظم سنائی تھی یہ اس کی داد ہے۔

(۲) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم کے ساتھ علی گڑھ کی مشہور گزک ساتھ کی تھی جسے لکھنؤ

کی زبان میں تل سنکری کہا جاتا تھا۔

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ

دریاباد

۲۲ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

صاحب! سلام

سنیے صاحب اب ہمارے آپ کے بیچ سخت جنگ چھڑنے والی ہے۔ چین و مہاچین کی جنگ سے بھی شدید تر۔

بناخاصمت آپ کے روزنامہ کا وہ ۱۳ ایڈیشن ہے جو ہفتہ میں ایک بار لازمی طور پر بے گناہ و بے قصور ہمارے سروں پر نازل ہوتا رہتا ہے۔

طبیعت ہر بار جھنجلا کر رہتی ہے خصوصاً اس احساس کے بعد کہ اب اس کا کوئی علاج ہی نہیں۔ یہ عجیب و غریب اپنے پچھلے ڈاک ایڈیشن کا تمام تر مغنی یا چربہ ہوتا ہے اسے ناظرین پر مسلط کر دینا تمام تر دھاندلی ہے۔ ظلم ہے، ستم گری ہے Fraud ہے۔

تمام دنیا سے داد و فریاد خود اپنے دفتر میں بیداد۔

؎ کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

پیرہن کاغذی اس کارڈ سے بڑھ کر غالب کو بھی نہ ملا ہوگا۔

فریادی

عبدالماجد

(۱) قومی آواز کا یہ ایڈیشن تمام تر باسی خبروں پر مشتمل ہوتا تھا خط میں اسی کا ذکر ہے۔

مکتوب بنام خیر بہوروی، غالب اکیڈمی، مدنپورہ بنارس

دریاباد
۲۳ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

پیام

غالب کی قدر کرنا خود اپنی سخن شناسی اور حسن ذوق کا ثبوت دینا ہے اہل بنارس قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اس "کارخیر" کو یاد رکھا۔

عبدالماجد

یہ پیام یوم غالب کے موقع پر خیر بہوروی کو جو اردو کے زبردست کارکن اور غالب کے پرستاروں میں تھے بھیجا گیا تھا۔

مکتوب بنام مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی
ندوۃ العلماء لکھنؤ

دریاباد
یکم جنوری ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ سوکھے دھانوں پانی پڑا بالکل صحیح۔

۲۔ میرے قلم پر تو "اکتفا کیا" ہی ہے لیکن دوسروں کے ہاں "اکتفا کی" بھی پڑھا ہے لغت میں غالباً مونث لکھا ہے۔ بہرحال صحیح دونوں ہیں۔

۳۔ مور کی آواز کے لیے جھنگار (نون غنہ کے ساتھ بروزن نگار آتا ہے) ہندی تلفظ میں غنہ نہیں نون کا اعلان ہے۔

ندیا کنارے مورا جھنگارے

جھنگار کے علاوہ "کوک" بھی کہہ سکتے ہیں۔

والسّلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا ندوی نے بعض لفظوں اور محاوروں کے بارے میں استفسار کیا تھا یہ خط اسی کے جواب میں ہے۔

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی چھتاری کمپاؤنڈر رسل گنج علی گڑھ

دریاباد

۱۱ر جنوری ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

۱۶ر دسمبر ۱۹۶۲ء کی شام ایک خوشگوار شام تھی جب چھتاری کمپاؤنڈر علی گڑھ میں ایک مقتدا کے چلائے ہوئے شبینہ اسکول کو ایک مقتدی نے دیکھا اور دیکھا کیا یہ کہیے کہ چند منٹ کی سرسری سیر میں اس کی چند جھلکیاں دیکھ لیں! مسلمان بچوں اور بچیوں کا یہ منظر کہ بجائے سینما دیکھنے یا تاش و شطرنج وغیرہ میں وقت کی دولت لٹانے کے دینی تعلیم اور درس قرآن میں مشغول بس آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا کرنے کو کافی تھا۔

علی گڑھ جس کا ترجمہ غالباً سید محمودؒ مرحوم نے حصار مرتضوی کیا تھا آخر علی گڑھ ہے اور اس کا فیض حدود یونیورسٹی تک محدود نہیں شہر بھر اسی اجالے میں ہے اور دینی تعلیم کی نورانیت تو دوسرے مادی علوم سے کچھ بڑھ ہی کر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواں ہمت کارکنوں کو عمر خضر عطا فرمائے۔

میکشوں کے سر پہ یارب پیر میخانہ رہے

والسّلام

عبدالماجد

(۱) یہ پیام مولانا مرحوم نے مکتوب الیہ کے قائم کردہ شبینہ اسکول کے معائنہ کے بعد تحریر کیا تھا۔

(۲) مراد سید احمد خاں کے نامور فرزند جسٹس محمود ہیں جو جمعیت دین میں اپنے والد سے بڑھے ہوئے تھے۔

(۳) مراد حاجی مقتدا خاں شروانی ہیں۔

پیام بنام فرمان فتح پوری

ایڈیٹر نگار کراچی جنہوں نے نگار کے "نیاز نمبر" کے لیے پیام یا مقالہ مانگا تھا اس کے جواب میں مندرجہ ذیل پیام بھیجا گیا۔

دریاباد

۹ر مارچ ۱۹۶۳ء بسم اللہ

ایک "نیازمند" کی فرمائش، مدیر "صدق" سے کہ وہ مناقب "نگار و نیاز" پر کچھ لکھے۔ ستم ظریفی کا شاہکار!

عشق و مزدوری، عشرت گہ خسرو کیا خوب!

"فرمان" کی تعمیل میں بس اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں کہ نیاز صاحب سخن سنج اچھے ہیں شعر کی پرکھ خوب رکھتے ہیں اور صاحب طرز ادیب ہیں۔

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام قادر جاوید صاحب

۲۰۶ اے چاندنگر، حیدرآباد

دریاباد

۱۱ر مارچ ۱۹۶۳ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

صحیح تلفظ جاوید Javaid بروزن بید، بھید

" " شہلا Shahla بروزن کملا، حملہ

اردو میں صحیح و مستند تلفظ وہی ہوگا جو اردو زبانوں پر چڑھا ہوا ہے اور اس بان کے تلفظ سے مطلق بحث نہ ہوگی جس زبان سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے لالٹین کو دو میں لالٹین ہی کہیں گے لین ٹرن کہنا غلط ہوگا۔

ٹکٹ کو اردو میں ٹِکٹ (بہ فتحہ کاف) کہیں گے ٹکٹ (بہ کسرہ کاف) کہنا غلط ہوگا۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام نادم سیتاپوری

بذریعہ سلطان حسن صاحب، تاجر کتب، بندر روڈ کراچی

لکھنؤ

۱۷ر اپریل ۱۹۶۳ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

اب خدا خدا کر کے اس قابل ہوا کہ کچھ لکھ پڑھ سکوں۔ آپ کی کتاب پر یہ چند

سطریں لکھ دیں۔ "غالب نام آور م" کے مرتب نے خود "نام آوری" کے زینے کی طرف پہلا قدم تو اٹھا ہی لیا ہے۔

ان کی یہ چھوٹی سی مولی کتاب "ہر چہ بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر" کا نمونہ اس قابل ہے کہ اسے درس غالبیات کی پہلی کتاب قرار دیا جائے۔

ثقل و اغلاق سے خالی، غلو و اغراق سے بری، تنقید، تحقیق، اور آجکل کی اصطلاح میں تخلیق تینوں کا ایک ہلکا خوشگوار مجموعہ۔

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم اس زمانہ میں تپ و نزلہ میں مبتلا ہو کر لکھنؤ گئے تھے۔

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "اردو نامہ" اردو منزل کراچی

دریاباد

۴ر مئی ۱۹۶۳ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

تازہ "اردو نامہ" ملاحظہ معمول سب سے زیادہ دلچسپی اور شوق سے نمونہ لغت پڑھا۔ نظر کی وسعت و عمق دونوں کا پتا کھنا۔ البتہ یہ کھٹک کئی بار محسوس ہوئی کہ معانی کی تعداد میں خواہ مخواہ کے تکلف سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً اس قسط میں "پاپیچ" کے چھ معنی الگ الگ دیئے گئے ہیں اور عملاً تکرار کو کام میں لیا گیا ہے۔ یہ چھ کل کے اندر بخوبی سمٹ کر آسکتے تھے۔ "حشو" نظم کی طرح نثر میں بھی تو بچنے کی چیز ہے۔

لفظ اپ ٹو ڈیٹ اردو میں طنز کے بھی تو آتا ہے۔ جنٹلمین کی طرح اور جنٹلمین اب پوری طرح اردو بن چکا کیا اس طرح کی کوئی عبارت بڑھا دینا مناسب ہوگا۔

طنزیہ موقع پر جنٹل مین طنز کے مترادف ہے۔ اس فقرے میں سوٹ بوٹ سے لیس پورے جنٹلمین بہ خوش اپ ٹو ڈیٹ۔

(اور اس طنزیہ مفہوم میں ہر جگہ تو نہیں لیکن کہیں کہیں چھیلا سے بھی اس کا ربط بہت قریب کا ہو جائے گا جیسے اس فقرے میں "وہ گبھرو جوان چھیلا بنا ہوا، انداز دل ربائی میں ہر طرح اپ ٹو ڈیٹ"۔

افسانے پڑھنے کی اب کہاں فرصت۔

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام ڈاکٹر شبیہ الحسنین علی صاحب سندیلوی

شعبہ اردو، لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ

دریاباد۔

۱۲ر مئی ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السّلام علیکم

اردو زبان و ادب کے سلسلہ میں بعض عنوان مدت ہوئے ذہن میں آئے تھے لیکن ان پر لکھنے لکھانے کے لیے وقت کہاں سے لاؤں۔ کوئی ہونہار جونیئر توجہ کرے تو البتہ شاید ہو ہوا جائے۔

(۱) ایک عنوان "اردو میں تابع مہمل" ہے کچھ تابع مہمل سماعی ہیں ان کی فہرست تحقیقی تو اور زیادہ تر قیاسی ہیں ان کے قاعدے ضابطے۔

(۲) دوسرا عنوان اردو کے "مردہ و نیم مردہ" الفاظ ہو سکتا ہے ایسے لفظ جو استعمال میں تھے مگر دیکھتے دیکھتے متروک ہو گئے مثلاً "برقنداز"، "تلنگا"، "رامنگر"، "نارکی"، "بوچا"، "اصیل" (ماما کے معنی میں)، "رونا (خدمت گار کے مفہوم میں)"، "مردبا" (چپراسی کے معنی میں)، "کلنک" (اب مقفل صرف کلنک کا ٹیکا ہے)، "آنچل" (بمعنی پستان) وغیرہا

سیکڑوں لفظ ایسے مل جائیں گے۔ یتیم مردہ سے مراد وہ لفظ ہیں جو اب شاذ و نادر ہی استعمال میں آتے ہیں۔

اس ضمن میں وہ غلط الفاظ اور ترکیبیں بھی آسکتی ہیں جو عموماً ناقص مترجمین کی بدولت اردو میں گھس آئی ہیں مثلاً "معافی مانگنا" APOLOGY کا ترجمہ ہر جگہ معذرت سے کرنا حالانکہ بہت سے موقعوں پر اس کا اردو مفہوم "دفاع" یا "نصرت" سے ادا ہوتا ہے۔ MISCONDUCT اور MISBEHAVIOUR کا ترجمہ ہر جگہ "بدسلوکی" سے کرنا، حالانکہ بہت جگہ صحیح مفہوم "بدفعلی" سے ادا ہوگا۔ COMMUNALISM کا ترجمہ فرقہ پرستی سے کرنا حالانکہ یہ ترجمہ SECTARIANISM کا ہے۔ کمیونلزم کے لیے ہمارے یہاں چلا ہوا لفظ مذہبی تعصب ہے۔

FREE FIGHT کا ترجمہ آزادانہ لڑائی سے کرنا وغیرہ

۳۔ یہ عنوان تو خالص ادبی و لسانی ہوئے باقی ایک عنوان نیم مذہبی و ادبی ہے۔ "نذیر احمد کا ترجمہ قرآن ــــ اردو ادب کی حیثیت سے"۔ اس پر خود ہی لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر دیکھئے کہ مہلت ملے بھی[1]۔

عزیزی نورالحسن ہاشمی[2] بھی اگر یہ خط پڑھ لیں تو بہتر ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) افسوس ہے کہ مولانا مرحوم کا اندیشہ صحیح نکلا اور اس موضوع پر چند سطریں بھی لکھنے کی نوبت نہ آسکی۔

(۲) مراد ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی جو اس زمانہ میں صدر شعبہ تھے۔

مکتوب بنام نواب جعفر علی خاں آثر لکھنوی کیتھری محلہ، لکھنؤ

دریاباد۔

۳ر جون ۱۹۶۳ء بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

آپ کی زبان پر جُرمانہ (میم کے ساتھ) یا جربانہ (ب کے ساتھ)؟

آپ کی زبان پر تلفظ باہر (بروزن ساغر) ہے یا باہر (بروزن ماہر)

خدا کرے آپ ہر طرح بخیر و عافیت ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

اس خط سے مولانا کے خالص طالب علمانہ ذوق و تحقیق کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا مرحوم تلفظ تک کا التزام رکھتے تھے۔

مکتوب بنام سید عبدالرحمٰن صاحب ٹیکہ دار محلہ بزہوری اناؤ

دریاباد

۲۷ر جون ۱۹۶۳ء بسم اللہ

مہربان بندہ! وعلیکم السلام

میں اپنے لیے زیرنگیں، دم واپسیں، رنگ خزاں میں اعلان نون جائز نہیں سمجھتا جنیت و یقین میں جائز سمجھتا ہوں۔

"زیرکمان" کی ترکیب عام قاعدے سے الگ اور مستقل گفتگو کی محتاج ہے۔

"رنگ و روپ" سے "و" حذف کرکے میں محض "رنگ روپ" استعمال کرتا ہوں۔

باقی میں کیا اور میری رائے ہی کیا۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب الیہ نے بعض لفظوں کے تلفظ اور بعض ترکیبوں کی صحت کے بارے میں پوچھا تھا یہ خط اسی کے جواب میں ہے۔

مکتوب بنام خلیق الرحمٰن صاحب قدوائی بڑاگاؤں ضلع بارہ بنکی

انہوں نے یاقوتی آم کے دو قلم بھیجے تھے اس کے جواب میں یہ شکریہ کا خط بھیجا گیا

دریاباد

۲۶ر جولائی ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السّلام

قلموں کی خبر نے دل باغ باغ کر دیا جزاک اللہ وماشاء اللہ۔ آم کا تحفہ یوں بھی کیا لذیذ اور رسیلا ہوتا ہے چہ جائیکہ جب اخلاص کی تہ میں ڈوبا ہوا ہو۔

سہ پہر کو کارڈ ملا اور شام کو میاں قیوم[1] نے قلمیں پہنچا بھی دیں۔ تحفہ چونکہ بے شان وگمان نصیب ہوا اس لیے نعمت غیر مترقبہ کا پورا مصداق۔

دعاگو

عبدالماجد

---

[1] مولانا مرحوم کے ماموں زاد بھائی کے لڑکے۔

مکتوب بنام صہبا لکھنوی رسالہ افکار کراچی

دریاباد

۳۰ر جولائی ۱۹۶۳ء بسم اللہ

پیام

جوشش نمبر کے بعد حفیظ جالندھری نمبر۔ آتش سیال کے بعد دردِ ماء اللحم کا اور شربت روح افزا کا! الحاد کو شہ دینے کے بعد تحسین اور پیشوائی اسلام کی! — حسن تلافی کا حسین و قابل دید نمونہ۔

شاہنامہ اسلام کا مصنف اور "سرپھرا ملا" کا خالق۔ آپ کے ملک میں اندھیرے گھر کا چراغ۔ اکبر و اقبال دونوں کا جانشین۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مولانا محمد علی کے انتقال پر حفیظ صاحب نے ایک تعزیتی نظم اس عنوان سے کہی تھی۔

مکتوب بنام حبیب انصاری صاحب

پلاٹ ۵۸، بلاک نمبر ۵، گلشن ماڈل ٹاؤن ڈھاکہ

دریاباد

۱۶ر اگست ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیزنہ مکرم!

شاعر نے تو "جہاں" سے بے نیاز ہو کر خیر صرف "جانِ جہان" کی مانگی تھی اور

کہہ ڈالا تھا ؎

مکیں کی خیر ہو یارب مکاں رہے نہ رہے

میں بے نیازی کہاں سے لا سکتا ہوں۔ مکان کی مبارک باد مکین کو دیتا ہوں اور خیر مکین و مکان دونوں کی "لامکان" سے مانگتا ہوں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بے تکلف اور پرانے دوست صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی کے منجھلے لڑکے ہیں۔ مکتوب الیہ کی اس اطلاع پر کہ انھوں نے اپنا ذاتی مکان بنوا لیا ہے مکتوب بالا بھیجا۔

مکتوب بنام سید محمد مسلم رضوی ناظم آباد، کراچی

دریاباد

۴ر ستمبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

پیام

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اکبر کے زمانہ میں تو رپٹ اللہ کا نام لینے پر لکھائی جاتی تھی، مگر اب تو وہ وقت آگیا ہے کہ خود حضرت اکبر کا نام لینا بھی رپٹ لکھانے کے قابل نظر آتا ہے۔ چہ جائیکہ ان کی یاد منانا اور یوم اکبر کی طرح منانا!

اکبر کا پیام اور تھا بھی کیا۔ بجز اسلام اور اسلامیت اور دین داری کے دل روتا جاتا اور چہرے پر بجائے آنسوؤں کے تبسم کے آثار طاری رکھتے۔ مرثیہ کا مضمون

نغمہ طرب کی لے میں ادا کرتے۔

آفریں ہے آپ کی ہمت پر کہ آپ نے اس دور میں بھی ان کا پیام سنانے کی ٹھان لی ــــــ

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت اکبر الٰہ آبادی کے پوتے تھے انھوں نے یوم اکبر کے لیے پیام مانگا تھا ــ

(۲) مراد لسان العصر حضرت اکبر الٰہ آبادی ہیں، خاص کر تنقی پسندوں کے پروپیگنڈے کی وجہ سے وہ جس ناقدری کا شکار ہوئے ہیں اس کی طرف مولانا مرحوم نے اشارہ کیا ہے

مکتوب بنام شیخ نصیر الرحمٰن قدوائی بڑاگاؤں بارہ بنکی

دریاباد

۱۲ ستمبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ السلام علیکم

آں عزیز کے صدر ضلع شکر کمیٹی ہونے کی خبر ابھی معلوم ہوئی ــ اخلاص و اخلاق کی شیرینی پر اس رسیلی کمیٹی کی صدارت کا اضافہ مبارک ہو اور اللہ دنیا و آخرت میں شیریں کام ہی رکھے۔

اس خط کے حامل جبر لال دریاباد کے قریب ہی کے رہنے والے کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت دراز یعنی دس سال سے یہاں کی گنا یونین میں موسمی عہدے دار ہیں۔ اور موسم کے ختم پر انھیں جواب مل جاتا ہے۔ آرزومند ہیں کہ خدمت کا موقع انھیں مسلسل ملتا رہے خدا معلوم محکمہ میں ملازمت کے قاعدے کیا ہیں۔ بہرحال اگر قاعدہ میں کوئی گنجائش نکلتی ہو

تو کیا عجب کہ نعم المولیٰ ونعم النصیر کا ورد کرتے ہوئے وہ اپنی آرزو میں کامیاب ہو جائیں۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا کے خصوصی تعلقات تھے یہ خط اس لحاظ سے بھی قابل غور ہے کہ اس سے مولانا مرحوم کے سفارش کرنے کے انداز کا پتہ چلتا ہے۔ مرحوم کبھی بھی ناجائز سفارش نہیں کرتے تھے اور نہ جس سے سفارش کرتے اس پر کوئی دباؤ ڈالتے تھے، جائز حدود کا لحاظ کر کے سفارش کرتے تھے۔

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں شروانی رسل گنج علی گڑھ

دریابادـــ

۷ر نومبر ۱۹۶۳ء بسم اللہ

حضرت سلامت! السّلام علیکم

"خیر مقدم"[1] پڑھا۔ قلم اٹھلاتا ہوا، گنگناتا ہوا انھیں صاف رقص کرتا ہوا نظر آیا۔ کیا قلم کی حد تک رقاصی آپ کے مذہب میں جائز ہے۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی نظم۔

مکتوب بنام مولوی محمد ہاشم انصاری فرنگی محلی لکھنؤ

موصوف نے مولانا مرحوم کو پنیر بھیجا تھا۔ دو سطری مکتوب ذیل اسی کے بارے میں ہے

دریاباد

۲۱ر نومبر ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

سبحان اللہ کیا چیز (CHEESE[1]) آپ اس ناچیز کے لیے لے آئے، جزاک اللہ

والسلام

عبدالماجد

(۱) یعنی پنیر۔

مکتوب بنام مولوی رئیس احمد جعفری ندی ۸۹ ٹیگور پارک لاہور

دریاباد

۱۳ر جنوری ۱۹۶۴ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

کل نفیس اکیڈیمی سے ایک بڑا پیڈ پارسل وصول ہوا کھولا تو ترجمہ زاد المعاد کی چار جلدوں پر نظر پڑی ابھی کتاب کو کھولا تک نہیں پڑھنے کا کیا ذکر مگر نام ہی سے طبیعت بحال ہوگئی۔ دل شگفتہ ہوگیا ـــــ ناول نویسی کے بعد زاد المعاد ـــ کسب دنیا کے بعد توشہ آخرت! فکر معاش کے بعد فکر معاد! ـــ صنم کدے منزل راہ اور کعبہ منزل مقصود۔

رند پارسا[1] کا لخت جگر خود ایک رند پارسا۔

مطبوعات ثقافت میں انتظار ان کتابوں کا رہے گا۔

الفخری، اسلام اور رواداری، ملفوظات رومی، پیغمبر انسانیت، مسلم جہلو سیاست نامہ ــــ

دعاگو و دعاخواہ ــــ

عبدالماجد

(۱) مراد حضرت ریاض خیرآبادی جو مکتوب الیہ کے نانا ہوتے تھے اور جن کی شاعری میں خمریات کا ذکر کثرت سے ہوتا تھا لیکن جنھیں بادہ نوشی سے کبھی تعلق نہیں رہا۔

پیام بنام ایڈیٹر صاحب مسیحا بمبئی

دریاباد

۱۳ر جنوری ۱۹۶۴ء بسم اللہ

طب یونانی تو مریضوں کے حق میں مسیحائی کا دعویٰ یوں بھی رکھتی ہے اور اب آپ تو خود اسی طب کے لیے مسیحا بنے ہوئے ہیں! نورٌ علیٰ نور۔

اللہ آپ کے قم باذن اللہ کی لاج رکھ لے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام زوار حسین زیدی صاحب لاہور

دریاباد

۱۷ر مئی ۱۹۶۴ء بسم اللہ

مہربان بندہ! السلام علیکم

مجھ سے بدخطی سے جس کی بدخطی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہے۔ قلمی تحریر کی فرمائش کی خوب رہی، بایں آخر آپ کو میری رسوائی کی سوجھی کیا۔

مومن خاں فن نجوم یا جوتشس میں بھی دخل رکھتے تھے فرما گئے ہیں۔

سو اِن نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

اس، "قلم خود" کا حکم دینے کے بعد آپ بھی ستم ظریفی میں آسمان سے کچھ کم نہ رہے! اب اپنے آئینہ خانہ کو بنایئے یا بگاڑیئے اس کی ذمہ داری آپ ہی پر ہے۔ بندے نے تعمیل ارشاد کر دی۔

دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا سے قلمی تحریر بھیجنے کی فرمائش کی تھی یہ خط اس کے جواب میں ہے

مکتوب بنام مولانا عبدالرؤف جھنڈے نگری رام دت گنج ضلع بستی

دریاباد
۱۱ر جولائی ۱۹۶۴ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

آم "ڈھیر کے ڈھیر" آپ کے بھیجے ہوئے کھانے میں اب آئے جزاک اللہ۔ جتنے میٹھے اور رسیلے کہ حد تعریف سے باہر سبحان اللہ! ۔ کہیں آپ نے اخلاص کا رس تو ان میں نہیں گھول دیا تھا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا کے مخلصوں میں ہیں۔

مکتوب بنام جناب بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی، دہلی

دریاباد

۱۱ر جولائی ۱۹۶۴ء بسم اللہ

یوم افق

افق صاحب کا نام نامی کان میں اس وقت پڑا جب میں اسکول کے ساتویں آٹھویں درجے کا طالب علم تھا ان کی ایک نظم اردو کورس میں داخل تھی غالباً کوئی مسدّس، "شہر آشوب" قسم کا تھا دو ایک مصرعے اب بھی حافظہ میں رہ گئے ہیں۔

دوشالہ اوڑھ کر چلے ہیں فصل گرما میں
ہے شربتی کا انگرکھا بدن پہ سرما میں

جب ذرا اور بڑا ہوا تو اودھ اخبار میں کہ وہی اپنے دور میں اردو کا سب سے زیادہ سربرآوردہ اخبار تھا۔ ان کے مضمون پر مضمون دیکھنے میں آئے۔ شاعر کا نام بھی جب ہی معلوم ہوا۔ ملک الشعراء کا لقب بھی ان کے نام کے ساتھ پڑھنے میں آیا۔ ان کی قدرت کلام کا اندازہ بھی اسی وقت ہوا۔ اس وقت وہ اخبار کے ایڈیٹر تھے اور یہ بجائے خود ایک اعزاز تھا۔

مشہور یہ تھا کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے اس کلیہ کی تردید میں ایک ہجوم جس طرح ایک طرف کشمیری پنڈتوں (نسیم، سرشار وغیرہ) کا تھا اسی طرح دوسری طرف کائستھوں کا تھا اور کائستھ برادری کے صف اول میں ایک جوالا پرشاد برق تھے۔ اور دوسرے یہی دوارکا پرشاد افق۔ اور حضرت افق کی خوش نصیبی تھی کہ اپنا جانشین اپنے فرزند سعید اور شاگرد رشید کو چھوڑ گئے جو ہر طرح ان کے کام کو ترقی و تکمیل تک پہنچانے اور ان کے نام اور یاد کو "منوّر" رکھنے والے ہیں۔ ایسی خوش نصیبی کم ہی کسی کے حصہ میں آتی ہے۔

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام شان الحق صاحب حقّی اڈیٹر اردو نامہ کراچی

دریاباد

۱۹ر نومبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

عزیز مکرم! السّلام علیکم

آپ کے ہاں "املا" کو برابر مونث لکھا جا رہا ہے۔ یہ تانیث ذرا کھٹک رہی ہے حصہ لغت میں "اترانا" کی تحقیق آپ نے خوب ہی تفصیل سے درج کی ہے مگر "اُتر آنے" کا ایک استعمال مجھے نظر نہ پڑا مثلاً اس فقرے میں کہ "آپ تو ذاتیات پر اُتر آئے"۔ "اُترنا" عوامی زبان میں ایک فحش معنی میں بھی آتا ہے "چڑھنے" ہی کی طرح۔

والسّلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام مولانا قاری طیب صاحب دیوبندی، گاندھی آئی ہاسپٹل علی گڑھ

دریاباد

۱۵ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

حضرت محترم! السّلام علیکم

"آنکھ کی کہانی" آں محترم کا عطیہ یہاں آتے ہی پڑھ ڈالی۔ سبحان اللہ وماشاء اللہ مجھے علم نہ تھا کہ آپ کو شعر و نظم پر بھی اس درجہ قدرت حاصل ہے۔ ذالک فضل اللہ

کیا کیا قافیے نکالے ہیں! کیسے کیسے مضمون باندھے ہیں (پیشہ ور شاعروں کے بھی چھکے چھوٹ جائیں ــــ نہ کہیں سے جھول اتنی طویل نظم میں کہیں سے آورد نہیں بس آمد ہی آمد۔

خوش دماغ تو بہ حیثیت ایک بچے قاسم زادہ کے آپ تھے ہی اب معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ خوش فکر بھی اس درجہ میں ہیں۔ ماشاء اللہ

والسّلام دعاگو و دعا خواہ

عبد الماجد

(۱) مولانا مرحوم کو مکتوب الیہ سے خاص تعلق تھا۔

(۲) حضرت مولانا موصوف آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں علی گڑھ تشریف لے گئے تھے۔

(۳) اس آپریشن کے "بارے میں آنکھ کی کہانی" کے عنوان سے ایک طویل نظم حضرت مولانا دیوبندی نے لکھی تھی اور مولانا مرحوم کو بھیجی تھی۔ مکتوب بالا میں اسی پر تبصرہ ہے۔

مکتوب بنام پنڈت آنند نرائن مُلّا، لکھنؤ

دریاباد

۲۳ر دسمبر ۱۹۶۴ء بسم اللہ

کرم فرمائے بے کراں! تسلیم

۱۹ر کو لکھنؤ گورنمنٹ ہاؤس میں پرسکار کمیٹی کی میٹنگ تھی اردو کے ممبر صرف ہم تھے صدر صاحبؒ (لاٹ صاحب راجستھان) عین وقت پر بے چارے بیمار ہو گئے، جلسہ میں نہ آسکے۔ صدارت کا بار مجھ دیہاتی کے دوش ناتواں کو اٹھانا پڑا۔ آپ کی "حدیث عمر گریزاں" ہم چار درویش" کی ٹولی کے لیے "باغ و بہار" ثابت ہوئی۔ انعام اول پر ہم سب متفق رہے اور اس فیصلہ نے شاعر کی نہیں فیصلہ کرنے والوں کی عزت میں اضافہ کیا۔

سرکاری اطلاع خدا معلوم آپ کو کب پہونچے۔ مبارک باد میں سبقت کرنے کی مسرت سے میں اپنے کو کیوں محروم رکھوں ــــــ

نیاز کیش

عبدالماجد

(۱) مراد یوپی گورنمنٹ کی وہ انعامی کمیٹی جو اردو ہندی سنسکرت کی کتابوں پر انعام دیتی تھی ــ

(۲) اس کمیٹی کے صدر اس زمانہ میں ڈاکٹر سمپورنانند گورنر راجستھان تھے۔

(۳) مولانا مرحوم کی زبان پر گورنر کے بجائے لاٹ صاحب کا لفظ تھا۔

(۴) مجموعہ کلام مکتوب الیہ۔

(۵) کمیٹی کے ممبر چار رہتے۔ (۶) باغ و بہار میر امن کی مشہور تصنیف جسمیں چار درویشوں کا قصہ ہے

مکتوب بنام خیر بہوروی غالب اکیڈمی بنارس

دریابار

۲۳ر جنوری ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام

مجموعۂ کلام کا نام "کارخیر" اے سبحان اللہ! یہ آپ نے میرے دل کی بات کہاں سے اڑالی! رشک آگیا یہ نام رکھتا تو میں رکھتا! کتاب کے اندر جو کچھ بھی ہو بہر حال اس "کارخیر" کا جواب ہو نہیں سکتا!

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۲) مکتوب الیہ کے مجموعۂ کلام کا نام۔

مکتوب بنام حاجی محمد مقتدا خاں صاحب شروانی
رسل گنج علی گڑھ

دریاباد

۲۹ مارچ ۱۹۶۵ء　　بسم اللہ

کرم گستر ہنر پرور!　　وعلیکم السلام

یہ بے ہنر تو اپنے ہنر کی ہر تحسین کو بہ حکم عقل تحسین ناشناس ہی کے حکم میں رکھتا ہے پھر بھی نفس کا تقاضا ہے کہ کچھ قدر افزاؤں کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے اور اس مستثنیٰ جماعت کا "مقتدا" آپ سے بڑھ کر کون ملے گا۔

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام عابد نظامی صاحب

حلقہ ادب پاکستان لاہور نے خواجہ حسن نظامی پر پیام مانگا تھا مکتوب ذیل اسی کا جواب ہے ——

دریاباد

یکم اپریل ۱۹۶۵ء　　بسم اللہ

البیلا ادیب

تاریخ زبان اردو کے پرچہ میں اگر یہ سوال آیا کہ البیلا ادیب کون گزرا ہے تو جواب صرف ایک ہی ہوگا —— خواجہ حسن نظامی

وہ مستوں کا مست، سرشاروں کا سرشار، دیوانہ بکار خویش ہوشیار، ادب کا خادم

ادیبوں کا مخدوم سب سے نرالا، اپنی اداؤں میں البیلا، زبان والوں کا پیارا، ادب و انشا کی آنکھوں کا تارا ـــــ

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی
رسل گنج، علی گڑھ

دریاباد

۱۷ر اپریل ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

ہم سب کے امام و مقتدا! السّلام علیکم

خط پر خط پہونچ رہے ہیں۔ اور ہر دفعہ لطف عبارت سے محظوظ ہی کر رہے ہیں جواب میں کوئی بات عرض کرنے کی نہ سوجھی۔ کیوں خواہ مخواہ طول دوں ـــــ

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام مولانا اسعد القادری صدر پاکستان اردو اکیڈمی کراچی

دریاباد

۲۳ر جون ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

"قوم شبلی" کی تحریک مولانا "اسعد" کی طرف سے! بہت ہی خوب!

مرے شیر شاباش، رحمت خدا کی

پروگرام کی دفعات بکھری ہوئی مگر بڑی ہی نکھری ہوئی نظر آئیں۔ دلکش سی موہنی

وجد آفریں، اہل قال سے بڑھ کر اہل حال کے قابل۔ یہ نیاز نامہ انھیں کی خاطر سے ہے۔

والسّلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "چراغ راہ" کراچی

دریاباد

۵ر جولائی ۱۹۶۵ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

"چراغ راہ" کی روشنی آج پہلی بار اس "ظلمت کدہ" تک پہنچی بہ واسطہ "خورشید"

والسّلام

دعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام پروفیسر معین الرحمٰن، گورنمنٹ ڈگری کالج بھاول نگر، پاکستان

دریاباد

۷ر جولائی ۱۹۶۵ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

بڑی ہی حیرت ہوئی کہ اس مضمون پر اظہار خیال رہ کیسے گیا، ایسا کبھی ہوتا نہیں خدا معلوم کیا بھوگ پڑ گیا اور حیرت سے بڑھ کر ندامت اور ندامت سے بڑھ کر معذرت واجب ہو گئی۔

"نقوش" کے آخری نمبر میں ذکر عبدالحق پڑھا۔ میں ہوتا تو عنوان رکھتا "عبدالحق بہ زبان عبدالحق" ـــــ یہ خلاق تو اللہ میاں کی سنی تھی کہ حشر میں جسم کے ایک ایک ٹکڑے بکھرے کو جوڑ کر جسم کو پھر سے پیدا کر دیں گے اور نیست کو ہست بنا دیں گے ـــــ بندے کے لئے یہ صناعی بھی کچھ کم نہیں کہ اس نے چابک دستی سے صیغۂ غائب کو صیغۂ متکلم میں تبدیل و تحویل کر دیا۔ مشت خاک نے آخر کچھ تو حق احسن الخالقین کی نیابت کا ادا ہی کر دیا۔ نہ ہوا شاعرہ ہر طرف سے صدائیں مرحبا سبحان اللہ کی آنے لگتیں۔

بہر حال میں تو قائل آپ کی دیدہ ریزی، ذہانت، ذوق مجمع غرض ایک لفظ میں آپ کی صنعت گری کا ہو ہی گیا۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "نشان منزل" بھوپال

دریاباد

۶ر اگست ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

پیام

منزل مقصود تو ہر کلمہ گو کی ایک ہی ہے اور الحمد للہ کہ آپ کا "نشان منزل" اس کی نشان دہی ہر ہر منزل پر کرتا جاتا ہے۔

مبارک ہے اس سفر کی منزل اور مسافر کو ہر قدم پر اس کی نشان دہی بندے کے ہاتھ میں کوشش کے سوا اور ہے کیا؟ نتیجہ عاجل اس کے بس کا نہیں لیکن ثمرۂ آجل بہر حال کہیں گیا نہیں اور ہمارے آپ کے لیے یہی سب کچھ ہے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام مہر صاحب سالک روڈ مسلم ٹاؤن، لاہور

دریاباد۔

۱۶ر اگست ۱۹۶۵ء بسم اللہ

برادرم و مہر عالم! وعلیکم السلام

مولانا[۱] کے کسی مقالے متعلق "مریم زمانی" کا علم مجھے آج پہلی بار آپ سے ہوا۔ یہ میرے ذہن میں بالکل نہ تھا۔ عزیز کا دیوان "گل کدہ" اسی زمانے میں نکلا۔ مولانا[۲] نے اس کے دو لفظوں "مستی" اور "تحریک" پر گرفت کی تھی کہ ان میں پہلوئے ذم نکلتا ہے (یہ پہلوئے ذم کی بحث خالص لکھنوی مذاق کی تھی) اور حیرت ہے کہ مولانا نے صرف چند ماہ کے قیام لکھنؤ میں ان باریکیوں پر بھی عبور حاصل کر لیا تھا۔ عزیز خود مستند اہل زبان تھے ان غریب کو بھی وہ نکتے نہ سوجھے جو مولانا کو سوجھ گئے تھے۔ بحث میں حصہ معشوق حسن صاحب اطہر ہاپوڑی (شاگرد داغ) اور شاعروں اور ادیبوں نے بھی لیا تھا کچھ مضمون مخزن میں نکلے تھے اور کم سے کم ایک مضمون لکھنؤ کے رسالہ صبح امید (ایڈیٹر چکبست لکھنوی) میں ادیب کے فرضی نام سے۔

اس رسالہ کی جلدیں لکھنؤ کی جس لائبریری میں ہیں اتفاق سے اس کی CHECKING اس وقت ہو رہی ہے اس لیے کتابیں فوراً نہیں نکل سکتی ہیں۔

کراچی کے ابو سلمان صاحب[۳] تو ابوالکلامیات کے ماہر ہیں ان سے دریافت فرمایئے میرے خط کا تو شاید جواب نہ دیں معتوب[۴] نہ ہوتا تو خود ہی لکھتا۔

مسودہ کی واپسی کا منتظر ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔

(۲) ابوسلمان شاہجہاں پوری جو مولانا آزاد کے خاص معتقد ہیں اور ان پر سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

(۳) اس زمانہ میں مولانا اور ابوسلمان صاحب میں کچھ بے لطفی تھی جو بعد میں جاتی رہی

(۴) مسودہ تفسیر قرآن جس کے پبلشر کو طے کرنے کی کوشش مہر صاحب نے بھی کی تھی۔

مکتوب بنام طالب چکوائی لاجپت نگر نئی دہلی

دریاباد

۲۲ر اگست ۱۹۶۵ء بسم اللہ

کرم گستر! تسلیم

"برگ سبز" موصول ہوگئی تھی۔ وقت نکال کر ادھر ادھر سے سیر کرلی۔ "برگ" کا ہے کو ہے چمن ہے گلزار و شاداب اور آپ طالب نہیں اردو کے حق میں توعین مطلوب ہیں۔

دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام درشن سنگھ دگل صاحب، ۲۱۹ لکشمی نگر، نئی دہلی

دریاباد

۱۱ر ستمبر ۱۹۶۵ء بسم اللہ

مہربان بندہ! تسلیم

آپ کے کلام پر جو سرسری نظر ڈالی تو آپ اس شہد کی مکھی کی طرح نظر آئے

جو بلا تفریق و امتیاز ہر شیریں و شاداب پھول سے رس چوستی پھرتی اور اس سے لذیذ نفیس حیات بخش شہد یا امرت تیار کرتی رہتی ہے۔

یا پھر اس عاشق صادق کی طرح جو رسوم ظاہری میں ایمان سے بیگانہ لیکن محبت و معرفت کی منزلوں میں دیر و حرم دونوں کا یگانہ، ہر طرف تلاش نور کا مستانہ گھومتا پھرتا ہے۔ اور جہاں کہیں اسے کوئی کرن نظر آتی ہے بس اپنی جبین عقیدت سے وہیں سجدہ ریز ہو جاتا ہے

مبارک ہے ایسا شاعر اور ایسی شاعری خصوصاً اس شر و فساد کے دور میں اس آپا دھاپی میں اس نفسا نفسی کی بھاگ دوڑ میں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ

دریاباد

۱۴ ستمبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

قومی آواز کے بعض لفظا اور ترکیبیں اور ترجمے ایک مدت سے کھٹک رہے ہیں چند بطور نمونہ اس وقت پیش کئے دیتا ہوں جو برجستہ یاد پڑ گئے۔

۱۔ ANY کا ترجمہ بجائے ہر کے "کسی" سے مثلاً اس سرخی میں کہ یو تھانٹ کی کسی بھی تجویز پر غور ہو سکتا ہے۔

۲۔ "غرضیکہ" بجائے "غرضکہ"

۳۔ "علاوہ" بجائے "سوا" کے مثلاً یہ فقرہ کہ "صدر کے علاوہ اور سب کھڑے ہوئے

۴۔ "توجہ دی" بجائے "توجہ کی" (توجہ دینا تو ایک خاص اصطلاح نقشبندیہ کی ہے۔)

۵۔ "رسمی" بجائے باضابطے کے معنی میں (عربی کا رسم اردو کے رسم سے بالکل مختلف ہے اردو میں رسمی کے مقابل ہے ——— ؟ اور مترادف ہے لفظی یا ظاہری کا)

۶۔ "کافی" بجائے "بہت" یا بڑا کے مقدار یا تعداد کی زیادتی کے اظہار کے لیے۔

۷۔ "آزادانہ" FREE کے بجائے خوب خوب یا سخت وغیرہ خوب خوب لکچربازی ہوئی۔ بڑی مار پڑی۔

۸۔ جرأت مندانہ یا دلیرانہ ڈکیتی کے بجائے بے دردانہ بے رحمانہ۔ سفاکانہ۔

۹۔ ممکن ہو سکا بجائے ممکن ہوا یا محض ہو سکا کے۔

۱۰۔ بدسلوکی کے بجائے "بدکاری" بدفعلی، بداطواری کے لیے۔

والسّلام

عبدالماجد

بنام حکیم مولوی محمد زماں حسینی قاسمی دواخانہ کوٹوٹولہ کلکتہ

دریاباد

۶ر نومبر ۱۹۶۳ء کرم گستر! وعلیکم السّلام

تقریب عقد اور وہ بھی خاندان "نامی"[1] میں اللہ ہر طرح مبارک و مسعود کرے اَللّٰھُمَّ الف بینھما الخ یہیں سے پڑھے دیتا ہوں اس کو جسمانی حاضری کا بدل سمجھا جائے۔ والسّلام

عبدالماجد

(۱) یہ عقد مولانا محفوظ الرحمٰن نامی مرحوم (بہرائچ) کی تیسری صاحبزادی سے حکیم محمد زماں صاحب کے فرزند حکیم مولوی محمد عرفان الحسینی سے ۲۲ر نومبر ۱۹۶۳ء کو ہوا تھا۔

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی رسل گنج، علی گڑھ

دریاباد۔
۱۵ر نومبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

مقتدی کا سلام مقتدا کو

ارذل کا خطاب افضل سے۔

لکھنؤ میں صوبہ حج کمیٹی میں آپ کی ذات برادری کے ایک صاحب سے ملاقات ہوئی آپ کا ذکر خیر چھڑ کر اکبر کا مصرعہ آپ کی شان میں بلکہ آپ کی آن میں انھیں سنایا۔

ع قیامت ڈھائے گا جنت میں یہ بوڑھا جواں کر

سن کر پھڑک گئے اور کہے نہ پھڑکتے اللہ نے تخلیق ہی آپ کی ایسی کی ہے پڑھے لکھوں کی زبان میں ایک عجوبہ عام اور نخاس والوں کی بولی ٹھولی میں بوڑھے بالم۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب اڈیٹر، قومی آواز، لکھنؤ

"ان کی بیگم پر لکھنؤ میں رات کو رکشے پر ایک رہزن نے حملہ کیا تھا اور انصاری صاحب نے اسے مقابلہ کر کے بھگا دیا تھا یہ خبر قومی آواز میں شائع ہوئی اسے پڑھ کر مکتوب ذیل بھیجا گیا"۔۔۔

دریاباد۔
۳ر دسمبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

نئی ILIAD پڑھ کر

اہل قلم تو تھے ہی اہل سیف ہونا تھا اور اپنی ہیلن HELEN کے بچاؤ میں معرکہ سر کر کے "ویر چکر" کا تحفہ و اعزاز پانا تھا۔

میرے شیر شاباش رحمت خدا کی

عبدالماجد

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب

"مکتوب الیہ دریابادؔ آئے تھے لیکن بجائے مولانا مرحوم کے قیام دوسری جگہ کیا اس پر یہ شکایت آمیز مکتوب بھیجا"

دریابادؔ۔

۱۲ر دسمبر ۱۹۶۵ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

آمد دریابادؔ کی افواہی روایت کی تصدیق و تحقیق کہیں کل شام کو جاکر ہوئی!

ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے

میری مشرقیت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ میں موجود اور میزبانی کسی دوسرے کے حصہ میں جائے۔

ہم سے پردہ رہا غیروں سے ملاقات رہی

امین[1] مرحوم کا قریب ترین بزرگ میں ہی تھا اور مجھ ہی سے یہ بیگانہ وشی و بے التفاتی

شبلی کا گھر بھی خانہ دشمن کے پاس ہے

محشر خرام اور بھی دو اک قدم سہی

بیگانہ وشی کا ریکارڈ قائم کرنا اسی کو کہتے ہیں!

بھول جانا ہمارا یاد رہے

والسّلام۔ عبدالماجد

(۱) مراد حکیم ڈاکٹر امین دریابادی جو مولانا مرحوم کے بھانجے ہوتے تھے اور جن کا اس زمانہ میں انتقال ہوا تھا۔

مکتوب بنام مولوی سراج الحق مچھلی شہری حسن منزل الٰہ آباد

دریاباد۔

۱۴ر دسمبر ۱۹۶۵ء بسم اللہ

دو حرف

ازعبدالماجد

وہ مدح کاغذی ہی سہی اس عالم ناسوت میں جاری کرنے والے کو جنت کی بشارت مبارک ہو ـــــ یاران بنی کا مدح خواں بھی اگر جنتی نہ ہوگا تو اور کون ہوگا؟

مدح جو سرتاسر شرعی حقیقتوں پر ہو اس کا امتزاج شاعرانہ نازک خیالیوں اور مضمون آفرینیوں کے ساتھ تقریباً محال ہے اچھے اچھے اکابر عطار و جامی کے پائے کے لغزش سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکے ہیں تو اپنے دور کے سراج بیچارے سے یہ توقع کیوں کیجئے کہ ان کا قلم اونچ نیچ پر کبھی پڑے ہی گا نہیں لیکن پھر بھی یہ ایک ٹھوس واقعیت ہے کہ ان کا قلم سراج وہاج ثابت ہوا ہے! کیا بہ لحاظ مضمون کیا بہ لحاظ صناعی۔ حسن معنی و حسن صورت کا مجموعہ۔ اجر و ثواب کمانے والوں اور لطف و لذت کا چٹخارہ لینے والوں دونوں کے لیے یکساں جاذب نظر۔ اندھیرے گھر کا چراغ۔

(۱) مکتوب الیہ کے کلام پر۔

(۲) مکتوب الیہ کے کلام کا مجموعہ جو مدح صحابہ میں تھا۔

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "اردو نامہ" ترقی اردو بورڈ کراچی

دریاباد۔

۲۷ مارچ ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

مدت دراز کے بعد بحمداللہ "اردو نامہ" پھر دیکھنے کو ملا ۲۱ و ۲۲ ایک ساتھ۔ پیاسے کو پانی نصیب ہوا۔ شوکت سبزواری صاحب انتقادیات پر جب اور جو کچھ لکھتے ہیں اچھا ہی لکھتے ہیں۔

ممتاز حسن کا مضمون مرتضیٰ ادیب پر بھی اچھا ہے۔

بھاکڑی بولی پر ایک دہلوی خاتون نے خوب لکھ دیا ایک چھوٹا سا لغت اس نمونہ پر اودھ کی بھی دیہاتی بولی کا تیار کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے خود جوش صاحب بالکل کافی ہیں

صحت الفاظ کے معیار پر جن صاحب نے قلم اٹھایا ہے وہ قابل مبارک باد ہیں۔ معیار صحت ظاہر ہے کہ صرف اہل زبان کا استعمال و تصرف ہے انگریزی اصطلاح میں USAGE تاموس الاغلاط (اللہ اس کے مرحوم مصنف کو غریق رحمت فرمائے) بجائے خود مجموعۃ الاغلاط ہے۔ ایسے ملّائے مکتبی کو اردو پر توجہ فرمانے کی ضرورت کیا تھی خواہ مخواہ اردو بول چال کے سیکڑوں الفاظ کو عربی قواعد کی چھری سے ذبح کر ڈالا ہے۔

حصہ لغت حسب معمول بڑے شوق سے پڑھا اور مستفید ہوا۔ صرف دو لفظوں سے متعلق ہلکی سی کھٹک رہی۔ اجازہ کے تحت میں اگر بعض علوم کا اجازت نامہ اور پڑھا دیا جائے تو کیا ہے؟ مثلاً فن طب میں اجازہ مسیح الملک سے حاصل کیا۔ فن حدیث میں علمائے حرمین سے جا کر لائے۔ جلیل کا ایک مصرعہ ہے۔

دین اللہ کی ہے اس میں اجارہ کیا ہے

اس اجارہ کو آپ واضح طور پر کس معنی کے تحت لائیں گے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام نادم سیتاپوری بذریعہ عبدالرشید واچ میکر
طلاق محل کا پنور

دریاباد۔

۱۷ر اپریل ۱۹۶۶ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

جی نہیں بھوشن پدم بھوشن وغیرہ کا کوئی خطرہ نہیں۔ رقم سے متعلق بھی بڑا دھوکا پبلک کو دیا گیا ہے[1]

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

مفصل روداد خود اپنے قلم سے آئندہ ہفتے "صدق" میں دوں گا۔ آپ کا پنور[2] خوب پہنچے سیاست وغیرہ سے تعلق ہو جائے تو بہت خوب ہے۔

لیکن یہ قیام "طلاق محل" میں کیا معنی لاحول ولا قوۃ ایسا منحوس نام! "وصال منزل" ہوتا تو ایک بات بھی تھی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) یوپی گورنمنٹ کی اردو ہندی مشترک انعامی کمیٹی نے مولانا مرحوم کو ان کو اردو ادب کی خدمت کے سلسلے میں ۵ ہزار کا انعام دیا تھا یہی اردو مصنفین کے لیے سب سے بڑا انعام تھا اس خط میں اسی کا ذکر ہے۔

(۲) اس زمانہ میں مکتوب الیہ کا قیام کانپور میں تھا۔

مکتوب بنام سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب ایم اے شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

دریاباد۔

۲۱ر اپریل ۱۹۶۶ء بسم اللہ

عزیز ! وعلیکم السلام

جون میں یہ مشورہ ڈاکٹر صاحب میٹنگ ضرور ہو۔ شاہ صاحب کا پروگرام معلوم ہوگیا اب کی معارف میں نوٹ کرنے کے قابل کئی باتیں نظر آئیں اور بڑی بات یہ کہ اس کے لیے وقت مل گیا۔

۱۔ مناقب الاصفیاء پر بحث خواہ مخواہ بڑھتی جارہی ہے۔ موضوع سے دلچسپی رکھنے والا گروہ بہت ہی محدود ہوگا۔

۲۔ صـ۲۴۵ شروع کی سطر ۳ اعراف اس معنی میں اردو کے لیے بالکل نامانوس ہے عرف ہی جمع کا کام بھی دیتا ہے۔

۳۔ املا بہت سی جگہ اس طرح کا نظر آیا۔ کیلئے کیجاتی ہے ملکر۔ لیکر یہ سب بدلنے کے قابل ہے۔

۴۔ صـ۳۲۰ خامہ فرسائی غلط موقع پر استعمال ہوا ہے۔

"وہ رند بلانوش بھی تھے اور زاہد باصفا بھی"، اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی وقت میں تھیں اور آخر وقت تک رہیں اسے یوں لکھا جاسکتا ہے " اگرچہ اب ان کا شمار زاہدان باصفا میں تھا لیکن کبھی رند بلانوش بھی رہ چکے تھے" اس کے بعد والا فقرہ بھی ایسا ہی ہے۔

یہ خط جوابی نہیں صرف اطلاعی ہے۔ والسلام

دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "ہماری زبان" علی گڑھ

دریاباد۔

۲۸ر اپریل ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

مکرم بندہ!

آپ کا ۲۲ر کا پرچہ پیش نظر ہے اس کے ایک مراسلے میں سابق کے ایک مکتوب نگار سید فضل الحسن کے مکتوب ۲۲ر مارچ کی چار عبارتوں پر گرفت کی گئی ہے عبارتیں یہ ہیں۔

۱۔ ابھی حال میں، ۲۔ کوئی اعلیٰ پایہ کا خوش خط۔ ۳۔ ایک اہم ترین۔ ۴۔ موئے قلم کی کاوش۔

مجھ کم سواد کو ان چاروں میں زبان کی کوئی بھی غلطی نظر نہ آسکی۔ "حال" میں تاکید زور کا اضافہ محاورہ روزمرہ میں بالکل جائز ہے اور "موئے قلم کی کاوش" کی غلطی تو اور بھی سمجھ میں نہ آئی فصحاء کا استعمال لغت صرف ونحو کے قاعدہ پر حاکم ہے، محکوم نہیں "اہم" اردو میں لازمی طور پر افعل التفضیل نہیں "اہم تر" اور "اہم ترین" دونوں بالکل درست ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام مفتی محمد رضا صاحب فرنگی محلی لکھنؤ

دریاباد۔

۱۱ر جون ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السّلام علیکم

مولوی سید امین الحسن بسمل موہانی مرحوم میرے عزیزترین دوستوں میں تھے اور فرنگی محل کے مرید ان کے بجائے سید ظہور الحسن موہانی شرکت عرس فرنگی محل کے لیے آج ہی کل میں حیدرآباد سے لکھنؤ پہنچ رہے ہوں گے (میرے خط میں تھا کہ ۱۳ر کو پہنچ جائیں گے) بس دوسرا ورق کاٹ کر ان کے حوالہ کر دیا جائے۔

"علاوہ" کا استعمال موقع نفی پر ذرا نازک ہے۔ اچھے اچھے اس میں عجب کھا جاتے ہیں، علاوہ ایک سبیل کے اور کوئی سبیل موجود نہ تھی یہ موقع علاوہ کا نہیں بجز یا سوائے کا ہے۔ علاوہ کے معنی بشمول کے ہیں۔ حذف کے نہیں۔

"قومی آواز"[1] نے بدسلوکی کی ادبی بدعت جاری کر کے اب اس سے بھی بڑھ کر بدعت ہم جنسی کی شروع کی ہے۔ اردو میں چلے ہوئے لفظ اس گندے مفہوم کے لیے ہیں اگر انھیں چھوڑنا ہی ہے تو "تلذذ بالمثل" سے کام لینا تھا۔ "ہم جنسی" تو اس موقع کے لیے سو فی صدی مہمل ہے۔ والسلام

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا تعلق قومی آواز سے بہ حیثیت رپورٹر تھا۔

(۲) انگریزی لفظ HOMOSEXUALITY یا اغلام کا ترجمہ قومی آواز نے ہم جنسی سے کیا تھا اسی پر ٹوکا ہے۔

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "اردو نامہ" کراچی

دریاباد

۲۰ر جون ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

کرم فرما! السّلام علیکم

آپ کا نمبر ۴۲ پہنچا اپنا مراسلہ اس میں پڑھ کر سر پیٹ لیا "اجازہ" "ز" کے نقطہ اڑا کر اسے "اجارہ" بنا دینا آپ کے کاتب صاحب کا کمال فن ہے کیا انھوں نے مجھے بے "نقط" سنانے کی ٹھان لی ہے میں نے "اجازہ" اور "اجارہ" دونوں پر الگ الگ عرض خیال کیا تھا انھوں نے دونوں کو مٹا کر دونوں لفظ ایک کر دیئے۔ پڑھنے والوں نے میرے متعلق کیا رائے قائم کی ہوگی۔

اپنی بدخطی کا میں خود بہت قائل ہوں لیکن اس سے اس درجہ رسوائی کم ہی میرے نصیب میں آئی ہوگی۔

ص۶۵ ک ۱ کے اخیر اور ک ۲ کی پہلی سطر میں اجازہ زائے منقوط کے ساتھ پڑھئے بہ معنی اجازت نامہ اس کے بعد ک ۳ س ۳ میں اجارہ ہے۔ دیکھئے یہ تصحیح بھی کس صورت میں چھپ کر آتی ہے۔

اب کی قسط لغت میں بعض لفظ بہت نامانوس سے نظر آئے مثلاً اجنون۔ اجوین۔ اجدت، اجھنوں۔ اجھوں۔ آج کیوں نہ ان سب کے آگے مترک بڑھا دیا جائے جیسا کہ اجیرن کے آگے آپ نے خود بڑھا دیا ہے۔

اس نمبر میں ہاشمی فرید آبادی مرحوم کے خطوط بہت خوب ہیں پر لطف بھی اور پر معلومات بھی اور جوشش صاحب کے مضمون کا تو کیا ہی کہنا "برات" انھوں نے خوب ہی سجا کر نکالی ہے اس کا سہرا انھیں کے سر اور وہی اس برات کے نوشہ!

عطیہ خلیل صاحبہ کے مراسلے کے سلسلہ میں ایک شعر اور یاد پڑ گیا اس مشہور غزل کا مطلع ہے ؎

از مذہب من گبر و مسلمان گلہ دارد
وز پنجۂ من چاک گریبان گلہ دارد

یہ اس لیے لکھ دیا کہ شاید شاعر کے نام کی تلاش میں اس سے کچھ مدد مل جائے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر "قومی آواز" لکھنؤ

دریاباد۔

۲۲ر جولائی

بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

قینچی معماروں کی اصطلاح میں لوہے کی ان آڑی سلاخوں کو کہتے ہیں جو بہ طور جنگلے کے کسی عمارت پہ حفاظت کے لیے لگادی جاتی ہے۔ کھپریل کا ٹھاٹھر جس پر رکھا جاتا ہے اسے بھی کہتے ہیں لیکن لکھنوی شاعر نے اسے پہلے معنی میں استعمال کیا ہے اور چونکہ رعایت لفظی کا مارا ہوا ہے قدرۃً اس کا ذہن لفظ قینچی سے مقراض کی طرف منتقل ہوا اور اس سے اس نے کبوتر کے پر قینچ کر دیئے اللہ اس غریب کو غریق رحمت کرے کہ اس نے بے پر کی نہیں اڑائی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) قومی آواز میں گلوریوں کے کالم میں ایک لکھنوی شاعر کا مذاق اڑایا گیا تھا کہ انھوں نے شعری قینچی سے کبوتر کے پر کاٹے ہیں مولانا مرحوم نے اس بارے میں مکتوب بالا بھیجا۔

مکتوب بنام پروفیسر آل احمد سرور صاحب

جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

دریاباد۔

۱۲ر اگست ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

آپ ادھر پٹنے گئے اُدھر یہ نیازمند پٹنے کے قریب پہنچ گیا ۳۲ دانتوں میں ایک زبان سبنی تھی۔ ۳۱ر جولائی کو الہ آباد میں دیکھنے میں آئی۔ اردو کا تن تنہا نمائندہ یہ بے زبان۔ آپ نے شرکت نہ کر کے ظلم کیا اردو پر اکیڈمی پر اور خود اپنے پر، کون جانتا تھا کہ یہ غم سرور کے ہاتھوں اٹھانا پڑے گا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) ہندوستانی اکیڈمی کا جلسہ تھا جس میں سرور صاحب مشغولیت کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔

مکتوب بنام مولوی حبیب ریحان خان ندوی ایڈیٹر "نشان منزل" بھوپال،

(مندرجۂ ذیل پیام بھیجا گیا)

دریاباد۔

۱۳ر اگست ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

پیام

دین کا نشان "علم" تو "نشان منزل" مدت سے اٹھائے ہوئے ہے اور منزل مقصود

کی نشاندہی بھی اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے ہے اور اس سے زیادہ چاہیئے کیا بس اللہ اس کے کارکنوں کے اخلاص اور بصیرت میں بھی دن دونی اور رات چوگنی ترقی اور برکت دے۔

عبدالماجد

مکتوب بنام طاہر محسن کاکوروی، دفتر نور اللغات کاکوری لکھنؤ

دریاباد۔

۲۰ ستمبر ۱۹۶۶ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ "فضل" کے لیے میں نے اپنی تفسیر میں کچھ لکھا ضرور ہے لیکن اب اسے دوہرانا آسان نہیں۔ باقی آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی صحیح ہے اور اپنی جگہ بالکل کافی۔

۲۔ "فروق" پر ضرور لکھئے لیکن کل کتاب تو بڑی ضخیم ہو جائے گی۔ اسماء، صفات، افعال۔ سب ہی اس کے تحت آجائیں گے۔ اسماء مثلاً گلا، حلق، حلقوم، ٹیٹوا کا فرق صفات مثلاً سادہ دلی، سادہ مزاج، سادہ لوح کا فرق۔ افعال مثلاً لکھ دیجئے، لکھ ڈالئے۔ لکھ مارنے کا فرق۔

مماثل الفاظ کا ذخیرہ تو بہت بڑا ہے۔

۳۔ اللہ۔ رب، خدا کا فرق ضرور لکھئے۔

۴۔ الف مقصورہ کا املا تو انجمن ترقی اردو نے عرصہ ہوا محض الف کر دیا مثلاً ادنیٰ کے بجائے ادنا۔ تعالیٰ کے بجائے تعالا۔ اعلیٰ کے بجائے اعلا مگر یہ رواج پوری طرح چل نہ سکا حروف کے بدلنے کی بحث دوسری ہے ص کے بجائے س، ح کے بجائے ہ اور ض کے بجائے ز کرنے میں بڑی ہی دقتیں پیش آئیں گی اور معنی اور مفہوم میں ایک بھونچال آجائے گا اس لیے اس رائے کا میں قطعی مخالف ہوں۔ لغت کا کام فرد واحد کے بس کا نہیں۔ انگریزی کے

بڑے لغت دس دس بیس بیس فاضلوں نے مل کر اور انگریزی ادب کی ہزار ہا ہزار کتابیں من وعن مطالعہ کرنے کے بعد لکھی ہیں۔ پاکستان میں اردو لغت کا کام اب اس بڑے پیمانہ پر حکومت کی سرپرستی میں شروع ہوا ہے۔

مولوی نورالحسن[1] مرحوم تن تنہا لغت لکھ کر بڑا ہی مجاہدہ کر گئے۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مصنف نوراللغات اور مکتوب الیہ کے دادا۔

مکتوب بنام حیات وارثی صاحب سکریٹری اردو ہندی سنگم باغ مولوی انوار لکھنؤ

دریاباد۔

۱۴ر دسمبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

پیام[1]

حسرت موہانی سچے مسلمان تھے۔

" صاحب ایمان وعرفان تھے۔

" محبت کی جان اور اخلاص وایثار کے مجسم نشان تھے۔

" قناعت اور توکل میں اپنی مثال آپ تھے۔

" ایک بہترین شاعر خصوصاً غزل گو تھے۔

" جرأت وہمت میں لاثانی تھے۔

" جاں بازی وبے خوفی میں فرید تھے۔

" ایک بہترین ناقد وادیب تھے۔

اخلاق، کردار، عقل و ذہن کی خوبیوں کی جامعیت کے لحاظ سے ایک مکمل انسان تھے

عبدالماجد

(۱) یہ پیام حسرت موہانی کی وفات پر بھیجا تھا۔

مکتوب بنام مولانا محمد طیب صاحب دارالعلوم دیوبند

دریاباد۔

۱۷ر جنوری ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! وعلیکم السلام

آپ کی آنکھ ماشاء اللہ کیا بنی کہ آپ نے بہتوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اور ہم بے بصروں کو بھی اپنی بساط کے مطابق کچھ نور کی شعاعیں نظر آنے لگیں۔

نور السموٰت والارض بصیرت و بصارت دونوں میں ترقی بخشے اور لفظ و معنی، ادب و معرفت دونوں پر آپ کی حکمرانی برقرار رکھے۔

"صدق" میں بھی انشاء اللہ ضرور ذکر آئے گا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے آنکھ کی آپریشن کے بارے میں ایک نظم "آنکھ کی کہانی" کہی تھی مولانا کو بھی بھیجی تھی خط میں اسی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "ہماری زبان" علی گڑھ

لفظ چورنی

چوٹے کے لیے مونث چوٹی تو مستعمل ہے لیکن چور کا مونث کہیں نظر سے نہیں گزرا

البتہ شاہ رفیع الدین دہلوی قدیم مترجم قرآن کے ترجمہ قرآن مجید کے ایک ایڈیشن میں السارقۃ کے لیے لفظ چورنی نظر سے گزرا۔

شاہ صاحب کا شمار اہل زبان میں ہے اس لیے تنہا ان کی سند کافی ہے لیکن اگر ایک آدھ سند کہیں اور سے مل جاتی تو دل کو مزید اطمینان ہو جاتا۔ پھر یہ امر بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ شاہ صاحب کے ترجمہ کے میں نے پانچ مختلف ایڈیشن دیکھے مگر یہ لفظ صرف ایک ایڈیشن میں ملا اور یہ ایڈیشن تاج کمپنی (لاہور و کراچی) کا مطبوعہ چھوٹی طحائل کی صورت میں ــــــــ

عبدالماجد
دریاباد۔ بارہ بنکی

مکتوب بنام حبیب احمد صدیقی صاحب ممبر یوپی پبلک سروس کمیشن الہ آباد

دریاباد۔

۱۴ر فروری ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

مخلص نواز! وعلیکم السلام

"چرانگی" کا لفظ مجھے تو نہ کسی اردو لغت میں ملا نہ کسی ادیب کی تحریر میں، ہاں بعض عوام کو بولتے سنا ہے۔ مولانا آزاد نے اگر استعمال کیا تو بے خیالی میں ہی کیا گیا ہوں گے بڑے سے بڑے ادیب سے بھی بے التفاتی اور بے توجہی ہو ہی جاتی ہے

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

مکتوب بنام محمد عصمت خاں صاحب سکریٹری اردو فارسی سوسائٹی لکھنؤ

پیام بہ موقع یوم اکبر

دریاباد۔

۱۵ر مارچ ۱۹۶۷ء

کلام اکبر کی اگر آپ کو چاٹ پڑ گئی تو ایک ہی وقت میں۔

۱۔ آپ نے اپنی زبان بھی درست کر لی۔

۲۔ اردو کے ایک اچھوتے، لطیف، پیارے اسلوب بیان کے بھی رمز شناس ہو گئے۔

۳۔ اپنی سخن گوئی، سخن فہمی، سخن سنجی کی بھی نوک پلک درست کر لی۔

۴۔ توحید و معرفت کی بھی چاشنی چکھ لی۔

۵۔ اپنے اندر مشرقیت، اسلامیت، غیرت ملی اور خودداری کی روح بھی جذب کر لی۔

اکبر اور کلام اکبر پر سیکڑوں صفحے لکھ چکا ہوں اور پھر بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کچھ بھی نہیں لکھا اللہ تکملہ آپ لوگوں کے ہاتھ سے کر دے۔

عبدالماجد

مکتوب بنام فرحت انوار صاحبہ

۵۲۔ ایم سی ایچ ہاؤسنگ سوسائٹی بلاک کراچی

دریاباد۔

۲۰ر مارچ ۱۹۶۷ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! وعلیکم السلام

ہوم نرسنگ وغیرہ میں کامیابی خوب رہی اللہ ہر طرح مبارک کرے۔

فطرت کی اس شاعری پر دل کھول کر داد دینے کا جی چاہتا ہے۔ جو خود ہی دائم المرض ہو اور بیماریوں میں غرق اس کو تیمارداری میں برق بنا دیا! ہائے مومن ؎

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

یہ بھی اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ اس تیمارداری کے طفیل میں اب خود تیماردار کی بیماری کھودے اور اسے بیمار سے تندرست و توانا بنا دے۔ "صدق" اگر کبھی یہ خبر دیتا تو لکھتا کہ ایک خاتون کی ہمت مردانہ نے بیس بیس جوان مردوں کے چھکے چھڑا دیے۔ مریم زمانی کہنا گستاخی ہو تو کنیز مریم کہنے میں شک کی گنجائش نہیں۔

جن ڈاکٹر صاحب نے یہ کہا کہ مرض الموت فلاں بیماری ہوگی انھوں نے (نذیر احمدی زبان) میں جھک ماری۔ موت کا حال کون جان سکتا ہے۔ ڈاکٹر کی رسائی تو مرض تک ہے زندگی و ختم زندگی کا سوال اس سے بالکل الگ ہے۔

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام راج نارائن راز ۲۹/۳۰ پٹیل نگر نئی دہلی

دریاباد۔

۱۷ر اپریل ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

پیام[1]

منور صاحب[2] ماشاءاللہ شاعر ابن شاعر ہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ ان کا گھرانا ہی شعر و شاعری کا گھرانا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں۔

ایں خانہ تمام آفتاب است

پہلے لکھنوی تھے اب تو دہلوی ہو گئے۔ آنکھیں کھولیں تو زبان وادب کے ایک مرکز میں، اب چل پھر رہے ہیں اُٹھ بیٹھ رہے ہیں ہنس بول رہے ہیں تو زبان وادب کے دوسرے مرکز میں۔ آغاز بھی مبارک اور انجام بھی مبارک۔

کلام نام روشن کیے ہوئے آخر منورؔ بھی نہیں روشن بھی اور دوسروں کے لیے روشنی بخش بھی، ہونہار شروع ہی سے تھے سن کے ساتھ کلام میں بھی پختگی آتی گئی اور اب تو نام و شمار استادوں میں ہے۔

جیتے رہیں کہ ان کے دم سے خدمت اردو کی ایک روایت کہن زندہ وتازہ ہے

عبدالماجد

(۱) پیام بالا یوم منورؔ کے بارے میں بھجا گیا۔
(۲) مراد اردو کے خوش گو شاعر منشی بشیشور پرشاد منورؔ ہیں۔
(۳) منورؔ تخلص کی مناسبت سے۔

مکتوب بنام عبدالصمد صاحب تحصیل سہسوان ضلع بدایوں

دریاباد۔

۴ رجولائی ۱۹۶۷ء بسم اللہ

مہربان بندہ! وعلیکم السلام

محاورہ واقعی سر پر احسان کرنے کا ہے۔ دل پر احسان خلاف محاورہ ہے۔ البتہ میں اسے غلط نہ قرار دوں گا صرف غیر فصیح کہوں گا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام خواجہ غلام السیدین صاحب نئی دہلی

دریاباد۔

۸ر جولائی ۱۹۶۷ء بسم اللہ

عزیز مکرم! وعلیکم السلام

شاعر تو سخن شناس کی داد پر پھولا نہیں سماتا۔ اس بے ہنر کو ایک ہنر شناس کی داد و تحسین پر الٹی اور شرمندگی ہی ہوئی۔ اللہ نے کس غضب کا حسن ظن بعض دلوں اور دماغوں میں رکھ دیا ہے۔

آپ کو علم نہیں اپنی زندگی کے ایک دور میں آپ کے والد ماجد کا عملاً مرید رہ چکا ہوں۔ سیتاپور ہائی اسکول میں پڑھتا تھا غالباً آٹھویں درجے میں اور وہ لکھنؤ میں پریکٹس کیا کرتے تھے۔ عصر جدید بھی نکالتے تھے خاص انھیں کی زیارت کے لیے سفر لکھنؤ کا کیا بعد کو تو اس افراط و غلو میں اعتدال پیدا ہو گیا پھر بھی خاصی گہری عقیدت ان کے دم آخر تک رہی اور جب ان کی وفات کی خبر اچانک لکھنؤ کے انگریزی روزنامہ PIONEER سے معلوم ہوئی تو ایسا محسوس ہوا کہ کوئی بزرگ خاندان دعزیز اٹھ گیا۔ تو اس رشتے سے تو آپ میرے مرشد زادے، پیر زادے۔ مخدوم زادے ہوئے۔

۱۹۱۴ء میں میری عقلیت RATIONALISM اور لاادریت کا دور شباب تھا اس وقت مرحوم کی کوئی خدمت دعا و ایصال ثواب سے نہ کر سکا آپ کے بڑے چچا[۳] کی بھی تحریروں کا بھی بڑا مداح اور شیدائی رہا پھر ان کی آخر عمر میں علی گڑھ میں ان سے نیاز حاصل رہا کورٹ کی ممبری[۴] کے سلسلہ میں آپ کے چھوٹے چچا[۵] سے بھی دلی میں ملاقات رہی جب وہ ہندوستانی دواخانہ میں تھے۔

پچھلے دنوں سنا تھا کہ آپ شیعہ کانفرنس کے صدر ہو رہے ہیں بڑا اشتیاق رہا آپ

کے خطبۂ صدارت دیکھنے کا۔ اور حافظہ کے سامنے ۴۰ سال قبل کا منظر آگیا جب اس شیعہ کانفرنس سے آپ کے والد کو باہر نکل آنا پڑا تھا ابھی کئی دن ہوئے آپ کا "سفر ارتقاء" نظر سے گزرا ماشاء اللہ کچھ اور بھی لکھتا مگر وہ بات "من ترا حاجی بگویم" کی یاد پڑ گئی۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) خواجہ غلام الثقلین صاحب جو اپنے زمانے میں مسلمانوں کے لیڈر اور معاشرتی مصلح تھے اور شیعہ سنی اتحاد کے مبلغ۔

(۲) عصر جدید خواجہ صاحب کا ادبی اور اصلاحی رسالہ جو پہلے میرٹھ اور بعد میں لکھنؤ سے شائع ہونے لگا

(۳) .T. .D .G لکھنؤ کا مشہور و مقبول روزنامہ جو مہاراجہ محمود آباد کی ملکیت میں تھا۔

(۴) خواجہ غلام الثقلین صاحب کے بڑے بھائی۔

(۵) کورٹ سے مراد مسلم یونیورسٹی کورٹ کی ممبری۔

(۶) خواجہ غلام السبطین صاحب جو ہندوستانی دواخانہ کے بینجر تھے۔

(۷) شیعہ کانفرنس کے غلو سے خواجہ غلام الثقلین صاحب کو شدید اختلاف تھا۔

مکتوبات بنام محمد احسن خاں صاحب، ۴۹ امیور گلی دھرم پورہ لاہور ۱۲

دریاباد۔

۱۵ اگست ۱۹۶۷ء بسم اللہ

مہربان بندہ! وعلیکم السلام

جوابات حاضر ہیں۔

۱۔ "ڈگ ڈالنا" میرے علم میں نہیں، ڈگ بھرنا بولتے ہیں۔

۲۔ "پھیٹچر" عوام کی زبان ہے بوسیدہ، ناکارہ کے معنی میں۔

۳۔ "حاشیہ بردار" میرے علم میں نہیں ایک ملتا ہوا لفظ "غاشیہ بردار" ہے یعنی رکاب تھام کر چلنے والا، تابع، غلام۔

۴۔ "سخن گسترانہ" محض فن کے لحاظ سے نہ کہ شخصی، ذاتی مثلاً وہ سوال تو محض سخن گسترانہ زبان پر آگیا تھا کوئی شخصی توہین مقصود نہ تھی۔

(۵) "وفیات، وفات نامہ ـــــ وفات کی جمع کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے۔

(۶) "نکاس" اور "نکاسی" دونوں بجائے خود صحیح ہیں پانی کے لیے نکاس ہی آئے گا۔ مال، سامان تجارت کے لیے نکاسی و فروخت یا برآمد۔

(۷) "ناک لگی رہنا" سنا نہیں۔ ممکن ہے کہیں مستعمل ہو۔

(۸) "عامۃ الورود" کو تحسین ہی سمجھئے۔ ہمہ گیر مذاق علمی جو کسی مخصوص فن یا موضوع تک محدود نہیں۔

(۹) نفس مضمون یعنی اصل مضمون اس کے متعلقات یا ملحقات نہیں۔

آپ کے ملک میں کراچی میں اردو بورڈ کے ماتحت بڑا ضخیم و جامع بسوط لغت مرتب ہو رہا ہے اردو میں اب تک اس کی نظیر نہیں وہاں سے آپ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں میری مصروفیت کا آپ کو اندازہ نہیں قریب آدھ گھنٹے کا وقت اس جواب کی نذر ہو گیا ـــــ

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی، دارالافتاء لکھنؤ

دریاباد۔
یکم ستمبر ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

ایک رند خرابات اور بھرکا فرعشق (مسلمانی مراد ورکار نیست) کے نعرہ زن[1] کا تعارف وتذکرہ مفتی[2] شہر کے قلم سے خوب اور بہت خوب رہا۔ داد قبول ہو۔

لیکن یہ کچھ نہ بتایا کہ وہ حضرت ہیں کہاں[3]۔ ملنا چاہوں یا خط لکھوں تو کس پتے سے میں تو ملیح آباد تک جانے کو تیار ہوں ــــ یہ جاننے کا ہمہ تن منتظر ہوں۔

تحریر میں وہ جو کچھ بھی غضب ڈھاتے ہوں میرے سامنے تو اپنی موثر نعتیہ نظم انھوں نے بڑے ادب کے ساتھ سنائی ہے اور ایک سے زائد بار[4]۔

جی نہیں مولانا فرنگی محلی کا ذکر اگر کہیں آس پاس بھی اس کتاب[5] میں ہوتا تو میں ضرور ظاہر کر دیتا کتاب میری پہلے کی دیکھی ہوئی ہے۔

والسلام دعاگو ودعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مراد جوشؔ صاحب ملیح آبادی ہیں جو پاکستان سے آئے ہوئے تھے ان سے مولانا مرحوم کے بہت پرانے تعلقات تھے۔

(۲) مولانا کو آخر دم تک یہ خیال رہا کہ جوشؔ صاحب اپنی طبعی شرافت کی وجہ سے بالآخر الحاد سے اسلام کی طرف آئیں گے۔ لیکن مرحوم کی یہ آرزو زندگی میں نہ پوری ہوئی خدا کرے یہ آرزو اب پوری ہو جائے۔

(۳) مفتی صاحب سے جوشؔ کے غیر معمولی تعلقات تھے اسی طرف اشارہ ہے۔

(۴) مولانا فرنگی محلی سے مراد مولانا عبدالباری فرنگی محلی ہیں۔

(۵) افسوس ہے کہ اس کتاب کا نہ نام نہ پتہ چل سکا۔

مکتوب بنام حکیم چندر نیر صاحب صدر شعبۂ اردو و فارسی بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس[۱]

دریاباد۔

۱۲ ستمبر ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

بندہ نواز! تسلیم

آپ تو بڑی چیز نکلے ـــــ زندہ باش

اتنے بہتر اتنے مفصل، اتنے جان دار بلکہ جان بخش خط کی تو میں توقع ہی نہیں کر سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ خیال کئے ہوئے تھا کہ چندسطری ضابطے کا جواب آجائے گا اس کا بیشتر حصہ چھپنے کے قابل ہے۔

بہت ہی خوشگوار حقیقیں اس "شعاع نیر" سے روشن ہو جائیں گی۔

آپ اجازت دیتے ہیں نہ؟ اگر روکنا ہو تو لکھ دیجئے ورنہ آپ کی خاموشی کو نیم رضا نہیں بلکہ کامل رضا سمجھوں گا۔ نیازکیش

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم کے پچھلے خط کے جواب میں لکھا تھا کہ ہندو یونیورسٹی میں اردو و فارسی کی تعلیم کا بڑا اچھا انتظام ہے اور اس کی تفصیل لکھی تھی مکتوب بالا اسی کا جواب ہے۔

مکتوب بنام مرزا جمیل احمد بیگ ایڈوکیٹ موتی مارکٹ حیدرآباد

دریاباد۔

۲۴ ستمبر ۱۹۶۷ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

۱۔ مشکور بمعنی ممنون اصلاً یعنی عربی قاعدے سے غلط ہے لیکن اردو میں کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے۔ اور عوام ہی نہیں بعض خواص بھی یہی بولنے اور لکھنے لگے ہیں اس لیے زیادہ سختی اب صحیح نہیں خاص کر جب اس کا عطف ممنون کے ساتھ ہو۔

اصلاً صحیح لفظ شاکر یا متشکر ہے اور سلیس اردو میں شکرگزار

۲۔ جی نہیں صحیح املا اقلیت ہی ہے بہ تشدید۔

جی ہاں افسوس ہے کہ لکھنؤ آپ کی راہ میں نہیں پڑتا[1] ورنہ جو تاریخیں آپ نے لکھی تھیں وہ زمانہ میرے قیام لکھنؤ[2] کا ہے اگر گاڑی ادھر سے گزرتی بھی ہوتی تو اترنے کی صورت ہی نہ تھی اسٹیشن ہی آکر آپ سے مل لیتا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حیدرآباد سے دہلی آرہے تھے۔

(۲) کئی برس سے مولانا مرحوم کا معمول ۵، ۶ ہفتے لکھنؤ قیام کا ہوگیا تھا۔

مکتوب بنام نادم سیتاپوری سیتاپور

لکھنؤ۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۶۷ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

آج کل دریابادسے باہر ہوں[1] اور یہ کارڈ لکھنؤ سے لکھ رہا ہوں۔

کوئی اور اگر یہ سوال میاں چرکین[2] سے متعلق کرتا تو جواب میں صرف یہ لکھ بھیجتا جھی جھی لیکن آپ کی نفاست طبع کو یہ کیا سوجھی کہ خاک کو پاک کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اور کچھ مجھے ان بزرگ سے متعلق معلوم نہیں سوا اس کے کہ ردولی ان کا وطن تھا دیوان کی سرسری زیارت صرف ایک بار ہوئی تھی دو ہی چار ورق الٹے تھے کہ متلی ہونے لگی میرے علم میں تو دیوان بھر میں شاید بس ایک آدھ ہی صاف شعر ہے دوسروں کے سامنے پڑھنے کے قابل اس سے تو کہیں بہتر تھا آپ اپنا وقت جان[3] صاحب پر صرف کرتے کئی سال ہوئے خواجہ محمد شفیع دہلوی[4] ان کے کلام پر کتاب ڈامیں کام کر رہے تھے اور مجھ سے بھی الفاظ و محاورات کے بارے میں مراسلت جاری تھی۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) کئی برس سے معمول کے مطابق مولانا مرحوم آخر ستمبر سے ۵، ۶ ہفتے لکھنؤ میں قیام رکھتے تھے۔

(۲) غلاظت اور گندگی نویس شاعر۔

(۳) مشہور ریختی گو شاعر۔

(۴) ادیب شہیر ان کی انشا پردازی اور زبان دانی کے مولانا مرحوم بہت قائل تھے تقسیم کے بعد ہجرت کر کے لاہور چلے آئے اور اب وہیں مقیم ہیں بے چارے نے بہت مصیبتیں اٹھائیں تنگدستی اور فقر و فاقہ سہا غلط CLAIM نہیں داخل کئے حالانکہ دہلی میں بڑے صاحب حیثیت تھے۔

مکتوب بنام شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی لکھنوی، لکھنؤ

دریابار۔

یکم اپریل ۱۹۶۸ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

"العلم" کراچی والے سید الطاف علی کا عیادت نامہ آیا۔ خط کے آخر میں لکھتے ہیں "آپ کے معالج حکیم عبداللطیف سے مجھے بھی نیازمندی حاصل تھی میرا اسلام قبول فرمائیں وہ ضرور اپنے کمالات لطیف کا پورا زور آپ کے علاج میں صرف فرمائیں گے۔

جواب میں انھیں لکھ بھیجوں گا کہ "فن لطیف پر نظر اگر "الطاف" کی بھی نہ پڑے گی تو کس کی پڑے گی۔ والسّلام

دُعا گو و دعا خواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام وفا ملک پوری ایڈیٹر "صبح نو" پٹنہ

دریابار۔

۱۴ر اپریل ۱۹۶۸ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

شاعر تو یہاں تک کہہ گیا ہے۔

مکیں کی خیر ہو یارب مکاں رہے نہ رہے

اور "کاشانۂ وفا" تو شاعری کی دنیا میں جلنے اور برباد ہونے کے لئے تعمیر ہوتا ہے۔ خیر ہم سوختہ دل تو یہاں تک نہیں جاسکتے بلکہ خیر مکین و مکان دونوں کی مناتے رہتے ہیں۔

تاہم اس پر تو شکر ہی بھیجنے کا جی چاہتا ہے کہ جانیں محفوظ رہیں اور مکان کا بھی ایک حصہ اور مذہب کی یہ آواز کان میں آکر تسکین دے جاتی ہے کہ کسی غیبی تصرف سے جو بھی مصیبت آئے اس سے بندے کے گناہ دھلتے اور مرتبے بلند ہوتے رہتے ہیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بڑے ارادت مند تھے۔

مکتوب بنام سید الطاف علی بریلوی، ایڈیٹر "العلم" کراچی

لکھنؤ۔

۳۰ر اپریل ۱۹۶۸ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

یہ آپ کے پروفیسر عبدالمجید صاحب قریشی تو بڑے چھپے رستم نکلے اور آپ نے انھیں خوب ڈھونڈھ نکالا۔ تھوڑی بہت نیازمندی مجھے بھی ان سے حاصل تھی اور اسی واقفیت کی بنا پر انھیں ایک مردِ مسلمان اور علی گڑھ کا عاشق اور بڑا مخلص کارکن سمجھے ہوئے تھا۔ ان کی ادبیت کے جوہر تو آج پہلی بار کھلے۔

"العلم" کے تازہ نمبر نے تو انھیں دنیا سے روشناس ایک ادیب اور ایک مشاق اہل قلم کی حیثیت سے کر دیا اور اس انکشاف کا سہرا "العلم" کے "الطاف" کے سر رہا۔ ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں اور فارسی شعر و ادب سے تو ان کے اس ذوق لطیف کا میں ایک ریاضی دان سے تصور ہی نہیں کر سکتا تھا اللہ انھیں عمر نوح عطا کرے اور آپ اس طرح ان سے خزانے اگلواتے رہیں۔

ضمناً ایک بات میرے کام کی ان کے ہاں خوب مل گئی یعنی سید بدل الرحمٰن کا ٹوٹا پھوٹا

پتہ۔ اسکول کے زمانے کے ساتھیوں اور مخلصوں میں تھے۔[۵] اب تو ان کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکا تھا ۵۰-۶۰ سال بعد آپ نے یہ خوشخبری سنائی۔

آپ کا ادارتی حصہ بھی خاصا دل چسپ اور سبق آموز ہے زود فنائی تو تاریخ، ادب فلسفہ، سائنس سارے ہی علوم کا جوہر ہے۔

یہ خط ختم ہو چکا تھا کہ عیادت[۶] نامہ پر نظر پڑی۔ جزاک اللہ اب تو کچھ اور مہلت زندگی کی مل گئی۔ حکیم صاحب کے "فن لطیف" پر نظر الطاف کی نہ پڑے گی تو اور کس کی پڑے گی ان کو بھی اس کی اطلاع کرا دوں گا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ پرانے مخلص قومی کارکن تھے اور برسوں تک علی گڑھ میں بہ حیثیت پریسیڈنٹ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس قیام رہا ۱۹۵۰ء میں پاکستان ہجرت کر گئے۔ مکتوب الیہ کہنہ مشق مصنف بھی تھے اور تعلیمی معاملوں میں بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے چنانچہ پاکستان پہنچ کر آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔

(۲) "العلم" اس کانفرنس کا سہ ماہی علمی ادبی آرگن تھا۔

(۳) پروفیسر قریشی صاحب تقسیم سے پہلے مسلم یونیورسٹی میں صدر شعبہ ریاضی تھے۔ پاکستان بنتے ہی وہاں منتقل ہو گئے۔ پروفیسر صاحب کو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے گہری دلچسپی تھی اور کئی برس تک اس کے جوائنٹ سکریٹری رہے۔

(۴) مراد مکتوب الیہ۔

(۵) اس سے مولانا مرحوم کے اس خلوص و محبت کا اندازہ ہوتا ہے جو انھیں اپنے مخلصوں اور دوستوں سے تھا اور اس کا کہ وہ پرانے تعلقات کا کس درجہ لحاظ کرتے تھے اور کس درجہ اپنے پرانے ساتھیوں سے محبت کرتے تھے۔

(۶) اس زمانے میں مولانا علیل تھے اور لکھنؤ بغرض علاج آئے تھے سید صاحب نے عیادت نامہ اسی لیے لکھا تھا۔

(۷) مولانا کے معالج شفاء الملک حکیم عبداللطیف صاحب سابق پرنسپل مسلم یونیورسٹی طبیہ کالج تھے۔ "فن لطیف" بھی ان ہی کے نام کی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب بنام مولانا شاہ سراج الحق صاحب مچھلی شہری[1] حسن منزل، الہ آباد

دریاباد۔

۲۰ رمئی ۱۹۶۸ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

وہ گم شدہ کارڈ بحمد اللہ مل گیا اور میری خجالت بڑی حد تک دور ہوگئی۔ میز ہی پر نکلا دوسرے خطوط و کاغذات میں دب گیا تھا۔

پانچوں رباعیاں از سر نو پڑھ لیں۔ ماشاء اللہ و سبحان اللہ گویا قفل ابجد کی کلید! ایسے شاعر کا خود اپنے کو ابجد خواں سمجھنا خود ایک شاعری ہے۔ کاش ایسے ابجد خواں بہت سے ہوتے۔ تیسری رباعی کا کیا کہنا آنکھیں روشن کر دیں۔

یہ مشق ضرور جاری رکھئے۔ بہت سی ہو جائیں تو مجموعہ انشاء اللہ بہت کارآمد نکلے گا اور حضرت سراج کا چراغ بعض پرانے رباعی گویوں کی طرح مدتوں انشاء اللہ روشن رہے گا۔ والسلام

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت تھانویؒ کے مرید تھے اور بعد میں حضرت شاہ وصی اللہ کے مرید ہوگئے۔ مولانا مرحوم سے شاہ صاحب کی ملاقات تھانہ بھون میں ہوئی جہاں مولانا مرحوم

حضرت تھانویؒ سے ملنے گئے تھے اور شاہ صاحب کا قیام وہیں خانقاہ میں تھا وہیں ۱۹۳۲ء میں شاہ صاحب نے مولانا مرحوم کو انگریزی ترجمہ قرآن لکھنے کے لیے بہت زیادہ زور دیا یہ مخلصانہ تعلقات آخر دم تک قائم رہے اور دونوں کے مابین خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

مکتوب بنام شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ

مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور

لکھنؤ۔

۷ر اکتوبر ۱۹۶۸ء

بسم اللہ

حضرت والا! السلام علیکم

مدینہ منوّرہ کا یہ تحفہ یوں ہی کیا کم قابل قدر تھا چہ جائیکہ شیخ الحدیث کے واسطہ کرم سے ادھر کھجوروں کی حلاوت اور مٹھاس ادھر آنجناب کا جذبہ اخلاص اب سراپا سپاس بن کر نہ رہ جاؤں تو اور کیا ہو۔

سرزمین حجاز سے مادی تحائف میں یہی دو بہترین نعمتیں ہیں نمبر اول پر آب زم زم اور پھر یہی خرمائے محترم۔

بہرحال یہ تبرک پاکر دل باغ باغ ہوگیا اور زبان ہی سے نہیں کہنا چاہیئے کہ روئیں روئیں سے آپ کے حق میں دعائے خیر نکلی۔ والسلام

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) حضرت شیخ سے مولانا مرحوم کے خصوصی تعلقات تھے۔ انھوں نے مدینہ منورہ کے کھجور بھیجے تھے اس کے جواب میں یہ خط گیا جو دونوں کے مخلصانہ تعلقات کا آئینہ دار ہے

جب مولانا مرحوم کے بڑے بھائی مولوی عبدالمجید صاحب ڈپٹی کلکٹر سہارن پور میں تعینات تھے تو مولانا مرحوم کی تھانہ بھون اور دیوبند میں اکثر آمد ہوا کرتی تھی۔ تھانہ بھون میں تو قیام کئی کئی ہفتے کا ہوتا تھا۔ اور اس زمانے میں حضرت مولانا ذکریا سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں اسی زمانے سے تعلقات بڑھے۔

مکتوب بنام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ایڈیٹر میثاق،

دارالاشاعت اسلامیہ، اسلام پورہ لاہور،

دریاباد۔

۱۱ر نومبر ۱۹۶۸ء

بسم اللہ

صاحب من! السلام علیکم

"میثاق" بابت نومبر پیش نظر ص ۱ سے ص ۱۴

تحسین ناشناس کا ڈر نہ ہوتا تو دل نے بے اختیار یہ صلاح دی کہ اس ساری عبارت پر ایک خوب بڑا سا صاد ۱۴ کھینچ کر بھیج دیجئے۔ سبحان اللہ وماشاء اللہ۔

دل نے یہ جانا کہ یہ سب کچھ بھی میرے دل میں تھا۔

حیرت ہوئی کہ شبلی، فراہی[1]۔ ابوالکلام تینوں کی بنا ماضی بعد زماں و بعد مکاں دونوں کے باوجود اتنی صحیح کیوں کر کر لی۔

در حیرتم کہ بادہ فروشش از کجا شنید

ڈاکٹر رفیع الدین[2] کا بھی مقالہ اس نمبر میں بڑا قابل داد ہے۔

والسلام۔ دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مراد مولانا حمید الدین فراہی جو مولانا شبلی کے عزیز قریب اور بڑے ہی متقی لوگوں

میں تھے اور قرآن مجید کے خاص طالب علموں میں تھے۔

مکتوب بنام پنڈت سوامی دیال بسوانی مولف "رُوح سخن"

۵۲ کیتھی ٹولہ بسوان ضلع سیتاپور،

دریاباد۔

۱۷ر اپریل ۱۹۶۹ء بسم اللہ

دو لفظ

اردو شعر و ادب کی اتنی بڑی اور ایسی وسیع و جامع خدمت جیسی کہ "روح سخن" ہے بغیر اس کا نمونہ دیکھے سمجھ میں نہیں آسکتی "کوزہ میں دریا" سنا جارہا تھا دیکھنے میں اب آیا پنڈت جی کا ذوق ادب اگر قابل داد ہے تو ان کی وسعت مطالعہ قابل رشک، خدا جانے انھوں نے کیا کچھ پڑھ ڈالا ہے اور دریائے سخن کا ایک ایک گلی کوچہ چھان ڈالنے کا وقت کہاں سے نکال لیا ہے!

انھیں حق پہنچتا ہے کہ اپنی کتاب کو بطور چیلنج دینائے اردو کے سامنے پیش کر کے دعوت دیں کہ ہیں کوئی صاحب اس غزل کا جواب لکھنے والے۔

ع۔ دیکھیں اس بحر سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا

اللہ اللہ اردو کے کیسے کیسے دیوانے اس صدی میں بھی موجود ہیں اور اردو کے خزانے میں کیا کچھ موجود نہیں۔

اردو کی جتنی خدمت برہمنوں اور کائستھوں نے کر ڈالی ہے مسلمان اس سے زائد کیا کریں گے لیکن وہ زمانے دوسرے تھے۔ حیرت اس پر ہوتی ہے اور یقین مشکل سے آتا ہے کہ نسیمؔ و سرشارؔ، ساحرؔ و حشیؔ، چکبستؔ و ملاؔ کی صف کے لوگ اب بھی موجود ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ ہمارے پنڈت جی اپنے قد و قامت میں ان سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں بلکہ گمنامی

میں پڑے ہوئے صلہ و مدح کی طرف سے بھی گویا بے پرواہیں۔

"روح سخن" کو اسکولی اور کالجی نصاب میں تو جگہ یقیناً ملنا چاہیئے۔ باقی ہماری ریاست میں جو سرکاری سرپرستی میں ہندی سمیتی قائم ہے اس کے شعبۂ اردو کو بھی اپنی قدرشناسی کا پورا ثبوت دینا چاہیئے۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی تالیف پر پیش لفظ۔

(۲) پنڈت دیاشنکر نسیم (۳) پنڈت رتن ناتھ سرشار (۴) پنڈت امرناتھ ساحر (۵) کرشن سہائے وحشی کانپوری (۶) پنڈت برج نارائن چکبست (۷) پنڈت آنند نرائن ملا۔

مکتوب بنام ایس اے احسن نقوی انجمن ارباب ادب، تھانہ وزیر گنج لکھنؤ

دریاباد۔

۱۳ر دسمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

پیام[1]

علی عباس حسینی کیا بہ حیثیت انسان اور کیا بہ حیثیت صاحب فن دونوں حیثیتوں سے بڑا ممتاز درجہ رکھتے تھے کہنے کو وہ "ترقی پسند" تھے لیکن میں کہا کرتا تھا کہ اگر ایسے ہی ترقی پسند سب ہو جائیں تو میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں اتنا صاف ستھرا قلم اتنا شستہ ذوق، اتنی صحیح اور سلیس زبان، گندگی و بداطواری سے اتنا گریزاں ان کے طبقہ میں شاید ہی کسی کے نصیب میں آیا ہو۔ امریکہ کے گندے جنسی ناولوں کے مطالعہ میں غرق رہتے لیکن کیا مجال جو اپنے قلم پر ذرا بھی ان کا عکس پڑنے دیں۔ زندگی کی عکاسی اور مصوری میں انھیں ملکہ حاصل تھا اور زبان و بیان پر پوری قدرت۔

بہ حیثیت صاحب قلم اگر شریف تھے تو بہ حیثیت انسان شاید شریف تر۔

جب انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے تو منطق (LOGIC) کے کچھ سبق مجھ سے پڑھ لیے تھے اس چند روزہ سرسری تعلق کا پاس آخر عمر تک کرتے رہے خود بوڑھے ہو چکے تھے مگر میرے سامنے اپنے کو طالب علم و شاگرد ہی سمجھتے رہے[۳]۔ یوں بھی منکسر، متواضع، صلح کل، خدمت گزار، مہمان نواز قسم کے آدمی تھے۔ آخر عمر میں عبادت و مذہبیت کا رنگ اور غالب آگیا گفتگو اکثر آیات قرآنی پر کرتے اور نماز کے لیے چوکی بستر علالت کے پاس لگی رہتی اتنی خوبیوں کے لوگ کمتر ہی نظر آتے ہیں۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) یہ پیام پروفیسر عباس حسینی کے یادگاری جلسہ کے موقع پر بھیجا گیا۔

(۲) ان تمام اوصاف سے ترقی پسند حضرات معرا ہوتے ہیں۔

(۳) منطق غالباً ۱۹۴۰ء تک انٹرمیڈیٹ کے نصاب میں داخل رہی اس کے بعد خارج کر دی گئی مولانا مرحوم طالب علمی کے زمانے میں بھی اور اس کے بعد بھی اس کے فاضل تھے۔

(۴) یہ حسینی مرحوم کا کمال شرافت تھا۔

مکتوب بنام شاہ معین الدین صاحب، ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ

دریابادہ۔

۵ر جنوری ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

مکرم بندہ! وعلیکم السلام

ع۔ خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے[۱]

ع۔ قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

شاہ گنج اسٹیشن پر جو حکم سفر سرائے میر کا ملا[۱۰] وہ حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔ ہر حال میں میرا دیہی ذہن اپنے حق میں ظلم سمجھتا چہ جائیکہ اس وقت تو بیماری کی ایک تکلیف میں مبتلا تھا[۱۱] اعظم گڑھ پہنچ کر عالم ہی دوسرا نظر آیا۔

ع رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر!

رُدولی کی ضرب المثل مہمان نوازی اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر دلسنہ[۱۲] کی میزبانی کا گوشۂ چشم دوسروں کے لیے وقف[۱۳] ایک طرف مسکین گدایان یک طرف۔ فجر کی چائے جب اشراق تک نہ ملی تو قدرتی قبض شدید پیدا ہو گیا جس کی تکلیف کئی دن تک رہی۔

واپسی میں جب اسٹیشن گیا تو ٹکٹ تو سیدھے کہاں ملتا[۱۴] گاڑی آئی تو بجائے پلیٹ فارم کے زمین دوز پٹری پر رکی اب سوار زمین سے اچک کر سوار ہونے کی اور کیا صورت تھی۔ آدمی نے جو ساتھ تھا درجہ کے اندر سے دست گیری کی اور مولوی نعیم[۱۵] نے نیچے سے سہارا دیا جب جا کر مشکل آسان ہوئی[۱۶]

خیر جو نوشتہ تقدیر تھا ہو کر رہا اس "شکوہ" کے "جواب شکوہ" کی ہرگز ضرورت نہیں نہ گرم نہ نرم۔ درخواست[۱۷] صرف آئندہ کے بارے میں ہے۔

سید[۱۸] صاحب کے زمانے میں مہمان خانے کا کمرہ خصوصی میرے لیے مخصوص رہتا تھا اب اس کی بحالی پھر کر دی جائے سوا اس کے کہ ڈاکٹر محمود[۱۹] صاحب آجائیں۔

ملازم انشاء اللہ ساتھ لایا کروں گا اور ساتھ ہی تھرماس بھی چائے رات میں بند کر کے اس میں رکھ لیا کروں گا[۲۰]

ایسے اجتماع عام[۲۱] کے موقع پر حاضری سے بالکل ہی معافی چاہتا ہوں

لیجیے ایک معاملہ ذکر کرنے سے رہ ہی گیا۔ آپ تو رخصت ہو چکے تھے۔ میری روانگی سے کوئی پون گھنٹہ قبل مدرسہ بلیریا گنج کے کوئی پچاس طلبہ کا گروہ ایک مدرس کی

قیادت میں حملہ آور ہوا فرداً فرداً دست بوسی، متعدد کاپیوں پر دستخط، تقریر پر اصرار وغیرہ غرض ہر وہ فرمائش جو ہجوم اپنے لیڈروں سے کرتا رہتا ہے[۱۴]۔

دیے داغ نے امتحاں کیسے کیسے[۱۵]

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم دارالمصنفین کے جلسہ انتظامیہ میں شرکت کرنے اعظم گڑھ تشریف لے گئے اس سفر میں متعدد تکلیفیں اٹھانی پڑیں اس خط میں اس کا ذکر ہے دونوں مصرعوں میں اسی طرف اشارہ ہے۔

(۲) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم سے مدرسہ اصلاح سرائے میر جانے کے لیے اصرار کیا۔

(۳) اس وقت منہ میں ہلکے زخم کی تکلیف تھی۔

(۴) مراد شاہ معین الدین احمد صاحب ناظم دارالمصنفین۔

(۵) مراد سید صباح الدین عبدالرحمٰن اس وقت دارالمصنفین کے ناظم مالیات تھے۔

(۶) مولانا مرحوم بڑے ہی حساس تھے اس جلسہ میں انھوں نے محسوس کیا کہ ہر دو ناظم صاحبان شاہ معین الدین اور سید صباح الدین صاحب کی طرف سے التفات میں کمی ہے۔

(۷) مراد اعظم گڑھ اسٹیشن۔

(۸) دریاباد سے شاہ گنج تک بڑی لائن یعنی نادرن ریلوے کی تھی اور شاہ گنج سے اعظم گڑھ چھوٹی لائن یعنی نارتھ ایسٹرن ریلوے اور یہی صورت واپسی میں بھی ہوئی تھی

(۹) مولانا مرحوم آخر عمر میں تنہا سفر نہیں کر سکتے تھے اس خط میں بعض معذوریوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ مولانا مرحوم کا حد درجہ انکسار ہے کہ وہ شاہ صاحب سے ہر لحاظ سے سینیر ہونے کے باوجود انھیں سے درخواست کرتے ہیں۔ مولانا بہ لحاظ عہدہ دارالمصنفین

کے ورکنگ پریذڈنٹ تھے سے درخواست کرتے ہیں۔

(۱۱) مراد حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۱۲) ڈاکٹر صاحب انتظامیہ کے صدر تھے۔

(۱۳) یہ مولانا مرحوم کی خصوصیت تھی کہ ہر چیز سے بحر پور حاصل کرتے تھے اور نہ خود اسے پسند کرتے تھے کہ وہ خود تکلیف اٹھائیں اور نہ دوسرے تکلیف میں مبتلا ہوں سفر اعظم گڑھ میں ان تکلیفوں کے بعد انھوں نے اس کا خود حل تلاش کر لیا تاکہ آئندہ تکلیفوں سے محفوظ رہیں۔

(۱۴) بڑے مجمع سے مولانا مرحوم بہت گھبراتے تھے۔

(۱۵) اس قسم کی فرمائشوں سے مولانا مرحوم کو وحشت ہوتی تھی۔

(۱۶) اس خط سے یہ افسوسناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ مولانا مرحوم کے ساتھ بے التفاتی کی جاتی تھی۔

مکتوب بنام لئیق نعمانی صاحب، روضہ بندہ نواز گلبرگہ

دریاباد۔

۱۴ر فروری ۱۹۷۰ء بسم اللہ

"فضائل الخیرات" کے فضائل و خیرات پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ ہے دکھانا بات سورج کی طرح روشن ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

جس کو جو کچھ ملا ہے یہیں سے ملا ہے۔

مبارک ہیں وہ جنھیں اس کی خدمت کی بھی توفیق ہو جائے۔

عبدالماجد

مکتوب بنام جناب شہباز حسین صاحب ایڈیٹر ماہ نامہ "آج کل"
پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی

دریاباد۔

۶ رمئی سنہ ۱۹۷۰ء بسم اللہ

مکرم نیازکیشاں! وعلیکم السّلام

حکم نامہ پہنچا حیرت ہی ہو گئی۔[1] ایک بے کمال کیسے با کمالوں کی بزم میں قدم رکھے اور اپنی "داستان حیات" ہنرمندوں کو سنائے۔

لیکن بہرحال فرمائش ایک "شہباز" کی زبان سے ہوئی ہے: کنجشک و غریب میں تاب و توانائی کہاں کہ سرتابی کرے انشاء اللہ تعمیل جوں توں ہو کر رہے گی ہفتہ عشرہ کی مدت میں۔ والسّلام

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم سے اس کی فرمائش کی تھی کہ اپنے حالات زندگی تحریر کر کے ان کے رسالے کے لیے بھیجیں۔

مکتوب بنام نند کشور وکرم صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر ماہ نامہ "آج کل" نئی دہلی

دریاباد۔

۲۵ رجون سنہ ۱۹۷۰ء بسم اللہ

مہربان بندہ! آداب و تسلیمات

عشق دمزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نکو نامی فرہاد نہیں

اس تشہیر اور خود نمائی کی فرمائش مجھ زشت رو سے! جسے آئینہ میں بھی اپنا عکس دیکھنا گوارا نہیں[۲]۔ حیران ہوں کہ تعمیل سے معذرت کن الفاظ میں پیش کروں۔

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم سے اپنا فوٹو بھیجنے کی فرمائش کی تھی۔

(۲) یہ بھی مولانا مرحوم کا معمول تھا کہ کبھی آئینہ نہ دیکھتے تھے اور اس کا اکثر ہم لوگوں سے ذکر کیا کرتے تھے۔

مکتوب بنام مہذب صاحب مہذب اللغات منصور نگر لکھنؤ

لکھنؤ۔

۱۷ر اکتوبر ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

کرم گستر! تسلیم

۱۔ لکھنؤ کے عوام کی زبان سے بارہا یہ محاورہ سننے میں آیا کہ "وہ مجھ سے بھی چار جوتے آگے ہے" بجائے چار جوتے بجائے چار قدم چار ہاتھ کے۔ آپ کے لغت میں جوتے کا یہ تصرف دیکھنے میں آیا۔

۲۔ "چیل جھپٹا" دکان داروں کی زبان ہے چوہے دان یا موش دان ہی کے معنی میں مستعمل ہے۔

۳۔ سیتاپور ہائی اسکول[۱] میں میرے عربی کے استاد ایک لکھنوی سید حیدر حسین نامی تھے ان کی زبان پر ۱۱ : ۱۲ کا تلفظ برابر گیارہ بارہ دونوں نون غنہ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔

شاید لکھنؤ کے بعض محلوں کا لہجہ یہی ہو جیسا کہ دہلی کے بعض طبقات یا بعض محلوں کا ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم نے انٹرنس تک تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول سیتاپور میں پائی پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے لکھنؤ آگئے۔

مکتوب بنام محمد طفیل صاحب ایڈیٹر "نقوش" لاہور

دریاباد۔

۲۸ر دسمبر ۱۹۶۰ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

عنایت نامہ کچھ روز ہوئے مل گیا تھا جواب دینا تو کچھ ذہن سے اتر گیا اور کچھ اس سوچ میں بھی پڑا رہا کہ آخر لکھوں تو کیا لکھوں۔

کوئی دو برس ہو گئے کہ نہ آپ کی طرف سے کچھ چھپا ہوا، پرزہ کوئی اخبار، رسالہ یا کتاب یہاں پہنچ پاتا ہے اور نہ ادھر سے ادھر۔

ع جیسی ہے اب تیری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

ایک آدھ صاحب نے ہمت کر کے اپنی ڈاک کابل اور لندن سے روانہ کرائی وہ تو البتہ مل گئی لیکن ظاہر ہے کہ اتنی ہمت ہر ایک کہاں سے لا سکتا ہے۔

اب بہ ظاہر زندگی بھر ملاقات کی کیا صورت۔

رشید صدیقی سے ملاقات مدتوں کے بعد ہوئی بے چارے آنکھوں کی شکایت میں مجھ سے بھی بڑھ کر مبتلا، میں نے شاید ان سے کبھی ہم چشمی کا دعوا کیا ہو قدرت نے اچھی چشم نمائی میری کر دی۔ دل اس کی داد آپ کے سے مبصر سے چاہتا ہے!

لاہور کے بہت سے دوست احباب زندہ و مرحوم یاد آتے ہیں خصوصاً میں جعفری مرحوم

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۲) مراد پروفیسر رشید احمد صدیقی جو مولانا مرحوم کے مخلص دوستوں میں تھے اور جن کا انتقال مولانا کے انتقال کے ایک ہفتہ بعد ہوا اور جن کا تعزیت نامہ شاید سب سے پہلا تھا۔

مکتوب بنام خیر بہوروی

دریابادؔ۔

۱۰ر جنوری ۱۹۷۱ء بسم اللہ

پیام[1] ——— از عبدالماجد دریابادی

قاضی عبدالغفار مرحوم ظریف تھے۔

" " " اور شریف تھے۔

ظرافت اور شرافت کا اجتماع لازمی نہیں قاضی صاحب دونوں کے جامع تھے۔

مسکراتے ہوئے مزاج میں جسے خوش طبعی کہہ لیجئے یا شوخ نگاری اردو میں ان کی ٹکر کا شاید کوئی مل سکے۔

وہ ابتذال اور رکاکت سے ناآشنا تھے اور پھکڑ کی تو شاید انھیں ہوا بھی نہ لگی تھی وہ مہر و وفا کے پتلے تھے بغض، دشمنی و دل آزاری سے کوسوں دور تھے۔ زندہ دلی کے ایک مجسم پیکر تھے۔ مدتوں مولانا محمد علی کے حاشیہ نشین رہے صحافت کے ابتدائی سبق انھیں سے سیکھے علی گڑھ کے شیدائی تھے وہیں کی زمین اپنی ابدی خواب گاہ بنائی۔

اللہ جزائے خیر دے جناب خیر کو انھیں کی یاد ہم غافلوں کو دلادی۔

(۱) یہ پیام قاضی عبدالغفار مرحوم کی یادگاری تقریب کے موقع پر بھیجا گیا۔

مکتوب بنام مولانا ابوالحسن علی ندوی رائے بریلی

دریاباد۔

۱۲ر جنوری ۱۹۷۱ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

مصنف حیات عبدالحیؒ[1] زندہ باد۔ خوب کیا جو کتاب چھپتے ہی بھیج دی میں نے بھی سارے کام چھوڑ کر وہی پڑھنا شروع کر دی۔ جزاک اللہ وسبحان اللہ وماشاء اللہ۔

اسی وقت چند سطریں گھسیٹ بھی ڈالیں۔ اب گنجائش "صدق" میں جب بھی نکلے۔ کتنے عزیزوں دوستوں کی جیتی جاگتی تصویریں چلتی پھرتی نظر آگئیں گویا کتاب نہیں سامنے بائسکوپ کھلا ہوا ہے۔

"کتاب فیہ ذکرکم" کی ایک نئی تفسیر۔

شاید کہ لہو کے پھول[2] کا ذکر بھی "صدق" میں پڑھ لیا ہو۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد ماجد حکیم عبدالحیؒ صاحب ناظم ندوۃ العلماء

(۲) حیات اللہ انصاری صاحب کا ضخیم ناول۔

مکتوب بنام شاہ غلام حسنین صاحب[1] پھلواری شریف

دریاباد۔

۱۴ر جنوری ۱۹۷۱ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ تحفہ شمس المعارف[۲] پہنچا۔ سبحان اللہ

۲۔ جلوہ سلیمان[۳] نظروں میں پھر گیا۔ ماشاء اللہ

۳۔ "صدق" میں چند سطریں نکلنے ہی نکلیں گی[۴] انشاء اللہ

۴۔ والا نامہ پہنچا۔ بارک اللہ

۵۔ ضمناً صحت و خیریت بھی دریافت ہو گئی۔ الحمد اللہ

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم کے مخلصوں میں تھے اور "صدق" کے بے انتہا قدر دان۔ ان کے والد مولانا شاہ سلیمان پھلواری سے مولانا مرحوم کے والد کے تعلقات خصوصی تھے۔

(۲) مراد مصنف کی تصنیف شمس المعارف جو مولانا مرحوم کو بھیجی تھی۔

(۳) مراد مکتوب الیہ کے والد ماجد شاہ سلیمان پھلواری۔

(۴) بطور تعارف۔

مکتوب بنام نادم سیتاپوری ۲ ۹ ۱ فردوس کالونی کراچی

دریاباد۔

۱۸ر جون ۱۹۷۱ء بسم اللہ

برادرم سلمہ اللہ! وعلیکم السلام

"فردوس کالونی" کے بسانے والے کو اگر "فردوس مکاں" یا "جنت نشاں" کہوں تو اور کیا کہوں ——

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام عبیداللہ صاحب شاہ گنج جون پور

دریاباد
۳ر نومبر ۱۹۷۱ء

بسم اللہ

مکرم بندہ! وعلیکم السلام

۱۔ "میں لکھنے جارہا ہوں" فقرہ صحیح ہے۔ پرانے ادیبوں کے یہاں یہ ترکیب نہ تھی اب جائز اور رائج ہے۔ "جانا" ایک معنی "ارادہ کرنا" آمادہ ہونا" "سامان مہیا کرنا" سب اردو میں داخل ہوگئے ہیں۔

۲۔ "مشکور" شاکر کے معنی میں بہ قاعدہ عربی غلط ہے۔ لیکن اردو میں عوام ہی نہیں خواص کی زبان پر بھی کثرت سے آنے لگا ہے۔ اب اسے اردو میں غلط کہنا مشکل ہوگیا ہے میں خود البتہ احتیاط کرتا ہوں اور اس کے بجائے "ممنون" یا "شکرگزار" لکھ دیتا ہوں۔

سب قاعدوں سے مقدم اہل زبان کا استعمال محاورہ و روزمرہ ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کو صحت زبان کا کتنا اہتمام رہتا تھا اس بارے میں وہ کتنی زیادہ نزاکتوں کا لحاظ رکھتے ہیں اور کس قدر وسیع ان کا مطالعہ تھا۔

مکتوب بنام مرزا جمیل احمد بیگ ایم اے (علیگ) ایڈوکیٹ
موتی مارکیٹ حیدرآباد

دریاباد۔
۸ر نومبر ۱۹۷۱ء

بسم اللہ

عزیزہ مکرم! وعلیکم السّلام

سوال کے جواب میں گزارش ہے کہ میرے محدود علم میں "مشکور" اس موقع پر عربی قاعدہ سے صحیح نہیں۔ لیکن اردو میں اس کثرت سے استعمال ہو گیا ہے کہ اب اسے غلط کہنا بھی آسان نہیں رہا۔ بہرحال خلاف احتیاط ضرور ہے میں اس موقع پر "شکر گزار" لاتا ہوں۔

اور اگر کوئی "مشکور" کا عطف ممنون کے ساتھ لے آئے اب چونکہ غلط فہمی باقی نہیں رہتی اس لیے اس کے لیے بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ لغت سے مقدم اہل زبان کا روزمرہ محاورہ ہے۔

ہاں خوب یاد آیا "شاکر" اور "شکر گزار" کا متبادل و مترادف ایک لفظ "متشکر" بھی ہے۔ والسلام

بچ مدان

عبدالماجد

مکتوب بنام سید ظہور الاسلام ندوی علی گڑھ

دریاباد۔

۱۴ر دسمبر ۱۹۷۱ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السّلام

"اسجب" تو اردو لفظ ہے (آیا جس زبان سے بھی ہو) اسے اردو ہی لغت میں دیکھنا تھا۔ کہ عربی میں بعض الفاظ ایسے بھی زبان میں ہوتے ہیں جو عوام یا خواص کے کسی بہت محدود طبقہ کے اندر رہتے ہیں۔ عام استعمال میں نہیں آتے اور اسی لیے لغت تک بار نہیں پاتے۔

"انجب" بھی اسی قسم کا معلوم ہوتا ہے عامیانہ تو ہے ہی ساتھ ہی بہت قلیل الاستعمال اور صرف طنزیہ الٹے معنی میں جیسے "ذات شریف" شریف کے معنی میں "بڑے حضرت ہیں" شریر النفس کے معنی میں "بختا درہ آئی ہے۔ کم نصیبی سوار ہوئی ہے۔

شاید تحریری زبان میں "انجب" کہیں بھی استعمال نہیں ہوا ہے اس لیے اہل نظر لغت کی نظر چوک گئی۔

کتاب محمد ذکی صاحب کی پہنچ گئی انشاءاللہ گنجائش نکلتے ہی تعارف "صدق" میں آجائے گا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام عشرت علی صدیقی صاحب ایڈیٹر "قومی آواز" لکھنؤ

دریاباد۔

۴ر جون ۱۹۶۲ء بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

"قومی آواز" ۳ر جون ص۱ ک ۲ نصف زیر میں

"ممکن ہوسکے گی"

ترکیب غلط ہے۔ "ممکن" اور "سکتا" ساتھ نہیں آسکتا۔ یا تو "ممکن ہوگی" لکھیے یا صرف "ہوسکے گی"۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام حکیم عبدالحمید صاحب، ہمدرد منزل، دہلی

دریاباد۔

۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم[1]

اس عریضہ کے حامل عبدالعلیم قدوائی ایم اے ایل ایل بی ہیں میرے بھتیجے بھی اور داماد بھی۔ محکمہ انڈسٹریز میں کارگزار ہیں[2]۔ ابھی کان پور سے دہلی تبدیل ہوئے ہیں حکیم عبدالقوی دریابادی کے چھوٹے بھائی بھی ہیں۔

مکان کی سخت مصیبت ان کے لیے ہے جیسی ہر باہر والے کو دلی میں ہوتی ہے کوئی کسی کو کیا لکھے اور کس سے کیا کہے جو حاجت روا تھے وہ خود حاجت مند دین گے ہیں مولی اپنے پتوں سے بھاری۔

ع کس کی حاجت روا کرے کوئی

آپ نے ایک عالم کی ہمدردی کا بیڑا اٹھایا ہے۔ یہ حاضر خدمت ہو رہے ہیں کہ شاید اس ذخیرہ میں ان کے نصیب کا بھی کوئی حصہ ہو اور تھوڑی سی مدد انھیں بھی مل جائے یہ تعارف نامہ دیتے ہوئے خود ہی شرم سے گڑا جا رہا ہوں۔

انشاء اللہ آپ ہر طرح بخیر ہوں گے۔

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) اس خط سے اندازہ ہوگا مولانا مرحوم زمانے کی عام روش کے برعکس سفارش کرنے میں کتنے زیادہ محتاط تھے اور اس کا کتنا اہتمام رکھتے تھے کہ دوسروں پر بار نہ پڑے۔

(۲) مولانا مرحوم کے بھتیجے جو وزارت صنعت و حرفت کے صیغہ SMALL SCALE INDUSTRIES

میں اس وقت FIELD OFFICER تھے۔

خمار بارہ بنکوی کے دیوان پر دو لفظ

دریاباد۔

۱۲ر اگست ۱۹۷۳ء بسم اللہ

سالہا سال ہوئے کہ خمار صاحب سے میرا ساتھ محض اتفاق سے ریل میں ہو گیا۔ خمار صاحب نے پہلی شرافت اور خودداری کا یہ دکھائی کہ اپنا کلام بے تحاشہ سنانا شروع نہیں کر دیا جیسا کہ آج کا شاعر اپنا کلام سنانے کو بیتاب اور بلبلایا سا رہتا ہے بلکہ میری فرمائش کے بعد سنایا تو یہ جان انتخاب ؎

جدا ہو کے مجھ سے کوئی جا رہا ہے اجل مل رہی ہے گلے زندگی سے

میں اتنے لطیف و موثر کلام کا متوقع بھی نہ تھا داد زبان سے تو کم ہی دی گئی آنکھیں بے اختیار ہو گئیں ـــــ یہ معلوم ہوا کہ کسی نے خاص الخاص دل پر چوٹ ماری ہو۔ جگر گویا اپنے بہترین موڈ میں ہیں!

وہ دن ہے اور آج کہ ان کا کلام اور جہاں کہیں بھی دیکھنے کو مل گیا اس تاثر کو برابر گہرا ہی کرتا گیا۔ ان کے مختصر تازہ دیوان آتش تر (۱۵۱ صفحہ، ہیل بک ڈپو پچھلی کمان حیدر آباد) کی جو سرسری ورق گردانی کی تو یہ نقش اور بھی قائم بلکہ دائم ہو گیا ص۱۱۵ کے مطلع ۔

ہجر کی رات غمگیں فضائیں اف ری محبت ہائے جوانی
جینے کے دن مرنے کی دعائیں اف ری محبت ہائے جوانی

اور پھر اس کے بعد والا شعر۔ اسی طرح ص۱۱۴ کا یہ شعر۔

میری نظریں ان کا چہرہ ان کی نظریں میرا دل مل گئے تھے رازدار و رازداں کل رات کو

اسی طرح صـ۸۳ کا یہ مطلع۔

غم دنیا بہت ایذا رساں ہے
کہاں ہے اے غم جاناں کہاں ہے

علیٰ ہذا صـ۷۴ کا یہ مطلع۔ اور صفحہ ۱۳۱ پر

حریم ناز کی رخصت ارے معاذ اللہ
دعا لرزکے پکاری کہ نارسا ہوں میں

کسی طرح سرسری ورق گردانی میں نظر انداز ہونے کے قابل نہیں اس وقت بیمار و ناتواں ہوں لیکن کلام کی کشش اتنا وقت لیے بغیر نہ رہی اور نمونے کے چند چاول بریانی کی پوری دیگ کے اندازے کے لیے کافی ہیں۔۔

عبدالماجد

مکتوب بنام عبداللطیف صاحب اعظمی، جامعہ ملیہ، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

دریاباد۔

۱۴ر اکتوبر ۱۹۷۲ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

خیر میں ادیب و دیب تو کیا "بزرگ ترین نہیں"، "خورد ترین" بھی نہیں البتہ آپ کے حسن ظن کی لاج رکھتے ہوئے تعمیل ارشاد میں جواب لکھے دیتا ہوں۔

جی ہاں رسالہ جامعہ میں "عشق عشق" کی بحث میں نے دلچسپی سے پڑھی اور استفادہ کیا۔ میرا معمول تو ابھی تک "عشق عشق" لکھنے کا تھا۔ فیلن نے بھی یہی دیا ہے۔

اشک کے نفس اللغۃ کی ردیف الف مطبوعہ موجود ہے اس میں "اشق اشتا" موجود نہیں اس لیے قیاس یہی ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی اسے ردیف عین میں رکھا ہوگا۔ اشتقاق

کی بحث کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن اصل جواب فصحاء اور شرفائے ادب کے معمول کا ہے میں اب تک استعمال غالب "ع" کا سمجھ رہا تھا اب اس بحث سے معلوم ہوا کہ دوسرے فریق کے دلائل بھی خاصی قوت رکھتے ہیں ایسے موقع پر توسع اختیار کرنا چاہیئے جیسا کہ تذکیر و تانیث کی بحثوں میں ہوتا ہے اس لیے میں تو "ع" ہی سے بدستور لکھے جاؤں گا لیکن جو حضرات الف سے لکھیں گے اسے بھی غلط نہیں سمجھ سکتا بلکہ عش عش کی طرح "اش اش" کو بھی جائز سمجھوں گا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) رسالہ مذکور میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ صحیح "اش اش" ہے یا "عش عش"۔ مولانا مرحوم اس قسم کی ادبی اور علمی بحثوں کا بڑے غور سے مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

مکتوب بنام اسد القادری صاحب لندن

دریاباد۔

۲ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

۲ر نومبر کا لکھا ہوا خط پرسوں ۲۰ر نومبر کو ملا کوئی کہہ سکتا تھا کہ ہوائی ڈاک کا انتظام بھی ایسا بادہوائی ہوتا ہوگا! توبہ توبہ!

میری کتاب کی خوش قسمتی کہ آخری عشرہ رمضان المبارک میں قریب افطار آپ کی نظر سے گزری ـــــ ظاہر ہے کہ جب خط کی عبارت میں حسن ظن کی اس افراط بلکہ اسراف سے آپ نے کام لیا ہے تو دعائے خیر میں آپ بخل سے کام لینے والے نہ تھے۔ مومن مسافر و علیل روزہ دار کی دعا اور وہ بھی آخری عشرہ رمضان المبارک میں اللہ اکبر۔

اگر آئندہ خط لکھنے کی نوبت آئے تو اپنا تعارف ذرا تفصیل سے ضرور کرا دیں یعنی وطن کہاں تھا۔ تعلق کس خاندان سے تھا۔ تعلیم کہاں کہاں پائی اور کہاں تک وغیرہا۔

انشاءاللہ شفا پوری ہوگی رعشہ کا اثر خط پر تو بحمداللہ کچھ ایسا نہ تھا خط مجھ سے تو باآسانی چل گیا۔

آنکھوں سے بڑی حد تک معذور ہو گیا ہوں اپنا خط خود نہیں پڑھ سکتا دوسروں سے لکھوا کر بھیجتا ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام مرزا جعفر حسین صاحب ایڈوکیٹ[1]

ایڈیٹر "پیام نو"، بدری ناتھ روڈ لکھنؤ

دریاباد۔

۱۴ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

احتشام مرحوم[2] کے فکر و فن پر لکھنے والے تو بہت سے ہوں گے میں اپنی طویل ذاتی واقفیت کی بنا پر صرف دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ وہ بڑے اچھے کارکن اور کارگزار اردو کے حق میں تھے لشکر اردو کے بہترین سپاہی اور سپہ دار اردو کے ہر محاذ پر معرکہ آرا خدا معلوم کتنی اردو کمیٹیوں اور اداروں کے وہ دل و دماغ بھی اور ہاتھ پیر بھی بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق اردو کے بڑے بابا تو یہ چھوٹے بابا۔

۲۔ بہ حیثیت انسان بڑے ہی شریف النفس، شرافت کیا تھی ان کی کرامت تھی، سادگی، اخلاص حسن سلوک و احسان، مروت اور خدمت خلق کے گویا پتلے تھے۔

اور حفظ مراتب میں تو اپنی نظیر آپ تھے۔

وہ سلسلہ تقریب والی میری تقریر جلسہ گاہ ہی سے "قومی آواز" والے اڑا لے گئے مجھے دیکھنے کو بھی نہیں ملی۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ پرانے مسلم نیشنلسٹ لیڈر ہیں اور شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کے مدتوں جنرل سکریٹری رہے ہیں۔ شیعہ سنی اتحاد کے زبردست حامی اور لکھنویات پر برابر نیا دور" اور آج کل میں لکھتے رہتے تھے پروفیسر احتشام حسین مرحوم کے خاص دوستوں میں تھے۔ پیام لونکا ہفتہ وار پرچہ نکالتے تھے جو اس کے بعد بھی جاری رہا۔

(۲) پروفیسر احتشام حسین صاحب، پروفیسر و صدر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی مکتوب الیہ ان کے خاص دوستوں میں تھے۔

(۳) گنگا پرشاد ہال میں پروفیسر احتشام حسین صاحب کے انتقال پر تعزیتی جلسہ مولانا مرحوم کی صدارت میں ہوا اس موقع پر مولانا نے جو تقریر پڑھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب بنام ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی پروفیسر صدر شعبہ اردو، لکھنؤ یونیورسٹی

دریابادـ

۶ر جنوری ۱۹۷۳ء بسم اللہ

ماشاء اللہ میاں سعید کی جو سعادت مندیاں سننے میں آئی ہیں وہ تو بیگانہ کو یگانہ بنانے والی ہیں چہ جائیکہ جو عزیز پہلے سے ہو اسے عزیز تر بنا لینے میں تامل کس کو ہو سکتا ہے اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیئے ایسے فرزند کے حقیقی والدین کو اور شکر گزار تر رہنا چاہیئے ایسے سعید کے مجازی والدین کو[۱]

بمسرت تمام اس رشتے کی سفارش علیم[۲] و زاہدہ سلمہا[۳] سے کیے دیتا ہوں۔ البتہ ان

لوگوں کا سبتا جلدی کا معلوم نہیں ہوتا وقت وہ لوگ ضرور کچھ چاہیں گے۔

آں عزیز کی معقولیت کا، مقبولیت کا، محبوبیت کا تھوڑا بہت علم ہے اگر ادھر کی معذوری کا خیال رکھ لیا جائے تو انشاء اللہ ایک مزید تجربہ شرافت نفس بلکہ کرامت نفس کا ہو جائے گا۔

آئندہ مراسلت بہتر ہوگا کہ براہ راست میاں علیم سے رہے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا کے صاحبزادی اور چھوٹے داماد عبدالعلیم قدوائی کی بڑی لڑکی صفیہ سلمہا سے اپنے منجھلے لڑکے سعید الحسن ہاشمی کے رشتے کا خط بھیجا تھا۔

(۲) مراد ہونے والے خسر و خوش دامن۔

(۳) مولانا مرحوم کے چھوٹے داماد جواب SMALL SCALE INDUSTRIES میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہیں۔ مولانا مرحوم آخر عمر تک ان کی عملی کارگزاری سے بہت زیادہ خوش رہے مولانا مرحوم کی چھوٹی صاحب زادی جن سے بھی مولانا آخر دم تک بے انتہا خوش رہے۔

مکتوب بنام عبدالقوی صاحب دسنوی، شعبہ اردو، سیفیہ کالج بھوپال

دریاباد۔

۶ رمارچ ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

یہ اچھا مذاق میرے ساتھ رہا۔ فرط اشتیاق سے میز کرسی پر بیٹھتے ہی چہرہ سے نقاب کھینچ یا برقع اتارا تو سبحان اللہ۔ فرط نزاکت سے۔

ہاتھ آئیں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنائے

کا عالم
مجبورًا۔ عطائے تو لقائے تو ۔ ولی شکر گزار بہر حال ہوں۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے خصوصی ارادت مند تھے جب بھی مولانا بھوپال تشریف لے جاتے تھے یا بمبئی، مدراس، حیدرآباد جاتے ہوئے بھوپال سے گزرتے تو مکتوب الیہ ان سے ملنے ضرور آتے تھے اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی مولانا مرحوم کی آخر زندگی تک جاری رہا۔ مارچ ۱۹۷۳ء میں بھوپال میں ملاقات کے وقت مولانا مرحوم نے مکتوب الیہ سے نواب شاہجہاں بیگم کا دیوان دیکھنے کو مانگا تھا مکتوب الیہ نے اسے چلتے وقت کاغذ میں لپٹا ہوا دیا ریل پر بیٹھنے کے بعد اس کو کھولا تو اندر سے بے حد پھٹا ہوا گویا پڑھنے کے قابل ہی نہ تھا مکتوب بالا اسی بارے میں ہے۔ دیوان بھی اسی کے ساتھ واپس کیا۔

مکتوب بنام چودھری عشرت علی صدیقی ایڈیٹر "قومی آواز" لکھنؤ

لکھنؤ۔

۱۶ر اپریل ۱۹۷۳ء بسم اللہ

عزیزم! السّلام علیکم

خدا کرے اب شفائے کامل ہو گئی ہو حکیم عبدالقوی سے حادثے کا حال سخت افسوس کے ساتھ سنا بعد کو افاقہ بھی معلوم ہو گیا تھا خدا کرے اب بالکل ہی صحت ہو۔

آپ کے اخبار میں ایک تکلیف دہ اور غلط لفظ برابر نکل رہا ہے "جسم فروشی" غلط اس لحاظ سے کہ عورت اپنا جسم نہیں بیچتی ہے جسم کا صرف ایک محدود حصہ عصمت بیچتی ہے اور صحیح نام اس کے لیے عصمت فروشی ہر لغت میں موجود ہے۔

دوسرا غلط ایسا ہی لفظ "بدسلوکی" آپ کے یہاں چلا ہوا ہے MiSBEHAViOUR کے معنی جو صحیح ایک بالکل دوسرے موقع کے لیے اس خاص معنی کے لیے اردو میں ایک نہیں متعدد لفظ چلے ہوئے ہیں "منھ کالا کرنا" "فحش کاری کرنا" بدکاری، آبروریزی، بدفعلی،

سائن بورڈوں میں اب تک اردو کو جگہ نہ ملی نہ تو صوبہ کانگریس کمیٹی کے دفتر نہ ضلع کانگریس کمیٹیوں کے دفتر میں لکھنؤ سٹی کمیٹی کو مستثنیٰ کر کے۔

عبدالماجد

مکتوب بنام عارف بیگ صاحب ایڈیٹر "ایاز" سنٹرل لائبریری مولانا آزاد روڈ بھوپال

دریاباد۔

۳ر جولائی ۱۹۷۳ء

بسم اللہ

پیام

"ایاز" کے لیے کوئی دعا اس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے۔

عاقبت محمود باد

عارف صاحب[1] سے تعارف مجھ بدحافظہ کو یاد نہ پڑا لیکن "عارف" کو "غیر معروف" کون کہہ سکتا ہے۔

آپ کے رفیق کار "جلالی" ہوں یا "جمالی" بہرحال خدا کرے "کمالی" ضرور ہوں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) سابق وزیر مملکت برائے تجارت۔

(۲) مکتوب الیہ کے رفیق کار جلال نام کے تھے۔

مکتوب بنام چودھری عشرت علی صدیقی صاحب ایڈیٹر "قومی آواز" لکھنؤ

دریاباد۔

۷ر جولائی ۱۹۷۳ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

HOMOSEXUALITY کا ترجمہ آپ کے ہاں ہم جنسی یا ہم جنسیت بالکل غلط شروع ہوگیا ہے ہم جنس SEX کے معنی میں سرے سے ہے ہی نہیں ہیں تمام تر نوع کے مفہوم میں ہے۔ عربی کے چلے ہوئے لفظ اغلام یا لواطت یا پھر طبی اصطلاح استلذاذ بالمثل ورنہ پھر بازاری لفظ لونڈے بازی سے کام چلایئے ثقاہت میں اگر قلم اپنائے تو امرد پرستی میں آخر کیا عیب ہے۔

انشاء اللہ اب بیر کی چوٹ بالکل ہی ٹھیک ہوگئی ہوگی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد "قومی آواز" ہے۔

مکتوب بنام سلیمان اطہر جاوید صاحب لکچرر شعبہ اردو، یونیورسٹی، تروپتی

دریاباد۔

۱۴ر ستمبر ۱۹۷۳ء

بسم اللہ

از۔ عبدالماجد

رشید صاحب ظریف شروع سے رہے ہیں اور اب اس پر مستزاد شریف ہوگئے ہیں اور جس مرد رشید میں دونوں دولتیں ظرافت اور شرافت کی جمع ہوجائیں اس کے لیے باقی

ہی کیا رہ جاتا ہے۔

ان کا قلم ان کی زبان کی طرح اظہار خیال کے لیے (اخفائے خیال کے لیے نہیں) ان کا مکتوب دل کا آئینہ ہوتا ہے اور اس لیے قابل عزت بھی اور قابل توجہ بھی۔

وہ طلسم ہوشربا کے اسرار خانے میں قدم نہیں رکھتے وہ بوستان خیال کی سیر نہیں کراتے وہ گلستان سعدی کی نئی چمن بندی کرتے ہیں اور اس گلستان کے نئے نئے پھول نت نئی بہار اور سدا بہار خوشبو دکھاتے ہیں۔ ظرافت اور شرافت پر اضافہ کر لیجئے لطافت کا۔ وہ کبھی میرے چھوٹے تھے اب برابر کے ہیں ہم سر و ہم چشم بڑی بڑائی ان کی یہ ہے کہ اپنے کو بڑا نہیں سمجھتے۔

سلام ان کو جو ان سے خط و کتابت رکھتے ہیں، سلام ان پر جنھیں وہ مراسلت سے مشرف کرتے رہتے ہیں اور یہ دو سطریں پیش لفظ ایک دعا گو کے قلم سے۔

(۱) مکتوب الیہ نے پروفیسر رشید احمد صدیقی کے مکاتیب کا مجموعہ مرتب کیا تھا اور اس کے پیش لفظ کی فرمائش کی تھی۔

(۲) مراد پروفیسر رشید احمد صدیقی۔

مکتوب بنام مرزا مہذب صاحب، مہذب اللغات، منصور نگر، لکھنؤ

دریاباد۔

۱۶ر دسمبر ۱۹۷۳ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

مرزا رسوا کے امراؤ جان ادا کے صفحہ ۲۲ کے شروع میں "سلام" مؤنث چھپا ہے "لوگ انھیں جھک جھک کر سلامیں کرتے تھے"۔ (مطبوعہ ہمدم برقی پریس) دوسرے ایڈیشنوں میں بھی یہی فقرہ بعینہٖ موجود ہے۔

تو کیا کوئی قول "سلام" کی تانیث کا بھی ہے یا یہ محض سہو کتابت ہے۔
خدا کرے آپ ہر طرح بہ خیریت ہوں۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) اس مکتوب سے مولانا مرحوم کے خاص علمی مذاق اور ذوق کا اندازہ ہوتا ہے کہ آخر دم تک برابر علمی تحقیق میں لگے رہے۔

مکتوب بنام مالک رام صاحب ڈیفنس کالونی، نئی دہلی

دریاباد۔

۸ر فروری ۱۹۷۲ء بسم اللہ

جناب بندہ! تسلیمات

صاحب تحریر[1] کی زبان سے مضمون نہیں مضمونچہ کی فرمائش اور اس سے جو بصیرت تو شاید کبھی بھی نہیں رکھتا اور اب بصارت سے بھی بڑی حد تک محروم رہ گیا ہے! اپنا ہی معمول کا کام خدا معلوم کس طرح لشتم پشتم ہو پاتا ہے دوسروں کی خدمت کا نہ دولہ نہ حوصلہ! بجز شرمندگی کے اور معذرت کے پیش کش کے اور کیا کروں۔

سید مسعود حسن رضوی سے ملاقات آج کی نہیں کوئی ۴۴، ۴۵ سال قبل کی ہے۔ ان کے کمالات ادبی کو اگر چھوٹے سے جملہ میں سمیٹ کر کہوں تو یہی کہہ سکتا ہوں اور اپنی ذمہ داری کے پورے شعور کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ ان چند گنے چنے لوگوں میں ہیں جو اردو صحیح لکھنے میں تحریر کی اور بھی خوبیاں ہوتی ہیں۔ فصاحت، بلاغت، سلاست، ظرافت لطافت یہ سب اوصاف اضافی ہیں سب سے مقدم زبان کی صحت ہے کوئی فقرہ دل چسپ نظر آیا اور لوگوں نے اس کی داد دے دی۔ کوئی ترکیب پھڑکتی ہوئی سوجھ گئی اور پڑھنے والوں

کی زبان پر واہ واہ آگیا۔ یہ ساری بحثیں بعد کی ہیں پہلے زبان صحیح بھی تو ہو۔[۲]

اردو میں لکھنے والوں اور شعر کہنے والوں کی آج کمی تو ہے نہیں ـــ سیکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک ایسے پہنچ گئے ہیں جو اردو کی فضائے نثر و نظم پر چھائے ہوئے ہیں ان پر کیسے کیسے "معلی القاب" پڑے ہوئے ہیں لیکن بجز گنتی کے کے ایسے ہیں جو زبان کا خیال رکھتے ہیں۔ عبارت صحیح لکھتے ہیں اور ایک ایک فقرہ کو سوچ کر اس کے وزن کا اندازہ کر کے اپنے قلم پر لاتے ہیں۔

اونچے اونچے پڑھنے والوں کا ذکر نہیں اردو پڑھانے والوں کی خاصی تعداد ایسی ہے جسے صحت زبان کی فکر ہی نہیں بس ان کے لیے کوئی فقرہ کافی ہے۔ ظرافت نگاری کی بھی تو بھانڈوں اور نقالوں کی سطح کی[۳]۔ ادبی لطافتوں کی طرف ذہن کو لے ہی نہیں جاتے۔

اور پھر مسائل ادب کی تحقیق میں مسعود صاحب صف اول کے لکھنے والوں میں ہیں۔ اتنے سلجھے ہوئے ادیب، نقاد، سخن فہم کی مثال ان کے معاصرین میں تو مشکل سے ہی کوئی ہوگی۔

اس لیے بڑی حیرت ہوئی کہ جب سننے میں آیا کہ اردو اکیڈمی نے حال میں تین کہنہ مشق اہل قلم کو جو یک مشت رقم ان کی عمومی خدمات پر پیش کی ہے اس مختصر فہرست میں مسعود صاحب نہیں۔ وجہ اور سبب جو کچھ بھی ہو بہر حال اس اعراض اور اغماض سے ان کی حق تلفی ہی ہوئی میں اکیڈمی کی اس سب کمیٹی کا ممبر نہ تھا نہ مجھے کہیں سے اس کی کچھ سن گن مل پائی ورنہ میں تو اپنی آواز ان کے نام کی تائید میں ضرور بلند کرتا۔ خیر اللہ کرے وہ اتنا ضرور اور جلیں کہ اکیڈمی اس حق تلفی کی تلافی کر سکے۔

آپ کا اور ان کا دونوں کا خیر اندیش۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا سہ ماہی معیاری ادبی مجلہ

(۲) مولانا مرحوم کا آخر تک یہی خیال رہا اور اس کا افسوس رہا کہ اردو کے اساتذہ صحت زبان کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے۔

(۳) ظرافت نگاری کے بارے میں مولانا مرحوم کا معیار بہت بلند تھا وہ گھٹیا قسم کی ظرافت کے ذرا بھی روادار نہ تھے۔

مکتوب بنام عثمانؔ احمد صاحب جمیل لائبریری، شاہ گنج، جون پور

دریاباد۔

۹ر مارچ ۱۹۷۴ء بسم اللہ

مکرم بندہ! وعلیکم السلام

بڑا شاعرانہ مبالغہ آپ نے اس دیہاتی کی زبان سے متعلق قائم کر لیا ہے۔ پہلے تو اس کی اصلاح فرمایئے۔ اب جواب اپنی بساط کے اندر یہ ہے

۱۔ فصیح اور شیریں لفظ "برات" ہی ہے باقی "بارات" بھی جائز اور قصباتی زبان میں رائج ہے۔

۲۔ "ناد" اہلِ زبان کی زبان پر مذکر ہے۔ باقی میں غلط مونث کو بھی نہ کہوں گا، میں غلط کسی لفظ کو مشکل ہی سے کہتا ہوں۔

۳۔ ایجاد شروع ہی سے مختلف فیہ رہا ہے میں تو دونوں کو صحیح تسلیم کروں گا اتباع ترجیحاً مذکر ہے اور غرض ترجیحاً مونث۔

مولوی اسمٰعیل میرٹھی کی ریڈریں اب بھی کیا بری ہیں سوائے اس کے کہ ذرا پرانی ہو گئیں شاید جامعہ ملیہ والوں نے کچھ اچھی تیار کرائی ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم سے ادبی استفسارات کئے تھے بعض الفاظ کی تذکیر وتانیث اور بعض الفاظ کی صحت کے بارے میں۔

(۲) مراد اردو ریڈریں ہیں مرتب کے بچپن تک بلکہ اس کے کچھ بعد تک مولوی اسمٰعیل میرٹھی مرحوم کی ریڈریں چلتی تھیں۔

دلدوز تعزیتی مکتوبات

حصّہ دوئم

بنام مولوی صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی[1]

دریاباد
۱۳ر اگست ۱۹۵۳ء
۵ بجے شام

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

کیا عرض کروں کہ حق[2] ۱۲ر اگست میں ابھی خبر صاعقہ اثر دیکھ کر دل پر کیا گزر گئی! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

کتنی دلچسپ پرانی یادیں تازہ ہو گئیں ـــــ اب ان سب پر حسرت اور ۳۰، ۳۵ کی رفاقت ٹوٹنا کوئی معمولی بات ہے۔

تعزیت کن الفاظ میں کروں اور کیا کہہ کر خود آپ کو اور پھر مولوی ہاشم سلمہٗ[2] کو تسکین دوں! خبر پڑھتے ہی اخبار ہاتھ سے جھٹک کر مَعًا دعائے مغفرت کی اور اس کے بعد یہ کارڈ لکھنے

بیٹھ گیا۔ یہ کارڈ اب کل صبح ڈاک میں پڑے گا اور آپ کو کہیں پرسوں ملے گا۔

بہرحال آپ کو مبارک ہو کہ جس نے اپنی محبوبہ خدیجۃ الکبریٰ کا جنازہ اٹھایا، کفنایا دفنایا اس کی سنت کا اضطراری اتباع آپ کو نصیب ہو گیا۔

آپ کی زندگی میں ایک مستقل خلا پیدا ہو گیا، لیکن آپ کو کیا خبر کہ کتنا اجر بے حساب بھی آپ کے لیے مقدر ہو چکا ہے!

رافت سلمہا لکھنؤ میں ہیں اسی ڈاک سے ابھی انھیں بھی لکھے دیتا ہوں کہ فرنگی محل فوراً جا کر حاضری دیں ـــــ میں خود عنقریب لکھنؤ آنے کو تیار ہو رہا ہوں تو سوچتا ہوں کہ بجائے فرنگی محل کے باغ ملا انوار ہی میں حاضری دوں مرحومہ کی خاکی آرام گاہ پر اور آپ کو بھی وہیں زحمت دوں۔

مرحومہ اس وقت کبھی باغ باغ ہو رہی ہونگی اپنے والد ماجد سے، اپنی والدہ ماجدہ سے، اپنے بھائی مرحوم سے، حمیرا مرحومہ سے اور سب سے مل کر۔

آپ بھی ان کی خوشی کا تصور کر کے اپنے کو خوش کرنے کی کوشش کیجیے۔ اس دنیا کمبخت میں رکھا ہی کیا ہے بجز تکلیفوں اور مصیبتوں کے، اب انھیں ہر بیماری ہر تکلیف سے آزادی مل گئی۔

گھر میں اور لڑکیاں سب اپنی ایک عزیز قریب ہی کی وفات کا صدمہ محسوس کر رہی ہیں۔

والسلام

دعاگو و شریک غم

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے بڑے پرانے، بے تکلف اور مخلص دوست تھے۔ مکتوب بالا مکتوب الیہ کی اہلیہ کے انتقال پر بہ طور تعزیت بھیجا گیا۔

(۲) روزنامہ حق، لکھنؤ جس کے ایڈیٹر عبدالرؤف عباسی صاحب تھے افسوس ہے کہ

یہ اخبار تقسیم ہند کے کئی برس کے بعد بند ہو گیا۔

(۳) مکتوب الیہ کے بڑے صاحبزادے اور نیر میاں مقرر۔ دینی تعلیمی تحریک اور دوسرے ملی کاموں میں بڑے پیش پیش رہتے ہیں۔

(۴) مولانا مرحوم کی سب سے بڑی صاحبزادی اور حکیم عبدالقوی صاحب منیجر صدق جدید کی اہلیہ انھیں بچپن میں مکتوب الیہ نے بہت کھلایا تھا اور یہ بھی مکتوب الیہ سے بڑی مانوس تھیں اور مولانا مرحوم کے ہمراہ بچپن میں مکتوب الیہ کے ہاں بار بار جا چکی تھیں۔

(۵) یہ حضرات فرنگی محل کا خاندانی قبرستان ہے۔

(۶) مکتوب الیہ کی بڑی صاحبزادی اور مفتی محمد رضا انصاری کی زوجہ اولیٰ جن کا انتقال ۱۹۳۹ء میں ہوا تھا۔

بیگم حکیم محمد امین دریابادی کے نام

دریاباد

۱۳ ستمبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

اس روز تم دیوہ گئی ہوئی تھیں ورنہ زبانی تم سے تعزیت کرتا۔

باپ کی ہستی اللہ کی ایک بہترین نعمت ہوتی ہے اور پھر تمہارے حق میں تو مرحوم باپ اور ماں دونوں تھے۔ ایسی نعمت سے محرومی خواہ وہ جس سن میں بھی ہو اللہ کی طرف سے آزمائش ہی ہوتی ہے۔

جو اللہ وقت ڈالتا ہے وہی وقت کاٹنے کی بھی ہمت و توفیق دے دیتا ہے ورنہ انسان بے چارہ تو ایک پلکے سے امتحان کی بھی برداشت نہیں رکھتا۔ اب مرحوم کے حق میں دوستی یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ دعائے مغفرت ان کے حق میں کی جاتی رہے اور

دعائیں سب سے زیادہ کارگر وہی ہوتی ہیں جو خلوص قلب سے نکلتی ہیں (نہ کہ کسی کی مروت یا دباؤ یا طمع یا شرماشرمی میں)

آخر عمر میں فریضۂ حج ادا کر آئے۔ اللہ کے مقبول بندے حاجی محمد شفیع کی خدمت کرتے رہنے کی پوری قدر اس وقت ہو رہی ہوگی۔

اللہ تمہارے دل کو صبر دے۔

دعائے گو مغفرت

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا مولانا مرحوم کے قریبی رشتے کے بھانجے اور بھتیجے یعنی حقیقی خالہ زاد بھائی نامور طبیب شفاء الملک حکیم عبدالحبیب دریابادی اور سگی ماموں زاد بہن کے لڑکے حکیم محمد امین دریابادی کی بیوی تھیں اور یہ خط ان کے والد علی الدین صاحب بیرسٹر کے انتقال پر تعزیت میں ہے ــــــ

(۲) ان کے والد ضلع بارہ بنکی کے مشہور قصبہ دیوہ کے رہنے والے تھے جہاں حاجی وارث علی کا مزار ہے ــــــ

(۳) مکتوب الیہا کی کم سنی ہی میں ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کی اور ان کے دوسرے بھائی بہنوں کی پرورش مکتوب الیہا کے والد نے کی تھی۔

(۴) نامور اور مقبول بزرگ و عارف حضرت حاجی محمد شفیع صاحب جو حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت تھے۔ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے شاگرد تھے۔

بیگم شیخ حامد الزماں کے نام[1]

دریاباد

۱۳ ستمبر ۱۹۵۲ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعا ئیں

دیکھتے دیکھتے آج کے دن ہو گئے، اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو خاک میں دفن کئے ہوئے نازوں سے پالے ہوئے نورِ نظر کو قبر میں اتارے ہوئے۔ اور اللہ کی امانت اللہ کو واپس کئے ہوئے! جس کی جدائی چند گھنٹوں کو بھی گوارا نہ تھی۔ اسے یوں نظر سے بالکل اوجھل ہو جاتے ہوئے کے دن کیا معنی۔ ہفتوں پر ہفتے، سالوں پر سال۔ ساری عمر اس طرح پلک جھپکتے کٹ جائے گی اور پھر جب ماں باپ کا بلاوا اللہ کی رحمت سے آئے گا تو استقبال کو پیشوائی کو ہاتھوں ہاتھ لینے کو وہی نورِ نظر موجود ہو گا ـــــ خون اور کیچڑ میں لت پت نہیں نور کے پانی سے دھلا ہوا، نکھرا ہوا، جنت کی خوشبوؤں میں بسا ہوا۔

اس وقت کے شوق و اشتیاق کا، جوشِ مسرت کا کوئی اندازہ آج نہیں ہو سکتا کوئی لفظ اس بے پایاں خوشی کو بیان ہی نہیں کر سکتا اس کا اندازہ تو بس اسی وقت ہو گا اور دل بے اختیار پکار اٹھے گا کہ اس نعمت کے آگے اس دنیوی صدمہ کی ہستی کیا تھی۔ عمر بھر کی ساری لذتیں ہر قسم کی مسرتیں اس ایک گھڑی پر قربان کر دینے کے قابل نکلیں گی ـــــ سعیدؔ نام ہی کا سعید نہ تھا واقعی سعید و صالح تھا اور اس کے سعید و صالح ہونے کی قدر تو اس وقت ہو گی۔

آج ہی ایک قولِ غوث اعظم حضرت شیخ جیلانیؒ کا نظر پڑا اور جی میں آیا کہ تمہیں سنا دوں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ اپنے بندہ مومن کی آزمائش اس کے درجۂ ایمان ہی کے مطابق کرتا ہے۔ یعنی جس کا ایمان جتنا بڑھا ہوا ہوتا ہے اتنی ہی سخت اس کی آزمائش بھی ہوتی ہے اور

خود حدیث رسول میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ سب سے بڑھ کر کڑی آزمائش پیمبروں کی ہوتی ہے پھر جو جتنا اونچے مرتبہ کا ہوتا ہے درجہ بدرجہ اس کی ـــــ یہ ارشادات سچ ہیں تو تمہیں مبارک ہو کہ تمہارا ایمان اللہ کے یہاں اس درجہ کا پایا گیا کہ اس کی آزمائش بھی ایسی سخت رکھی گئی۔ یہ آزمائش جو تمہاری ہوئی تو کوئی معمولی ہوئی؟ جوان، صالح اور ہر طرح ہونہار اور تندرست لڑکے کا اور پھر بالکل یک بیک منٹوں کے اندر اٹھ جانا کوئی معمولی بات ہے؟ اور پھر حالات ایک سے بڑھ کر ایک دردناک، ویرانہ جہاں کوئی اپنا عزیز آس پاس نہیں! بندوق اپنی ہی جو ہر احتیاط کے باوجود اپنے اوپر چل کر رہی (آفتاب کہتے تھے کہ مرحوم بندوق کے معاملے میں بڑا محتاط تھا اور دوسروں کو بھی احتیاط بتایا کرتا تھا) کس ماں سے یہ ممکن ہے کہ اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو خون میں لت پت بے جان پڑا ہوا دیکھے؟ نازوں سے پالے ہوئے جسم کے ایک حصہ کو گولی سے اڑا ہوا اور قیمہ بنا ہوا دیکھ کر ضبط کر سکے؟ تمہاری قسمت میں یہ سب منظر دیکھنے تھے۔ اور پھر اللہ نے تمہیں صبر و ضبط کی توفیق دی۔ یقین رکھو کہ یہ سب چیزیں بے کار جانے والی نہیں۔ اللہ کے ہاں سے ایسی قیمت ان کی وصول ہوگی جس کا ابھی تمہیں اندازہ ہی نہیں۔

رہے وہ اخلاجی دورے جو تمہیں پڑے وہ تمہارے بس اور اختیار کی چیز نہیں اس لئے یہ دورے بھی اجر گھٹانے والے نہیں اجر بڑھانے والے ہیں۔

اچھا ہوا کہ جا کر قبر دیکھ آئیں اور کچھ نہ کچھ تسکین حاصل کر آئیں۔ وہ مرحوم تو اب دوسری ہی عالم میں ہے جو ہر طرح گل و گلزار ہے۔ خدانخواستہ کہیں قبر کے اندر تھوڑے ہی ہے۔ قبر کے اندر تو محض بے جان جسم رہتا ہے جیسے میلے کپڑے اتار کر کہیں ڈال دیئے جاتے ہیں۔

انشاء اللہ اب کی اتوار کو آؤں گا اور خاص تمہارے پاس آرہا ہوں سہ پہر کو عیش باغ جانے کا پروگرام ہے۔

بس چند باتوں کا خیال رکھو تو انشاء اللہ نفع ہر طرح رہے گا۔

(۱) نمازیں اور قرآن مجید پڑھ پڑھ کر مرحوم کے حق میں دعائیں کرتی رہو۔
(۲) کلمہ طیبہ اٹھتے بیٹھتے وضو باوضو ہر حال میں جتنی تعداد میں بھی ممکن ہو پڑھے جاؤ۔
(۳) ادائے قرض فرض عین ہے اور اسے معمولی اور ہلکی بات نہ سمجھو جیسا کہ اکثر لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ سوال جس طرح فرض نمازوں اور روزہ وغیرہ کی بابت ہوگا قرض لے کر جلد سے جلد واپس نہ کرنے کی بابت بھی ہوگا۔ اس لئے ہر ممکن کوشش و تدبیر ادائے قرض کی کئے جاؤ اس میں غفلت نہ ہونے پائے اور جب فکر ہر وقت چوبیس گھنٹے سوار رہے گی تو اللہ برکت بھی ضرور دے گا۔ اس اہم ضرورت کو ساری ضرورتوں پر مقدم سمجھو۔
یہ خط کہیں سے نہ مچلے تو حمیرا سے پڑھوا لینا۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا مولانا مرحوم کے سگے خالہ زاد بھائی شفاء الملک حکیم عبدالحسیب اور سگی ماموں زاد بہن کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے شوہر بھی مولانا مرحوم کے دوسرے خالہ زاد بھائی شیخ بشیر الزماں صاحب اور دوسری ماموں زاد بہن کے لڑکے تھے۔ مکتوب بالا الیہا کے منجھلے جوان صالح لڑکے سعید الزماں کی اندوہ ناک موت پر بھیجا گیا۔ مرحوم کی موت بھری ہوئی بندوق کے چل جانے سے واقع ہوئی۔
(۲) مکتوب الیہا کے شہید منجھلے لڑکے کا نام جوہر اعتبار سے سعید اور صالح تھے۔
(۳) مرحوم لکھنؤ سے چند میل کے فاصلہ پر اپنے گاؤں ایک دوست کے ساتھ شکار پر گئے تھے اور گاؤں سے کچھ فاصلہ پر یہ جانکاہ حادثہ پیش آیا۔
(۴) حکیم عبدالقوی دریابادی کا عرف اور گھریلو نام۔
(۵) مکتوب الیہا نے اس اندوہناک اور الم ناک حادثے پر غیر معمولی ضبط سے کام لیا تھا۔

(۶) اس حادثے کے بعد مکتوب الیہا کو اختلاجی دورے پڑے۔

(۷) لکھنؤ میں مسلمانوں کا سب سے بڑا قبرستان۔

(۸) مکتوب الیہا کی قرضداری کی طرف اشارہ ہے۔

(۹) مولانا مرحوم کا خط بہت باریک تھا اور اسے ہر ایک نہ پڑھ پاتا۔

(۱۰) مولانا مرحوم کی منجھلی صاحبزادی اور منجھلے بھتیجے حبیب احمد صاحب کی اہلیہ انھیں سب سے زیادہ مولانا مرحوم کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ مولانا مرحوم کی بڑی مزاج شناس تھیں اور مولانا مرحوم کے خطوط کی زیادہ تر نقل انھوں نے ہی کی اور یہ آخر زمانے میں بھی مولانا مرحوم کے خط کو پڑھ لیتی تھیں جبکہ مولانا مرحوم کے خط کو پڑھ لینا آسان نہ تھا کیونکہ مولانا مرحوم شدید ضعف بصارت کی وجہ سے محض اٹکل سے لکھتے تھے۔ یہ اس زمانہ میں لکھنؤ ہی میں مقیم تھیں۔

چودھری خلیق الزماں صاحب گورنر مشرقی پاکستان کے نام

دریاباد ——

۲۹ دسمبر ۱۹۵۲ء

بسم اللہ

بھائی صاحب! وعلیکم السلام

مرحوم کے واقعہ پر آپ کو تعزیت نامہ بس لکھتے لکھتے رہ ہی گیا۔ ارادہ بار بار کیا مگر ہر دفعہ کوئی نہ کوئی مانع پیش آگیا یہاں تک کہ دیر ہو گئی اور پھر ارادہ ہی ترک کر دیا وقت گزرنے کے بعد چوٹ خود بخود ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور قدرت نے اس جماعت قلب کا انتظام خود ہی کر دیا ہے ——

کیا گزری ہوگی آپ کے دل پر دو دو چھوٹے بھائیوں کی موت برادر دہ بھی یوں تابڑ توڑ اور بغیر کسی زیادہ نوٹس کے اور آپ سے بھی کہیں بڑھ کر دونوں کو جننے والی ماں

بے چاری پر، ہماری ممانی صاحبہ پر!

لیکن پھر آپ لوگوں کے مرتبے آخر کس طرح اتنے بڑھتے اور آپ لوگوں کو اجر ابرار اور اتقیا والے کیسے ملتے! جس کو وہ نوازنا چاہتے ہیں اس کے لیے بہانے بھی اضطراری مجاہدات سے کیسے پیدا کر دیتے ہیں۔

خوش ہوئیے اور عقل و ایمان کی مدد سے اپنے دل کو سمجھائیے کہ یہ قرض اس کے ذمہ باقی رہا جس کی شرح سود واپسی کے وقت ہر بینک سے بے اندازہ بے حساب بڑھ کر نکلے گی اور آج کے غم و صدمہ کی کوئی حقیقت و بساط بھی اس وقت کی مسرتوں اور راحتوں کے آگے نہ نکلے گی ــــــ

والسلام دعاگو دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) چودھری صاحب مولانا مرحوم کے قریبی رشتے کے ماموں کے صاحبزادے تھے اور ان کی پہلی بیوی بھی مولانا کی ایک چچازاد بہن تھیں۔

(۲) چودھری مشفق الزماں مرحوم چودھری صاحب کے چھوٹے بھائی تھے اور مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں ہمیشہ آگے آگے تھے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے پہلے لکھنؤ کے کھیل میں بڑا نام حاصل کیا اور یونیورسٹی ہاکی ٹیم کے کپتان بارہا اور اس طرح کے بہت سے کھلاڑی ان کے شاگرد تھے لکھنؤ میں یہ چودھری صاحب کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ اپنے سب بھائیوں میں ان سے سب سے زیادہ بے تکلف تھے ــــــ

(۳) مرحوم کے انتقال کے تھوڑے ہی دن بعد ایک دوسرے بھائی سعید الزماں کا پاکستان میں انتقال ہوا۔

مولانا اویس ندوی نگرامیؒ

شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نام

دریاباد

۱۳ر نومبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

آں عزیز کا اطلاعی مکتوب تو بعد کو ملا۔ تعزیت نامہ میں اس سے قبل ہی بھیج چکا تھا بہتوں کو اطلاع اب صدق کے ذریعہ مل گئی ہوگی۔

باپ کا صدمہ یوں ہی کیا کم ہوتا ہے اور پھر جس کے لئے یہ صدمہ ماں اور باپ دونوں کے صدموں کا قائم مقام ہو۔ لیکن بہرحال جو بہ وقت ڈالتا ہے وہ کاٹ بھی دیتا ہے۔ صدمہ ہلکا ہو کر مٹ جاتا ہے جو اجر بے حساب اضطراراً ہاتھ لگ جاتا ہے وہ مٹنے والا نہیں آج نہیں کل گویا بالکل مفت اس کے انبار لگے ہوئے ملیں گے اس وقت قدر ہوگی یہاں کے غم و صدمہ کی۔

تجربہ اتنے دنوں میں ہو گیا ہوگا۔ اور نئی نئی ذمہ داریاں کیسی سر پر آپڑی ہوں گی یہ وقت قبول دعا کے لیے خاص ہوتا ہے قلب شکستہ و حزیں کے ساتھ دعائیں اپنے حق میں بھی خوب لمبی کیجئے اور یاد آجائے تو کبھی اپنے ایک قدیم نیازمند[1] کے حق میں بھی۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کے خصوصی تعلقات تھے اور دونوں میں برابر مراسلت رہا کرتی تھی۔ مولانا مرحوم مکتوب الیہ سے بے تکلف ہر مسئلہ پر کھل کر گفتگو کرتے تھے۔ اور وہ مکتوب الیہ کے علم و فضل و تفسیر پر گہری نظر اور ان کے تقویٰ کے بہت زیادہ قائل تھے۔

(۲) اس سے مولانا مرحوم کا انکسار ظاہر ہوتا ہے۔ مکتوب الیہ ان سے سن میں کہیں چھوٹے

تھے لیکن اپنے کو ان سے بڑا نہیں سمجھتے تھے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ کی وفات پر

ان کے صاحبزادے سید سلمانؒ کے نام مکتوب تعزیت۔ ان کے خط کے جواب میں

دریاباد

۳ر دسمبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

کیا کہوں کہ خبر صاعقہ اثر سن کر دل پر کیا گزر گئی۔ بہرحال جو مشیت تھی وہ پوری ہو کر رہی اور رسول کا سیرت نگار[۲] اپنے اللہ کے حضور میں مزد وانعام سے سرفراز ہونے کے لیے حاضر ہو گیا اس کے انعامات و سرفرازیوں کا کیا ٹھکانا۔ ہم دنیا والے تو اندازہ بھی نہیں کر سکتے — لیکن بہرحال ظاہری و مادی مفارقت سے صدمہ ہونا بھی انسان کے لیے ایک امر طبعی ہے اللہ ہم سب کو صبر دے۔ یتیم ایک خاندان نہیں ساری ملت ہو گئی اور جس کا جتنا رشتہ اور تعلق اسی قدر اس کا غم و صدمہ بھی بالکل قدرتی ہے۔

آں عزیز اپنے دل کو یہی کہہ کر تسلی دیں کہ اس سوگ میں دو چار، دس، بیس افراد خاندان نہیں لکھو کھا افراد امت شریک ہیں، تعزیت نامے میرے پاس بھی کثرت سے آ رہے ہیں اور صدق تین رفتہ رفتہ شائع ہو رہے ہیں۔

اپنی والدہ ماجدہ کو یاد دلائیں کہ ہو گی تو عورت کے حق میں خود جالب رحمت و جاذب کرم ہے۔ عائشہ صدیقہؓ اور کتنی پاک بیویوں کو یہی مرتبہ مل چکا ہے اس کی پوری قدر تو وہاں "پہنچ کر ہو گی اور" وہاں " پہنچنے میں دیر ہی کتنی ہے۔ اللہ ان کا سایہ مدتوں تک ان کی اولاد کے سر پر رکھے لیکن بہرحال بڑی سے بڑی مدت بھی کٹتے دیر نہیں لگتی منزل سب کی

ایک ہی ہے اور سب دوڑتے بھاگتے وہیں پہنچ رہے ہیں۔

"آں عزیز نے کچھ اپنا حال نہ لکھا یعنی اب کیا کرتے ہیں؟ پڑھائی کہاں تک پہنچی۔ سلسلہ معاش اب کیا رہے گا؟ وغیرہا۔

سیرت سلیمان کے لئے نام غلام محمد حیدر آبادی کا ذہن میں آرہا ہے۔ مدد ہم سب لوگ دیں گے ——

والدعا

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ پہلے پاکستان اور اب جنوبی افریقہ میں ڈربن کی یونیورسٹی میں استاذ ہیں۔

(۲) اشارہ ہے کہ حضرت سید صاحب نے سیرت النبی کی چھ ضخیم جلدیں لکھی تھیں پہلی جلد جو ان کے استاد مولانا شبلی کے قلم سے تھی اسے بھی پورا کیا۔

مولانا شاہ عون احمد صاحب پھلواروی کے نام مکتوب تعزیت

دریاباد

۴ر دسمبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ

عزیز مکرم! السلام علیکم

اہلیہ مرحومہ کی خبر وفات کل نقیب میں پڑھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

زچگی کی موت تو شہادت کی موت ہے اور پھر یہ بشارت بھی بچے کی زبان سے مل چکی ہے کہ جو بیوی اس حال میں وفات پائے کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو تو وہ جنتی ہے۔

اب اور زائد کیا چاہیے۔؟

ان مرحومہ کو بیوی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کی سنت اضطراراً نصیب ہو جانا بھی مبارک ہو، جانا تو آگے پیچھے سب ہی کو ہے خوش نصیب وہ ہے جو ان بشارتوں کے جھرمٹ میں جائے

آپ حضرات کی جولائی ۱۹۵۲ء میں مسافر نوازی اور شب کے وقت اسٹیشن تک زحمت فرمائی کا نقش تازہ ہے بس خط لکھنے بیٹھ گیا۔

والسّلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) امارت شرعیہ بہار کا ترجمان اخبار۔

(۲) جب مولانا مرحوم مولانا مناظر احسن گیلانی سے ان کے وطن گیلانی میں مل کر مولوی عبدالباری ندوی اور خاکسار مرتب کے ساتھ سیالدہ ایکسپریس سے واپس ہو رہے تھے تو مکتوب الیہ مولانا سے ملنے اسٹیشن پر آئے تھے۔

بنام مولوی رئیس احمد جعفری ندوی ایڈیٹر ریاض کراچی

تعزیت نامہ ان کے بچے کے انتقال پر۔

دریاباد

۲۴ مئی ۱۹۵۴ء بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

بچہ کا اُٹھ جانا والدین خصوصاً ماں کے لئے ایک ایسے سخت ترین آزمائش ہے۔ لیکن اسی نسبت سے اجر بھی تو بے حساب و بے اندازہ ہے اور پھر معصوم کے اُٹھ جانے پر تو کھلی ہوئی بشارت والدین کی مغفرت کی موجود ہے۔ آپ تو ماشاء اللہ حدیث کا علم رکھتے ہیں۔ معصوم غم زدہ ماں کو حدیث کا یہ مضمون سُنائیے اور زور دے کر سنائیے۔

یہ تو گویا قرض ہے جو آج آپ لوگوں سے لیا گیا ہے اور کل جب آپ انتہائی حاجتمند ہوں گے عین اس وقت یہ رقم سو گنے اور ہزار گنے سود کے ساتھ واپس ملے گی اور اس کی قدر اس وقت ہوگی اور جی تو اس وقت یہ چاہے گا کہ آج اور زیادہ قرض لے لیا ہوتا۔

پھر دنیا میں بچہ کا پالنا تعلیم و تربیت لگانا خصوصاً اس زمانے میں کتنا دشوار ہوتا ہے اور قدم قدم پر خطرے الگ اور تکلیفیں الگ۔ اب جہاں پہنچ گیا ہے وہاں کون سا ڈر کون سی تکلیف! خوش ہونا چاہیے کہ کس بے فکری سے پل رہا ہے۔ لے دے کر بس یہی نہ کہ ابھی آنکھ سے دوری ہے۔ سو یہ دوری کے دن کی؟ بڑی سے بڑی مدت عمر بھی بات کہتے میں ختم ہو جاتی ہے ——

دعا گو و شریک غم

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخلص ترین لوگوں میں تھے اور ایک زمانہ میں گویا منیجر یا ڈائرکٹر تھے تفسیر ماجدی کی اشاعت و طباعت کے لیے انھوں ہی نے شیخ عنایت اللہ مینجنگ ڈائرکٹر تاج کمپنی کو آمادہ کیا تھا۔ اپنے اسلوب ادا میں وہ مولانا مرحوم کے ایک حد تک کامیاب مقلد تھے۔

بنام عبدالحکیم دریابادی ثم پاکستانی

دریاباد۔

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

مرحوم کے انتقال کی خبر میاں مقیمؒ وغیرہ کی کوشش کے باوجود مجھے وقت پر نہ ہو سکی۔ مولوی صاحبؒ جب شام کو بعد تدفین آئے تو انھوں نے بیان کیا۔ سب سے پہلا سوال میں نے تمہارے ہی متعلق کیا۔ اپنی عدم شرکت کا بڑا افسوس رہا۔ دعائے مغفرت ظاہر ہے کہ اسی وقت کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ پھر دوسرے دن مولوی صاحب و عبدالخالق کے ہمراہ گیا اور میاں لغیر کے کمرے میں دیر تک بیٹھا۔ عورتیں بھی برد بھٹے میں آ گئی تھیں اور پردہ

کی آڑ سے سب باتیں سنتی رہیں۔ باتیں ہی کیا تھیں۔ جو منزل سب کو دیر سویر آگے پیچھے پیش آنی ہے اس کی ذرا یاد تازہ کر لینا تھی۔ کل صبح سورج کا نکلنا جس قدر یقینی ہے واقعہ موت تو اس سے کہیں بڑھ کر ہر فرد بشر کے لیے قطعی و یقینی ہے۔ بس اسی بھولی ہوئی حقیقت کو پیش نظر کر لینا تھا۔ موت کوئی حادثہ نہیں یہ تو مومن کا اپنے رب کے حضور میں پیش ہونا اور ہر طرح کے انعام و اکرام سے سرفراز ہونا ہے۔ اور بجائے ماتم کے عملاً خوشی و فرحت کا مقام ہے۔ وفیٔ مجد للہ سے غم محسوس ہونا بھی ایک امر طبعی ہے اور جوان اولاد یا اکل اچانک یہ خبر سیکڑوں میل دور پردیس میں سنے اس پر تو گویا بجلی گر پڑی۔ جتنا بھی غم ہو لیکن اس کے لیے مستقل اجر علیحدہ ہے۔ غم کچھ عرصہ بعد رفتہ رفتہ جاتا رہے گا۔ اجر قائم و غیر فانی ہے۔ غم محسوس کرنا عین سنت نبوی کی پیروی ہے۔ شدت غم میں مطلق مضائقہ نہیں یہ سب اجر بڑھانے والی چیزیں ہیں صرف بے صبری اور ناشکری البتہ بچنے کی چیزیں ہیں۔ طبعی اور بشری جذبات ذرا بھی قابل گرفت نہیں۔ قابل مواخذہ وہ چیزیں ہیں جو شیطان کی تحریک سے پیدا ہوتی ہیں۔

مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت جتنی بھی ہو سکے برابر کرتے رہیں اور بعد نماز بھی اور یوں حالی وقت میں بھی قرآن مجید وغیرہ پڑھتے رہیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کا قرض اگر کچھ ہو تو ادا کر دیں اور دوسروں سے ان کی طرف سے معافی مانگ لیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ ڈھاکہ منتقل ہونے سے پہلے مولانا مرحوم کے ہاں شام کی نشست میں آنے والوں میں تھے اور ان کے خصوصی ارادت مندوں میں تھے۔

(۲) مرحوم مولانا کے ہم وطن اور خصوصی ارادت مندوں میں تھے۔ جس زمانے میں ان کا دریابادمیں قیام ہوتا تھا بڑی پابندی سے مولانا مرحوم کے ہاں شام کی نشست میں حاضری دیتے تھے۔

(۳) مولانا مرحوم کا یہ معمول تھا کہ دریاباد میں کسی بھی مسلمان کے انتقال ہو جانے پر اس کی نماز جنازہ اور تدفین میں ضرور شرکت کرتے تھے۔

(۴) مراد مولوی نفیق خاں صاحب جو مولانا مرحوم کے مخلصین خصوصی میں بھی اخص تھے۔ ۱۹۲۵ء سے برابر مولانا کی شام کی نشست میں حاضری دینے والوں میں تھے اور برسوں مولانا مرحوم کے ہمراہ صبح ٹہلنے جاتے تھے۔ مولانا مرحوم کے دوسرے کام مثلاً مکان کی تعمیر وغیرہ بڑی خوشی سے انجام دیتے تھے اور مولانا کی تینوں صاحبزادیوں اور ان کے بچوں کو پڑھایا بھی۔

(۵) مولوی نفیق خاں صاحب کے صاحبزادے جواب مدرسہ تعلیم القرآن کے ناظم ہیں۔

(۶) قصبہ کے ایک ممتاز تاجر جن کا کلکتہ میں کاروبار تھا۔ مولانا مرحوم کی زبان پر ان کا م بے نظیر تھا ان کے اخلاص کی وجہ سے۔

والدہ حافظ احمد الزماں رام پور کے نام تعزیت نامہ

ان کی جوان لڑکی ذاکرہ جو پیدائشی طور پر آنکھوں سے معذور تھی کے انتقال پر ——————

دریاباد

۱۰ ستمبر ۱۹۵۲ء بسم اللہ

مخدومہ و مکرمہ! السلام علیکم

آپ کی عمر ہی اس مرحومہ کی خدمت کرتے گزری اب سب سے بڑی خدمت اس کی علالت میں کرلی اور اب ساری عمر خالی رہ کر اس کی یاد منانا اور دعائیں مانگنا باقی رہ گیا۔

امتحانات اس سلسلے میں شروع سے اب تک برابر ہوتے رہے اور آخری اور سب سے بڑا امتحان اب ہو گیا۔ جنت کے لیے بہانے آپ کو پہلے ہی سے موجود تھے۔

بہت بڑا اور زبردست بہانہ اللہ نے اب دے دیا اس کا شکر ادا کیجیے اور کوئی

کلمہ بے صبری کا زبان سے نہ نکلنے دیجئے۔

طویل بیماری کا حال تو ہم لوگ سن چکے تھے لیکن اس نوبت کے آجانے کا خیال نہ تھا اسی لیے عابد سلمہٗ کا خط پاکر ہم سب دنگ رہ گئے۔

آپ پر ابتک جو کچھ گزرتی رہی اور اب جو کچھ گزر رہی ہوگی وہ دونوں بالکل ظاہر ہیں سہارا پہلے بھی اکیلے اللہ کا تھا اور اب بھی اسی کا سہارا بڑا سہارا ہے۔

مرحومہ کے لیے زیادہ فکر نہ کیجئے وہ بے چاری تو اتنا سن ہوجانے کے باجود بھی کہنا چاہیے کہ نیم معصوم ہی رہی اور دنیا میں پڑنے ہی نہ پائی۔

بہرحال مومن کے لیے جو کچھ بھی ہوتا ہے محض اس کے گناہوں کو دھونے اور اس کا مرتبہ بڑھانے کے لیے ہوتا ہے۔ اللہم کو آپ کو سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دے

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کی قریبی عزیزوں میں تھیں اور مولانا مرحوم کی بڑی عقیدت مند۔ سفر حج میں مولانا مرحوم کے قافلے میں اپنے بھائی کے ساتھ شامل ہوگئی تھیں

(۲) مولانا مرحوم کے عزیز اور مکتوب الیہا کے قریبی عزیز جو اب عرصے سے پاکستان میں ہیں۔

ڈاکٹر عظیم صدیقی صاحب لکھنؤ

دریاباد

۲۱ر مارچ ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ!

السلام علیکم

معصوم اولاد کسی کی بھی ہو خصوصاً کسی عزیز کی جب اس کی وفات کی خبر سنتا ہوں تو

بجائے تعزیت کے دل بے اختیار اسے مبارک باد پیش کرنے کو چاہتا ہے ـــــ حدیث نبوی میں بشارتیں ہیں اس معصوم اور اس کے والدین دونوں کے حق میں ایسی ایسی پڑھ چکا ہوں! ماں باپ کی مغفورت کا تو کہنا چاہیئے اس کے لعد بیمہ ہی ہو گیا! انشاءاللہ وہ معصومہ اپنے والدین کی انگلی پکڑے انھیں دوڑتی، گھسیٹتی ہنستی کھیلتی اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گی! وہ جنت جس کے سامنے آج کے غم کا بڑا سے بڑا پہاڑ بھی کوئی ہستی نہیں رکھتا۔ بہرحال فوری طور پر غم وحزن سے متاثر ہونا بھی ایک امر طبعی بشری ہے اور اگر تاثر اس درجے کا شدید قدرت نے نہ رکھ دیا ہوتا تو پھر یہ اجر لامتناہی بھی کاہے کو ہوتا۔؟

سب سے بڑی تسلی اپنے اور سب کے ہادی اعظم کے نمونے سے حاصل ہوئی۔ آخر اس ذات اقدس کو بھی تو اپنی معصوم اولاد کا جسم اپنے ہاتھ سے قبر میں اتارنا پڑا تھا اور غم کے آنسو بھی اس چشم مبارک سے بہے تھے۔ امبارک ہیں وہ امتی جنہیں اپنے رسول کی گزری ہوئی منزلوں سے خود بھی گزرنا پڑے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ لکھنؤ کے کایاب ایلہ بیتہ ڈاکٹر تھے اور مولانا مرحوم کی بیگم کے رشتے کے بھائی ہوتے تھے۔ ان کے اور ان کے سب گھر والوں سے ہمارے گھرانے کے بڑے ہی مخلصانہ تعلقات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم، مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ مرحومہ اور گھر کے دوسرے بچوں کے بھی معالج رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا انتقال جون ۱۹۶۶ء میں ہوا۔

تعزیت نامہ بنام ظہور الحسن صاحب[1]

جامعہ اشرفیہ لاہور

دریاباد

۸ر جولائی ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ!

وعلیکم السلام

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ اللہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے ۔ دق کا موذی مرض مغفرت کے لیے خود ہی انشاء اللہ کافی ہوگا۔ پھر شوہر کو خوش و رضامند چھوڑ کر جانا مزید خوش قسمتی کی دلیل ہے ۔

ابھی مرحومہ کا بچپن یادِ نظر کے سامنے پھر رہا ہے ۔

سالہا سال کی رفاقت و مصاحبت کے بعد مفارقت کا غم شدید ترین غم ہوتا ہے لیکن سارا اجر بھی تو اسی غم کا ہے ۔

اور پھر غم بھی تو فانی ہے ۔ ساری عمر بس دیکھتے دیکھتے کٹ جائے گی اور عنقریب ہی جنت میں انشاء اللہ ملاقات ہوگی جس کے بعد کوئی جدائی نہیں ۔

والسلام

دعاگوئے مغفرت

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بڑے مخلص دوست امین الحسن موہانی جو حیدرآباد میں ملازم ہو گئے تھے کے سگے بھانجے اور داماد تھے ان کی بیوی کے انتقال کے اطلاعی خط کے جواب میں یہ تعزیت نامہ لکھا۔

مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ[1]

جامعہ اشرفیہ لاہور کے نام حافظ جلیل احمد علی گڑھیؒ کی وفات پر تعزیتی مکتوب

دریا باد

۲۱ر دسمبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

مخدومی و مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پیارے میاں علی گڑھیؒ مرحوم و مغفور کی خبر وفات و حالات متعلقہ کو محض سن کر جہاں ظاہری و جسمانی مفارقت کی بنا پر دل نے صدمہ بھی اچھا خاصا محسوس کیا وہیں ان کے حال پر رشک سا بھی آگیا ایسے مقبول بندے کے لیے دعائے مغفرت کن الفاظ میں کی جائے دوسروں ہی کی مغفرت انشاء اللہ ان کے طفیل میں ہو جائے گی۔

عالم برزخ میں اپنے مرشد سے قدم بوس ہو کر کس درجہ مسرور ہو رہے ہوں گے میرے تو خاص کرم فرما تھے۔ اور سرتاپا اخلاص پچھلے اپریل میں بڑی ہی محبت سے ملے تھے ان کے زمانہ حج میں تھانہ بھون میں ان کے مکان میں ہفتوں رہا تھا۔ اور جو راحت ملی تھی وہ آج تک یاد ہے۔ میرے گھر میں بھی ان کے گھر سے بڑا لطف تھا۔ لڑکیاں بھی ان سے خوب واقف۔ واقعہ کو ہم سب نے ایک عزیز کی طرح محسوس کیا۔ دیر تک ذکر خیر جاری رہا۔ تعزیت میں ہم سب شریک ہیں از راہ کرم اس پیام تعزیت کو ان کے غم زدہ صاحب زادے اور محزون بیوی صاحبہ تک پہنچا دیجئے۔ صاحب زادے کا نام یاد نہ رہا ورنہ ان کو براہ راست لکھتا اب ایسا پرکشش اور لبریز محبت چہرہ زندگی بھر دیکھنے کو کیوں ملے گا۔

والسلام محتاج دعا

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اور خود بھی بڑے عالم تھے اور

دارالعلوم دیوبند سے فارغ، تقسیم کے معاً بعد لاہور منتقل ہو آئے تھے اور وہاں جامعہ اشرفیہ کے نام سے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا۔

(۲) حافظ جلیل صاحب بھی مولانا تھانوی سے اس درجہ عقیدت رکھتے تھے کہ تقریباً تھانہ بھون ہی کے ہو گئے تھے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی تقسیم کے بعد وہ لاہور منتقل ہو گئے تھے مولانا مرحوم سے بڑا مخلصانہ تعلق تھا۔

(۳) یہ حافظ صاحب کا عرف تھا

(۴) مراد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) اپریل ۱۹۵۵ء میں جب غلام محمد صاحب مرحوم گورنر جنرل پاکستان کی دعوت پر مولانا مرحوم پاکستان تشریف لے گئے تو لاہور میں حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے وہیں حافظ صاحب مرحوم سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ یہ خاکسار مرتب بھی مولانا مرحوم کے ہمراہ تھا۔

(۶) حافظ صاحب کا تھانہ بھون میں بڑا آرام دہ مکان تھا۔

خان بہادر میر احمد حسین صاحب رضوی

تاجر تمباکو لکھنؤ کے انتقال پر ان کے صاحبزادے سید حامد حسین اسلم صاحب کے نام تعزیتی مکتوب

دریاباد

۳۱ر دسمبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

میر صاحب مرحوم و مغفور کی وفات ایک ملی حادثہ تو ہے ہی باقی بہت سے دوسروں کی طرح میرے لیے بھی ایک ذاتی حادثے کا حکم رکھتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ اللّٰھم اغفرلہٗ وارحمہ۔

میں نے جس کے لیے بھی زبانی یا تحریری تحریک کی کبھی اس کی امداد سے انہوں نے دریغ نہ فرمایا اور دو سال ہوئے جب میں زیادہ بیمار ہوا تو اپنا موٹر مجھے دریاباد سے لکھنؤ لانے کے لیے بے تکلف عنایت فرما دیا۔ خلق خدا کے ساتھ ان کے اس قسم کے بے شمار سلوک بھولنے والے نہیں۔ انشاء اللہ میں ہفتہ کے اندر لکھنؤ جا کر ان کے مزار پر فاتحہ پڑھ آؤں گا اللہ آپ سب لوگوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

ہم سب لوگوں کی طرف سے مخلصانہ پیام تعزیت اپنی والدہ ماجدہ کو بھی پہنچا دیجئے۔

دعاگو و شریک غم

عبدالماجد

(۱) خان بہادر میر احمد حسین صاحب رضوی لکھنؤ کے بڑے متمول و معزز تاجر تھے اور بڑے گہرے مذہبی اور غیرت مند مسلمان تھے۔ ملی کاموں میں بڑے آگے رہتے تھے۔ مولانا مرحوم اور ان کے برادر بزرگ مولوی عبدالمجید صاحب ڈپٹی کلکٹر سے بھی ان کے مخلصانہ تعلقات تھے۔

(۲) مکتوب الیہ میر صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں وہ بھی مولانا مرحوم سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔

(۳) اس لیے کہ میر صاحب ملی کاموں میں بڑے آگے رہتے تھے اور متعدد اسلامی اداروں کو گراں قدر مالی امداد دیا کرتے تھے۔

شورش کاشمیری، اڈیٹر چٹان ہفتہ وار لاہور کے نام

ان کے والد کے انتقال کو سن کر تعزیتی مکتوب

دریاباد

۱۵ اپریل ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

۱۵ر کا نوائے وقت ایک روز کی تاخیر سے کل ۱۸ر کی شام کو موصول ہوا اور اسی میں سانحہ کی خبر پڑھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سن کچھ ہی ہو جائے باپ کا وجود دنیا میں ایک بہت بڑی نعمت ہوتا ہے جس کا کوئی بدل نہیں اور اس کے بعد ساری ذمہ داریاں اپنے ہی سر آپڑتی ہیں۔

مرحوم کی مغفوریت کے لیے یہی کیا کم ہے کہ ماہ مبارک[1] نصیب ہوا۔

دعاگو و شریک غم،
عبدالماجد

(۱) یعنی ماہ رمضان المبارک۔

بجواب صغیر احمد صاحب

انھوں نے اپنے ایک خط میں ایک عزیز بچے کی موت پر لکھا تھا کہ اس سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ ــــــ

دریاباد

۱۲ر جولائی ۱۹۵۶ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

عزیز کی مفارقت پر غم و صدمہ ایک امر طبعی ہے جو خود سید الانبیاء پر بھی طاری ہوا اور پھر خصوصاً جب کہ واقعہ غیر متوقع ہوا اور صدمہ اپنی نوعیت میں پہلا ہو۔

اللہ صبر بھی رفتہ رفتہ دے گا اور ایسا دے گا جیسے کبھی یہ واقعہ پیش ہی نہ آیا تھا۔

عموم بچوں کی موت تو آخرت میں رحمت خصوصی کا باعث بنے گی اس حقیقت کا استحضار تازہ غم پر ٹھنڈے مرہم کا کام دیتا ہے۔

تفصیلی جواب انشاء اللہ صدق کے کسی نمبر میں گنجائش نکلنے پر نکلے گا۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

مولانا حکیم محمد زماں حسینیؒ کے نام ان کے والد کے انتقال پر

دریاباد

۱۴ر اگست ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

کرم فرما! وعلیکم السلام

بے شک اس وقت آپ کا دل دُکھا ہوا ہوگا اس دکھے ہوئے دل کے جذبے کو کام میں لائیں اور اپنے اور ان مرحوم اور ساری اُمّت کے حق میں دعائے خیر فرمائیں ——— قلب شکستہ کی دعا کا کیا کہنا۔ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ہر منہ مانگی مراد حاصل بلکہ اس سے بھی سوا!

آپ ماشاء اللہ خود صاحب علم و فہم ہیں۔ لقمان کو حکمت کون سکھا سکتا ہے۔ صبر جمیل کے لیے یہ اکسیر آیۃ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ کے دونوں اجزا کے معانی کا استحضار ہے جب ہم خود اپنے لیے نہیں اللہ کے لیے ہیں تو ہمارے باپ اور بھائی اور بیٹے ہمارے ہوئے کب؟ سب کے سب اللہ ہی کی ملک۔ جس کی چیز تھی اس نے جب چاہی واپس لے لی اور پھر ظاہری جدائی کی مدت کتنی! ہم سب کے سب ہی ایک منزل کی طرف دوڑتے بھاگتے تو چل ہی رہے ہیں اور آگے پیچھے پہنچ ہی رہے ہیں۔ پھر بے صبری کاہے کی؟ یہ دونوں جس کے دل میں اُتر گئے تو پھر اسے آگے کسی صبر کی ضرورت ہی نہیں ——— اور آپ تو بھی خوش قسمت ہیں کہ اتنا موقع آپ کو ان مرحوم کی خدمت کا مل گیا۔ اس بچے کا قول یاد کر لیجیے جس نے کہا ہے کہ رب کی خوشی باپ کی خوشی میں اور رب کی ناخوشی باپ کی ناخوشی میں ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ ——— عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور ذی علم لوگوں میں ہیں جمعیۃ العلماء کے رہنما اور مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے رکن۔ مولانا مرحوم سے بڑا تعلق تھا جب جون ۱۹۵۵ء میں مولانا مرحوم کلکتہ گئے تھے تو تقریباً روزانہ ملنے تشریف لاتے تھے۔ حکیم صاحب حضرت مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں

ملک حبیب احمد صاحب کے نام ان کے والد کے انتقال پر

دریاباد

۷ مارچ ۱۹۵۷ء بسم اللہ

غم نامہ ملا۔ مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت اسی وقت کردی ـــــ اولاد کے لیے بے شک یہ وقت بڑا سخت ہوتا ہے لیکن پھر اجر اسی درجے کا موعود ہے ـــــ اور آگے پیچھے ہم سب کو وہیں پہنچنا ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

بیگم صاحبہ ڈاکٹر عبدالعلیٰ کے انتقال کی تعزیت میں

ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کے نام خط

دریاباد

۱۰ اگست ۱۹۵۷ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

جو جنت جانے کے لیے آئی تھی، آخر مدت مسافت پوری کرکے یک بیک اپنی منزل کو روانہ ہوگئی آپ کے مراتب کو بڑھاتی ہوئی۔

آخر سیدزادی تھی اپنی ماں خدیجۃ الکبریٰؓ کی سنت پوری کر گئی۔

نماز جنازہ غالباً اسی وقت پڑھ دی۔ دعا بار بار کروی مرحومہ کی مغفرت کے لیے بھی اور آپ کی تسلی قلب کے لیے بھی ——— بڑوں کے امتحانات بھی بڑے ہی ہوتے ہیں ایسی بڑی نعمت کی اچانک واپسی کی آزمائش عالی ظرفوں کے حصہ میں آتی ہے۔

لقمان کو حکمت کون سکھا سکتا ہے میں اپنے ظرف کے لحاظ سے تلقین صبر کرنے چلا ہوں حالانکہ آپ لوگ انشاء اللہ وماشاء اللہ تسلیم ورضا کے مرتبہ پر فائز نکلیں گے۔ دعا خواہی کا لفظ رسماً ہیں لکھ دیا مضطر و دل شکستہ کی دعا کے مرتبہ قبول کا کیا کہنا۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے برادر اکبر تھے۔ بڑے حاذق ڈاکٹر اور تقویٰ میں بہت زیادہ ممتاز۔ مولانا مرحوم کے مخلص دوستوں میں تھے۔ تمام دینی تحریکوں خاص طور سے تبلیغی جماعت میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان کے والد محترم مولانا حکیم عبدالحی صاحب بھی ندوہ کے ناظم رہ چکے تھے۔

خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی

اپنے والد کے انتقال کی خبر لکھی تھی۔ اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تعزیت نامہ بھیجا گیا ———

دریاباد

۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۷ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

دعائے مغفرت کل سہ پہر کو خط پاتے ہی کر دی تھی۔ حسن اتفاق عصر ملا تھا اس وقت

سے اب تک یاد کرکے ہر نماز کے بعد اور اس وقت بھی کر رہا ہوں۔

(۲) مرحوم کی خوش نصیبی تھی کہ اولاد سعید آپ کی سی چھوڑی وطن سے صدہا میل دور دار الہجرت میں وفات بجائے خود ایک علامت مقبولیت کی ہے۔

آپ ہی خوش نصیب ہیں کہ اتنے عرصے خدمت کا موقع پایا۔

باقی یہ سایہ تو جس سن میں اٹھے گا بہرحال صدمہ ہی کا باعث ہوگا اور یہی صدمہ ہر اجر اخروی کی بنیاد ہے۔

اپنی والدہ ماجدہ اور بھائی بہنوں سب کو میرا پیام تعزیت پہنچا دیجئے اب آپ کا بڑا فریضہ انھیں لوگوں کے ساتھ حسن سلوک بہ قدر ان کے مراتب رہ گیا۔

اصل حقیقت کے اعتبار سے غم اور سوگ کون کس کا کرے جب کہ آگے پیچھے سب ہی تیزی کے ساتھ ایک منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔

گھر کی ذمہ داریاں اب ساری آپ ہی پر آپڑی ہوں گی۔ باپ کا سایہ بڑا ہی بابرکت ہوتا ہے۔ ع

اب اسے ڈھونڈھ چراغِ رخِ زیبا لے کر

اس یقین میں شک نہ لائیے گا کہ اللہ ہر مسلمان کا والی و ناصر ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ دہلی کے مشہور و معروف انشا پرداز تھے۔ مولانا مرحوم ان کی انشا پردازی اور زبان دانی کے بہت قائل تھے۔ تقسیم کے بعد خواجہ صاحب لاہور ہجرت کر گئے وہاں ان کو بڑے مصائب برداشت کرنے پڑے لیکن انھوں نے حکام کی ان چیرہ دستیوں کو بڑے ضبط کے ساتھ برداشت کیا۔ مولانا مرحوم ان کی تحریروں کو بے حد پسند کرتے تھے اور مکتوب الیہ کو بھی مولانا مرحوم سے بڑی عقیدت تھی۔ مولانا کے لاہور جانے پر انھوں نے بڑی ہی عقیدت مندی

کا مظاہرہ کیا۔ مولانا مرحوم خواجہ صاحب کے اخلاص کے بھی بہت قائل تھے۔

(۲) خواجہ صاحب کے والد خواجہ عبدالمجید صاحب جو خود بھی اردو کے بڑے اچھے لکھنے والے تھے اپنے صاحبزادے کے ساتھ لاہور ہجرت کر گئے تھے۔

شیخ انورالزماںؒ صاحب ایڈووکیٹ باندہ کے نام

ان کے والد شیخ مسعودالزماںؒ صاحب کے اچانک انتقال پر تعزیتی مکتوب۔

مدراس

۲۲ر جنوری ۱۹۵۸ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

پرسوں سہ پہر کو یہاں گھر پر جوں ہی پہنچا معاً آفتابؒ کا تار موصول ہوا۔ تار کی شکل دیکھتے ہی ڈر گیا تھا۔ راستہ میں یہی خیال برابر بندھا رہا تھا کہ مدراس پہنچتے ہی کسی عزیز قریب کی سناونی سننی ہے۔ لیکن مرحوم کی طرف تو ذرا بھی ذہن نہیں گیا تھا۔ لکھنؤ سے انھیں اچھا خاصا شگفتہ و بشاش چھوڑ کے روانہ ہوا تھا ـــــ دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ صبر کے سوا اب چارہ ہی کیا تھا! نماز جنازہ میں شرکت دریابادؒ سے بھی دشوار تھی لیکن کچھ تو امکان تھا یہاں مجبوراً جنازہ غائبانہ پر قناعت کرنا پڑی علاوہ بار بار دعائے مغفرت کے ـــــ درگاہی بے چارہ نے بھی اسی قدر رنج و صدمہ محسوس کیا۔ تار بار بار پڑھا خبر کا یقین ہی نہیں آتا تھا۔ صبر و ضبط کے امتحان کے اصلی موقعے یہی ہوتے ہیں۔ عمر بھر کی مذہبی تربیت انھیں موقعوں پر کام آتی ہے۔ آفتاب کا خط آرہا ہوگا۔ تفصیل اس سے معلوم ہوگی۔ رات میں نے خاتون منزل ٹرنک کال کیا زاہدہ بولتی رہیں۔ مرحوم کی وفات کا حال انھوں نے کہا مگر آواز خوب صاف نہ تھی پوری باتیں سمجھ میں نہ آئیں۔

۶ لکچروں کا کورس نرسوں ۲۵ کی رات میں ختم ہوگا۔ ۲، ۴ گھنٹہ حیدرآباد

ٹھہرتا ہوا انشاء اللہ ۲۹ر کو لکھنؤ پہنچوں گا اور ۳۱ر کو الہ آباد ایک میٹنگ میں شرکت کرنا ہے بس اسی کے بعد ہی باندہ[۱۲] کا پروگرام ہے۔ لکھنؤ سے لکھوں گا۔

تمہاری دلآلدہ[۱۳] کو پہلی بار نئی دلہن بنے ہوئے دیکھا تھا سہاگ کی تازہ بہار! آج اسی زیوروں میں لدی ہوئی دلہن کو بیوگی کی سفید چادر میں لپٹے ہوئے دیکھنا ہے۔ ۴۰۔۴۱ سال کی مدت[۱۴] بات کہتے گزر گئی۔ اور رہیں تمہاری بی اماں[۱۵] تو ان کے اجر بے حساب کا کیا کہنا ایسے کڑے امتحان سے بڑے ظرف والوں ہی کو گزارا جاتا ہے۔ ا ——— سب سے بڑی ذمہ داری اب تمہارے ہی اوپر آتی ہے۔ عربی کی ایک مثل ہے کہ بڑوں کی موت نے اب ہمیں بڑا بنا دیا۔ خدا کرے اس امتحان میں پورے اترو اور ماں، دادی، بھائیوں بہنوں سب کے حقوق پوری طرح ادا کر سکو ترکہ میں سب کے حصے تو قانون میں خود ہی پڑھ چکے ہو یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص اپنی خوشی سے سر دست اپنا حصہ نہ لے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے سگے بھتیجے یعنی سالے کے سب سے بڑے صاحبزادے اور اپنی چھوٹی پھوپھی یعنی مولانا مرحوم کی بیگم کے محبوب ترین اور چہیتے بھتیجے تھے خود مولانا مرحوم کو بھی مکتوب الیہ بہت عزیز تھے۔ طالب علمی میں گرمیوں کی چھٹیاں برسوں انھوں نے دریاباد میں گزاریں اور مولانا مرحوم کے زیر تربیت رہے اور ان کے بڑے مزاج شناس تھے۔

(۲) مولانا مرحوم کے سگے سالے یعنی ان کی بیگم کے بڑے بھائی الحاج شیخ مسعود الزماں صاحب رئیس باندہ بڑے گھرے مذہبی شخص تھے اور مولانا مرحوم کے تقریباً ہم سن تھے اور ان سے بڑے بے تکلف سنہ ۱۹۲۳ء سے سنہ ۱۹۵۱ء تک یوپی کونسل کے ممبر رہے۔ بڑی داد و دہش کرتے رہتے تھے۔ زکوٰۃ بل بھی تیار کیا تھا۔

(۳) یہاں سے مراد مدراس ہے جہاں مولانا سیرت نبوی قرآنی پر لکچر دینے کے لیے مدعو

کر گئے تھے۔

(۴) گھر سے مراد میزبان افضل العلماء ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی کوٹھی مراد ہے۔

(۵) مولانا مرحوم کے بڑے بھتیجے اور منیجر "صدق جدید" حکیم عبدالقوی صاحب کا گھریلو نام اور عرف۔

(۶) یعنی ریل میں لکھنؤ سے مدراس جاتے ہوئے۔

(۷) مرحوم خاں بہادر مسعود الزماں صاحب مولانا مرحوم کی روانگی کے وقت لکھنؤ ہی میں تھے۔

(۸) صدق کے کارکن اور مولانا مرحوم اور ہم سب کے مخلص محمد معین کا عرف۔

(۹) لکھنؤ میں مولانا مرحوم کی قیام گاہ، اس عمارت کی تاریخی اہمیت اس سے ہے کہ پہلے دارالعلوم ندوۃ العلماء اسی عمارت میں تھا اور یہیں سے مولانا سید سلیمان ندوی فارغ ہو کر نکلے۔

(۱۰) مولانا مرحوم کی چھوٹی صاحبزادی جو مولانا مرحوم کے چھوٹے بھتیجے عبدالعلیم قدوائی اسسٹنٹ ڈائرکٹر انڈسٹریز کی بیوی ہیں۔ یہ بھی مولانا مرحوم کی بڑی مزاج شناس تھیں۔

(۱۱) سیرت نبوی قرائی پر پر مولانا مرحوم نے مدراس میں چھ لکچر دیے۔

(۱۲) شیخ مسعود الزماں کا وطن باندہ تھا۔

(۱۳) مکتوب الیہ کی والدہ یعنی مولانا مرحوم کی سالی کا نکاح بھی عین اسی دن لکھنؤ میں ہوا جس دن مولانا مرحوم کا ہوا تھا یعنی یکم جون ۱۹۱۶ء۔

(۱۴) مکتوب الیہ کی والدہ کا نکاح یکم جون ۱۹۱۶ء کو ہوا۔

(۱۵) مکتوب الیہ کی دادی اور مرحوم شیخ مسعود الزماں صاحب کی والدہ جو بڑی ہی متقی پرہیزگار اور نیک بیوی تھیں اور انھوں نے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں بڑی ہی قابل رشک موت بتسبیح پڑھتے ہوئے پائی۔

مولوی ابواللیث ندوی اصلاحی امیر جماعت اسلامی ہند کے نام تعزیتی مکتوب

دریاباد

۱۹ مارچ ۱۹۵۸ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ والدہ کا وجود اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے پوری قدر اس نعمت سے محرومی کے بعد ہی ہوتی ہے۔ اللہ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت اسی وقت کردی۔

دعاگو

عبدالماجد

افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق صاحبؒ

صدر پبلک کمیشن مدراس کے انتقال پر ان کے بڑے صاحبزادے انوارالحق کے نام تعزیت نامہ ——

دریاباد

۲۲ مارچ ۱۹۵۸ء بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

تعزیت کا مستحق[۲] تو میں خود ہوں دوسروں کی تعزیت کیا کروں پھر بھی ظاہر ہے کہ مرحوم کے بیوی بچوں کا حق سب پر مقدم ہے۔ کیا آپ سب لوگوں پر گزر رہی ہوگی جس اللہ نے یہ وقت ڈالا ہے وہی اس کا کاٹنے والا بھی ہے۔

نظر بس اسی پر رہے اور قرآنی وعدہ ہر وقت یاد رہے کہ ان مع العسر یسرا۔ مصیبت کے ساتھ راحت بھی ہے۔ راحتیں اور ایسی راحتیں کہ بندہ ان کا گمان بھی نہیں کرسکتا دینی تربیت ایسے ہی موقع پر کام آتی ہے۔

صدق کے آئندہ نمبر کے لیے نوٹ نہیں مستقل مضمون[۳] تیار کر رہا ہوں۔

امت کے لئے اس وقت ایک سعید ترین انسان تھے اور میرے تو محسن خصوصی تھے اس وقت تک کتنی رحمتوں اور نعمتوں سے سرفراز و مالامال ہو چکے ہوں گے۔ اپنی والدہ ماجدہ اور بہن بھائیوں کو نہ صرف میری بلکہ سارے گھر کی طرف سے دلی تعزیت پہنچایئے۔ آخر وقت اور جنازہ وغیرہ کا مختصر حال اگر لکھ سکیں تو ضرور لکھ دیجئے۔

کوٹھی تو یہ سرکاری ہوگی اب آپ لوگ اٹھ کر کہاں جائیں گے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مرحوم ڈاکٹر عبدالحق صاحب سے مولانا مرحوم کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔ اور مولانا مرحوم ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اور ان کی خوبیوں کے بے انتہا معترف تھے خاص کر ان کے توازن سے اور ان کو مثالی شخصیت کہا کرتے تھے۔ جب مدراس میں جنوری ۱۹۵۸ء میں سیرت نبوی پر لکچر دینے تشریف لے گئے تھے تو ڈاکٹر صاحب ہی کے ہاں قیام کیا تھا اور وہاں جاکر ان کی زندگی کو اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو وہ ڈاکٹر صاحب کے اور زیادہ معتقد ہو گئے تھے۔ یہ سفر تمام تر ڈاکٹر صاحب کی فرمائش پر کیا۔ ڈاکٹر صاحب مولانا مرحوم کے پورے طور پر مزاج شناس تھے۔ مرحوم میں یہ بڑی خوبی تھی کہ گہرے مسلمان ہونے اور مذہبی حمیت اور درد رکھنے کے ساتھ ساتھ موجودہ مسائل پر بھی بڑی گہری نظر رکھتے تھے اور نئے مسئلوں کے اسلامی حل کے خواہشمند تھے اور ہر ایک کے کام آتے تھے اور اسی وجہ سے ہر طبقے اور ہر گروہ میں بہت ہی زیادہ ہر دلعزیز تھے علم و فضل جوش و ہوش، توازن، اسلامی غیرت و حمیت انکسار اور داد و دہش جود و سخا اور خدمت خلق

کی خوبیوں کا مرقع تھے۔ انتقال گویا دفعتہً ہوا۔ مولانا مرحوم کو ڈاکٹر صاحب کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا اور آخر عمر تک ڈاکٹر صاحب مرحوم کو برابر یاد کرتے رہے۔

(۲) بربنائے تعلقات خصوصی۔

شیخ انور الزماں صاحب ایڈوکیٹ باندہ کے نام

ان کے والد شیخ مسعود الزماں کے انتقال کے بعد پہلی عید کے موقع پر۔

دریاباد

۱۶ر اپریل ۱۹۵۸ء

۲۶ر رمضان المبارک

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

رمضان بھر تمہاری چھوٹی امی کو اپنے بھائی جان برابر یاد آیا کئے ـــــ بارہا انھیں یاد کرکے آنسو بھی بہائے ـــــ ماں جایا نے جگر میں بجائے ٹھنڈک کے ہر وقت ایک آگ سی لگی ہوئی پاتی ہے۔ اور بیوی جو اپنی بادشاہت کے لٹ جانے پر چوبیس گھنٹے ایک سکتے میں رہتی ہے ان کا تو خیر کہنا ہی کیا۔ لیکن بہن کا رنج و غم بھی کچھ ایسا کم نہیں ہوتا۔ دو ایک سے کم سہی پھر بھی بیسوں بلکہ پچاسوں سے تو زیادہ ہی ہوتا ہے۔

باندے جانے کا ارادہ بار بار کرتی ہیں اور پھر رک جاتی ہیں کچھ تو گرمی کے خیال سے اور کچھ اس لیے بھی کہ خود اس گھر کی آب و ہوا بھی اس وقت خراب ہے۔ خود ان کی صحت بھی ادھر پھر خراب رہنے لگی ہے باندے جاکر جیسے سنبھل گئی تھیں وہ بات باقی نہیں۔ آخر رمضان میں ہر سال اپنے والد مرحوم کا فاتحہ فیرینی پر دلاتی ہیں۔ اب کی ظاہر ہے کہ باپ کے ساتھ بھائی کا سوگ بھی شریک۔

میں خود بھی سوچتا ہوں کہ اب کی رمضان بھر تمہاری امی اور بی اماں دونوں پر کیا گزرتی

رہی ہوگی اور کتنی بار یہ دردناک یاد دل اور آنکھوں دونوں کو رُلا گئی ہوگی! پارسال کون اندازہ کرسکتا تھا کہ یہ اُن[۵] کا آخری رمضان ہے اور اب پھر کبھی اس دنیا میں انھیں دیکھنا نصیب نہ ہوگا! ——— لیکن یہ ساری حسرتیں ایک طرف اور ان کا اجر بے اندازہ و بے حساب دوسری طرف! دونوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ ایک اور ہزار، ایک اور لاکھ کی بھی نسبت نہیں ہر غم و صدمہ جو ادھر سے ڈالا جاتا ہے۔ مومن کے لیے رحمت ہی رحمت ہوتا ہے اور پھر رمضان میں تو اس کا درجہ بھی کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

عید آرہی ہے کس طرح تمہارے گھر میں آئے گی۔ زندگی میں تمہاری بی اماں کے لیے یہ دوسری اداس اور تاریک عید! پہلی ۴۲ سال قبل ۱۹۱۵ء میں آئی تھی جب تمہارے دادا جان[۶] کا انتقال ہوا تھا اور تمہاری امی بے چاری کے لیے تو اپنی قسم کی بالکل ہی پہلی عید! ایک عید ان کی ۱۹۱۶ء[۷] کی تھی سہاگ کی پہلی عید۔!

وقتی عارضی جس طرح اس عید کی خوشی تھی اسی طرح آج کی عید کا غم بھی۔ قائم اور ثابت رہنے والی نہ وہ تھی اور نہ یہ ہے ——— آناً فاناً وہ بھی گزر گئی اور یہ بھی گزر جائے گی ——— جو آنسو اس روز بہیں گے وہ البتہ قائم رہ جانے والے ہیں وہی قیمتی ہیں سچے موتیوں سے کہیں بڑھ کر قیمتی اور جس شکل میں واپس ملیں گے۔ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ آج اگر ہو جائے تو وجد کا عالم طاری ہو جائے اور انسان اس خوشی کو برداشت نہ کرسکے۔

فرق صرف آج اور کل کا ہے، اور ایمان والے کے لیے اس "کل" کے طلوع کا انتظار کچھ بھی دشوار نہیں! ——— یہ خط انشاء اللہ پرسوں جمعہ کو پہنچ جائے گا اسے رکھ لینا اور عین عید کی صبح اندر سنانا۔

دالدعا

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم مکتوب الیہ کے پھوپھا تھے۔

(۲) مراد مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ جو مکتوب الیہ کی سگی چھوٹی پھوپھی تھیں اور جنھیں مکتوب الیہ سے غیر معمولی محبت تھی اور جنھیں وہ بہت زیادہ چاہتی تھیں۔

(۳) مراد مرحوم شیخ مسعود الزماں صاحب۔

(۴) اس زمانے میں گھر کے بعض ملازمین کے بچوں کو چیچک نکل آئی تھی۔

(۵) مراد شیخ مسعود الزماں صاحب۔

(۶) شیخ یوسف الزماں صاحب مرحوم جو مولانا مرحوم کے سگے خالہ زاد بھائی تھے۔ لیکن سن میں بہت بڑے۔

(۷) جب مکتوب الیہ کی والدہ کا عقد ہوا تھا عین اسی دن مولانا مرحوم کا بھی عقد ہوا تھا۔

شیخ انوار الزماں صاحب کے نام

(بسلسلۂ انتقال شیخ مسعود الزماں صاحب یعنی مکتوب الیہ کے والد)

دریاباد

۲۷ مئی ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

۴ ماہ دس دن کی مدت پوری ہوئی اور بیوی غریب کے بیر سے ضابطے کی بیڑی آج کٹی ——— بیڑی صرف ضابطہ کے غم کی نہیں۔ غم والم زندگی بھر کا ہے اجر بھی ٹھیک اسی حساب سے مسلسل اور غیر منقطع ہے۔ ماں کا تعلق ضابطہ کا نہیں تمام تر قلب وجذبات کا ہے اس لیے اس کو اتنی بھی ضابطہ کی اور ظاہری سہولت نہیں اس کے لیے مسلسل تڑپ اور مسلسل آہ وزاری ہے اور اس کا اجر بھی اسی کی نسبت سے بے حساب۔

ایک وہ ہوتا ہے نئے نئے سہاگ کا پہلا مہینہ! ہر ناز اور چونچلے کا زمانہ! کتنی جلد گزرنے

والا۔ گھڑیوں میں، پلوں میں ختم ہوجانے والا، جاکے پھر کبھی نہ آنے والا، لباس کے ساتھ زندگی کی رنگینیوں کا بھی دور آناً فاناً پلک جھپکتے سمٹ جانے والا۔

اور ایک دور یہ ہوتا ہے بیوگی کا! غفلتوں کے نشے کے آثار کا! لباس کی سادگی اور سفیدگی کے ساتھ روح کو جلا دینے والا! عبدیت، بندگی، بیچارگی کی روح کو بیدار کرنے والا! بندے کا ٹوٹا ہوا رشتہ اللہ سے جوڑ دینے والا!

خوش ہوں جو آج غم زدہ ہیں کہ ابھی راحت اور اصلی مسرت انھیں کے انتظار میں ہے۔

مرحوم کی شادی کی تاریخ یکم جون[1] تھی مئی کا سارا مہینہ کیا جشن کی تیاریوں میں گزرا تھا!

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) یکم جون ۱۹۱۶ء کو مسعود الزماں صاحب مرحوم کی شادی لکھنؤ میں ہوئی تھی اور اسی تاریخ کو مولانا مرحوم کی بھی شادی ہوئی۔ اس تاریخ کو مولانا مرحوم بڑی حسرت سے یاد کرتے تھے

حکیم محمد زماں حسینی کلکتہ کے نام

مولانا حکیم محمد زماں حسینی کلکتہ نے اپنے بھائی کی وفات سے مطلع کیا تھا اسکے جواب میں یہ تعزیتی مکتوب گیا دریابادہ۔

۱۹ر جولائی ۱۹۵۸ء بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام

بھائی اور پھر اکیلے بھائی کی مفارقت کا صدمہ یقیناً بہت سخت ہوتا ہے چہ جائیکہ جب مفارقت بالکل اچانک اور غیر متوقع ہو۔ سینے میں ایک خلا ہوگیا ہوگا جس کی تڑپ ہر وقت بے چین رکھتی ہوگی۔

آیۃ ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کے معنی و مفہوم کا مراقبہ ایسے ہی موقعوں کے لیے ہے۔ انشاء اللہ تسکین اسی سے ہوگی۔

جس نے وقت ڈالا ہے وہی وقت کاٹے گا بھی۔

صدمے بھی بہ قدر ظرف ہی دیئے جاتے ہیں۔ آپ کو جو اجر بے حساب ملنے والا ہے اس کا ابھی آپ کو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا ——— انتظار کی بڑی سے بڑی مدت بھی پلک جھپکتے ختم ہو جاتی ہے۔ حضورؐ نے تو اپنے رشتے کے بھائیوں اور عزیزوں کے دل سے غم و حزن محو کس فرمایا ہے یہ اضطراری اتباع سنت مبارک ہو۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا تعارف مکتوب ۱۷ میں ہو چکا۔

اکبر مرزا صاحب[1] لاہور کے نام

(ان کی والدہ کے انتقال پر)

دریاباد ——

۲۵ر جولائی ۱۹۵۸ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ تعالیٰ! السلام علیکم

کل شام کو حکیم آفاق سلمہٗ[2] نے لاکر وہ تار دکھلایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ دعائے مغفرت اسی وقت کر دی اور اس کے بعد بھی۔ وہ اولاد خوش قسمت ہے جسے ماں کی خدمت کا موقع کافی عرصہ تک مل جائے اور وہ اپنی جنت اسی سے بنالے۔ دنیا میں دو چار نعمتیں ایسی ہیں جن کا بدل اس دنیا میں موجود نہیں اور ان میں سے والدین کا سایۂ عاطفت ہے۔

(۱) مکتوب الیہ کی سگی خالہ اور چچی دریاباد میں منسوب تھیں جن سے ہم سب لوگوں کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ مکتوب الیہ لکھنؤ یونیورسٹی کے ایم۔اے تھے۔ اور اپنے زمانہ طالب علمی میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے اور تقسیم کے بعد لاہور منتقل ہو گئے۔ عم محترم سے ان کی ملاقات لاہور میں ہوئی تھی۔

(۲) موصوف کو بھی عم محترم سے اپنے برادر بزرگ مرزا سردار بیگ کی طرح بڑی ارادت تھی۔ موصوف اکبر مرزا صاحب کے خالہ زاد بھائی تھے۔

توکل کریم قدوائی صاحب کے نام

ان کی بیوی عاصمی کا عین جوانی میں دفعتہً انتقال ہو گیا تھا اسی پر یہ تعزیت نامہ بھیجا گیا ——

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ تعالیٰ! السلام علیکم

جو شفقت مادری سے گویا آنکھ کھولتے ہی محروم ہو گیا اور جس کو رفیقہ حیات بھی کتنے طویل انتظار کے بعد میسر آئی تھی وہ دنیا کی اس بڑی نعمت سے یوں یک بیک محروم کر دیا گیا یقیناً اس کا یہ کڑا امتحان اس کے ظرف کی بڑائی کی بشارت کے لیے ہے —— ایسے بڑے امتحان میں ہر کس و ناکس کو نہیں ڈالا جاتا اور پاس ہو جانے والی کی خوش نصیبی اس کے اجر بے حد و حساب کا اندازہ آج کون کر سکتا ہے۔!

چھوٹے بچے (بلکہ بچوں) کی پرورش بجائے خود کوئی تھوڑی مصیبت ہے۔ لیکن پھر وہی یاد رہے کہ اجر بہ قدر مصیبت ہی ہوتا ہے ایمان کی آزمائش کے یہی موقعے ہوتے ہیں اللہ ہر طرح صبر جمیل کی توفیق دے

خدیجۃ الکبریٰؓ کو قبر میں اتارنے والے سرورِ عالمؐ کی اضطراری پیروی ہر اُمتی کے لیے باعث فخر و سعادت ہے۔ بیوی لڑکیاں اور دریاباد باندہ کے جس جس عزیز نے میری زبان سے خبر سنی سب سناٹے میں آگئے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بھانجے تھے اور مرحوم سے بہت سے زیادہ ارادت رکھتے تھے تقسیم کے بعد یہ پاکستان منتقل ہو گئے اور وہاں کی بحریہ میں اونچے عہدے پر فائز ہو گئے تھے۔ ان کے والد مولانا مرحوم کے ہم سن اور بے تکلف دوستوں میں تھے وہ بھی ۱۹۵۰ء میں باندے سے پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔

(۲) مکتوب الیہ کی شادی جسٹس مبشّر حسین قدوائی کی صاحبزادی کے ساتھ جولائی ۱۹۵۰ء میں لکھنؤ میں ہوئی تھی۔

بیگم مبشّر حسین قدوائی کے نام

ان کی لڑکی عاصمی (بیگم توکل کریم قدوائی) کے کراچی میں دفعتہً انتقال ہو جانے پر تعزیت نامہ ——————

دریاباد

۲۸ر اگست ۱۹۵۸ء بسم اللہ

عزیزہ! السّلام علیک

حادثہ کی خبر سنتے ہی سناٹے میں آگیا! اللہ اکبر ابھی شوہر[1] کی جدائی (اور جدائی بھی کس درجہ اچانک اور حیرت انگیز[2]) کو کتنے دن ہوئے تھے کہ یہ دوسرا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اللہ ہر طرح صبر جمیل کی توفیق دے اور یہ توفیق اگر مقدر نہ ہوتی تو امتحان ہی اتنا سخت

کیوں لیا جاتا۔

روزِ حشر (اور وہ دن کسی کے لیے بھی دور نہیں) جب ان مصیبتوں پر اجر کے قیاس اور اندازے سے کہیں بڑھ چڑھ کر ملنے لگے گا تو اس وقت جی یہ چاہنے لگے گا کہ دنیا میں کوئی اور مصیبت اس سے بھی بڑھ کر کیوں نہ پیش آئی۔

آخر کوئی بات تو ہے کہ ہمارے سرورِ دو سرا کو ایک نہیں تین تین جوان بیٹیاں اپنے سامنے دفنانی پڑی تھیں! ایک مومن و مومنہ کے لیے تسکین اس سے بڑھ کر اور کہاں سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اور اس مرحومہ کے جانے سے تو مرحوم باپ کا دل بھی کتنا بہل گیا ہوگا!

ایمان کی آزمائش کے یہی موقعے ہوتے ہیں اللہ اس امتحان میں پوری طرح کامیاب کرے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مراد جسٹس بشیر حسین قدوائی جج الٰہ آباد ہائی کورٹ جو بڑے ہی پختہ مسلمان تھے اور ان کی وفات کچھ ہی عرصہ پہلے ہوئی تھی۔

(۲) مرحومہ کی وفات بالکل دفعتاً ہوئی تھی۔

مولانا مرحوم کی خوشدامن صاحبہ

والدہ خان بہادر مسعود الزماں صاحب کے انتقال پر ان کے پوتے شیخ انوار الزماں کے نام تعزیتی مکتوب ——————

دریابادـ

۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آ لگا آخر۔

اور اس وقت کو کسی نہ کسی وقت تو آنا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ ہم سب اپنے نہیں اللہ کے ہیں اور اللہ کی طرف آگے پیچھے سب ہی کو پہنچنا ہے۔

تمہاری چھوٹی امی کو جو صدمہ ہوا ظاہر ہی ہے میں تو اس سے زیادہ کے لیے ڈر رہا تھا۔ بحمد اللہ اب اتنی مذہبی ہو چکی ہیں کہ مضمحل رہیں اور بے قابو نہیں ہو گئیں گو رونے سے سر میں درد اور آنکھوں کے ڈھیلے میں درد پیدا ہو گیا۔

بہت سوچا کہ کوئی صورت شرکت کی نکل سکے یہاں سے کوئی صورت ممکن نہ ہوئی اس کا موقع تو لکھنؤ ہی سے نکل سکتا تھا اب ان کا سُبیتہ وہاں سے اتوار کی شب میں پہنچنے کا ہے۔

بڑی حسرت اسی کی کرتی رہیں کہ آخری خدمت کا موقع نہ پا سکیں تمہاری والدہ اس لحاظ سے بڑی خوش قسمت نکلیں کہ سب کے حصہ کا اجر انھیں ایک کو مل گیا یوں بھی زندگی بھر سب سے زیادہ خدمت وہی کرتی رہی تھیں۔

بزرگوں کا سایہ ایک بڑی نعمت ہوتا ہے۔ سن کچھ بھی ہو جائے بڑا سہارا ان کی ذات سے رہتا ہے اور ان کے اُٹھ جانے کے بعد چھوٹے بڑے بن جاتے ہیں۔ چنانچہ اب تمہاری امی اور چھوٹی امی ہی سب سے بوڑھی ہیں کل تک ان کا شمار چھوٹوں میں تھا۔

عین اس کارڈ کی تحریر کے وقت تمہاری چھوٹی امی خوب رو رہی ہیں یہ خیال کر کے کہ اس وقت وہاں قرآن خوانی ہو رہی ہو گی۔

مرحومہ کو جو پرسکون موت نصیب ہوئی وہ ہم سب کے لیے باعث رشک ہے ایسا ہی واقعہ اس زمانے کے دو بہترین بزرگوں کے ساتھ بھی پیش آ چکا ہے۔ ایک مولانا سید سلیمان ندوی دوسرے مولانا مناظر احسن گیلانی۔

مرحومہ کی ملک کی جو چیزیں بھی ہوں چھوٹی یا بڑی، نقد یا جنس سب میں میرا شرعی

کا قاعدہ چلے گا اکثر لوگ غلطی سے صرف بڑی جائدادوں ہی کے ترکہ کو ترکہ سمجھتے ہیں۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی چھوٹی پھوپھی اور مولانا مرحوم کی شریک حیات تھیں جو مکتوب الیہ کو بہت عزیز رکھتی تھیں۔

(۲) مراد تدفین میں شرکت سے ہے دریاباد سے باندے کا سفر دریاباد میں کوئی سواری نہ ہونے کی وجہ سے بڑا طویل تھا۔ اسی لیے تدفین میں شرکت نہ ہو سکتی تھی۔

(۳) مراد مولانا مرحوم کی بیگم۔

(۴) مرحومہ کی بہو جو مرحومہ کے ساتھ مستقل باندے میں رہتی تھیں۔

(۵) مرحومہ تسبیح پڑھ رہی تھیں عین اسی عالم میں انتقال ہوا۔

(۶) مولانا مرحوم اس کی بڑی تاکید کرتے تھے کہ ترکہ کی شرعی تقسیم کی جائے اور فوراً کی جائے چنانچہ خاکسار مرتب کی والدہ کے انتقال پر، والد کے انتقال پر یعنی مولانا مرحوم کے بڑے بھائی اور خود مولانا کی شریک حیات کے انتقال پر ترکے کی تقسیم فوراً کرائی۔

شیخ الطاف الرحمٰن قدوائی فرنگی محلی کے نام

ان کے بھائی حمید الرحمٰن صاحب کے انتقال پر تعزیت نامہ۔

دریاباد۔

۲۹ دسمبر ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرحوم کی خبر وفات سنتے ہی دعائے مغفرت کر دی تھی۔ آپ کو تعزیت نامہ لکھنے کا خیال کئی بار آیا لیکن ہر بار خیال ہی رہا۔ کل مرزا ناظر بیگ دریاباوی نے ردولی سے واپس

ہو کر آپ کا شکوہ[۳] سنایا۔ یہ شکوہ سر آنکھوں پر جواب شکوہ بجز ندامت و معذرت کے اور کچھ نہیں۔

بھائی کیسا ہی ہو بھائی بڑا قوت بازو ہوتا ہے آپ بھائیوں کے مفارقت کے صدمے پہلے ہی کیا کم اٹھائے ہوئے تھے کہ ان پر یہ جدید اضافہ ہوا۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ طویل تکلیف دہ علالت خود ہی مرد مومن کو دھو دھلا کر پاک صاف کر دیتی ہے۔

یہ تعزیت مرحوم کے بچوں اور بیوہ سب کو پہنچا دیجئے۔ مرحوم کی لڑکی کی شادی کا منظر اب تک یاد ہے[۴]۔ کس فراخ دلی اور حوصلہ مندی کے ساتھ کی تھی۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بڑے گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اور حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے مرید اور مقرب خصوصی تھے اپنے شیخ سے اتنا تعلق بڑھا کہ مستقل فرنگی محل ہی میں رہنے لگے تھے۔ مولانا مرحوم سے ان کے ایک زمانے میں شریفی سعودی تنازعے سے پہلے گہرے تعلقات رہ چکے تھے۔ اس کے بعد بھی تعلقات قائم رہے۔

(۲) مولانا مرحوم کے ہم وطن اور مخلص ہم نشین جو شام کی نشست میں مرحوم کے ہاں حاضری دیا کرتے تھے۔

(۳) مولانا مرحوم کے تعزیت نامہ نہ پہنچنے کا۔

(۴) یہ شادی اکتوبر ۱۹۴۴ء میں مرتب کے کلاس فیلو ضمیر احمد قدوائی صاحب داد بھی سے ہوئی تھی جو راجہ سر اعجاز رسول کے سگے بھانجے تھے۔

بنام نواب ناظر یار جنگ[1] حیدرآباد

دریاباد

۹ر فروری ۱۹۵۹ء بسم اللہ

بھائی صاحب! السلام علیکم

برادرم فصیح الزماں[2] مرحوم کی یک بیک وفات کا حال لکھنؤ میں معلوم ہو گیا تھا پھر پرسوں خبر رہنمائے دکن میں پڑھی (گو اس میں نام غلط چھپ گیا تھا) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط ——— علاوہ عزیزداری کے مجھ سے پڑھا بھی تھا[3] اور میرے بہترین شاگردوں میں تھے۔ یعنی بڑے مستعد وقت کے بڑے پابند[4]۔ اور وقت ضائع کرنے سے بہت محتاط اور پارسال جب میں حیدرآباد میں چند گھنٹے کے لیے ٹھہرا تو بڑے ہی تپاک اور اخلاص کا برتاؤ کیا۔ خود انھوں نے بھی اور ان کی بی بی اور لڑکیوں نے بھی۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔

تعزیت نامہ میری طرف سے بھی ہے اور گھر والوں[5] کی طرف سے بھی۔ مرحوم کی بی بی لڑکیوں سب کے لیے یہ وقت بڑا سخت ہوتا ہے لیکن ایمان کا امتحان بس ایسے ہی موقعوں پر ہوتا ہے اور ہر صابر و ثابت قدم مومن و مومنہ کے لیے اجر بے اندازہ ہے اور اس منزل سے آگے پیچھے گزرنا بہرحال سب ہی کو ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مرحوم کے بڑے ہم زلف تھے یعنی مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کی بڑی ہمشیرہ ان سے منسوب تھیں۔

(۲) مولانا مرحوم اور مکتوب الیہ کے ایک عزیز جو حیدرآباد میں رہتے تھے۔

(۳) مولانا مرحوم سے ان کے گھر پر ان کی طالب علمی ختم ہونے پر مستعد طلبہ منطق اور فلسفہ

پڑھنے آتے تھے۔

(۴) مولانا مرحوم خود بھی وقت کے بے حد پابند تھے اسی لیے پابند وقت لوگوں کی سب سے زیادہ قدر کرتے تھے۔

(۵) مراد مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ ہیں۔

اجتبیٰ کریم صاحب[1] کے انتقال پر

اجتبیٰ کریم صاحب کے انتقال کی خبر ان کے صاحبزادے محمد زبیر صاحب نے لارمکانسے دی تھی تو اس کے جواب میں یہ تعزیت نامہ گیا۔

دریاباد ــــ

۸ رمئی ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

دعائے مغفرت اطلاع پاتے ہی کر دی۔ اب پھر کر رہا ہوں۔ مرحوم مجھ سے سن میں دو چار سال ہی بڑے تھے پاکستان چلے جانے[2] کے بعد ملاقات کی امیدیوں ہی موہوم سی رہ گئی تھی پھر بھی زندگی کے ساتھ کچھ نہ کچھ بات تو تھی ہی آج وہ بھی ختم ہوئی۔ اولاد اور بیوی دونوں کے لیے یہ وقت بہت سخت ہوتا ہے خصوصاً جبکہ وفات دفعتہً ہو لیکن پھر اجر بھی اسی درجہ کا ہے اللہ سب کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

باقی آگے پیچھے ہم سب ہی اس منزل کی طرف چل رہے ہیں اللہ ہر ایک کی مشکل کو آسان کرے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کے ایک رشتے کے بھائی چودھری خلیق الزماں کے منجھلے سالے تھے

اور لڑکانہ میں مقیم ہو گئے تھے۔

(۲) مرحوم ریلوے میں ملازم ہو گئے تھے اور تقسیم کے بعد مغربی پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔

حاجی اصطفا خاں صاحب گل ولا، عامل کالونی کراچی کے نام

تعزیت نامہ ان کے جوان صاحبزادے کے انتقال پر ــــــ

دریا باد

۲۴ ستمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

سانحہ کا ذکر پرسوں لکھنؤ میں شہید صاحب سے سن کر دل دھک سے ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ لیکن سوچتا ہوں کہ آپ سے تعزیت کروں یا آپ کو مبارکباد لکھوں کہ کتنی بڑی قربانی آپ سے طلب کی گئی اور آپ کا ظرف کتنی سخت قربانی کے قابل سمجھا گیا! ولا یلقّٰھا اِلّا الصّابِرُون و ما یلقّٰھا اِلّا ذو حظٍّ عظیم۔

میں تو آپ کے صوبات سفر حج ہی کا ذکر ایک صاحب سے سن کر عش عش کر رہا تھا کہ کیا حج مقبول آپ کو نصیب ہوا اور کیسے کیسے مجاہدے اضطراراً آپ سے کرائے گئے کہ اس آخری اضطراری مجاہدۂ عظیم کا نمبر قسمت سے بڑھ گیا! ــــــ انعام و اکرام لطف و نوازش کی جو بارش آپ پر ہونے والی ہے اس کا تو آج اندازہ بھی نہیں ہو سکتا۔

جوان ہونہار محبوب لخت جگر کا یوں اٹھ جانا کوئی معمولی مجاہدہ ہے؟ اللہ اکبر مرحوم اگر شادی شدہ تھے تو بیوی بچوں پر کیا گزری ہو گی۔

اللہ آپ کو، ان کے سارے متعلقین کو صبر جمیل عنایت کرے۔ اولاد کا صدمہ تو وہ چیز ہے کہ خود صابروں شاکروں کے سرتاج صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو اولاد خرد سال تک پر نکل آئے ہیں ــــــ اور ہم ضعیف و ناتواں اُمتیوں کو اس باب میں بھی ایک اسوۂ حسنہ نصیب

نصیب ہوگیا ہے۔

والسّلام۔ دعاگو و شریکِ غم

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ لکھنؤ کی مشہور فرم عطر و تمباکو اصغر علی محمد علی کے مالک تھے اور بڑے پختہ مسلمان تھے۔ حضرت مولانا عین القضاۃؒ کے قائم کردہ مدرسہ فرقانیہ جہاں حفظ و تجوید کی تعلیم ہوتی تھی کا سارا خرچہ خود ہی اٹھائے ہوئے تھے اور بڑے مخیر شخص تھے۔ تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔ مولانا مرحوم سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اور جب بھی کراچی سے لکھنؤ آتے تھے تو مولانا مرحوم سے ملاقات ضرور کرتے تھے۔

(۲) مراد مولوی صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی جو مولانا مرحوم اور مکتوب الیہ دونوں کے مخلص اور بے تکلف دوست تھے۔

عبدالسّلام صاحب[۱] کے نام تعزیت نامہ

ان کے والد عبدالمجید سالک صاحب کے انتقال پر

دریاباد۔

۳۰ ستمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ تعالیٰ! السلام علیکم

سانحہ کی خبر یہاں اخباروں میں کل شام کو پڑھ کر دل پر گویا بجلی سی گر پڑی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ـــــ آپ کے تو خیر والد ماجد ہی تھے آپ لوگوں پر جو کچھ گزری ہو کم ہے ـــ خود مجھے یہ معلوم ہوا کہ جیسے کسی عزیز خاص کی سنادنی سن لی۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ جنازہ غائبانہ پڑھ دیا۔ لاہور کی دنیائے صحافت آپ ہی کی طرح یتیم ہو گئی اور ادبی شعری علمی حلقوں میں سناٹا چھا گیا ـــ مرحوم ادیب ظریف اور

بذلہ سنج تھے ہی ساتھ ہی پختہ مسلمان بھی تھے اور ان کی ظرافت حضرت اکبر الہ آبادی کی طرح معنویت حکمت و معرفت کی بھی چاشنی لیے ہوئے ہوتی تھی۔

دنیا کی آلائشوں، کلفتوں، فکرمندیوں سے آزاد ہو کر جنت پہنچ گئے جو ہر مسلمان کا موروثی حق ہے خود بھی یہی سمجھ کر اللہ کا شکر ادا کیجئے اور سارے عزیزوں اور قریبوں کو صبر جمیل کی تلقین کیجئے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ باہر جا کر جرنلزم کی ڈگری لے آئے تھے۔

(۲) مراد مشہور صحافی اور فکاہیہ نویس عبدالمجید سالک صاحب سابق ایڈیٹر انقلاب ان کو بھی مولانا مرحوم سے بڑی عقیدت تھی۔

(۳) مولانا مرحوم سالک صاحب کی اسلامیت اور حکیمانہ ظرافت کے بہت زیادہ قائل تھے اور کہا کرتے تھے کہ بالکل حضرت اکبر الہ آبادی کا رنگ ہے۔ بڑی گہری اور حکیمانہ باتیں ظرافت اور مزاح میں کہہ جاتے ہیں۔

بیگم چودھری الطاف حسین[1] کے نام

ان کے شوہر نے دماغی خرابی کی وجہ سے یکایک خودکشی کر لی تھی یہ حادثہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کو صبح ۸ بجے پیش آیا تھا اور اس کی اطلاع مولانا مرحوم کو قومی آواز لکھنؤ سے ۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کو ہوئی ——

دریاباد ——

۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

بادِ سموم چلی اور آناً فاناً گئی۔ بجلی گری اور یک بیک گری۔ نازوں میں پلی ہوئی شوہر کی ناز برداریوں میں بسی ہوئی خوش نصیب، خوش حال سہاگن دم کی دم میں رانڈ دکھیا ہو کر رہ گئی!

آزمائش، کڑی آزمائش ہر بیوہ کی ہوتی ہے تمہاری آزمائش اتنی بڑی اتنی کڑی ہوئی کہ عجب نہیں فرشتوں کے بھی دل دہل گئے ہوں۔

خود تمہارے ماں باپ پر بھی ہزاروں میل دور یہ خبر سن کر کیا گزری ہوگی۔ ایمان اور عقیدے کے امتحان کا اصلی وقت یہی ہے تسکین و تسلی کا سہارا یہی ایمان ہی تو ہے۔ یہ نہ بھولنے پائے کہ جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہ سب سے زیادہ رحم دل ہے اس کے ہاں سے کسی ظلم کا امکان ہی نہیں خدا جانے اسے کیا کیا درجے تمہیں دینا منظور ہیں۔ آج ان مرتبوں کا اندازہ بھی نہیں ہو سکتا جس طرح ابھی کل تک کوئی انسانی دماغ اس حادثہ کا بھی اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔

مرحوم کے ساتھ معاملہ جو بھی ہو تم تو بہر حال بے قصور و بے گناہ مظلوم ہی مظلوم ہو اور حشر میں مظلومیت کی سفید چادر اوڑھے بے کسی کے آنسوؤں اور سسکیوں کے ساتھ فریادی بن کر پیش ہوگی تو دیکھنا کہ کیسے کیسے انعاموں سے سرفرازی ہوتی ہے! کیسی کیسی دولتوں سے جو آج تمہارے تصور میں بھی نہیں آسکتیں تمہیں مالا مال کیا جاتا ہے۔

یقیناً تمہارا ظرف بہت اونچا سمجھا گیا جب ہی اتنا بڑا بار تمہارے اوپر ڈالا گیا یہ مرتبہ ہر ایک کو نہیں نصیب ہوتا۔

آج لوگ تمہارے اوپر ترس کھاتے ہیں کل سب رشک کریں گے انشاء اللہ

زخم کا ٹھنڈا مرہم بس یہی عقیدہ اور ایمان ہے اس دنیائے فانی کی بڑی سے بڑی بھی لذتیں کے دن کی راحتیں اور لذتیں تو بس آخرت میں ہیں جس طرف ہم سب کیا بوڑھے کیا جوان دوڑتے پکتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ لڑکیاں اور ان کی والدہ سب اڑ کر تم تک پہنچنا چاہتی ہیں۔ کل شام کو جب اخبار میں خبر پڑھی تو پہلے تو مجھے خود ہی یقین نہ آیا اور پھر جب ان لوگوں کو سنایا

تو گویا سکتے میں آگئیں۔

ٹریجڈی ہے ہی اتنی سخت کہ اپنے تو اپنے بیگانوں کے بھی دل لرز گئے۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کی رشتے میں بھانجی ہوتی تھیں۔ ان کے شوہر چودھری الطاف حسین ان کے قریبی عزیز ہوتے تھے اور بڑے عہدوں پر رہ چکے تھے خلل دماغی کی وجہ سے لکھنؤ ہی میں رخصت پر تھے اور اسی حالت میں اپنے اوپر فائر کر لیا اس سے پہلے دونوں بڑی خوشی سے رہتے تھے۔

(۲) مکتوب الیہا کے والد جج تھے پھر یوپی گورنمنٹ میں REMEMBRANCER اور بڑے خوشحال تھے۔ بچپن بڑے ہی ناز و نعم میں گزرا اور شادی کے بعد شوہر کے انتقال تک یہی کیفیت رہی۔

(۳) یہ دونوں کراچی میں تھے۔ تقسیم کے بعد۔ چودھری اکبر حسین بڑے ہی پختہ مسلمان تھے اور پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔

(۴) مراد مولانا مرحوم کی لڑکیاں۔

(۵) مراد مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ جو رشتے میں مکتوب الیہا کی خالہ تھیں اور ان کی والدہ سے ان کی بچپن سے دوستی تھی۔ اور بڑے گہرے مخلصانہ تعلقات تھے۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام

ان کی والدہ ماجدہ کے انتقال پر ——

دریاباد

۲۰ اکتوبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الجمعیۃ میں سانحہ کی خبر ابھی نظر سے گزری۔ اللھم اغفر لہا وارحمہا۔

والدہ کا ظل عاطفت ہر سن میں ایک سایہ رحمت اور دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہی رہتا ہے۔ آپ خوش قسمت تھے کہ اتنے دن تک آپ کو مرحومہ کی خدمت کا موقع ملا اور جنت کا استحقاق ایک اس ذریعہ سے حاصل کر لیا۔

آپ کو تعزیت کے کلمات لکھنا لقمان کو حکمت کا درس دینا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

غلام متین انصاری صاحب الکٹرک یاور ہاؤس ضلع مرزاپور کے نام

ان کی خوشدامن کے انتقال پر

دریاباد

۲۳ر نومبر ۱۹۵۹ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ ! السلام علیکم

مرحومہ کو اللہ غریق رحمت کرے۔ اس طویل اور تکلیف دہ علالت جھیل لے جانے کے بعد برے لوگ بھی مستحق مغفرت ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ وہ۔ ان مرحومہ کا شمار تو اچھی نیک بیبیوں میں تھا۔ سب کے کام آنے والی سب سے محبت و اخلاق سے پیش آنے والی انشاء اللہ انھیں تو بہت ہی اچھی جگہ مل کر رہی ہوگی۔

تم دونوں کو خدمت کے موقع بھی خوب مل گئے اور بڑا اجر حاصل ہو گیا۔ اصل تعزیت کے قابل تو والدہ امین سلمہ ہیں ماں کی سی نعمت اب دنیا میں کون مل سکتی ہے۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کی سگی چچازاد بہن کے لڑکے یعنی بھتیجے تھے۔ لیکن تعلق بالکل ہم سگے بھتیجوں کا سا تھا اور یہ تعلق نہ صرف مولانا مرحوم کی زندگی تک بلکہ اس کے بعد تک ہم سب سے رہا افسوس ہے کہ مکتوب الیہ بھی ستمبر ۱۹۷۹ء میں مرحوم ہوگئے۔

(۲) مرحومہ مکتوب الیہ کی چچازاد بہن ہوتی تھیں لیکن سن میں بہت بڑی اور ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی کی سگی خالہ۔

(۳) مراد مکتوب الیہ کی بیوی جو مرحومہ کی صاحبزادی تھیں۔

غلام امین انصاری[۱] معرفت محمد طیب[۲] انصاری ٹکسٹائل مل بھوپال

دریاباد

۲۸ر نومبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

تمہاری نانی مرحومہ[۳] آخر رخصت ہوگئیں۔ بڑی بیماری جھیلی مومن کے لیے یہ خود ایک بڑی اچھی علامت ہے گناہ دھل جاتے ہیں نیکیاں بڑھادی جاتی ہیں پھر وہ بے چاری تو یوں بھی نیک اور دوسروں کے بہت کام آنے والی تھیں۔ ہم لوگ تو دور ہی کا رشتہ رکھتے تھے مگر ہم لوگوں کے ساتھ وہ کس اخلاق و محبت سے پیش آتی رہتی تھیں۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ تمہاری والدہ اور ماموں کو جتنا بھی صدمہ ہو قدرتی ہے بڑی نعمت سر سے اٹھ گئی خیر ان لوگوں نے بھی اتنی خدمت کرکے اپنا حق جنت پر قائم کرلیا۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بھتیجے شیخ غلام متین انصاری کے بڑے صاحبزادے تھے اور مولانا مرحوم سے ان کا بھی گہرا تعلق تھا۔ انھوں نے مولانا کے زیر سایہ تربیت پائی طالب علمی میں چھٹیوں کا خاصا حصہ دریاباد میں گزارتے تھے لکھنؤ میں والد مرحوم یعنی مولانا کے بڑے بھائی مولوی عبدالمجید صاحب ڈپٹی کلکٹر کے ہاں ان کا قیام رہتا تھا۔

(۲) مکتوب الیہ کے سگے ماموں۔

(۳) مرحومہ کی وفات کا ذکر مکتوب ۳۸ میں آچکا ہے۔

عبدالرؤف[۱] قدوائی صاحب بھیارہ بارہ بنکی کے نام

ان کے والد عبدالعلی[۲] قدوائی کی وفات پر تعزیت نامہ

دریاباد

۵ر فروری سنہ ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

مرحوم کے انتقال کی خبر پاتے ہی دعائے مغفرت کر دی۔

باپ کا سایہ اولاد کے حق میں سن کچھ بھی ہو جائے ایک نعمت عظیم ہوتا ہے۔ اللہ صبر جمیل عطا فرمائے۔

میری تعزیت اپنی والدہ، بہن اور دوسرے عزیزوں کو پہنچا دینا۔ مرض الموت اور انتقال کی کچھ اور تفصیل معلوم نہ ہوئی اگر آئندہ خط لکھنے کا وقت ملے تو یہ بھی لکھ دینا۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھیارہ کے رہنے والے اور رفیع احمد قدوائی کے عزیز قریب اور جمال میاں فرنگی محلی کے بھی۔ خاکسار مرتب کے لکھنؤ یونیورسٹی میں بی، اے میں کلاس فیلو

رہ چکے ہیں۔ زراعت اور باغبانی کا کاروبار ماشاء اللہ بڑا اچھا ہے۔ بڑے پختہ اور گہرے مسلمان ہیں۔

(۲) مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے عزیز قریب، خلافت تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا مرحوم سے ان کے خاصے تعلقات تھے۔

مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فتحپوری حسن منزل الہ باد کے نام تعزیت نامہ

موصوف کی دو صاحبزادیوں کے دو ہفتے کے اندر انتقال پر ——

دریاباد

۱۵ر اپریل سنہ ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

السلام علیکم

مولانا!

آپ کا ابتلاء عظیم آپ کے ایک مسترشد کے خط سے ابھی علم میں آیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ آپ کے مرتبے زیادہ سے زیادہ بلند کرے یہ سب سامان اسی کا ہو رہا ہے۔

ایک ہی لخت جگر کی وفات کیا کم تھی چہ جائیکہ دو دو کی وہ بھی دو ہفتے کے اندر۔ اس سے بڑھ کر کڑا امتحان اور کیا ہوگا!

لیکن درحقیقت آپ قابل مبارکباد ہیں آپ کا ظرف اتنا بلند سمجھا گیا جبھی تو امتحان اتنا سخت لیا گیا۔

اللہ آپ کو لطف بے کراں سے نوازے اور صاحبزادیوں کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

والسلام دعاگو دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اور بڑے مقدس و

مقبول بزرگ تھے۔

سید کلب مصطفےٰ صاحب ایڈووکیٹ لکھنؤ کے نام

ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کے فاتحہ چہلم کے متعلق کارڈ آیا تھا اسی کا جواب گیا۔

دریاباد

۱۵ر جون سنہ ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

سن کچھ بھی ہو جائے ماں کی ہستی تو ایسی نعمت ہے کہ جس کا بدل اس دنیا میں ممکن نہیں آپ لوگ پھر خوش قسمت تھے کہ اتنے عرصہ تک ان کی خدمت کا موقع ملا۔

دلی تعزیت آپ خود قبول فرمائیں اور اپنے بھائی بہنوں تک پہنچا دیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ ملی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے اور شیعہ سنی اتحاد کے علمبردار تھے اور مولانا مرحوم سے مخلصانہ تعلق رکھتے تھے یہ مشہور شیعہ لیڈر کلب عباس صاحب کے چھوٹے بھائی تھے

چودھری خلیق الزماں صاحب کراچی کے نام

ان کی والدہ[۱] کے انتقال پر ــــــ

دریاباد

۲۰ر اگست سنہ ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

بھائی صاحب! السلام علیکم

آپ اپنی والدہ مرحومہ کی تعزیت میں ایسی روداد میں آئے کہ میری حاضری[۲] کی نوبت بھی

نہ آنے پائے۔ ماں کی نعمت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور بس کچھ بھی ہو جائے بہرحال اس کی یہ حیثیت قائم رہتی ہے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ میرے بزرگوں میں اب وہی ایک باقی رہ گئی تھیں آپ اور ڈاکٹر سلیم[3] دونوں خوش قسمت ہیں کہ دونوں سے وہ راضی گئیں اور جنت جیت لینے کے لیے عجب نہیں کہ یہی ایک وصف کافی ہو جائے۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مرحوم رشتے میں مولانا مرحوم کی ممانی ہوتی تھیں۔

(۲) یعنی دریاباد سے لکھنؤ حاضری۔

(۳) مراد چودھری صاحب کے چھوٹے بھائی اور نامور سائنسداں۔ بفضلہ یہ اب تک بقید حیات ہیں۔ اور پاکستان میں ہیں۔

ادریس احمد مینائی صاحب[1]

۱۵۶ اقبال محل شنکار پور کالونی کراچی نے اپنی والدہ کے انتقال کی اطلاع دی تھی اس کے جواب میں یہ تعزیت نامہ گیا ——————

دریاباد۔

۱۸ نومبر ۱۹۶۰ء بسم اللہ

عزیزم سلمہ اللہ! وعلیکم السّلام

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط مرحومہ کی عبادات کا حال تو اب معلوم ہوا باقی اعزا کے ساتھ جو ان کا حسن معاملہ[2] تھا اس کی شہادت دینے والے تو ہم سب لوگ ہیں۔

دعائے مغفرت تو دینا فرض ہے۔ باقی ان مرحومہ کو اس کی ضرورت ہی کیا۔ جمعہ کا دن، احتضار کی بہترین حالت وغیرہ سب ان کی مغفوریت و مقبولیت کی شہادت قوی ہیں۔ اولاد کے حق میں تو

والدہ کا وجود ایک سایۂ رحمت ہی ہوتا ہے۔

سب بھائی بہن ہم لوگوں کی طرف سے دلی تعزیت قبول فرمائیں۔

والدہ رافت[۳] اس وقت لکھنؤ میں ہیں۔ پرسوں انشاء اللہ آجائیں گی انھیں آج ہی خبر کیے دیتا ہوں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کے عزیز اور مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے زیادہ قریبی عزیز ہوتے ہیں۔

(۲) مولانا مرحوم اس پر زور دیتے تھے کہ اصل مذہب یہ ہے کہ حقوق العباد ادا کیے جائیں یہ اسلام کا امتیازی وصف ہے۔

(۳) مراد مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ۔

چودھری اویس احمد[۱] ردولوی

ان کے نانا شاہ مصطفیٰ احمد[۲] کے انتقال پر تعزیت نامہ۔

دریاباد۔

۲۴ر جنوری ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

حادثہ کی اطلاع کل شام کو ایک صاحب سے ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں خصوصیت کے ساتھ ہم لوگوں کی تعزیت پہنچا دیں۔

بزرگوں کا وجود ہر صورت میں سایۂ رحمت ہی ہوتا ہے اور پھر وہ مرحوم نوٹ دین داری اور خوش دینی کے لیے مشہور ہی تھے۔

والدعا۔ شریک غم

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ ردولی کے رئیس چودھری سرفراز احمد صاحب کے صاحبزادے اور معارف کے ایڈیٹر شاہ معین الدین احمد ندوی کے داماد۔ مولانا مرحوم اور ہم لوگوں سے بھی ان کی قرابت ہوتی ہے۔

(۲) مرحوم ردولی کے رہنے والے اور صاحب حیثیت بزرگ تھے گیا میں ان کا کاروبار تھا۔ بڑے دین دار اور غیرت دینی میں ممتاز تھے۔ بڑے مخیر اور داد و دہش کرنے والے تھے۔ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی تھے۔

حاجی احمد غریب صاحب ۲۲ کٹلری بازار بمبئی کے نام

دریاباد۔

۲۷ر جنوری ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

بمبئی کے اردو اخبارات کھولنے کی بھی نوبت نہیں آتی اسی لیے اب تک بے خبری رہا۔ آج جو حکیم عبدالقوی سلمہٗ لکھنؤ سے آئے تو انھوں نے انقلاب کے حوالہ سے وہ خبر صاعقہ اثر سنائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم سے ذاتی شناسائی بھی ۱۹۲۹ء میں ہوئی تھی اور بالواسطہ تو ان کے الطاف وعنایات کا مورد تھا ہی اور آپ کے تو وہ خیر حقیقی بھائی ہی تھے ——— خوب جانتا ہوں کہ بھائی کی محبت کے کیا معنی ہوتے ہیں اور تازہ تجربہ رکھتا ہوں کہ اس نعمت کا زوال ساری زندگی کو کیسا تلخ بنا دیتا ہے۔ اس لیے ہم دردی بھی آپ لوگوں سے رسمی نہیں قلبی اور گہری رکھتا ہوں خانگی نظام اور کاروباری انتظام میں خلل کیا کچھ پڑ کے رہا ہوگا اور رماں غریب کا تو پوچھنا ہی کیا؟ کیا

کچھ دل پر گزر کر رہی ہوگی ـــــ لیکن انھیں بشارت دیجئے کہ ان کے مرتبے بھی کیا کیا بڑھنے والے ہیں اور درجے بھی کیا کچھ ملنے والے ہیں۔

اتنا سخت امتحان ہر ایک کا نہیں ہوتا ہر ایک کا ظرف اس قابل نہیں سمجھا جاتا!

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

یقین رکھئے کہ جس درجے کی آزمائش ہوئی اسی نسبت سے عمرہ و اجر بھی اس میں شبہ بھی نہ کیا جائے مسلمان جو اٹھ جاتا ہے بہر حال اپنے شفیق مولا پروردگار کے پاس پہنچتا ہے ہر طرح کا انعام و اکرام وصول کرنے کے لیے ـــــ اس میں غم و حزن خوف و اندیشہ کی کیا بات ہے یہ موقع تو تبریک و تہنیت کا ہونا چاہیئے! ـــــ اور پھر جبکہ وہ بندہ اہل اللہ بھی ہو۔ حج پر حج کرتا چلا جاتا ہو۔ اور اسے بلاوا بھی پہنچے تو خاص ارض حرم میں موت ہم ایسوں کے لیے قابل رشک! اب ملاقات انشاء اللہ جنت ہی میں ہوگی۔ ایسی ملاقات جس کے بعد کوئی جدائی نہیں۔

اس نامہ سیاہ کو بھی اپنا شریک غم سمجھیے اور ہم لوگوں کی طرف سے تعزیت اپنے بڑے چھوٹوں سب کو پہنچا دیجئے۔ تعزیت کا تار کل خبر پاتے ہی دے دیا تھا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم سے خصوصی درجہ اخلاص رکھتے تھے مولانا مرحوم کی مرتبہ مناجات مقبول کی طباعت کے سارے مصارف برداشت کئے اور اس پر اصرار کیا کہ ان کے نام کا اظہار نہ ہونے پائے۔ مستحقین کی امداد کے لیے برابر مولانا مرحوم کے پاس معقول رقم بھیجا کرتے تھے اس کے علاوہ مولانا کے بہت سے کام انجام دیتے۔ تاج کمپنی لاہور سے تفسیر کلام کی رائلٹی کی رقم مولانا کو دلوانے کی خاص کوشش کی۔ بڑے ہی مسلمان آدمی تھے حجاج کی خدمت بڑی دلسوزی سے کرتے تھے۔ ماشاء اللہ متعدد حج کر چکے تھے۔ یہ تعزیت نامہ ان کے بھائی کے انتقال پر۔

(۲) مولانا مرحوم کے پاس تبادلے میں درجنوں اردو اخبارات آتے تھے ان میں بمبئی کے متعدد اخبار بعض دفعہ وقت کی کمی وجہ سے کیونکہ ڈاک بعد عصر آتی تھی مولانا ان سب اخبارات کو اسی روز نہیں پڑھتے تھے بلکہ دوسرے روز اور پھر ہر اخبار کو پورا پڑھتے بھی نہیں تھے۔ آخر زمانہ میں ضعف بصارت کی وجہ سے۔

(۳) مولانا مرحوم کی زندگی بھر راقم مرتب کے بڑے بھائی حکیم عبدالقوی صاحب ہر جمعہ کو قبل دوپہر لکھنؤ سے دریاباد آتے تھے اور دوسرے دن صبح واپس جاتے تھے۔ صدق کے مضامین ان کے ساتھ لکھنؤ جاتے تھے۔

(۴) بمبئی کا کثیر الاشاعت اردو روزنامہ "انقلاب"

(۵) سنہ ۱۹۲۹ء میں جب مولانا مرحوم حج کرنے تشریف لے گئے تھے اور کئی روز بمبئی میں قیام رہا تھا۔

(۶) مراد مولانا کے بڑے بھائی کا سانحہ ارتحال جو ۲۰ر دسمبر سنہ ۱۹۶۰ء کو لکھنؤ میں پیش آیا

(۷) مرحوم متعدد بار حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے تھے۔

(۸) مرحوم کا انتقال مکہ معظمہ میں ہوا تھا۔

مولانا محفوظ الرحمن صاحبؒ نامی، مدرسہ نور العلوم بہرائچ

دریاباد۔

۱۰ر فروری سنہ ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

حادثہ کی اطلاع کل شام کو مولوی کلیم اللہ صاحبؒ کے خط سے ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط۔ دعائے مغفرت اسی وقت کر دی اور نمازوں کے بعد بھی کی۔

بھائی کی جدائی یوں ہی ایک سخت آزمائش کی چیز ہے چہ جائیکہ ایسا بھائی جو ہر طرح

رفیق و شریک کار بھی ہو۔ پچھلی بار بہرائچ میں بھی مجھے بھی نیاز حاصل ہوا تھا۔ اللہ کو معلوم نہیں آپ کے درجہ کتنے بڑھانے ہیں کہ کس کس طریقوں سے آپ کی اتنی شدید آزمائش پر آزمائش ہو رہی ہے۔ اس "عسر" اسی درجہ کا "یسر" انشاء اللہ یقینی ہے۔

"دارالحدیث"[۵] کا ذکر آئندہ نمبر[۶] میں انشاء اللہ ہوگا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ جو مولانا کے انتقال سے پہلے مرحوم ہوئے بڑے ہی متقی اور پرہیزگار عالم تھے۔ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ سے بیعت تھے اور جمعیۃ العلماء کے سرگرم کارکن، بہرائچ میں مسعودیہ نورالعلوم قائم کیا تھا اور ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۰ء تک یوپی حکومت میں تعلیمات کے پارلیمنٹری سکریٹری رہے اس کے بعد دینی تعلیمی تحریک چلائی۔ قرآن مجید کی تعلیم عام کرنے کی۔ انتقال سے کئی برس پہلے فالج میں مبتلا رہے۔ مولانا مرحوم مولانا نامی کی تحریک کے بڑے قدردانوں میں تھے اور ان کی اسلامیت اور اخلاص کے پورے طور سے قائل۔

(۲) بھائی کا سانحہ ارتحال۔

(۳) جامعہ مسعودیہ نورالعلوم کے مہتمم۔

(۴) جامعہ مسعودیہ میں دارالحدیث کی عمارت کی تعمیر کا تذکرہ۔

(۵) مراد صدق جدید کا آئندہ نمبر۔

توکل کریم قدوائی صاحب[۱] نیوی آفیسر کراچی کے نام

تعزیت نامہ ان کے والد تجمل کریم صاحب کے انتقال پر ——

دریاباد ——

۱۰ر مارچ ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

ابھی کل ہی مفصل کارڈ بھیجا ہے کہ معلوم تھا کہ اتنی جلد خیریت نامے کے بجائے تعزیت نامہ لکھنا پڑے گا ــــ وہ مرحوم اس وقت تک اس عارضی وطن کو چھوڑ کر وطن اصلی کو روانہ ہو چکے تھے شام کی ڈاک سے ملا مسیاں کا ہوائی خط ملا اس نے یہ خبر سنائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن مومن کا تو بس انجام دیکھنا چاہیئے ان مرحوم کا انجام اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ ماہ رمضان مل گیا اور اس کا بھی دوسرا عشرہ جو مغفرت کے لیے مخصوص ہے پھر شب دوشنبہ بھی متبرک ہے۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے ایسی موتیں تو قابل رشک ہوتی ہیں۔

کبیر میاں وغیرہ کو اطلاع شام ہی کو کر دی، لکھنؤ بھی اسی پہلی ڈاک سے خبر کر دیتا ہوں علاوہ عزیز داری کے میرے بچپن کے دوست اور ساتھی تھے۔ سن میں کچھ ہی بڑے۔ ہم دردی کے قابل تمہاری والدہ کا ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن تعزیت کی مستحق تمہاری پھوپھی بھی کچھ کم نہیں اپنے بھائیوں کی عاشق تھیں میری طرف سے دلی تعزیت ان دونوں کو پہنچا دینا بلکہ یہی خط سنا دینا۔

اپنے بچوں، بچیوں کے ساتھ اب چھوٹے بھائی بہنوں کی ذمہ داریاں بھی آپڑیں ایمان و عقیدہ کی مضبوطی ایسے ہی موقع پر کام آتی ہے جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی انشاء اللہ کاٹ بھی دے گا۔

دنیا اور اس کی ساری مصیبتیں، آزمائشیں چند روزہ محض عارضی و فانی، آنکھ جھپکتے سب کٹ جائیں گی، البتہ جو سکھ جو راحتیں ان کے معاوضہ میں ملنا یقینی ہیں وہ دائمی اور کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا تعارف پچھلے خطوں میں ہو چکا ہے۔

(۲) مکتوب الیہ کے والد مولوی تجمل کریم قدوائی ایڈوکیٹ باندہ ۱۹۵۰ء میں پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔ مولانا مرحوم کے رشتہ میں بھائی تھے اور بچپن کے دوست اور ساتھی۔ بڑے گہرے مذہبی شخص تھے۔

(۳) مراد مولوی قطب الدین احمد صاحب عرف ملا محسنہ قدوائی صاحبہ کے والد۔ یہ مولانا مرحوم کے قریبی رشتہ کے بھانجے ہوتے تھے اور مولوی تجمل کریم صاحب ان کے سگے چھوٹے ماموں تھے۔

(۴) مولانا مرحوم کے سگے ماموں زاد بھائی اور مکتوب الیہ کے والدہ کے رشتہ کے بھائی۔ ان کا قیام مستقل دریاباد میں رہتا تھا مولانا مرحوم سے اور ہم سب لوگوں سے ان کے گھر سے بڑے خوشگوار تعلقات ہیں۔

(۵) اہل خانہ ارتضیٰ کریم صاحب مولانا مرحوم کی رشتہ کی بہن اور قطب الدین صاحب کی سگی خالہ بڑی ہی محبت کرنے والی تھیں یہ بھی کئی برس ہوئے مرحومہ ہو گئیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کے برادر بزرگ ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کی وفات پر تعزیت نامہ علی میاں کے نام

دریاباد

۹ر مئی ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مرگ مومن کی حقیقت مجھ سے زیادہ آپ پر روشن ہے اس لیے تعزیت میں آپ سے کچھ عرض کرنا نقصان کو حکمت کا درس دینا ہے ـــــ لیکن معرفت کی جس منزل پر بھی اللہ آپ کو پہنچا دے بہرحال انسان ہی ہیں جیسا کہ میں انسان ہوں اور اپنے بھائی کے غم کا تجربہ حال میں اٹھا چکا ہوں۔

گوشت پوست کا بنا ہوا دل کیسے ممکن ہے کہ پتھر کا بن جائے اور جو صدمہ طبعی ہوتا ہے اس کی انتہائی تلخی اور چبھن محسوس نہ کرے۔

مدتوں اور برسوں نہیں، کہنا چاہیئے کہ ابھی دنوں کی بات ہے کہ آپ نے میرے بڑے بھائی کی تعزیت مجھ سے کی تھی۔ آج بجنسہٖ اسی منزل پر آپ خود آ گئے۔

مرحوم آپ کے لیے بھائی کی سی نہیں باپ کی سی شفقت رکھتے تھے اس کا مجھے علم ہے آج سب کے دلوں پر جو کچھ گزر رہی ہوگی وہ آپ ہی جانتے ہوں گے امتحان واقعی سخت ہوتا ہے۔ لیکن آپ تو ظرف بھی اسی قدر عالی رکھتے ہیں انشاء اللہ پوری طرح صبر ہی نہیں مقام تسلیم و رضا پر ثابت رہیں گے اور آپ خود اپنی ذات سے مرحوم کی بچیوں اور صاحبزادے کے لیے نمونۂ استقامت کا کام دیں گے۔ مرحوم کا آپ سے تو خیر خون کا رشتہ تھا میرے لیے بھی بھائی سے کم نہ تھے اور اس میں شاید کچھ مبالغہ ہو کہ جس طرح آج آپ اپنے والد مرحوم کی وفات دوبارہ محسوس کر رہے ہوں گے میں بھی اپنے بھائی مرحوم کی وفات کا صدمہ از سر نو محسوس کر رہا ہوں۔

بہر حال جس کی حکمت نے یہ وقت ڈالا ہے اسی کی رحمت اسے کاٹ بھی دے گی۔

اور میں اپنی کیا کہوں ایک بہترین و شفیق ترین معالج سے میں اکیلا نہیں سارا خاندان محروم ہوا بڑے کیا چھوٹے سب ہی محروم ہو گئے! اور آپ کی خانگی ذمہ داریاں بھی دفعتہً کئی گنا بڑھ گئیں جو چھوٹا تھا وہی سب سے بڑا بنا دیا گیا اور اسی کو اب خاندان کا انسرین کر رہنا ہے رہیں مرحوم کی دینی و ملی خدمات تو ع

سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لیے!

انشاء اللہ اسی ہفتہ کے اندر اصالتہً بھی حاضر ہو کر شرکت غم کروں گا۔

جن بچیوں کو ابھی ماں کا داغ تازہ تھا ان پر کتنی جلدی یہ دوسرا پہاڑ صدمہ و غم کا آ پڑا۔

والسلام۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) مراد مولانا کے برادر بزرگ مولوی عبدالمجید صاحب جن کا انتقال ۲۰ دسمبر ۱۹۶۰ء کو ہوا تھا۔

(۲) مولانا علی میاں کے والد ماجد حکیم عبدالحئی کا انتقال مولانا مدظلہ کی کم سنی میں ہوا تھا اور مولانا کی ساری پرورش وتعلیم وتربیت ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کی۔

(۳) مولانا محمد حسنی مدیر البعث الاسلامی جن کا انتقال ۱۹۷۹ء میں ہوا۔

(۴) مولانا مرحوم کی لکھنو کی قیام گاہ کا نام۔ یہ بڑی تاریخی عمارت ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء پہلے اسی عمارت میں تھا اس کے بعد جب اس کی اپنی موجودہ عمارت بن گئی تو دارالعلوم اس میں منتقل ہوگیا۔ اسی عمارت میں مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالباری ندوی نے پڑھا تھا۔ مولانا شبلی کا قیام برسوں اسی عمارت کے کوٹھے پر رہا۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد اس میں ہفتوں آکر رہے تھے۔ یہ عمارت مولانا مرحوم کی بیوہ خالہ زاد بہن نے خرید لی تھی اور اس کا نام خاتون منزل مولانا مرحوم ہی نے رکھا تھا اور ان بہن نے بڑے اصرار سے مولانا مرحوم اور ان کے بڑے بھائی مولوی عبدالمجید صاحب کو اسی خاتون منزل میں رکھا اور ایک خاصا بڑا حصہ ان لوگوں کے گھر والوں کو رہنے کے لیے دے دیا۔ اور مولانا مرحوم کو ایک پورا کوٹھا وقف کر دیا۔ اسی طرح مولوی عبدالمجید صاحب کے لیے بھی۔ مرحومہ کی زندگی کے بعد تک یہ صورت برسوں قائم رہی۔

راجہ احمد علی خاں تعلقدار سلیم پور کے انتقال پر

ان کی صاحبزادی کے نام تعزیت نامہ

دریابا د۔

۱۸ر مئی ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا!

دعائیں

سن کچھ بھی ہو اولاد کے حق میں باپ کا وجود ایک سایۂ رحمت الٰہی ہوتا ہے اور پھر بیٹیاں تو باپ کی عاشق زار ہی ہوا کرتی ہیں۔

واقعہ جب بھی پیش آتا آپ لوگوں کے لیے سخت صبر آزما ہوتا اور پھر یہ تو بالکل اچانک پیش آگیا آپ لوگ جتنی بھی غم زدہ ہوں بجا ہے ـــــ اللہ نے بے شک آپ لوگوں کو ایک سخت ترین امتحان میں ڈال دیا ہے لیکن یہ خوب یاد رہے کہ صدمہ جتنا زائد ہوتا ہے اجر بھی اسی درجہ کا ملتا ہے ـــــ یہ بالکل یقینی ہے اس میں شک وشبہ کی ذرا گنجائش نہیں بس اسی پر عقیدہ کامل رکھئے اور وہ دن دور نہیں جب ہر بچھڑا ہوا اپنے پیاروں سے ملے گا اور ہر زخم کو بہترین مرہم نصیب ہو کر رہے گا۔

مرحوم میرے مخلص کرم فرما تھے اور کیننگ کالج میں میرے ساتھ کے پڑھے ہوئے ان کی عبادت گزاریاں ان کی فیاضیاں، مہمان نوازیاں بھولنے والی چیزیں نہیں۔

دعائے مغفرت کرتا ہوں اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ممکن ہے کہ فاتحہ پڑھنے کسی دن سلیم پور بھی کھڑی سواری حاضر ہو جاؤں۔

والسلام۔ دعاگو

عبد الماجد

(۱) راجہ احمد علی خاں سلیم پور ضلع لکھنؤ کے تعلقدار تھے۔ اور مولانا مرحوم کے ساتھ کیننگ کالج میں پڑھا تھا۔ ملی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۱۹۳۳ء کے قائم کردہ مسلم یونیٹ بورڈ کے صدر رہے جس نے سنٹرل اسمبلی کے لیے ۱۹۳۴ء کے الکشن میں یوپی کی ساری مسلم سیٹیں حاصل کر لیں۔ اور اس کے بعد جب مسلم لیگ کا احیا ۱۹۳۶ء میں ہوا تو یوپی مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے صدر ہوئے پھر جب اپریل ۱۹۳۷ء میں نواب صاحب چھتاری کی قیادت میں عارضی اقلیتی وزارت قائم ہوئی تھی تو مسلم لیگ کی پالیسی کے خلاف راجہ صاحب نے وزارت قبول کر لی اور وزیر تعلیم مقرر ہوئے بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے مسلم یونیٹ بورڈ اور مسلم لیگ

پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس کے دوران نہ معلوم کتنے زعما اور علما ان کے مہمان رہتے تھے۔

(۲) لکھنؤ یونیورسٹی کے قیام سے پہلے کیننگ کالج کھلا تھا جس میں ایم اے تک تعلیم دی جاتی تھی۔

(۳) راجہ شروع ہی سے مذہبی تھے۔ آخر میں یہ رنگ بہت بڑھ گیا تھا۔

بزمی انصاری صاحب کے نام

ان کی والدہ کے انتقال پر تعزیت نامہ :۔

دریاباد۔

۲۷ مئی ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ جانا جب، جس حال اور جس سن میں ہو بہرحال دنیا میں اللہ کی ایک بہترین نعمت سے محروم ہو جانا ہے چہ جائیکہ جب یہ حادثہ بالکل اچانک پیش آجائے اس کی شدت کا کہنا ہی کیا ہے۔ انا للہ

بہرحال آزمائش سخت ہوئی اور جس کے ظرف بلند ہوتے ہیں ان کی آزمائش بھی ایسی ہوتی ہی رہتی ہیں۔ ع

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

اور مقصود ان آزمائشوں سے ہمیشہ یسر ہوتا ہے نہ کہ عسر۔ مہر ہوتا ہے نہ کہ قہر۔ اور مومن کی زندگی کا یہ پہلو قابل صد رشک ہوتا ہے گو اس کی قدر معًا اور فی الفور نہ ہو۔ فورًا تو جذبات غم والم ہی طاری رہتے ہیں اور بندہ اس پر مجبور و مجہول ہے۔

عقلًا صبر فرمایئے اور دل میں اجر بے حساب کا حساب لگاتے رہیئے۔ ہماری آپ کی اور کل دنیا کی بھی عمر کتنی؟ آناً فاناً سب کی کٹ جانے والی ہے اور پھر انشاء اللہ اپنے ہر عزیز کی

وہ ملاقات جس میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔ مومن تو ہر حال میں مورد لطف کرم ہی رہتا ہے۔ گو کسی امید پر نقاب خوف کا پڑا ہوا ہو۔ اللہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب لوگوں کو صبر جمیل سے نوازے۔

دُعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ پاکستان کے انفارمیشن آفیسر کے عہدے پر فائز تھے۔ لیکن اسلامیات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی سی محققانہ کتاب کے پہلے ایڈیشن میں ان کے متعدد مقالے اسلامی عنوانات اور موضوعات پر شائع ہوئے اس سے ان کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم سے مکتوب الیہ کی مراسلت کا سلسلہ برسوں قائم رہا۔

بنام خورشید احمد صاحب ایڈیٹر ماہ نامہ چراغ راہ کراچی

انھوں نے اپنی والدہ کے اچانک ریل میں انتقال ہوجانے کی اطلاع دی تھی۔

دریاباد۔

۲۳ر جولائی ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط۔ دنیا کی نعمتوں میں شاید سب سے بڑی نعمت ماں ہی ہے اس کی مفارقت اور پھر بالکل اچانک مفارقت پر صبر کرے جانا ہے بڑی ہمت اور ظرف والوں کا کام ـــــ لیکن اجر و انعام بھی تو اسی حساب سے و مناسبت سے ہے بے حساب و بے نہایت۔

آپ ماشاء اللہ دین دار ہیں اور دین کی قدر تو ایسے ہی موقعوں پر ہوتی ہے۔ جذبات کی دنیا جتنی بھی نہ دبالا ہوجائے پھر بھی عقل سلیم کو اپنی جگہ پر یقین کامل کہ جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہ ماں سے بھی کہیں بڑھ کر شفیق و مہربان ہے۔ ماں کی شفقت تو محض اس کی رحمت و شفقت کا

پر تو تھی! خدا معلوم یہ کھو کر کیا کچھ ملے گا! اس ایک ہنگامی اور وقتی زخم کے بہانے کس نعمتوں اور نوازشوں کی بارش ہوگی۔

اور پھر مسافر کی موت مغفوریت کی خود ایک روشن علامت ــــ سچے کا وہ قول مستحضر کر لیجیے کہ وطن سے پردیس تک مسلسل رحمتوں کا نزول کر دیا جاتا ہے۔

مفارقت کے دن؟ ہم سب آپ ہی کیسی تیزی سے اس ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں ہیں! بس دعاؤں میں لگے رہیے۔ صبر رفتہ رفتہ آجائے گا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

بنام سید ظہور الحسن صاحب مولوی زینت محل حیدرآباد دکن

دریاباد

۲۰ جولائی ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

انا للہ وانا الیہ راجعون ط۔ اللہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ کیا زمانہ اپنی جوانی میں میں دیکھ چکی تھیں اس وقت کے دیکھنے والے ہم لوگ موجود ہیں اور کیا زمانہ اب دیکھنا اور برسوں جھیلنا پڑا۔ بہت کچھ تو اسی میں دھل گئیں اور جو کچھ کسر رہ گئی وہ اس طویل علالت نے پوری کر دی اللھم اغفرلہا وارحمہا۔ بڑی خوشی اس اطلاع سے ہوئی کہ میاں شمیم کو اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔ لڑکیوں کو تو ماں کے ساتھ عموماً ہی محبت ہوتی ہے۔ البتہ لڑکوں میں اس کی مثال کمتر ہی ملتی ہے۔ ایسے ماں اور بیٹے دونوں ہی خوش نصیب کہے جائیں گے۔ میاں شمیم اور چھوٹی بہن کو میری طرف بلکہ سب گھر بھر کی طرف سے تعزیت پہنچا دینا۔

امین الحسن مرحوم سے مخلص دوست ملتے کہاں ہیں اور پھر ان کی وجہ سے یہ مرحومہ بھی

ہر طرح سے خاطر داریوں میں شریک رہتی تھیں ایک دو دن نہیں ہفتوں ان کا مہمان رہ چکا ہوں بالکل گھر والوں کی طرح اور احسانات کی تفصیل کہاں تک گنواؤں۔ اللہ میاں بیوی دونوں کو غریق رحمت فرمائے ــــــ دعا گو

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بڑے ہی مخلص دوست امین الحسن موہانی مرحوم جو عرصہ ہوا مرحوم ہو چکے تھے کے بھانجے اور داماد تھے۔ انھوں نے اپنے خط میں اپنی ممانی اور خوشدامن یعنی بیگم امین الحسن کے انتقال کی اطلاع دی تھی یہ تعزیتی مکتوب اسی کے جواب میں ہے۔

(۲) مراد خوش حالی اور فارغ البالی کا دور ہے جو مرحومہ کے شوہر کے زمانہ میں تھا۔

(۳) شوہر کے انتقال کے بعد زندگی عسرت سے بسر ہوئی۔

(۴) امین الحسن صاحب کے صاحبزادے۔

(۵) مولانا مرحوم کے امین الحسن سے جو تعلقات تھے اس کا اندازہ اس آخری پیراگراف سے ہوتا ہے جب مولانا مرحوم حیدرآباد جامعہ عثمانیہ دارالترجمہ میں تھے تو شروع میں ان ہی کے ہاں قیام رہا۔

شاہ معین الدین احمد ندوی ایڈیٹر معارف اعظم گڑھ کے نام
تعزیتی مکتوب ان کے والد کے انتقال پر

دریاباد۔

۱۸ر جون ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

پرسوں لکھنؤ میں تھا سانحہ ارتحال کی خبر وہیں معلوم ہوئی کل دوپہر کو دریاباد آیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ــــــ

مرحوم بے چارے نیم معصوم سے تھے اللہ ہر طرح غریق رحمت فرمائے۔ باپ کیسے ہی ہوں اور سب کچھ بھی آجائے بہرحال باپ ہوتے ہیں ایسی نعمت جس کا کوئی بدل اس دنیا میں ممکن نہیں ــــ

والسّلام

عبدالماجد

تعزیت نامہ بنام فرزند خاں بہادر ظفر حسن خاں صاحب ماہ نگر لکھنؤ

دریاباد۔

۱۸ر جولائی ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

مرحوم سے میرے تعلقات دوستی بلاکسی فصل و انقطاع کے پچاس سال سے اوپر کے تھے یعنی ۱۹۱۰ء سے ممکن ہے کہ ۱۹۰۹ء سے قائم ہوئے جب کہ وہ ایف اے کے پہلے سال میں تھے۔ اور میں دوسرے سال میں اور آج تک اسی حال میں رہے ــــ دوستی کی تاریخ میں ایسی مثالیں کمتر ہی نظر آئیں گی۔

اب کیا بتاؤں کہ مرحوم کو میں نے اپنے اتنے طویل سابقے میں کتنی خوبیوں اور معقولیت کا جامع پایا۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور بیوی بچوں سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مرحوم سے میرے تعلقات مخلصانہ ہی نہیں عزیزانہ بلکہ برادرانہ تھے۔ اس لیے آپ سب لوگ میرے عزیز ہیں۔

میرے لائق جو خدمت ہو اسے مجھ سے لینے میں ذرا بھی تکلف نہ فرمائیں اور اپنی والدہ ماجدہ کو ضرور یہ میرا خط سنا دیں اور ان تک دلی تعزیت پہنچا دیں انشاء اللہ کبھی روز بعد لکھنؤ آکر آپ لوگوں میں سے کسی کو ساتھ لے کر مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھنے چلوں گا۔

والدعا

شریک غم۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد مولانا مرحوم کے مخلص ترین اور بہت قدیم دوستوں میں تھے اس کا اندازہ اس تعزیت نامہ سے ہوتا ہے۔ پچاس سال کی لمبی مدت تک مخلصانہ بلکہ برادرانہ تعلقات قائم رہے مرحوم ظفر حسین خاں کے اس وصف کے بھی مولانا بہت قائل تھے کہ وہ شیعہ سنی اتحاد کے علمبردار تھے اور ان میں بڑی حمیت دینی تھی۔

سید حمید حسین رضوی

(بذریعہ مولوی محمد وحید الدین دفتر رہنمائے دکن آصف نگر حیدرآباد دکن)

دریاباد۔

۲۸ر جولائی ۱۹۶۱ء بسم اللہ

جوان لڑکی کا صدمہ دنیا کے عظیم ترین صدمات میں سے ہے اور اسی لیے اس کے صبر کا اجر بھی انسانی اندازہ و حوصلہ سے بڑھ کر ملنا یقینی ہے اور درحقیقت اسی انعام واکرام بے بہا ہی کی غرض سے تو یہ امتحان لیے جاتے ہیں۔

جذبات پر جو کچھ گزرے لیکن عقلاً خوش ہوئیے کہ آپ کو امانت کی ذمہ داریوں سے چھٹی مل گئی اور لڑکی ایسے رحیم و شفیق مالک کے پاس پہنچ گئی جو اس کو خوش رکھنے پر آپ سے کہیں زیادہ قادر ہے۔

رہا انتظار و صدمہ فراق تو وہ کے دن کا ——— ہم آپ سب کس تیزی کے ساتھ اسی وطن حقیقی کی جانب رواں ہیں۔

والسلام۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنی جوان لڑکی کے انتقال کی اطلاع دی تھی اس کے جواب میں مذکورہ بالا تعزیت نامہ گیا۔

شفاء الملک حکیم شمس الدین لکھنؤ کے بھائی خواجہ قمر الدین کے انتقال پر تعزیتی مکتوب

دریاباد۔

۱۴ اگست ۱۹۶۱ء بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

ذاتی طور پر تجربہ رکھتا ہوں کہ بھائی کا وجود قوت بازو کے حکم میں ہے آپ کے صدمہ میں آپ سے دلی اور سو فیصدی ہم دردی رکھتا ہوں۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب حضرات کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

کل شام کو قومی آواز میں خبر پڑھی اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط تعزیت و دعائے مغفرت میں گھر کے سب ہی لوگ شریک ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔ حکیم صاحب مرحوم کے ہاں معالج بھی تھے اور بڑا اکرم فرماتے تھے۔ مکتوب الیہ کو بڑا گہرا ادبی ذوق تھا۔ اور ضلع جگت کے ماہر یہ چیز بھی مولانا مرحوم کو بہت پسند تھی۔

سید آفتاب احمد صاحب[1] بخاری جنرل مرچنٹ ضلع سرگودھا کے نام

دریاباد

۱۱ر اگست ۱۹۶۱ء بسم اللہ

مہربان بندہ! وعلیکم السلام

آپ کے والد مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کردی۔ دعا تو ہر مسلمان کے لیے رہتی ہے چہ جائیکہ اپنے مخلص مصدق نواز کے لیے اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور آپ لوگوں کو توفیق صبر۔ ان کے حقوق جو باقی رہ گئے اب ان کی تلافی کی صورت صرف دعا و استغفار ہی ہے جس حد تک اپنے سے ہو سکے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے والد کے انتقال کا حال لکھا تھا اور لکھا تھا کہ ان کو "صدق" سے بے حد دلچسپی تھی اور بڑے شوق سے خود پڑھتے اور ہر ایک کو سناتے تھے۔ مکتوب بالا اسی کے جواب میں ہے۔

سید علی احمد ہاشمی صاحب[1] کے نام اُن کے والد کی خبر وفات پر

دریاباد

۲۵ر دسمبر ۱۹۶۱ء بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

میاں ہاشم[2] رات کو آئے اور سانحہ کی خبر سنائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط۔ حالت نازک سے نازک تر ہوتی ہی جا رہی تھی پھر بھی انسان سے آس توڑے سے نہیں ٹوٹتی

جاتی۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ باپ کا وجود ایسی نعمت ہوتا ہے جس کا بدل ممکن ہی نہیں بس کچھ بھی ہو جائے نعمت بہر حال نعمت رہتی ہے ـــــــ وہ اولاد خوش نصیب کہی جائے گی جس نے ان کی آخری خدمتیں کر کے ان سے دعائیں حاصل کیں اب خدمت دوگنی خدمت کا موقع والدہ ماجد کے لیے حاصل ہے۔ اللہ ان کی عمر میں برکت اور اولاد کو سعادت خدمت مرحمت فرمائے۔

مناسب سمجھنا تو یہی پرچہ میاں صابر کو بھیج دینا۔ پردیس کی تنہائی میں احساس قلق زیادہ قوی ہوتا ہے ـــــــ

والسّلام

عبدالماجد

(۱) تعلقات کے لحاظ سے مکتوب الیہ ہم سب کے عزیز ہیں ـــ مرتب کے حقیقی بہنوئی شیخ قدیر الزماں صاحب کے خاص بلکہ اخص دوستوں میں ہیں اور مولانا مرحوم سے بہت زیادہ اخلاص رکھتے تھے۔ بہت زیادہ عملی آدمی تھے۔ برسوں مولانا مرحوم کے ٹائپسٹ رہے۔ انگریزی تفسیر کی ٹائپ کی سعادت حاصل کی اور مولانا کے نہ معلوم کتنے عملی کام انجام دیئے۔ "صدق" کے عملی انتظامات میں بھی بہت حصہ لیتے تھے۔ مولانا ان کے اخلاص اور فہم کے بہت قائل تھے اور ان سے بہت خوش رہتے تھے۔

(۲) خاکسار مرتب ایک ضرورت سے علی گڑھ سے لکھنؤ اور پھر لکھنؤ سے دریاباد گیا تھا۔

(۳) مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی یہ ان کا عرف ہے۔ اصلی نام سخی احمد ہاشمی ہے تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔ مدتوں سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سندھ میں شعبہ اردو میں ریڈر رہے۔ اب آج کل سری لنکا میں ہیں۔

جناب غلام محمد صاحب[1] بی اے (عثمانیہ) کراچی

دریاباد۔

۱۸ر اکتوبر ۱۹۶۱ء بسم اللہ

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم

الم نامہ[2] پہنچا۔ ماں کو خصوصی صدمہ تو امر طبعی ہے، ہونا ہی چاہیئے لیکن عقلاً تو انھیں پوری تسکین انشاء اللہ اس حقیقت کے استحضار سے ہوجائے گی کہ معصوم بچہ کی وفات والدین کے حق میں جنت کی بشارت ہے۔

اور یہ بشارت دینے والا دنیا کا اصدق الصادقینؐ ہے۔

عزیزہ تو خود ہی ماشاء اللہ صاحب علم و صاحب فہم ہوں گی۔ ہجوم غم طبعی میں اچھے اچھوں کے نور بصیرت پر غبار چھا جاتا ہے۔ لیکن کسی کے یاد دلا دینے سے معاً وہ بادل چھٹ بھی جاتا ہے۔

معصوم بچوں کا جانا تو والدین کے حق میں ایک وثیقہ جنت ہے اور پھر ایک اضطراری اتباع سنت بھی۔ اس صدمہ کے تجربے سے تو خود سید المرسلینؐ کو بھی گزرنا پڑا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ علامہ سید سلیمان ندوی کے مسترشد خصوصی تھے اور مولانا مرحوم کے بھی مخلص خصوصی۔ انھوں نے آخر دم تک مولانا مرحوم سے سلسلۂ مراسلت قائم رکھا مکتوب الیہ کے فہم اور اخلاص کے مولانا مرحوم بہت زیادہ معترف تھے اور ان کے خطوط کے آنے سے بہت خوش ہوتے تھے۔

(۲) غالباً مکتوب الیہ کے کسی بچے کا انتقال ہوا تھا۔

ایڈیٹر صاحب روزنامہ نوائے وقت لاہور

حمید نظامی[1] صاحب ایڈیٹر نوائے وقت کے سانحہ ارتحال پر تعزیت نامہ لکھا گیا

دریاباد۔

۲۶ر فروری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

تعزیت نامہ لکھنے بیٹھا ہوں مگر تعزیت کروں تو کس سے کروں؟ صرف صرف مرحوم کے اعزّہ سے؟ صرف دفتر نوائے وقت لاہور سے۔

تعزیت کا مستحق سارے پاکستان کا پریس ہے۔ سارا پاکستان ہے۔ پاکستان کا ہر طبقہ ہے بلکہ یہ کہنا بھی داخل مبالغہ نہیں کہ سارا عالم اسلامی ہے۔

ایسا اخلاص اب عنقا ہے ایسا پیکر شرافت و مجسمہ انسانیت اب ڈھونڈھنے سے کہاں ملے گا؟

صبح کام کرنے میز پر بیٹھا ہی تھا کہ قیامت خیز تار کل دو بجے دوپہر کا چلا ہوا ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ رات ایک خواب پریشان و تکلیف دہ دیکھا تھا تعبیر کتنی جلد مل گئی۔ مرحوم میرے تو خصوصی مخلص و محسن تھے۔ اللہ بال بال مغفرت کرے، کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ عین رمضان اور دہ بھی اس کے عشرہ دوم کے ختم پر تقائے رب دلیل خوش نصیبی ہے۔ مرحوم کے اعزّہ یقین رکھیں آسمان تنہا انھیں پر نہیں پھٹ پڑا ہے ان کے غم دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھنے والے اور ان ہی کی طرح سوگ منانے والے ابھی بہت سے ہیں اور انھیں میں یہ دردِ افتادہ بھی ہے۔

ان کی سطور کی تحریر کے وقت تدفین بھی ہو چکی ہوگی۔ کیسا دل پھڑ پھڑا کر رہا کہ کاش اڑ کر پہنچ سکتا ــــ اور اس جوان مرد کفن پوشش کا آخری نظارہ اس عالم ناسوت میں کر سکتا۔ جا جنت کا مسافر اور اپنی خدمات کا صلہ جلد سے جلد پا!

والسّلام۔ سوگوار دعاگو

عبدالماجد

(۱) مرحوم کو مولانا مرحوم سے بے انتہا اخلاص تھا اور مولانا بھی ان کی خوبیوں اور ان کے جذبۂ اسلامی کے معترف تھے ان کے انتقال سے مولانا پر ہفتوں بڑا اثر رہا۔

سیّد ناظم علی[۱] دریابادی ایم اے اسٹاف کالونی ملتان روڈ کراچی

دریاباد۔

یکم مارچ ۱۹۶۲ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

سانحہ[۲] کی خبر ملی۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون ط۔ ماں باپ کے بعد پھر بھائی ہی کا صدمہ ہوتا ہے۔ مفارقت کا غم جو کچھ ہوا ہو قدرتی ہے مگر اللہ کا شکر بھیجنا چاہیئے کہ مہینہ رمضان المبارک کا مل گیا مومن کے کام آنے والی یہی چیزیں ہیں۔ اللھم اغفرلہٗ ارحمہ۔ مغفرت کا سامان گویا ہو گیا ــــــ

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخلص ہم وطن طالب علمی ہی کے زمانہ سے مولانا مرحوم سے بڑی عقیدت تھی۔ مراسلت کا سلسلہ مولانا مرحوم کے آخری دم تک رہا۔

(۲) ان کے چھوٹے بھائی کے انتقال پر۔

سید سخی احمد[1] ہاشمی صاحب صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سندھ پاکستان

دریاباد

۱۱ر اپریل ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

بچے کے گزرنے کی خبر لکھنؤ میں سنی تھی اور تعزیت میاں علی احمد[2] اور ان کی والدہ سے کر دی تھی۔ اس منزل سے تو کہنا چاہیئے کہ گزرنا سب ہی کو ہوتا ہے اور صدمہ کا طبعی ہونا تو بالکل ظاہر ہے لیکن عقلاً یہ مہر بہ صورت قہر ہے۔ شفاعت کا ایک مستقل ذریعہ ہاتھ آجاتا ہے۔ آزمائش باپ سے بڑھ کر ماں کے حق میں ہے۔

والسلام۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ پاکستان منتقل ہونے سے پہلے مولانا مرحوم کی لکھنؤ کی قیام گاہ خاتون منزل میں اپنے والدین کے ساتھ رہتے تھے اور ہم سب سے تعلقات بالکل عزیزانہ تھے۔

(۲) مکتوب الیہ کے بڑے بھائی اور مولانا کے ٹائپسٹ اور مخلص خصوصی۔ ان کا مفصل تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

بنام مولوی عبدالسلام فاروقی و عبدالمومن فاروقی صاحبزادگان مولانا عبدالشکور صاحب پاٹانالہ لکھنؤ

مولانا کے انتقال پر تعزیتی مکتوب ——

دریاباد۔

۲۷ر اپریل ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

مولانا کے انتقال کی خبر کل شام اخبار سے معلوم ہوئی۔

اللہ اس خادم دین و شریعت کو اپنی اعلیٰ سے اعلیٰ رحمتوں سے نوازے اور آپ لوگوں کو توفیق صبر دے۔ سن کچھ بھی ہو جائے اولاد کے حق میں باپ کا سایہ ایک بہت بڑی نعمت ہوتا ہے۔ لیکن صدمہ آپ لوگوں کو ہی نہیں ساری اُمت کو پہنچا ہے اللہ ہم سب ہی کو توفیق صبر دے۔

والسلام۔ دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) حضرت مولانا عبدالشکور صاحب بڑے ممتاز اور نامور سنی عالم تھے اور ردِّ شیعیت میں درجۂ تخصیص رکھتے تھے مولانا مرحوم ان کے علم و فضل، تفقہ اور تقویٰ کے بہت قائل تھے۔

بنام چودھری اکبر حسینؑ صاحب ریٹائرڈ جوڈیشیل سکریٹری کراچی

دریاباد۔

۱۳ر جون ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

خانۂ ویرانی[۲] کی اطلاع کل شام کو ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ۔

آپ ماشاء اللہ قرآن مجید سے اپنا تعلق جوڑے ہوئے ہیں[۳]۔ انشاء اللہ اس کڑی آزمائش کے وقت آپ کے ہر کام آئے گا اور آپ کا صبر و سکون برقرار رہے گا ورنہ طبعی حیثیت سے جو کچھ آپ پر گزر جائے تھوڑا ہے۔

جو چیز چلی گئی وہ اپنی تھی ہی کب؟ وہ تو جس کی تھی بس اسی کے پاس چلی گئی۔ ہم خود اپنے کب ہیں؟ انا للہ۔

نہ ہم خود اپنے نہ ہماری کوئی چیز اپنی خود ہمارا اور ہماری سب چیزوں کا مالک تو کوئی اور ہی ہے۔ نہ بیوی اپنی، نہ بچے اپنے، نہ جان اپنی، ہم سب آگے پیچھے بس ایک ہی مالک و مولیٰ کی طرف رواں دواں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

سالہا سال کی رفاقت، ہم دمی، ہم جہتی رفاقت کا ایک دم سے ٹوٹنا یقیناً قلب بشری کے صدمہ و شدید اذیت کا باعث ہوتا ہے لیکن ذرا اس حقیقت کا استحضار کر لیا جائے کہ منزل مقصود جب سب کی ایک راستہ بالکل وہی تو اس سے کیا بڑا فرق پڑتا ہے کہ فلاں صبح کی ٹرین سے روانہ ہوا اور فلاں دوپہر کو۔

مالک و مولیٰ کو اجر بے حساب دینا منظور ہوتا ہے اور اس کا محض بہانہ اسی طبعی غم و صدمہ کو بنا لیتے ہیں ورنہ اجر عظیم و دائمی کے انبار اور اس عارضی و فانی دنیا کے آنی و فانی غم کا مقابلہ ہی کیا ہے؟

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد

امتی کو تو عقلاً یہ خوش ہونے کا موقع ہے کہ اس نے سنت خدیجہؓ و مصطفیٰؐ کے اتباع کا مرتبہ اضطراراً نصیب ہو گیا۔ اللہ ہر طرح صبر جمیل نصیب کرے آپ کو بھی اور بچوں اور بچیوں کو بھی۔ علی الخصوص اس بچی کو جسے بیوہ ہوئے کے دن ہوئے ہیں؟ ایسی ایسی کڑی آزمائش میں ڈال کر اب کوئی کیا بتائے کہ اس کے لیے کیا سامان لطف و سرور دائمی تیار ہو رہے ہیں، یہ دولت عالی حوصلہ و عالی ظرف صابروں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ ولا یلقاہا الا الصابرون وما یلقاہا الا ذو حظ عظیم۔

تعزیت میں شریک گھر بھر ہے۔

والسلام۔ دعاگو
عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے عزیز ہوتے تھے۔ مولانا کے ہم زلف ناظر یار جنگ کے بہنوئی تھے۔ آئی اے ایس (جوڈیشیل) تھے اونچے عہدوں پر ہندوستان میں رہے اس کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے۔ بڑے گہرے مذہبی شخص تھے۔ نماز باجماعت کا التزام رکھتے تھے اور قرآن مجید سے خاص شغف تھا۔ تعلیمات قرآن پر ایک کتاب لکھی تھی۔ پاکستان سے تقریباً ہر سال اپنی بڑی لڑکی جس کا لکھنؤ ہی میں قیام رہتا تھا ملنے لکھنؤ آتے رہتے تھے۔ ان کی بیوی نہ صرف مولانا کی بیگم کی عزیز قریب تھیں بلکہ سہیلی اور ہم جولی۔ یہ شادی مولانا اور ان کی بیگم نے کرائی تھی۔

(۲) یعنی شریک حیات کا سانحہ ارتحال مرحومہ مولوی نظام الدین حسن صاحب جج حیدرآباد کی صاحبزادی تھیں اور اس زمانے میں بی اے کیا جب مسلمان لڑکی خال خال ہی یہ ڈگری حاصل کرتی تھی۔

(۳) مکتوب الیہ کو مطالعہ قرآن مجید سے گہرا شغف تھا۔

(۴) مکتوب الیہ کی بڑی صاحبزادی جن کی بیوگی کا صدمہ اچانک اکتوبر ۱۹۵۹ء میں اٹھانا پڑا اس کا ذکر ایک پچھلے مکتوب میں آچکا ہے۔

صدیق الزماں صاحب[۱] معرفت فہیم الزماں صاحب کراچی

دریاباد ——

۱۵ر جون ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

عثمانؓ مرحوم کے عین جمعہ کے دن و محرم کے پہلے مبارک عشرہ میں آپ لوگوں کے پاس پڑوس سے نکل کر آغوش رحمت میں جا پہنچنے کی خبر سن کر پہلے تو ہق دق رہ گیا —— جوان لڑکے کی موت اور وہ بھی اس سن میں!

صدمہ کوئی معمولی سا معمولی ہوا! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

لیکن پھر خیال آگیا کہ آزمائش تو ہمیشہ ظرف کے مطابق ہی کی جاتی ہے یقیناً عربی حقیقی کے علم میں آپ کوئی بڑے ہی عالی ظرف ہیں جبھی تو آزمائش اتنی کڑی ہوئی اور صدمہ اتنا سخت ڈالا گیا! اور یقیناً اس کا اجر کوئی ایسا ملنے والا ہے جس کا آپ کو ابھی کوئی اندازہ بھی نہیں ہو سکتا! کوئی رتبہ آپ کو ایسا ہی اونچا ملنے والا ہے جس کا بہانہ اس حادثہ کو بنا دیا گیا۔

زندگی کے دن ہی کتنے تھے کن حد سے زیادہ زیادہ ہوئے جب بھی کتنے۔ بس اس کے بعد ہی انشاء اللہ آپ ہوں گے اور آپ کا وہ نور نظر جسے کوئی کسی حال میں آپ سے جدا نہ کر سکے گا۔ اور نہ وہاں کوئی فکر دنیا آپ کو پریشان کر سکے گی بس عیش ہی عیش ــــ اس دائمی سرور و راحت کے مقابلہ میں اس عارضی، فانی چند روزہ غم و کلفت کی بساط ہی کیا ہے ــــ بس ان سچے وعدوں پر بھروسا کئے ہوئے آنکھ بند کر کے باقی ایام زندگی کاٹ دیجئے۔

انسان خلیفۃ اللہ ہے اس کو یہ ظرف عنایت ہوا ہے کہ اپنے ہاتھوں اپنے جوان جہاں کماؤ لخت جگر کو اپنے ہاتھوں سے کفنائے، دفنائے اور اس کے سپرد کر دے جو اپنی شفقت و رحمت میں دنیا کے ہر ماں باپ سے کہیں بڑھ کر ہے! اس ہمت و حوصلہ پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔

مرحوم کے بیوی بچوں پر جو وقت آکر پڑا ہے ظاہر ہی ہے لیکن جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی اس کے کاٹ دینے کی بھی پوری قوت دینے والا ہے۔ انشاء اللہ

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ جو عرصہ ہوا مرحوم ہو چکے ہیں۔ مولانا مرحوم کے عزیز ہوتے تھے۔ تقسیم سے پہلے حیدرآباد میں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے اور پھر پاکستان منتقل ہو گئے۔ مولانا مرحوم سے بڑے مخلصانہ تعلق رکھتے تھے اور صدق اور سچ کے خریداروں اور قدردانوں میں تھے یہ تعزیتی مکتوب ان کے

جوان شادی شدہ صاحبزادے کے انتقال پر لکھا گیا۔

(۲) مکتوب الیہ کے جوان صاحبزادے۔

بجواب شاہ ابوالقاسم صاحب[1] موضع لوہرا تکیہ شاہ مبارک پور اعظم گڑھ

دریاباد ــــ

۱۰ر جولائی سنہ ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

اللہ کی مرضی آخر پوری ہو کر رہی[2] ــــ اور اس کی مرضی سب سے اعلیٰ، سب سے اولیٰ۔ سب پر فائق اور سب پر مقدم ع

اللہ کی مرضی سب کچھ ہے بندہ کی تمنا کچھ بھی نہیں

لیکن بندوں کی دعائیں بھی ضائع نہیں گئیں۔ سب کی سب جمع ہیں اس خزانے میں جس کو زوال نہیں ہے۔ اور جو بڑی سے بڑی نعمتوں، راحتوں، لذتوں میں منتقل ہو کر انشاء اللہ عنقریب ہی ہر مصیبت زدہ بندہ اور بندی کے حصے میں آنے والی ہیں ــــ مرحوم کے غم نصیب باپ، الم نصیب بیوہ، قابل رحم بچی اور آپ خود قریبی عزیزوں میں سے کوئی بھی محروم رہنے والا نہیں ــــ

جو وقت اس وقت آپڑا ہے بے شک ہر اعتبار و ہر پہلو سے بہت سخت ہے لیکن یقین فرمائیں اجر بھی اسی درجے میں ہے اور بے اندازہ و بے حساب ہے۔ مصیبت زدہ کے آنسو کا ہر قطرہ اور بے کسی سے نکلی ہوئی ہر آہ اللہ کے ہاں نہایت گراں قیمت رکھتی ہے۔ اللہ کے وعدوں پر جس درجہ اطمینان و ایمان ہوگا اسی نسبت سے صبر آسان رہے گا۔

والسلام، دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ دارالعلوم ندوہ میں مدرس تھے اور مولانا مرحوم سے ان کے خاصے تعلقات تھے برابر سلسلہ مراسلت رکھتے تھے۔

(۲) مکتوب الیہ کے داماد عرصہ سے بیمار تھے۔

شاہ ابوالقاسم مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بیوہ بیٹی کے نام تعزیت نامہ

دریاباد۔

۳۰ر اگست ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

غم زدہ بیٹی! دعائیں

اللہ نے جو وقت تم پر ڈالا ہے تم سے پیشتر خدا معلوم کتنی بے شمار بندیوں نیک صالح اور پارسا بیبیوں بوڑھی اور جوان اور نوجوان ہر عمر والیوں پر پڑ چکا ہے۔ فریادیں، دعائیں آنسوؤں کی جھڑیاں کوئی چیز بھی انھیں وقت آجانے پر نہیں روک سکی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کتنی بڑی رحمت اس پردے کے اندر پوشیدہ رہتی ہے۔ یہ سب اللہ میاں گویا اپنے اوپر قرضہ بندے سے چڑھاتے رہتے تھے ایک ایک چیز واپس مرحمت فرمائیں گے لیکن سود کے زائد کے ساتھ۔ اس وقت بندہ کی آنکھیں کھلیں گی اور بے اندازہ رحمت دیکھ کر جی چاہے گا کہ دنیا میں مصیبت زیادہ کیوں نہ پڑی ——— وقتی تسکین کے لیے بہترین صورت یہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید اور دعاؤں کی کوئی کتاب (مثلاً مناجات مقبول) کے لیے وقت زیادہ سے زیادہ نکالا جائے اور خالی وقت میں بلا وضو بھی کلمہ شریف برابر زبان پر جاری رہے اور مرحوم کو ثواب پہنچایا جاتا رہے ——

انشاء اللہ اس سے سکون قلب حاصل ہو جائے گا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

بجواب رشید احمد صاحب عؔ[1] مینائی (امیر مینائی کے پوتے) کراچی

دریاباد ۔

۲۷ر اگست ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم سلمہٗ ! السلام علیکم

اولاد کی اور خصوصاً کم سن اولاد کی موت تو والدین کے حق میں باعث رحمت اور ذریعہ مغفرت ہے۔ آپ دونوں اس پر پورے اجر کے متوقع رہیں۔ حشر میں بڑی کام آنے والی چیز ہے اس کا پورا یقین رکھیں۔

یوں بھی وہ مرحوم آپ سے چھٹ کر جہاں پہونچ گیا ہے وہاں کا سا آرام و عیش اس کے لیے بھلا آپ لوگ کہاں سے لا سکتے ہیں۔

اور یہ مفارقت بھی محض چند روزہ ہے۔ وہاں پہونچنے میں بڑی سے بڑی مدت بھی چشم زدن کے برابر محسوس ہوگی۔ دنیا کی بڑی سے بڑی زندگی کی بھی مدت ہی کیا۔

والسلام، دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے کسی بچے کا انتقال ہوا تھا۔

بیگم صاحبہ ڈاکٹر محی الدین زورؔ[1]، صدر شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی سری نگر

دریاباد ۔

۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۲ء بسم اللہ

مکرمۃ ! السلام علیکم

شوہر کی دائمی جدائی یوں ہی ہر شریف بیوی کے لیے ایک سخت المیہ کا حکم رکھتی ہے

چہ جائیکہ وہ جدائی جو بغیر کسی طویل علالت کے دفعتہً ہو اس کی جاں گدازی کا کہنا ہی کیا۔

لیکن ساتھ ہی اللہ کا قانون رحمت یہ بھی ہے کہ جتنا سخت امتحان بندہ کا ہوتا ہے اسی نسبت سے راحتیں بھی اس کے حق میں بے شمار ہیں۔

مرحوم کا سا شریعت انسان کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ خود کئی دن سے علیل ہوں۔ تعزیت نامہ روز آج کل پر ٹلتا رہا۔ صدق میں نوٹ[۲] دے دیا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) یہ تعزیت نامہ ان کے شوہر ڈاکٹر زور کے انتقال پر ہے۔

(۲) مراد تعزیتی نوٹ۔

اہل خانہ سید مزمل حسین[۱] رجمنٹ روڈ، گلی گردوارہ، بھوپال

دریابادـ

۱۶ر اکتوبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

تمہارے اوپر آسمان ٹوٹ پڑنے کی خبر کئی دن ہوئے دریابادمیں مل گئی تھی، ہر عورت کی زندگی میں یہ وقت نازک ترین ہوتا ہے۔ میں اس وقت اچھا خاصا بیمار تھا کوئی صورت ہی تعزیت نامہ لکھنے کی ممکن نہ ہوئی۔ جس اللہ نے یہ وقت ڈالا ہے وہی کاٹ دے گا، انشاء اللہ۔

تمہاری زندگی کا ہر دور آنکھوں کے سامنے ہے۔ بس اللہ سے دعا کرتے کرتے ساری زندگی گزار دو۔ دائمی زندگی لے کر ہم میں سے کون آیا ہے۔ باری سب ہی لگی ہوئی ہے۔ کسی کی آج کسی کی کل۔ اللہ تم کو تسکین قلب عطا کرے فقط۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا مولانا مرحوم کی رشتہ میں بھانجی ہوتی تھیں۔ یہ تعزیت نامہ ان کے شوہر کے انتقال پر بھیجا گیا ـــــ

بنام پروفیسر مختار الدین احمد آرزو[۱]، صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دریاباد۔

۲۳ر نومبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلیہ راجعون۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

بے شک مرحوم دین کے بڑے خادم تھے اور آپ کے تو خیر والد ماجد ہی تھے۔ باپ کا سہارا بڑا سہارا ہوتا ہے سن جو کچھ بھی ہو جائے۔ صبر جمیل سے کام لیجئے اور دوسرے متعلقین کو بھی تسکین دیجئے۔

اللہ اللہ کہتے ہوئے جان دینا خود ایک قابل رشک علامت ہے۔

صدق کا یہ نمبر تو مرتب ہو گیا اس کے بعد والے نمبر میں بجائے مراسلہ کے خود ایک مختصر نوٹ دے دوں گا ـــــ

والسلام

عبدالماجد۔

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے والد کے انتقال کی خبر اور ان کے آخری حالات سے مطلع کیا تھا جواب میں مندرجہ بالا تعزیت نامہ گیا۔

منشی قربان علی صاحب[1] صدر قانون گو پوسٹ مادھو گنج ضلع پرتاب گڑھ

دریاباد۔

۱۵ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

مشفقی! وعلیکم السلام

اولاد خواہ چھوٹے ہی سن کی ہو اس کا صدمہ والدین کے لیے جانکاہ ہوتا ہے چہ جائیکہ جواں ہونہار اولاد! اور پھر وہ بھی بغیر کسی طویل بیماری محض ریل کے حادثے سے۔

جتنا شدید صدمہ آپ[2] دونوں کو ہوا بالکل ظاہر ہے اللہ ہی آپ لوگوں کو صبر عطا کرے اور اجر عظیم سے مالا مال کرے۔

یہ سب حادثے اللہ کی طرف سے بطور آزمائش کے ہوتے ہیں اور جس کے نصیب میں جتنا زیادہ اجر آنا ہوتا ہے اسی مناسبت سے اس کی آزمائش بھی شدید ہوتی ہے۔

دعائے مغفرت مرحوم کے لیے اسی وقت کر دی اور آپ دونوں کے حق میں دعائے صبر جمیل سے گھر میں جس نے سنا اور باہر ملنے والوں میں سے جس سے ذکر کیا سب دنگ رہ گئے اور سب کی پوری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہوئیں۔ آخرت پر اگر پورا ایمان ہے تو ہر تلخی خوشگوار بن سکتی ہے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ ہماری آپ کی سب کی زندگی ہی کل کتنی۔ آگے پیچھے سب ہی دوڑتے ہوئے اسی ایک منزل کی طرف چل رہے ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ دریاباد میں کئی برس راقم مرتب کی یونیورسٹی طالب علمی کے زمانہ میں مولانا کے جدی پرانے مکان میں مقیم رہے اور ان کے ساتھ سے پھر سے تعلقات ہو گئے۔

(۲) مراد ماں باپ دونوں سے ہے۔

سید اجتبیٰ علی علوی صاحب[1] سندیلوی سب رجسٹرار گونڈہ

دریاباد ـــــ

۵ فروری ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

کل شام کو اخبار سے آپ کے والد مرحوم[2] کی وفات کی خبر معلوم ہوئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ کیا معلوم تھا کہ وقت اتنا قریب آگیا ہے ابھی اسی دن ان کی خیریت دریافت کی تھی صرف چوٹ کا حال معلوم ہوا تھا۔

بہرحال رمضان میں وفات تو مسلمانوں کے لیے خوش نصیبی کی بات ہے۔ باقی قدرتی تعلق کے لحاظ سے آپ کو اور دوسرے قریبی عزیزوں کو صدمہ ہونا لازمی ہے۔ خود ہم سب لوگوں کا دل متاثر رہا۔

اپنی بیوہ بھاوج اور یتیم بھتیجے کی انھوں نے جیسی بے نظیر خدمت کی اس کے لحاظ سے تو میں انھیں ولی صفت سمجھتا ہوں۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب لوگوں کو صبر دے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے پہلے سے متعدد قرابتیں تھیں تازہ ترین قرابت یہ ہوئی کہ مولانا مرحوم کی ایک نواسی بنت حبیب احمد صاحب کی شادی مکتوب الیہ کے دوسرے صاحب زادے سے فروری ۱۹۶۲ء میں ہوئی۔

(۲) مکتوب الیہ کے والد مولوی مرتضیٰ علی صاحب بڑے ہی متقی اور پرہیزگار شخص تھے۔

مولانا شاہ نظام الدین صاحب[1] پھلواری شریف پٹنہ

دریاباد۔

۲۳ر فروری ۱۹۶۳ء بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے ہاں کے سانحہ[2] کا علم بالکل اچانک "المجیب[3]" سے ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آزمائش اتنی سخت اور پھر ماہ مبارک میں۔ اللہ ہی جانے کہ اسے کتنا رتبہ آپ سب کا اور خصوصاً آپ کا بڑھانا منظور ہے۔ ایسے ابتلا میں صرف خوش نصیبوں ہی کو ڈالا جاتا ہے وَلَا یُلَقّٰہَا اِلَّا الصَّابِرُوْن

پھلواری شریف سے ہم لوگوں کے بھی خاندانی تعلقات ہیں۔ آپ لوگوں کے تذکرے[4] اپنے بچپن سے سنتا آیا ہوں اس لیے آپ لوگوں سے نسبت عزیزداری کی معلوم ہوتی ہے اور آپ کے غم کو اپنا غم سمجھتا ہوں۔

صدمہ طبعی یقیناً بہت سخت ہوا ہوگا اس سے تو پیمبروں تک کو مفر نہیں۔ سنت یعقوب کو قرآن مجید نے ایک مثالیہ بیان کر کے پیش کر دیا ہے آپ کو بشارت ہو کہ آپ بھی اپنے یوسف گم گشتہ کے عوض وہ بے پایاں نعمتیں حاصل کریں گے جس کا اس فانی دنیا میں تصور بھی نہیں ہو سکتا اللہ ہم کو آپ کو سب کو اپنے لطف سے مرتبہ صبر و استقامت عطا فرمائے۔

والسلام۔ دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بہار کے ممتاز عالموں میں ہیں۔

(۲) مکتوب الیہ کے صاحبزادے کے انتقال کا۔

(۳) خانقاہ مجیبیہ کا ماہنامہ۔

(۴) مکتوب الیہ کے بزرگوں کے تذکرے۔

اکبر علی خاں صاحب حنا بلڈنگ چوک لکھنؤ کے نام

ان کے والد حاجی اصطفا خاں صاحب کی خبر وفات سن کر تعزیتی مکتوب گیا۔

لکھنؤ[1]

۳ر مارچ ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیز مکرم! السلام علیکم

آپ کے والد مرحوم[2] کی خبر انتقال سن کر دل دھک سے رہ گیا۔ اور دعائے مغفرت بے اختیار زبان پر آگئی۔ ایسی سراپا اخلاص ہستی[3] اب کہاں دیکھنے میں آئے گی ــــ

اور آپ کے تو حیز والدہی تھے۔ اور سن چاہے کچھ بھی ہو جائے والد ماجد کا سایہ ایک بڑی نعمت ہوتا ہے اللہ مرحوم کو اپنی نعمتوں اور نوازشوں سے مالا مال کرے۔

اگلی ہفتہ انشاء اللہ "صدق" میں ذکر خیر ہوگا۔

والسلام، دعاگو

عبدالماجد

(۱) اس زمانے میں بوجہ علالت مولانا مرحوم کا قیام لکھنؤ ہی میں تھا۔

(۲) حاجی اصطفا خاں صاحب مالک فرم اصغر علی محمد علی جو تقسیم کے بعد کراچی منتقل ہو گئے تھے۔

(۳) مولانا مرحوم سے مرحوم کو حد درجہ اخلاص تھا۔

ابوالقاسم صاحب[1] کوٹھی ندیا پار ٹیلر روڈ لکھنؤ

لکھنؤ۔

۳ر مارچ ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیز مکرم! السلام علیکم

خاں صاحب مرحوم میرے مخلص خصوصی تھے۔ ان کی خبر وفات سے وہی تاثر ہوا جو ایک عزیز قریب کے انتقال سے ہوتا۔ اِنَّا لِلّٰہ۔ زبان پر بے اختیار دعائے مغفرت آگئی اور آپ کے تو ظاہر ہے کہ والد ماجد ہی تھے۔ آپ کو جتنا بھی صدمہ ہوا بالکل قدرتی ہے۔

ان کا اخلاص ان کے الطاف وعنایت زندگی بھر یاد آتے رہیں گے۔ اللہ اپنی بہترین نعمتوں اور نوازشوں سے مالامال کرے۔

والسلام۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حاجی اصطفا خاں صاحب کے دوسرے صاحبزادے تھے۔

بنام شیخ ندیم الرحمان صاحب[1] قدوائی شاہ نجف روڈ لکھنؤ

ان کے نوجوان لڑکے نعیم الرحمٰن کی اچانک موت پر تعزیتی مکتوب۔

لکھنؤ۔

۵ راپریل ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

آج کل لکھنؤ میں ہوں زیر علاج۔ گھر سے نکلنے کے قابل اب بھی نہیں۔

سانحہ کی خبر کل بعد دوپہر ملی۔ اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیہ رَاجِعُون۔

ایسا غیر معمولی سانحہ تو غیروں کا دل ہلا دینے کے لیے کافی ہے۔ چہ جائیکہ والدین اور دوسرے قریبی اعزہ کا! نوعمر ہونہار اولاد کی تو موت لمبی بیماری کے بعد بھی آسانی سے قابل برداشت نہیں ہوتی۔ کہ ایسی آناً فاناً۔ بس جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی صبر بھی دے۔

لیکن ایسی سخت آزمائش ہر ایک کی نہیں ہوتی صرف انہیں خوش نصیبوں کے نصیب

میں آتی ہے جن کے نصیب میں اجر بے پایاں ہوتا ہے۔ آزمائش ہمیشہ ظرف کے مناسبت سے ہوتی ہے اور عالی ظرفی کا اندازہ انسان کو نہیں صرف انسان کے خالق و مالک ہی کو ہو سکتا ہے سیکڑوں مجاہدوں سے وہ مرتبہ نہیں ملتا جو ایک اس طرح کے اضطراری مجاہدہ سے مل جاتا ہے۔ بہرحال آں عزیز اور آں عزیزہ[۲] دونوں اس وقت مخلوق کی طرف سے ہر ممکن ہمدردی اور خالق کی طرف سے ہر اجر کی مستحق ہیں۔

لڑکیوں کو کل خبر سنتے ہی تعزیت میں بھجوا دیا تھا۔

دُعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کی قرابت ہوتی تھی۔ مزید برآں ان کے والد احسان الرحمٰن صاحب قدوائی مولانا کے ساتھ پڑھے ہوئے تھے۔ مکتوب الیہ بھی کئی برس ہوئے مرحوم ہو گئے۔

(۲) مراد مکتوب الیہ کی بیوی اور لڑکے کی غم زدہ ماں۔

غریب صاحب محمد احمد برادرز ۲۰۲ کٹلری بازار بمبئی

اپنے بھائی عبدالکریم صاحب کی اچانک وفات کا حال لکھا تھا اس کے جواب ذیل کا تعزیت نامہ گیا ——

دریاباد ——

۲ر جولائی ۱۹۶۳ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

آپ کی والدہ ماجدہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عند اللہ بڑی ہی عالی ظرف ہیں جب ہی تو ان کا امتحان اتنا سخت لیا جا رہا ہے! ابھی پہلی ہی اولاد کے صدمہ کو کتنے دن ہوئے تھے کہ دوسرا صدمہ اسی درجہ کا چھوٹی اولاد کے لیے اٹھانا پڑا۔ زخم پر زخم کس قدر سخت ہوتا ہے

وَلَا یلقٰہا الا الصابرون۔ اور ان معظمہ کے ساتھ آپ دونوں بھائیوں اور دوسرے قریبی عزیزوں کا بھی پورا امتحان ہو گیا!

ایک ہی بھائی کا صدمہ کیا کم تھا کہ دوسرے بھائی کا بھی اٹھانا پڑ گیا!

اور بلاوا آنا بھی کیا قابل رشک، معمولی سی بیماری اور تسبیح پڑھتے پڑھتے۔

آپ لوگوں کو یوں ہی حقوق اور خوق العباد دونوں کی ادائی کا جو اہتمام رہتا ہے وہ بجائے خود قابل رشک چہ جائیکہ حسن خاتمہ کی یہ صورتیں اللہ اللہ!

بہرحال جس نے یہ دقت ڈالا ہے وہی کاٹ بھی دے گا۔

خاندان اور کاروباری نظام پر جو کچھ اثر پڑا ہوگا ظاہر ہے لیکن اجر بھی تو اسی نسبت سے انشاء اللہ یقینی ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) عرصہ ہوا بڑے بھائی کا انتقال ہوا تھا اس پر مولانا مرحوم نے مکتوب الیہ کو تعزیت نامہ لکھا تھا۔

محمد قاسم صاحب فرزند ابوالخیر صاحب سابق سکریٹری
میونسپل بورڈ جرنلسٹ ایسوسی ایشن بنارس

دریاباد۔

۱۷ر اگست ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

کل سہ پہر کو روزنامہ سیاست میں آپ کے والد ماجد ابوالخیر صاحب کی خبر وفات نظر پڑی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

مرحوم کا میرا ساتھ کیننگ کالج لکھنؤ[1] غالباً ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۱ء میں رہا اور شاید ہوسٹل[2] میں بھی اس وقت وہ بڑے پرجوش مسلمان تھے۔ مسلمان طلبہ کی ہر تحریک میں پیش پیش۔ ان کے حالات بعد کو سنتا رہا۔ ایک مرتبہ ریل میں ملاقات ہوگئی اور دو ڈھائی گھنٹے ساتھ رہے اس کو اب کم سے کم ۵۰ سال ہو چکے۔ رہے نام اللہ کا۔

دعائے مغفرت خبر پڑھتے ہی کر دی اب پھر کر رہا ہوں۔

والسلام۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) لکھنؤ یونیورسٹی بننے سے پہلے ایم اے تک تعلیم کیننگ کالج میں ہوتی تھی۔

(۲) مولانا مرحوم کا کچھ عرصہ قیام ہیوٹ اب سبھاش ہوسٹل میں رہا تھا۔

کلب مصطفیٰ صاحب ایڈووکیٹ لکھنؤ

دریاباد۔

۸ ستمبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

بھائی کی وفات[1] بھائی کے لیے جس قدر صبر آزما اور قوت بازو توڑ دینے والی اور بے لوث شفقت (ماں باپ کی شفقتوں کے بعد اور انھیں کے مماثل) سے محروم کر دینے والی ہوتی ہے اس کا ذاتی تجربہ رکھتا ہوں اور اسی بناء پر دونوں صاحبان[2] کی خدمت میں مخلصانہ تعزیت پیش کرتا ہوں۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے بڑے بھائی کی وفات پر تعزیت نامہ۔

(۲) مکتوب الیہ اور ان کے بڑے بھائی سید کلب عباس صاحب کے نام

عبداللطیف صاحب انصاری ضلع بردوان

اپنی بارہ سالہ لڑکی کے انتقال کی اطلاع دی تھی اور نیز اس کی بھی کہ انتقال کے وقت لڑکی ماں باپ سے دور اپنی دادی کے پاس تھی ــــــــ

دریاباد ــ

۸ر نومبر ۱۹۶۳ء بسم اللہ

برادرم ! وعلیکم السلام

بچی کا بارہ برس کا سن گویا معصومیت ہی کا ہوتا ہے ابھی وہ دنیا میں پڑنے اور معصیت میں آلودہ ہونے ہی کہاں پائی تھی۔

انشاء اللہ دُھلی دُھلائی پہونچی ہوگی اور اپنے ماں باپ کو بھی بخشوائے گی ــــ معصوم اولاد کو حق شفاعت ملنا حدیث صحیح میں آچکا ہے۔

اپنے بشری جذبات کے لحاظ سے والدین بے شک رنج و غم محسوس کرنے پر مجبور ہیں اور صدمہ ہونا بالکل قدرتی ہے۔ لیکن عقلاً اگر انسان سوچے اور غور کرے تو یہ موقع رنج و غم کا نہیں عین خوشی کا ہوتا ہے۔

مرحومہ اب ایسی جگہ پہنچ گئی۔ جہاں راحت ہی راحت ہر طرح کی ہے اور غم و الم کا کوئی امکان ہی نہیں۔ دنیا میں زندہ رہ کر بھلا یہ کیوں کر ممکن تھا کہ ماں باپ لاکھ جتن کر ڈالتے اپنی جان تک دے دیتے جب بھی دنیا کی پریشانیوں، بیماریوں اور مصیبتوں سے محفوظ کیوں کر رکھ سکتے تھے۔

پھر آخر وقت نہ دیکھ سکنے کی حسرت نے تو ماں باپ کے اجر میں اور زیادہ اضافہ کر دیا صدمہ جتنا زیادہ ہوتا ہے اسی نسبت سے اللہ اجر بھی تو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ اس کے ہاں بخل کی

کہاں گنجائش ہے۔ مومن کی آزمائش سے اللہ کا مقصود تو ہمیشہ اس کا اجر ہی بڑھانا ہوتا ہے، آخرت، جنت اور اللہ کی بے پایاں رحمت کا خیال اگر ذہن میں قائم رہے تو اس دنیوی زندگی کا کیا ہے۔ بڑی سے بڑی طویل مدت زندگی بھی آناً فاناً کٹ جاتی ہے اور حقیقی راحت وہیں کی راحت ہے جو کبھی بھی ختم ہونے میں نہ آئے گی۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی کے صاحبزادے کے نام

تعزیتی مکتوب مولانا کے انتقال کی خبر معلوم ہونے پر۔

دریاباد۔

۲۰ر نومبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

وہ وقت آ ہی گیا جس کا دھڑکا برسوں سے لگا ہوا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ خدمت دینی کے لیے اپنے کو مٹائے ہوئے تھے۔ ان کے جنتی ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ صدمہ جب ہم لوگوں کو اتنا ہے تو ظاہر ہے کہ گھر والوں پر کیا گزر رہی ہوگی خصوصاً جب کہ بلا وا عین اس وقت آیا جب وہ گھر سے بیٹی کو رخصت کرنے پر تیار تھے۔ لیکن ان کا ماتم آج ان ہی کے گھر میں نہیں ہزارہا گھروں میں ہو رہا ہوگا جہاں جہاں بھی رحمانی قاعدہ یا مفتاح القرآن پہونچ چکی تھی اور مغفرت کی دعائیں بے شمار زبانوں پر آ رہی ہوں گی۔

لڑکے اور لڑکیاں سب خوش ہوں کہ ایسے خوش نصیب باپ ہوتے کس کے ہیں اور یہی اپنی جگہ بیوہ کو بھی سوچ سمجھ کر صبر کر لینا چاہیے۔

اللہ بال بال مغفرت کرے۔

اپنے کو ہر طرح صالح بنا کر مرحوم کی روح کو خوشی پہنچاؤ۔

ابھی یاد پڑا کہ مرحوم کی والدہ ماجدہ بھی تو ماشاء اللہ زندہ و سلامت ہیں، سب سے زیادہ ہم دردی کے مستحق تو وہی ہیں۔ اور سب سے زیادہ خوش نصیب بھی وہی کہ ایسا صالح و سعید بیٹا انھوں نے پایا۔ ان کے صبر اور اجر کا کیا ٹھکانا۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مولانا کئی برس سے فالج میں مبتلا تھے۔

(۲) عین اسی دن مولانا نامی کی بیٹی کی رخصتی ہو رہی تھی۔

(۳) قرآنی یا دینی تعلیم کے لیے مولانا کی مقبول عام کتاب اور اس کے مختلف اجزاء۔

ڈاکٹر اختر حسین صاحب فیض آباد

اپنے والد خان بہادر مہدی حسن[1] صاحب کے انتقال کی خبر سے مطلع کیا تھا اسی کے جواب میں مندرجہ ذیل تعزیت نامہ گیا ——

دریاباد۔

۱۷ر فروری ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ۔ خط پڑھتے وقت دعا مغفرت کر دی اور یہ لکھتے وقت بھی کر رہا ہوں ——

سن کچھ بھی ہو جائے والد کا سایہ ہمیشہ اولاد کے حق میں سایہ رحمت و موجب برکت ہی ہوتا ہے اور لڑکا باپ کی زندگی اپنے آپ کو کم سن سمجھتا رہتا ہے۔ اللہ ہر طرح آپ لوگوں کو صبر دے۔

میرے بھی بزرگ تھے اور میرا بزرگ اب باقی ہی کون رہ گیا ہے۔
مغفوریت کی بڑی دلیل ماہ رمضان اور پھر اس کا بھی آخری عشرہ ہے۔
کبر سنی، طویل علالت یہ بھی علامت مغفوریت ہیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد فیض آباد کے رہنے والے خان بہادر مہدی حسن صاحب ڈپٹی کلکٹر مولانا مرحوم کے والد مولوی عبدالقادر صاحب کے نہ صرف ساتھیوں بلکہ ان کے دوستوں میں تھے مولانا ان کو اپنا شفیق بزرگ سمجھتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی[1] ۲۲ الیف میور روڈ الہ آباد

دریاباد۔
۱۷ر فروری ۱۹۶۴ء

بسم اللہ

برادر محبی! وعلیکم السلام

یعقوب علی مرحوم[2] کو ماہ مبارک مل گیا اور پھر اس کا آخری عشرہ۔ مسلمان کے لیے یہ بڑی نصیبہ وری ہے۔ میرے کالج فیلو تھے مجھ سے جونیر۔ اللہ بال بال مغفرت کرے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کی کچھ قرابت ہوتی تھی۔
(۲) یعقوب علی صاحب جج رہ چکے تھے اور مکتوب الیہ کے قریبی عزیز ہوتے تھے۔

بنام شیخ اشرف صاحب[1] انگریزی کتب فروش لاہور

دریاباد۔

۲۶ رمئی ۱۹۶۴ء بسم اللہ

السلام علیکم

چودھری نیاز علی خاں[2] کے خط سے آپ کے خانگی مصائب کا علم ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بیٹے اور پھر ہونہار لائق سعید نوجوان بیٹے کی موت واقعی ایک سخت آزمائش ہے اور آپ کا غم وصدمہ بالکل بجا ـــــ لیکن مبارک ہو کہ آپ کو سنت یعقوبی پر چلنا اضطراراً نصیب ہو گیا اور اجر کا کیا کہنا۔

پھر رفیق زندگی کی جدائی! یہ کچھ اس سے بھی بڑھ کر کڑی آزمائش! ساری زندگی ہی کو بے لطف اور ویران کرنے والی ـــــ لیکن یہاں بھی لطف و رحمت کا ایک بہانہ۔ مائی خدیجہؓ کی وفات پر اپنے اور ہمارے آقا کے غم وصدمہ کی یاد تازہ کر لیجیے۔

اُمت کے ایک ایک فرد کو کن حیلوں اور بہانوں سے لطف و رحمت سے نوازا جاتا رہتا ہے۔

انشاء اللہ گنجائش نکلنے پر "صدق" میں تعزیت کروں گا۔

والسلام دعاگو

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ کے صاحبزادے اور اہلیہ کی وفات پر تعزیت نامہ بھیجا گیا۔

(۲) مولانا مرحوم کے پرانے مخلص اور پٹھان کوٹ کے بانی جہاں مودودی صاحب پہلے تشریف لے گئے تھے۔ تقسیم کے بعد مکتوب الیہ جوہر آباد ضلع سرگودھا منتقل ہو گئے۔

شاہ آفاق احمد صاحب سجادہ نشین ردولی

ان کے والد شاہ حیات احمد صاحب کے انتقال پر تعزیتی مکتوب۔

دریاباد۔

۱۷ر جون ۱۹۶۴ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

انتقال پر ملال کی خبر ایسے وقت معلوم ہوئی کہ جب ڈاک کا وقت نکل چکا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط ——

باپ کی ذات ایسی ہوتی ہے کہ بیٹا کسی سن میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور بے پدری کا غم ہر سن میں کرنا پڑتا ہے۔ دعائے مغفرت اسی وقت کر دی تھی اب پھر پڑھ رہا ہوں ——

اللہ مرحوم کو اپنے آغوش رحمت میں لے اور لڑکے لڑکیوں سارے ہی عزیزوں کو صبر جمیل عطا فرمائے ——

لطف و محبت، اخلاص و اخلاق کی ایسی مجسم تصویر اب کیوں دیکھنے میں آئے گی۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

بجواب جناب صغیر احمد صاحب، رسٹرا، بلیا

دریاباد ——

۱۸ر جون ۱۹۶۴ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

لفافہ دیکھتے ہی دل ٹھنکا۔ اتنی جلد خط آنا خلاف دستور تھا۔ خیال والدہ ماجدہ کی علالت کی طرف گیا کھولا تو سانحہ کی حقیقت کھلی۔

والد کی موت (اور پھر وہ بھی اچانک) اولاد کے حق میں بڑی صبر آزما ہوتی ہے خواہ سن کچھ بھی ہو اور اولاد کی زندگی کا ایک اہم موڑ ـــــ جس حکیم مطلق نے یہ وقت ڈالا ہے وہی صبر کی بھی پوری توفیق دے گا ـــــ

ذمہ داریوں کا بار پڑنے کا وقت تو درحقیقت اب آیا ہے ماں کی خدمت چھوٹے بھائی بہنوں کی نگرانی و تربیت وغیرہا۔ اللہ ہر مشکل کو آسان کرتا رہے۔

زندگی اور وفات دونوں کے حالات قابل رشک نظر آئے۔ اللہ ایسا حسن خاتمہ ہر مسلمان کو نصیب کرے۔ شب جمعہ میں تدفین مبارک تر۔

چھوٹے سے بڑے بن جانے کی منزل تو ہر ایک کو پیش آتی ہے کسی کو بہ بتدریج کسی کو دفعتاً اب تو چھٹی کے دن کم ہی رہ گئے۔ اس درمیان میں سفر الہ آباد[۳] کا اہتمام واقعی مشکل ہی ہے۔ خیر اگر باوجود عزم و کوشش نہ ہو سکے تو مجاہدہ کا اجر حاصل ہی ہے۔

اللہ مرحوم کی آخرت کامل طور پر سنوارے اور بیوی بچوں سب کو صبر جمیل سے بہرہ ور کر دے۔

والسلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ جو مولانا مرحوم کے انتقال سے پہلے ہی مرحوم ہو چکے تھے۔ مولانا مرحوم کے بڑے ہی مخلص اور صاحب فہم ارادات مند تھے۔ مرحوم ان کے اخلاص اور فہم کے بہت زیادہ معترف تھے۔ وہ مسلم یونیورسٹی اسکول میں ٹیچر تھے اور ہم سب سے بڑا ارتباط رکھتے تھے افسوس ہے کہ مرحوم کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی۔

(۲) گرمیوں کی تعطیل۔

(۳) مکتوب الیہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ کے مرید تھے اور حضرت شاہ صاحب کا قیام الہ آباد میں رہتا تھا وہیں گرمیوں کی چھٹی میں حاضری دیتے تھے۔

بنام محمد علی صاحب عباسی فنانس سکریٹری آندھرا گورنمنٹ گوشہ محل حیدرآباد

دریاباد۔

۴؍۱۲ جون ۱۹۶۴ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

کل محض اتفاق سے رہنمائے دکن میں اہلیہ آں عزیز کی وفات کی خبر پر نظر پڑ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ——

رفیق حیات کی جدائی اس دنیا کی سخت ترین آزمائشوں میں سے ہے اور مبارک ہے وہ جواں مرد جو اس امتحان میں پورا اترے ——

طبعی صدمہ آں عزیز کو جتنا بھی ہوا ہو کم ہے۔ بہرحال عقلاً یہ موقع مسرت و اطمینان کا ہے کہ امانت اپنے مالک کو واپس پہنچ گئی۔ وطن سے اتنی دور وفات خود ایک سبب مغفرت ہے۔ اور پھر اتنی طویل اور جاں گسل بیماری جس سے مرحومہ گویا بالکل دُھل گئی تھیں اسلام کا کلمہ پڑھنے والی کو اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے۔

رہے آپ تو آپ کو کیا خبر کہ گراں باری مصارف اور طویل و صبر آزما علاج کے مرحلوں نے کتنے اضطراری مجاہدے آپ سے طے کرا دیئے اور پھر یہ شرف کتنا گراں بہا آپ کو حاصل ہو گیا کہ جس نے خدیجۃ الکبریٰؓ کی ماتم داری کی تھی اس کی پیروی آپ کے حصہ میں آگئی۔

مبارک ہیں وہ بندے جن کے کڑے امتحانات ہوں اور وہ ان امتحانات میں پورے اتریں۔

دعاگو

عبدالماجد

بنام جناب منشی احترام علی صاحب[1] کاکوروی خیالی گنج لکھنؤ

(ان کے بھائی منشی انعام علی صاحب کے انتقال پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد۔

۳۱ر جولائی ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

بھائی کا صدمہ دنیا کے سخت ترین صدمات میں سے ہے مجھے یہ زخم کھائے ہوئے تین چار سال ہو گئے مگر زخم ابھی تک تازہ ہے۔ بہرحال اللہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق۔ میرا پیام تعزیت اپنی بھابی اور سب کو پہنچا دیجئے۔

آگے پیچھے ہم سب ہی چل رہے ہیں بس اللہ ہی سب کی مشکل آسان کرنے والا ہے۔ آپ کے والد ماجد مرحوم[2] کی صورت کا نقشہ اس وقت آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے۔

والسلام۔ دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بڑے دین دار تھے اور ملی کاموں میں بڑے پیش پیش رہتے تھے اپنے والد مرحوم کی طرح انھیں بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بڑی دلچسپی تھی اور اپنے والد کے انتقال کے بعد دارالعلوم کے ناظم مال رہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بھی بڑا تعلق تھا اس کے اولڈ بوائے تھے۔ یونیورسٹی کورٹ کے برسوں ممبر رہے۔ ۱۹۶۵ء کے افسوسناک ہنگامے کے بعد انھوں نے لکھنؤ میں قاضی عدیل عباسی وغیرہ کی مدد سے آل انڈیا مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز کنونشن کیا اور اس کی مجلس استقبالیہ کے صدر رہے تھے۔

(۲) منشی احتشام علی مرحوم رئیس جو مدتوں یوپی مسلم لیگ کے صدر رہے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔

حاجی مصباح الدین نقوی صاحب ریٹائرڈ ایگزیکیٹو آفیسر میونسپل بورڈ
راجہ نواب علی روڈ لکھنؤ

دریاباد۔
۱۷ اگست ۱۹۶۴ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

وہاج مرحوم کی وفات پر دلی تعزیت قبول فرمائیں۔ اللہ بال بال مغفرت کرے۔ آپ کے تو بھائی ہی تھے اور میں جانتا ہوں کہ بھائی کی موت بھائی کے لیے کیا معنی رکھتی ہے میرے بھی بڑے قدیم مخلص تھے گو اب سالہا سال سے کوئی مراسلت نہ تھی۔ دل میں ایک ہلکی سی آس ضرور رہتی تھی کہ کیا عجب کہ کبھی آپ ہی کے ہاں لکھنؤ میں ملاقات ہو جائے۔ آج وہ آس بھی جنت کی طرف منتقل ہو گئی۔ انا للہ۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

والدہ محمد عشیر مرحوم، قصر جاوید ۱۴۱ آر سید روڈ کراچی

دریاباد۔
۱۸ اگست ۱۹۶۴ء بسم اللہ

غم زدہ بہن صاحبہ! السلام علیکم

کل ہی خبر ملی کہ آپ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ انا للہ۔
اولاد کی موت تو بچپن ہی میں صبر آزما ہوتی ہے نہ کہ اس سن والی۔ کھاتی کمائی صاحب اقبال اولاد کی ــــ اور پھر جبکہ والدین بھی اس سن کو پہنچ چکے ہوں! یہ آزمائش ہی نہیں بلکہ

بہت بڑی اور سخت کڑی آزمائش ہے۔

آزمائش ماں باپ کی بیوی کی سب ہی قریبی عزیزوں کی ہے۔ ماں کا نمبر قدرۃً سب سے بڑھا ہوا ہے لیکن جب اجر اور اجر بے حساب ملنے کا آئے گا تو یہی اجڑی کوکھ والی ماں ہی سب سے آگے ہوگی۔

کل کی نعمتوں اور راحتوں، لذتوں کے مقابلہ میں آج کی بڑی سے بڑی مصیبتیں ایسی ہی معلوم ہوں گی جیسے جاگنے کے بعد کوئی پریشان خواب یاد آجائے۔ جس طرح یہ دنیا بے ثبات و بے حقیقت ہے اسی طرح اس کے سارے دکھ درد بھی آنی فانی اور بے حقیقت ہیں اور جدائی کے دن چٹکی بجاتے گزر جاتے ہیں۔

اس پر پورا یقین اور اطمینان رکھئے اور یہ سمجھے رہیے کہ جس نے امتحان لیا ہے وہ خود آپ کے ظرف سے پوری طرح واقف ہے اور اللہ ہی جانے کہ وہ آپ کے درجے اور مرتبے کتنے بڑھانے والا ہے۔

ہر عزیز اپنے اپنے درجہ تعلق کے لحاظ سے ایسا ہی انعام پانے والا ہے جس کی کوئی نظیر دنیا کے فانی انعاموں میں موجود نہیں۔

اس تسلی نامہ کو سرسری و بے حقیقت نہ سمجھئے اس کو دل میں اتاریئے اور اس کا نتیجہ انشاء اللہ خود ہی جلد دیکھنے میں آجائے گا جس نے دقت ڈالا ہے وہی آسانی سے کاٹ بھی دے گا۔ غم و تعزیت اور ایصال ثواب میں ہم سب شریک ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا جو مولانا مرحوم کی رشتہ میں قریبی بہن ہوتی تھیں کے بڑے صاحبزادے محمد عشیر کے انتقال پر یہ تعزیت نامہ ہے۔ مرحوم صاحب اولاد تھے اور چوٹی کے انگریزی جرنلسٹوں میں تھے چودھری خلیق الزماں کے سگے بھتیجے تھے اور تقسیم سے پہلے پائنیر لکھنؤ میں سب ایڈیٹر تھے۔

اس کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے اور وہاں "ڈان" کے ایڈیٹر رہے۔ انتقال کے وقت تقریباً ساٹھ سال کا سن تھا۔

(۲) مکتوب الیہا اور ان کے شوہر دونوں کبیر سن تھے۔

مولوی محمد ہاشم صاحب فرنگی محلی لکھنؤ کے نام

ان کے والد مولوی صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی کے انتقال پر دریاباد۔

۲۵ر دسمبر ۱۹۶۴ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ میری بے تکلف رفاقت قریبی عزیزداری کی حد تک پہنچی ہوئی، ۳۰، ۳۸ سال کی آج ختم ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ

اور یتیموں کے دل میں جو کچھ گزر رہی ہوگی اسے تو انھیں کا دل جانتا ہوگا۔ یتیمی کسی سن میں بھی ہو بہرحال یتیمی ہی ہوتی ہے اور اولاد کا سن کچھ بھی ہو جائے باپ کا سہارا دنیا میں سب سے بڑا سہارا ہوتا ہے۔

جس نے زخم دیا ہے وہی سب کے دلوں پر مرہم بھی رکھے گا۔

کل صبح قوی آواز دیکھتے ہی میرا دل کھٹک گیا تھا۔ سہ پہر کو میاں آفتاب کے دستی خط نے سنا دی بھی سنا دی۔ وکان امر اللہ قدرًا مقدورا۔

تدفین کی اطلاع (وہ بھی میاں آفتاب ہی کے ذریعہ) ایسے وقت ملی کہ شرکت کا موقع باقی نہ رہا۔ کئی گھنٹے قبل مل گئی ہوتی تو آخری دیدار کی بھی حسرت پوری کر لیتا۔

اس درجہ بے تکلف مخلص اب زندگی بھر کیوں نصیب ہوگا۔

یہ خط اپنے بھائی بہنوں کو پہنچا دینا۔ انشاء اللہ کیم جنوری کو صبح ۹، ۱۰ بجے تک لکھنؤ

پہنچنے کا قصد ہے، عجب نہیں کہ نماز جمعہ فرنگی محل میں پڑھوں اور وہیں سے تعزیت کے لیے گھر پر حاضر ہو جاؤں ــــــ

والدعا

عبدالماجد

(۱) مرحوم مولانا مرحوم کے بے تکلف مخلص دوست تھے۔ تعلقات کا ذکر تعزیت نامہ میں بھی ہے۔

(۲) حکیم عبدالقوی صاحب کا گھریلو نام۔

شاہ غیاث عالم صاحب[1] سکریٹری سنی وقف بورڈ لکھنؤ کے نام

(عزیز عالم صاحب ڈی، آئی جی، کی وفات پر تعزیت نامہ)

لکھنؤ۔

۳ر جنوری ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

مکرم بندہ! السلام علیکم

عزیز عالم مرحوم کی خبر وفات اخبار میں پڑھ کر دل دھک سے ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہ دعائے مغفرت دل سے نکلی اور ان کی مغفوریت میں شک ہی کیا ہے آخری عشرہ مبارک مل گیا طویل علالت خود بھی ایک سبب مغفرت تھی۔

مجھ سے ملاقات تو ایک آدھ بار ہی کی تھی جب وہ بارہ بنکی میں کپتان پولیس تھے لیکن مجھ سے وہ اخلاص اور ارتباط رکھتے تھے۔ ان کے ساتھی اور جگری دوست قطب الدین احمد (ملا) میرے بھانجے ہیں وہ دسمبر میں کراچی سے لکھنؤ آئے ہوئے تھے ان کے ہمراہ میں ان مرحوم کی عیادت کا ارادہ کرتا ہی رہ گیا۔

بہرحال اللہ آپ سب لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اب جنت میں انشاء اللہ

ملاقات ہوگی۔ اگر زحمت نہ ہو تو براہ کرم میرا یہ تعزیت نامہ مرحوم کی تانہ بیوہ تک پہنچا دیجئے۔
آہ بیوہ کی پہلی عید! ——— ایک عید وہ ہوگی جو آپ کے گھر میں دلہن کی پہلی عید منائی ہوگی سب کا بدلہ یہاں سے کہیں بڑھ کر جنت میں ملے گا۔

دعاگو دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے یہ مرحوم عزیز عالم صاحب کے بڑے قریبی عزیز تھے۔

اقبال متین نگرامی لاٹوش روڈ لکھنؤ

(انہوں نے عبدالرحمٰن پسر مطلوب الرحمٰن کے انتقال کی خبر دی تھی اس کا جواب)

دریاباد۔

۳ر مارچ ۱۹۶۵ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ ادھر بہت عرصہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن بہرحال ان سے واقفیت تھی۔ والدہ غریب پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اللہ صبر کی توفیق عطا فرمائے جو غم ڈالتا ہے وہی صبر اور اجر بھی دیتا ہے میری دلی تعزیت موصوفہ کو پہنچائیے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مرحوم مولوی مطلوب الرحمٰن ندوی نگرامی مولانا مرحوم کے ایک بہت پرانے اور مخلص دوست مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی کے بھائی تھے۔ مولانا مرحوم کو مولانا نگرامی سے نہ صرف دوستی بلکہ عقیدت تھی ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری۔ مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب بھی مولانا مرحوم کو بہت عزیز تھے اور وہ مرحوم بھی مولانا کے مخلصوں میں تھے اسی لیے ان کے

مرحوم صاحبزادے سے بھی تعلق تھا۔

(۲) مراد ان مرحوم صاحبزادے سے ہے۔

بنام مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف ایڈیٹر "المنبر" لائل پور

(ان کے والد کے انتقال پر تعزیت نامہ)

دریاباد۔

۷ر جولائی ۱۹۶۵ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

تازہ "المنبر" سے حادثہ کی اطلاع ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ۔

سن کچھ بھی ہوجائے والد کا وجود دنیا کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک ہے یہ سایہ سر سے اٹھتے ہی اولاد اپنے آپ کو مسن محسوس کرنے لگتی ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے اتنے دن آپ کو مرحوم کی خدمت کا موقع دیا۔ اور جنت کا حق دار آپ نے اپنے کو ایک ایسی خدمت سے بنالیا۔

والسلام۔ دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مولانا امین احسن اصلاحی ندوی ایڈیٹر "میثاق" لاہور

(ان کے صاحبزادے ابوصالح کے انتقال پر تعزیت نامہ)

دریاباد۔

۷ر جولائی ۱۹۶۵ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

حادثہ کی خبر جب اخباروں میں پڑھی اس وقت اچھا خاصا علیل تھا تعزیت نامہ لکھنے سے قاصر۔ دل ہی دل میں کڑھ کر رہا۔ اِنَّا لِلّٰہ۔ یہ کڑھن جب تمام تر غیروں کے لیے تھی تو اپنوں اور اپنے والدین کے لیے اس کا اثر ہونا ظاہر ہی ہے۔ پھر جب اچھا ہوا تو عرصہ گزر چکا تھا اور داعیہ تعزیت سرد ہو چکا تھا۔ کل "میثاق" پہنچا اور اس نے اس داعیہ کو پھر سے تازہ کر دیا ——

موت والدین کے حق میں بچوں ہی کی کیا کم دردانگیز ہے جائیکہ جوان ہونہار اولاد اور جوان بھی جوان صالح[۲] ——

مرحوم سے خود بھی ایک آدھ سرسری ملاقات ہوئی اور غائبانہ ملاقات خاصی طویل۔ حادثہ یقیناً صبر آزما ہے لیکن پھر اسی درجہ صبر کے لحاظ سے صلہ صبر بھی ہے! —— اتنی کڑی آزمائش صرف عالی ظرفوں ہی کی ہوتی ہے ——

بدنصیب نہیں خوش نصیب ہیں وہ باپ جن کا نام صابرین کی فہرست میں لکھ لیا جائے ولا یلقیھا الا الصابرون وما یلقیھا الا ذوحظ عظیم اور صابروں کا جو مرتبہ ہوگا کیا وہ میرے یا کسی کے بتانے کا محتاج ہے!

اور پھر مرحوم کا انجام تو شہیدوں[۳] کا سا ہوا گو ناگوں اعتبار سے کیا آپ کی تسکین کے لیے یہ بس نہیں کہ اپنی زندگی ہی میں آپ نے اپنے لختِ جگر کا یہ حسن انجام ملاحظہ کر لیا؛ ساری فکرمندی اسی دن اسی گھڑی کے لیے ہوتی ہے —— وہ بیڑا فضلِ الٰہی نے یوں پار کر دیا۔ اور آپ سے بھی شاید بڑھ کر مجاہدہ صبر کا انعام پانے والی آپ کی شریک زندگی ہوں —— غم اس کا نہ کریں کہ کیا کھویا —— راحت و اطمینان تو اس میں محسوس کریں کہ کیا پایا۔ مہر و لطف کی کتنی تجلیاں قہر کی صورت و قالب میں ہوتی رہتی ہیں۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم سے اخلاص اور ارادات مندی کا تعلق رکھتے تھے اور ان سے برابر سلسلۂ خط و کتابت قائم تھا۔

(۲) مرحوم کے صاحبزادے کا نام بھی ابو صالح تھا اور لاہور میں کسی اردو روزنامے سے متعلق تھے۔

(۳) مرحوم کا انتقال غالباً کسی ہوائی حادثے میں ہوا۔

عبدالرؤف عباسی صاحب مرشد آباد پیلی بھیت کے نام

(ان کے بھائی کے انتقال پر تعزیت نامہ)

دریاباد ــــ

۲۴ اگست ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ حادثہ کی خبر کل سہ پہر قومی آواز میں پڑھی۔ یہ کارڈ پہلی ڈاک سے روانہ ہے ــــ

بھائی کی جدائی کا صدمہ خانگی صدمات میں سے ایک سخت ترین صدمہ ہے۔ خصوصاً جب مرحوم بھائی عاشق زار بھی ہو۔ میں اس صدمے کا مزہ چکھے ہوئے ہوں۔

بہرحال اب دعائے مغفرت کے بجز اور ممکن ہی کیا ہے اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے بھی مولانا مرحوم کے بڑے گہرے تعلقات رہ چکے تھے۔ پندرہ برس تک مکتوب الیہ "صدق جدید" کے پیش رو "صدق" کے منیجر رہے اور ان کے بھائی سے بھی خاصے تعلقات تھے۔

(۲) دونوں بھائیوں میں مثالی اتحاد تھا اور بڑی محبت بھی۔

سید کلب عباس کے نام

(ان کے بھائی سید کلب مصطفےٰ کی اچانک موت پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد ــــــ

۳۰ر نومبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

کل دوپہر کو قومی آواز میں حادثہ کی خبر اچانک پڑھ کر دل دھک سے رہ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون ط۔ ایک دفعہ پڑھنے کے بعد یقین ہی نہیں آیا۔ دوبارہ پھر پڑھا۔ اور یقین فرمایئے کہ خبر پر یقین جد وجہد کے بعد آیا ــــــ

میرے دوستوں میں نہیں خصوصی مخلصوں میں تھے۔

آپ کے تو حقیقی بھائی ہی تھے جب میں نے ایسا صدمہ محسوس کیا تو ظاہر ہے کہ آپ پر اور مرحوم کے بیوی بچوں پر کیا گزری ہوگی۔

اطلاع اگر کل صبح ہی مل گئی ہوتی تو عجب نہیں کہ میں سفر کر کے تدفین میں شریک ہو جاتا۔ میرے شیعہ دوستوں میں اب خان بہادر ظفر حسین مرحوم کے بعد سب سے اول نمبر انھیں کا تھا۔ لکھنؤ آنے پر انشاء اللہ کسی رہنما کو ساتھ لے کر فاتحہ پڑھنے غفرآن مآب کے امام باڑے کو جاؤں گا۔ آپ لوگوں کو اللہ صبر جمیل عطا فرمائے۔

ہم لوگوں کے بس میں بجز دعائے خیر کے اور اب ہے کیا۔ یہ میرا کارڈ مرحوم کے اہل وعیال کی نظر سے بھی گزار دیجئے ــــــ

والسلام

آپ لوگوں کا شریک غم ــــــ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ جواب کئی برس ہوئے مرحوم ہو چکے ہیں نامور شیعہ لیڈر تھے اور شیعہ کانفرنس کے برسہابرس جنرل سکریٹری رہے اور اپنے جوش عمل کے لحاظ سے منفرد تھے یہ مولانا کے کالج فیلو رہ چکے تھے۔

(۲) سید کلب مصطفےٰ مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی تھے بڑے مخلص ملی کارکن تھے۔ شیعہ سنی اتحاد کے علم بردار، مولانا مرحوم سے جو تعلق تھا اس کا اندازہ اس تعزیتی مکتوب سے ہوگا۔ مرحوم صدق کے بھی قدرداں تھے۔

مولوی حاجی مسعود علی ندوی ناظم دارالمصنفین کے نام

(تعزیت نامہ ان کی بیوی کے انتقال پر)

دریاباد۔

۳۰ر نومبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

حادثہ کی خبر شاہ صاحب نے پہنچائی۔ اِنَّا لِلّٰہ۔

رفیق زندگی کی جدائی تکلیف دہ ہر سن میں ہوتی ہے۔ اس سن میں تو ایک خصوصی آزمائش شوہر کے لیے ہوتی ہے اللہ اس آزمائش میں آپ کو پورا اتار دے۔

علاوہ برسوں کی طویل و مسلسل علالت کے مرحومہ کو یوم جمعہ کیا مبارک مل گیا۔ خوش ہوجیئے اور اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیجئے۔

ہم سب آگے پیچھے چل ہی رہے ہیں اور مستقل ملاقات و رفاقت کے جنت میں امیدوار ہیں

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے مولانا مرحوم سے تقریباً ۵۸ سال مخلصانہ اور گہرے تعلقات رہے یعنی

زمانہ طالب علمی سے مکتوب الیہ کے انتقال تک مکتوب الیہ اپنی فعالیت اور خوش انتظامی کے لیے بڑی شہرت رکھتے تھے۔

ڈاکٹر شجاعت سندیلوی[1] و شفاعت علی سندیلوی[2]

صاحبان کے نام تعزیت نامہ ان کے والد کے انتقال پر ——

دریاباد ——

۶ر جنوری ۱۹۶۶ء بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

میں اگرچہ مرحوم سے واقف نہ تھا لیکن عین ماہ رمضان میں اور اس کے بھی دوسرے عشرہ کے شروع میں وفات خود ایک دلیل مغفوریت کی ہے۔ اللہ ہر طرح رحمت و مغفرت نصیب کرے ——

اولاد کا سن کچھ بھی ہو جائے باپ کا وجود بابرکات ہی رہتا ہے اور اس سائے کا سر سے ہٹ جانا اولاد کو بے سہارا بنا دیتا ہے۔ اللہ آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے ——

والسلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بڑے مخلصوں اور ارادت مندوں میں ہیں۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے کئی برس ہوئے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ لیکن اردو کی خدمت میں بڑی تندہی اور سرگرمی سے لگے ہوئے ہیں اگر اردو کو ان سے بے لوث اور مخلص کارکن اور میسر آجاتے تو شاید اردو کا یہ حال نہ ہوتا ——

(۲) مکتوب الیہ پسر نمبر ۲ آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ میں ہیں ان کو بھی مولانا مرحوم سے بڑا اخلاص تھا۔

جناب جگن ناتھ آزاد صاحب موتی باغ نئی دہلی کے نام

ان کے والد اور اردو کے نامور اور پختہ مشق شاعر تلوک چند محروم کے انتقال پر تعزیت نامہ ——————

دریاباد۔

۸ر جنوری ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

کرم گستر! تسلیم

سن کچھ ہو جائے سایہ پدری سے محروم ہو جانا ہے ایک بڑی مصیبت کی چیز اور کڑی آزمائش کی گھڑی۔ بڑی بے فکری باپ کے دم سے رہتی ہے اور یہ سایہ اٹھتے ہی جیسے ذمہ داریوں کا بار عظیم اپنے سر آپڑتا ہے بے آس تو میں شدید علالت کی خبر پڑھ ہی کر ہو گیا تھا پھر بھی کچھ آس تو آخری سانس تک لگی رہتی ہے۔

اپنے رنگ میں لکھنے خوب تھے اور کلام پختگی کی خاص شان رکھتا تھا۔

ملاقات کا شرف تو حاصل نہ تھا لیکن لکھنؤ میں انجمن ترقی اردو کی ایک بڑی کانفرنس غالباً ۱۹۵۳ء میں زیارت ہوئی تھی۔

اللہ آپ کو اور سارے عزیزوں کے دل کو تسکین دے۔

والسلام

عبدالماجد

پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

دریاباد۔

۲۵ر جنوری ۱۹۶۶ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

جہاں بانو نقوی[1] کے گزرنے کی خبر آپ ہی کے پرچے[2] سے سنائی۔ اِنَّا لِلّٰہ۔ مرحومہ کے اعزہ کا مجھے پتہ نشان نہیں معلوم۔ آپ کا احسان ہوگا اگر آپ میری تعزیت کسی طرح ان لوگوں تک پہونچا دیں۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ ماہ رمضان میں موت خوش نصیبوں ہی کے نصیب میں آتی ہے اور پھر کینسر سا موذی مرض تو خود ہی سارے گناہ دھو دیتا ہے

والسلام

عبدالماجد

(۱) حیدرآباد کی ایک مشاق لکھنے والی۔

(۲) مراد "ہماری زبان" انجمن ترقی اردو ہند کے ہفتہ وار ترجمان سے ہے۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے نام

(ان کے بھائی کے انتقال پر)

دریاباد ــــ

۲۵ر مارچ ۱۹۶۶ء بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

رہنمائے دکن میں سانحہ کی خبر نظر سے گزری۔ میں مرحوم سے واقف نہ تھا لیکن بہرحال یہ تو جانتا ہی ہوں کہ بھائی کی ہستی کیا چیز ہوتی ہے۔

بھائی بڑا ہو یا چھوٹا، بہرحال قوت بازو ہوتا ہے۔ اس کا صدمہ اور پھر بالکل اچانک مسلمان کے لیے دنیا کی عظیم آزمائشوں میں سے ہے۔

اللہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب لوگوں کو اس آزمائش میں ثابت قدم رکھے ——

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم سے حد درجہ اخلاص اور ارتباط رکھتے تھے اس کے بعد مکتوب الیہ کئی برس تک شعبۂ لسانیت کے صدر و پروفیسر رہے اب ریٹائر ہو گئے ہیں۔

سید عقیل احمد جعفری ڈرگ روڈ کراچی

(ان کی والدہ کے انتقال پر)

دریاباد۔

۲۰ر اپریل ۱۹۶۶ء بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور کیوں نہ فرمائے گا جب مغفوریت کے اسباب خود ہی اس نے لکھ کر دیئے ——

خوش نصیب ہے وہ اولاد جسے اتنے عرصے تک والدہ کی خدمت کی سعادت نصیب ہو جائے اور وہ جنت پر اپنا حق ایک اسی خدمت کے سہارے قائم کرے۔

دعاگو

عبدالماجد

عزیز الٰہی صاحب بی۔ اے (علیگ) آخون منزل حسن پور مراد آباد

اپنے بہنوئی اور دو بھانجوں کی موٹر کے حادثے سے اچانک موت کا حال لکھا تھا
اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تعزیت نامہ گیا ——————

دریاباد۔

۲۵ر اپریل ۱۹۶۶ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

تین خط تو نہیں دو خط پہلے پہنچے یاد پڑ گئے، جواب اپنی حسب عادت ضرور دیا ہوگا ڈاک میں خط ضائع ہو جانا اب تو بالکل ایک عام واقعہ ہو گیا ہے۔

تازہ خط پڑھ کر دل پر جو کچھ گزری لفظ و عبارت سے اس کا اظہار دشوار ہی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہ۔ ثم اِنَّا لِلّٰہ —— خط پڑھنا مشکل ہو گیا کس مشکل سے اسے ختم کیا لڑکوں لڑکیوں میں سے جس کسی کو اسے پڑھنے کو دیا سب کا یہی حال ہوا۔ المیہ ہوا ہی اس قدر سخت ہے کہ غیر دیگانہ ہی جو پڑھے اس کا دل بھر آئے۔

اپنوں کے دلوں پر جو کچھ بیت کر رہی ہوگی اور اب بھی بیت رہی ہوگی اس کا تو تصور اور اندازہ کرنا بھی روح فرسا ہے۔ بار بار اسی اِنَّا لِلّٰہ کی تکرار کرنے کو جی چاہتا ہے ——
اکیلے بہنوئی یا داماد یا شوہر کا خود ہی ہلاکت کا صدمہ کیا کم تھا کہ اکبارگی پہاڑ پر پہاڑ ٹوٹ پڑے! —— معمولی اور عام بندوں کا کام تو اس درجہ شدید صدمہ کو سنبھال لے جانے کا نہیں۔

امتحان کس درجہ صبر آزما امتحان! ایسے امتحان تو بس کاملین اور بڑے ہی عالی ظرف مومنین کے لیے جاتے ہیں۔ جذبات پر جو کچھ گزر جائے عقلی حیثیت سے آپ لوگوں یعنی سارے خاندان کو مبارک ہو مشیت الٰہی میں آپ لوگ اتنے سخت امتحان کے اہل و قابل سمجھے گئے

بقین کیجئے اور بلاشائبہ ریب و شک یقین کیجئے کہ ابتلا جس درجہ کا ہوتا ہے صلہ و انعام بھی اسی مرتبہ اور اسی وزن کا مرحمت ہوتا ہے۔ درد و غم صدمہ و حزن عارضی و فانی ہیں جس طرح خوشی و لذت دم بھر میں ختم ہو جاتے ہیں حزن و الم بھی ختم ہو جائے گا اس کا وہ صلہ و انعام کبھی ختم ہونے میں نہ آئے گا۔ آپ لوگوں کے ہر اندازہ ہر تخمینہ سے کہیں بڑھ کر ایسا کہ اسے دیکھ کر خود حیرت میں غرق ہو جائیں گے اور تمنا یہ کرنے لگیں گے کہ کاش یہ امتحان اس سے بھی سخت تر ہوا ہوتا۔ یہ اللہ کی طرف سے وعدے ہیں بس انھیں مستحضر رکھئے آگے سارا بیڑا پار ہے ان سچے اور حقیقی وعدوں پر ایمان جس قدر واثق اور راسخ ہوگا بس اسی درجہ میں قلب کو تسکین بھی انشاء اللہ حاصل رہے گی۔

ہم سب کے سب، ہمارے مال ہماری اولاد، ہمارے گھر بار، ہمارے اعزہ، ہماری بایتں، ہماری راحتیں و لذتیں سب اللہ ہی کی ہیں اور اللہ ہی کے لیے ہیں۔ ہماری اپنی کوئی ملک ہی نہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اور ہم سب آگے پیچھے چل تو اسی ایک منزل کی طرف رہے ہیں۔ کوئی صبح گیا کوئی شام جدائی کیسی، بچھڑنے کا کیا سوال یا فرق کا کیا سوال۔ سب بے اختیار ایک ہی منزل کی طرف دوڑ رہے ہیں

والسّلام، دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے خصوصی ارادت مندوں میں ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے اور شروع ہی سے گہرے مذہبی۔ کئی برس دارالعلوم ندوۃ العلماء میں انگریزی کے مدرس رہے تبلیغی جماعت اور دوسری دینی تحریکوں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ مولانا سے ان کی خط و کتابت کا سلسلہ آخر تک جاری رہا۔

غریب صاحب کٹلری بازار بمبئی کے نام

(ان کی والدہ کے انتقال پر)

دریاباد۔

۸ مئی ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

مسٹادی[1] صاحب نے حادثے کی خبر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مکہ مکرمہ میں تو موت خوش نصیبوں ہی کو نصیب ہوتی ہے پھر جس نے ایسے دین دار فرزند[2] چھوڑے وہ ماں یوں بھی بڑی خوش نصیب تھی۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ عطا فرمائے۔

آپ اور بھائی صدیق[3] دونوں خوش نصیب ہیں کہ اتنے عرصے تک ان کی خدمت کی سعادت نصیب رہی۔ سن جو کچھ بھی ہو جائے ماں کا وجود ایک نعمت الٰہی ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

والسلام

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) گجرات کے ایک مشہور ایڈیٹر جو اپنی اسلامیت اور حمیت دینی میں ممتاز تھے۔ اور مولانا مرحوم کے بڑے مخلص، مولانا کی ایک اردو کتاب کو گجراتی زبان میں منتقل کیا تھا۔ مثلاً "محمد علی ذاتی ڈائری"۔

(۲) مراد مکتوب الیہ کے بھائی ہیں جو ماشاء اللہ سب کے سب بڑے ہی دیندار اور متقی تھے۔

(۳) مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی جو مذہبیت جوش دینی اور مرحوم سے تعلق اخلاص رکھنے میں بالکل اپنے بڑے بھائی یعنی مکتوب الیہ کے قدم بہ قدم تھے۔

نادم سیتاپوری محلہ قضیارہ، سیتاپور

(ان کے بھائی کے انتقال پر)

دریاباد۔

۳۱ر مئی ۱۹۶۶ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

کل سہ پہر کو حادثہ کی خبر قومی آواز میں پڑھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ بھائی کا زخم والدین کے زخم سے بس کچھ ہی کم ہوتا ہے۔ اللہ ہر طرح توفیق صبر جمیل دے۔

والسلام۔ دعاگو

عبدالماجد

بجواب سیّد مکارم احسن گیلانی ضلع مونگیر

اپنے داماد کے انتقال اور ان ہی کے چار سالہ بچے کی اچانک موت کا حال لکھا تھا اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تعزیت نامہ گیا۔

دریاباد۔

۷ر جولائی ۱۹۶۶ء بسم اللہ

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ بے شک صدمہ آپ سب کے لیے بڑا سخت اور صبر آزما ہوا۔ خط پڑھتے ہی بے اختیار دعائے مغفرت مرحوم کے لیے کردی۔ اس وقت بھی کر رہا ہوں۔ اللہ آپ سب کو صبر توفیق دے ـــــ جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی اس کو کاٹے گا بھی۔

بیٹی سلمہا اللہ (تازہ بیوہ) کو سمجھایئے کہ جس درجہ کا صدمہ ہوتا ہے اجر و نعمتیں بھی اسی پایہ کی ملتی ہیں اور جن کے آگے انسان صدمہ کو بالکل بھول جاتا ہے۔ فرق صرف آج اور کل کا ہے۔

بچے کے صدمہ نے ظاہر ہے کہ اصل صدمہ کو اور دوگنا کر دیا۔ معصوم بچے شفاعت کے لیے آئیں گے اور والدین کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت سید مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ دونوں بھائیوں میں بے حد محبت تھی۔ مولانا گیلانی مرحوم کے سارے کاموں کے منتظم بھی یہی تھے۔ مولانا مرحوم سے مکتوب الیہ کا حضرت گیلانی کے تعلق سے ارتباط تھا

حبیب احمد[۱] قدوائی، دادرہ ضلع بارہ بنکی

دریاباد۔

۱۲ر جولائی ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السّلام

سانحہ کی خبر دو چار دن ہوئے سنی تھی اور خط لکھنے کو سوچ ہی رہا تھا کہ کل کارڈ مل گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ دعائے مغفرت اسی وقت کر دی تھی۔ اس وقت بھی کر رہا ہوں۔

مرحوم[۲] میرے قدیم ترین شاگردوں میں ہونے کے علاوہ یوں بھی اپنے اخلاص و محبت کی بنا پر دل سے عزیز تھے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور اعزہ کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے ہم لوگوں کی قرابت ہوتی تھی۔

(۲) مرحوم سے مراد مکتوب الیہ کے بڑے بھائی عزیز احمد قدوائی صاحب مراد ہیں۔

جمیل الرحمٰن قدوائی صاحب[1] ایم ایل سی رائل ہوٹل لکھنؤ

دریاباد۔
۱۶ ستمبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

الطاف میاں مرحوم[2] کی اللہ مغفرت فرمائے۔ سو وصفوں کا ایک وصف یہ تھا کہ نماز اور پھر نماز باجماعت کے شدت سے پابند تھے اور بیماری تو اتنی تکلیف دہ اور طویل اٹھائی کہ ہر طرح سے دُھل دُھلا کر دنیا سے گئے۔

اتفاق سے میرا پروگرام ۱۴ کا لکھنؤ کا تھا اور گھر پہنچتے ہی عنایت حبیب اللہ سلمہٗ[3] کے ہاں جانے کا تھا۔ دوپہر کی ٹرین حسب معمول لیٹ پہونچی اور گھر پہنچ لیا تو یہ خبر معلوم ہوئی اگر کہیں یہ خبر اسٹیشن پر مل جاتی تو سیدھا وہیں سے تدفین میں شرکت کے لیے روانہ ہو جاتا البتہ کل صبح روانگی سے قبل باغ جا کر قبر پر فاتحہ پڑھ آیا۔ دیر تک ان کی صورت صحت والی ہشاش بشاش نظر کے سامنے پھرتی رہی ان کے بھتیجوں کا نہ نام یاد ہے اور نہ پتا اس لیے یہ تعزیت نامہ آپ کو لکھ رہا ہوں یوں بھی بڑے آپ ہی تھے۔ بہرحال یہی ان لوگوں تک پہونچا دیا جائے دعائے مغفرت اس وقت پھر کرتا ہوں۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے ہم لوگوں کی قرابت ہوتی تھی۔ یہ بھی ۱۹۷۸ء میں مرحوم ہو گئے۔

(۲) شیخ الطاف الرحمٰن قدوائی مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے مرید خصوصی تھے اور مکتوب الیہ کے قریبی عزیز اور مولانا مرحوم سے تحریک خلافت کے زمانے میں خاصے تعلق رہ چکے تھے اور اس کے بعد بھی۔

(۳) مراد میجر جنرل عنایت حبیب اللہ صاحب۔

(۴) یہ ٹرین مغل سرائے لکھنؤ پسنجر تھی جو دریاباد سے پونے بارہ بجے چلتی تھی اور لکھنؤ ۲½ بجے پہنچتی تھی ــــ

(۵) دریاباد کے لیے روانگی۔

(۶) علمائے فرنگی محل کا قبرستان باغ ملا انوار صاحب کے نام سے رکاب گنج میں ہے چونکہ مرحوم قدوائی صاحب کو اپنے پیر و مرشد کی وجہ سے فرنگی محل کی ہر چیز سے عقیدت تھی اور لکھنؤ میں فرنگی محل ہی میں ان کا قیام رہتا تھا اس لیے ان کی تدفین بھی وہیں ہوئی جس میں ان کے پیر و مرشد اور دوسرے فرنگی محلی علماء مدفون ہیں۔

(۷) قدوائی صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی ان کے دوسرے بھائی حمید الرحمٰن صاحب کے دو لڑکے ہیں انھیں سے مراد ہے۔

شاہد احمد صاحب ایڈیٹر "ساقی" کراچی

دریاباد۔

۲۱ر اکتوبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

ابھی ابھی فرحت انوار سلمہا کے خط سے آپ کے ہاں کے سانحہ کی خبر ملی۔ اللہ آپ لوگوں کو صبر و تسکین عطا فرمائے اور مرحومہ کو خود آپ لوگوں کے لیے وسیلۂ رحمت و مغفرت بنائے مومن کی تو کوئی ادنیٰ سی تکلیف بھی بغیر اجر کے نہیں رہتی چہ جائیکہ ایسا صدمہ جانکاہ ــــ اجر جزیل ایک ایسی صدمے سے آپ کا حصہ ہو گیا۔

ہم اور آپ بوڑھے اور بچے سب ایک ہی منزل کے لیے رواں دواں ہیں، دلی خوشی یہ سن کر ہوئی کہ آپ نے اس موقع پر صبر جمیل سے کام لیا۔ آزمائش بڑی اور کڑی تھی مبارک ہو کہ آپ اس امتحان میں پورے اترے۔

والسّلام دعاگو۔

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کی ایک مخلصہ خصوصی اور بہت ہی اچھا لکھنے والی۔ مولانا مرحوم ان کی طرز تحریر کے بڑے معترف تھے اور کہتے تھے بالکل سرشار کی زبان لکھتی ہیں۔

(۲) مکتوب الیہ کے کسی قریبی عزیز کا انتقال ہوا تھا جس کی اطلاع فرحت انوار صاحبہ نے دی تھی۔

سعید اختر صاحب[۱] ایم۔اے ایڈیٹر "مدینہ" بجنور

دریاباد۔

۲۲ر نومبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

عزیزم! السّلام علیکم

مجید حسن مرحوم[۲] کی خبر وفات تو کئی دن ہوئے پڑھ چکا تھا اور دعائے مغفرت اسی وقت کر دی تھی یہ بھی علم تھا کہ آں عزیز ان کے قریبی عزیز ہیں۔

البتہ اس کی تحقیق اتفاق سے کل شام کو شمیم اختر[۳] بجنوری علیگ سے ہوئی کہ مرحوم آں عزیز کے والد ماجد تھے اس لیے تعزیت نامہ پہلی ڈاک سے بھیج رہا ہوں۔

عمر کچھ بھی ہو باپ کا سایہ سر پر رہنا ایک بڑی نعمت ہوتا ہے۔ اپنے کو لڑکا ہی سمجھتا رہتا اور بے فکری کی زندگی گزارتا رہتا ہے۔ مرحوم کی خدمات ملّی کا کیا کہنا اللہ ہر طرح انھیں غریق رحمت کرے اور آپ سب لوگوں کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ راقم مرتب کے شاگرد ہیں مسلم یونیورسٹی سے سیاسیات میں ایم، اے کیا

اور بڑے اچھے لکھنے والے ہیں، طالب علمی کے بعد اپنے والد کے اخبار۔ روزہ "مدینہ" کی ادارت سے منسلک ہوگئے اور بند ہونے تک اڈیٹر رہے۔

(۲) مکتوب الیہ کے والد مدینہ اخبار اور مدینہ پریس کے مالک تھے اور خدمت قرآنی کے لیے خاص طور سے ممتاز تھے۔ اپنے پریس سے قرآن مجید شائع کرتے تھے جو حسن طباعت اور صحت کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتے تھے اور خود سے روزہ "مدینہ" اخبار حسن طباعت اور پابندی وقت اور ٹھوس و سنجیدہ مضامین کی وجہ سے بڑی امتیازی حیثیت رکھتا تھا یہ تقریباً ساٹھ برس تک جاری رہا مولوی صاحب مرحوم بڑے دین دار شخص تھے اور حضرت شیخ الہند اور حضرت شیخ الاسلام سے ارادت رکھتے تھے۔

(۳) یہ بھی مسلم یونیورسٹی کے ممتاز طالب علموں میں تھے۔ جب ۱۹۶۵ء کے افسوسناک ہنگامے کے بعد میں پراکٹری کے عہدہ پر مامور کیا گیا تو میں نے انھیں سینیر پراکٹر مقرر کیا اور یونیورسٹی کے حالات کو معمول پر لانے خاص کر لڑکوں میں ڈسپلن رکھنے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔

مولوی حافظ احمد الزماں صاحب[۱] موتی مسجد رامپور

اپنی والدہ[۲] کے انتقال کا تار دیا تھا اس پر یہ تعزیتی مکتوب گیا

دریاباد۔

۱۴ر دسمبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

کل قریب شام کو تار سے حادثہ کی اطلاع ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ دعائے مغفرت اسی وقت کردی۔ اللہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ میری تو عرفاتی بہن بھی تھیں[۳] سفر حج میں ان کا ساتھ بہت خوشگوار رہا تھا اور ہر جگہ ان سے مدد ہی ملتی رہی علالت کا حال معلوم نہ ہوا اس لیے یہ خبر اچانک ہی ملی واللہ اعلم بمراری میں خدمت

کسنے کی اور خانہ داری کا انتظام کون کرتا رہا۔ اور اب تمہارے کھانے پینے کا کیا انتظام ہے[۴]۔

والدین کسی کے بھی نہیں بیٹھے رہتے ایک دن تو یہ پیش آنا ہی تھا ماں کا سایہ تو ایک بہترین نعمت الٰہی ہے اللہ توفیق صبر دے۔ وہ اولاد خوش قسمت ہے جسے اتنے دن خدمت کا موقع مل جائے۔

مشیر میاں[۵] تو خود اس وقت تک پہنچ گئے ہوں گے اب ان کا پروگرام معلوم نہیں کیا ہے والدہ رافت[۶] تو عرصے سے لکھنؤ میں ہیں اور علیل میں یہاں تنہا ہوں صرف ایک لڑکی حمیرا ساتھ ہیں۔

مرحومہ کو میں نے پچھلے سال لکھنؤ اور دریاباد بلانا چاہا ایک نہیں دو دو خط لکھے تھے ملاقات اس دنیا میں مقدر میں ہی نہ تھی اس وقت بھی مرحومہ کی دونوں بھانجیاں تو یہی سمجھ رہی تھیں کہ مرحومہ عن قریب لکھنؤ آئیں گی مشیر میاں کے ساتھ۔ بہرحال اب تو دعائے مغفرت ہی کرتے رہنا ہے۔ تمہارا حافظ قرآن ہونا اس وقت کتنا کام آیا ہوگا۔

لکھنؤ اگر اطلاع پہنچی ہوگی تو والدہ رافت کو بھی خبر ہوگئی ہوگی اور ظاہر ہے کہ انھیں صدمہ بھی دلی ہوا ہوگا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نابینا تھے اور ان کا قیام مستقل رامپور ہی میں رہتا تھا۔

(۲) مکتوب الیہ کی والدہ مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کی رشتے میں خالہ ہوتی تھیں۔ لیکن مخلصانہ اور گھر سے تعلقات کی بنا پر سگی خالہ معلوم ہوتی تھیں۔

(۳) سنہ ۱۹۲۹ء میں مولانا مرحوم اور ان کی بیگم صاحبہ کے ساتھ مرحومہ نے حج کیا تھا ساتھ میں ان کے سگے بھائی مشیر الزماں صاحب بھی تھے جن کا مستقل قیام حیدرآباد میں رہتا تھا۔

(۴) چونکہ مکتوب الیہ نابینا تھے اس لیے خود ان کی خدمت کے لیے کسی کی ضرورت رہتی تھی۔

(۵) مرحومہ کے بھائی جن کا انتقال بھی مولانا مرحوم کی زندگی میں ہو چکا تھا ان کا مستقل قیام حیدرآباد میں رہتا تھا۔ بڑے ہمدرد اور سب کے کام آنے والے تھے سفر حج میں وہ مولانا مرحوم کے قافلے میں اپنی بہن کے ساتھ تھے اور سب سے زیادہ عملی کام وہی کرتے تھے اس لیے مولانا مرحوم ان سے بہت خوش تھے۔

(۶) مراد مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ۔

(۷) مولانا مرحوم کی منجھلی صاحبزادی جو منجھلے بھتیجے حبیب احمد قدوائی صاحب کی بیوی ہیں۔ یہ مولانا مرحوم کی بہت زیادہ مزاج شناس تھیں اور سب سے زیادہ یہی ان کے ساتھ دریاباد میں رہتی تھیں اور ان ہی کو مولانا مرحوم کی علالت کے دوران سب سے زیادہ خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔

(۸) مراد مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ اور ان کی سگی بڑی بہن بیگم نواب ناظر یار جنگ ہیں۔

دختر صدق جائسی بہ معرفت کیپٹن جی این سنگھ تلک نگر کانپور

دریاباد۔

۱۱ر جنوری ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

مرحوم کی خبر وفات دفعتہً پاکر دل دھک سے رہ گیا۔ انا للہ۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ میرے پرانے مخلص تھے۔

مغفوریت کی یہ دلیل کافی ہے کہ ماہ مبارک وفات کے لیے پایا اور اس کا بھی اخیر عشرہ جو مغفرت کے لیے مخصوص ہے۔ صدق میں انشاء اللہ خبر شائع کردوں گا۔

"دربار دربار" کے دوسرے حصے کا مسودہ خدا معلوم کس منزل میں ہے۔

غم دصدمہ جب میں محسوس کر رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ بیٹی کے دل پر کیا گزر رہی

ہوگی، اللہ ہی صبر دے گا۔ والدعا

عبدالماجد

(۱) صدق صاحب جائس ضلع رائے بریلی کے رہنے والے خوش گو اور سخن سنج شاعر تھے۔ اور بڑی صحیح اور شگفتہ نثر لکھنے پر قادر تھے۔ ریاست حیدرآباد میں ملازم رہے۔ پرنس معظم جاہ کے دربار میں انھیں فانی بدایونی کے ساتھ تقرب حاصل تھا۔ مولانا مرحوم اور ان کے بڑے بھائی یعنی راقم مرتب کے والد ماجد مولوی عبدالمجید صاحب سے ان کے خاصے تعلقات تھے۔ یہ تعزیت نامہ ان کے انتقال پر ان کی لڑکی کے نام لکھا۔

(۲) مراد ماہ رمضان۔

(۳) جناب جائسی کی بڑی دلچسپ اور مشہور کتاب ہے جس میں انہوں نے حیدرآباد اور خاص کر پرنس معظم جاہ کے دربار کے دلچسپ حالات لکھے تھے۔ اس کو مولانا مرحوم نے بہت پسند کیا تھا اس کا پہلا حصہ پروفیسر مسعود حسن رضوی نے اپنے مکتبہ سے شائع کرایا تھا اور دوسرا حصہ پاکستان سے شائع ہوا۔

پرنس مکرم جاہ کنگ کوٹھی حیدرآباد دکن کے نام

ان کے دادا میر عثمان علی خاں صاحب سابق نظام حیدرآباد کے انتقال پر تعزیتی مکتوب ——

دریاباد۔

۲۲ر فروری ۱۹۶۷ء بسم اللہ

والامناقب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ

اعلیٰ حضرت مرحوم کو اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے میرے تو بڑے محسن تھے دعائے مغفرت خبر پاتے ہی کر دی اور یہ دعا تہ دل سے نکلی۔

اگر فکرِ معاش سے انہوں نے فارغ نہ کر دیا ہوتا تو دین اور علم و ادب کی جو بھی بڑی بھی خدمت مجھ سے اپنی زندگی بھر بن پڑی یہ کہاں سے کرتا ـــــ اور ایک مجھ ہی پر کیا موقوف بیشمار بیواؤں، یتیموں، مسکینوں کے دلوں اور لاتعداد درس گاہوں اور ملی اداروں کے در و دیوار سے صدائے ماتم اُٹھ رہی ہوگی۔

اللہ اس بذل و کرم و فراخ دستی میں آپ کو بھی ان مرحوم کے نقشِ قدم پر چلائے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) آخری نظام میر عثمان علی خاں کے پوتے اور جانشین۔

(۲) مراد میر عثمان علی خاں صاحب ریاست حیدرآباد کے آخری فرماں روا۔ ان کی فرمانروائی ستمبر ۱۹۴۸ء میں ختم ہوئی۔

(۳) مرحوم نظام بڑے علم دوست تھے اور ذاتی زندگی بہت سادہ گزارنے کے باوجود ملی اور علمی اداروں کی بہت زیادہ مدد کرتے تھے۔ ہندوستان کے نہ معلوم کتنے ادارے ان کی مدد سے چلتے تھے۔ اسی طرح نہ معلوم کتنے کے وظیفے مقرر تھے۔ یہ ان کا بڑا ہی روشن پہلو تھا۔

بیگم صاحبہ نواب جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی کشمیری محلہ لکھنؤ

دریاباد۔

۹ر جون ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

خاتونِ محترم! السّلام علیکم

اپنے مرحوم شوہر نامدار کی وفات پر دلی تعزیت قبول فرمائیے۔ اللہ ان کے مرتبے عالی کرے ـــــ

اپنے رنگ میں فرد تھے۔ سخن گوئی، سخن فہمی نقادی کہنا چاہیئے ان پر ختم تھی اور میرے

لیے تو سراپا محبت و اخلاق تھے۔ جب کبھی حاضر ہوتا بغیر کھلائے پلائے اور وہ بھی پورے تکلف اور اہتمام کے ساتھ واپس نہ آنے دیتے۔

صدمہ تنہا آپ کے اور قریبی عزیزوں کے لیے نہیں ہم سب شریک غم و ماتم ہیں اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیہ رَاجِعُون۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) اثر صاحب مرحوم سے مولانا مرحوم کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے اور وہ اثر صاحب کی زبان دانی، سخن گوئی، سخن فہمی کے بہت زیادہ قائل تھے خاص کر زبان دانی اور ان سے برابر استفسارات بذریعہ تحریر کیا کرتے تھے۔

اہل خانہ ارتضیٰ کریم صاحب قصر جاوید سید احمد روڈ کراچی

دریاباد۔

۳۰ر جون ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

بہن صاحبہ! السّلام علیکم

پرسوں میاں توکّل کے خط سے سانحہ کی خبر ملی۔ اِنا للہ۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے عورت کے لیے یہ وقت نہایت سخت ہوتا ہے اللہ ہی مدد فرمائے گا اور جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی اسے کاٹ بھی دے گا۔

مرحوم نے اتنی شدید تکلیفیں اٹھائی تھیں کہ وہی انشاء اللہ مغفرت کے لیے کافی ہوجائیں گی اور یہی حال بیوگی کی آزمائش کا ہے اسے صبر کے ساتھ جھیل لے جانا خود جنتی بنا دینے کے لیے کافی ہے۔ اللہ ہر طرح توفیق صبر دے۔

اس تعزیت نامے میں سارا گھر شریک ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) یہ مرحوم پاکستان منتقل ہوجانے سے پہلے امیر الدولہ اسلامیہ کالج کے اسکول سیکشن میں برسہابرس ماسٹر رہے۔ اور یہ مولانا مرحوم کے رشتے میں بھائی اور چودھری خلیق الزماں صاحب کے سگے سالے ہوتے تھے۔

(۲) مکتوب الیہا رشتے میں مولانا مرحوم کی بہن ہوتی تھیں اور بڑی ہی محبت کرنے والی سارے گھر بھر میں اپنی محبت اور خلوص کی وجہ سے بہت ممتاز تھیں۔

(۳) مکتوب الیہا کے سگے بھتیجے اور مولانا مرحوم کے بھی رشتے میں بھانجے لیکن مخلصانہ تعلقات کی بنا پر سگے بھانجے۔ ان کا ذکر پچھلے خطوں میں آچکا ہے۔

(۴) یعنی ارتضیٰ کریم صاحب کے انتقال کی۔

(۵) علاوہ بیماریوں کے ۱۹۶۴ء میں اپنے بڑے صاحب اولاد اور بڑے ہی سعید صاحبزادے محمد عشیر صاحب ایڈیٹر ڈان کی دفعتہً وفات کا بھی صدمہ اٹھانا پڑا۔

ملّا واحدی صاحب ایڈیٹر نظام المشائخ نارتھ ناظم آباد کراچی کے نام

دریاباد۔

۳ر جولائی ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

اہل خانہ کی وفات کی خبر فروری کی اب جاکر ۳ر جون کو معلوم ہوئی وہ بھی محض اتفاق سے منادی پر نظر پڑجانے سے اپنے کمال بے خبری پر افسوس کرتا رہا۔

عمر بھر کی رفاقت اور وہ بھی بالکل دفعتہً ساتھ چھوٹ جانا طبیعت کو جتنا شاق مگر صدمہ کتنا صبر آزما ہوسکتا ہے ظاہر ہی ہے۔

اللہ نے آپ کی آزمائش پوری کرلی۔ مرحومہ کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہوں اور آپ کے لیے توفیق صبر جمیل چاہتا ہوں۔

والسّلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخصوص مخلصوں اور خواجہ حسن نظامی کے پرانے رفیقوں میں تھے جس زمانے میں مولانا مرحوم کے خواجہ حسن نظامی سے تعلقات بڑھے تب ہی سے مکتوب الیہ سے مولانا کے بڑے گہرے اور مخلصانہ تعلقات قائم ہو گئے اور یہ تعلقات مکتوب الیہ کے انتقال تک قائم رہے۔ مکتوب الیہ کے پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد بھی خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا مولانا مرحوم ملا صاحب کی سلاست تحریر، صحت زبان، وضع داری اور اخلاص کے بہت زیادہ قائل تھے اور ان کی تحریروں کو بہت ذوق و شوق سے پڑھتے رہتے تھے۔

(۲) خواجہ حسن نظامی صاحب کا رسالہ جسے ان کے صاحبزادے خواجہ حسن ثانی نظامی بڑی پابندگی اور باقاعدگی سے دہلی سے نکالتے ہیں۔

قطب الدین احمد صاحب عرف ملا میاں ناظم آباد کراچی

دریاباد۔

۶ر جولائی ۱۹۶۷ء بسم اللہ

سانحہ کی خبر میاں تو کل سلمہٗ کئی دن ہوئے دے چکے تھے اور پھر روزنامہ "حریت" میں محض اتفاق سے قرآن خوانی کی خبر پر بھی نظر پڑ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

تعزیت نامہ کئی دن ہوئے قصر جاوید کے پتے پر لکھ دیا تھا خدا معلوم وہ پتا اب بھی ہے یا نہیں۔ احتیاطاً ہم لوگوں کی طرف سے مکرر تعزیت اپنی خالہ تک پہنچا دینا۔ ظاہر ہے کہ عورت کی زندگی تو شوہر کے بعد ہی اُجڑ جاتی ہے اور ان بیچاری کے لیے تو عشیر مرحوم کا صدمہ ہی کیا کم تھا لیکن اللہ کے ہاں اجر بھی تو ہر صدمہ کی مناسبت ہی سے ملتا ہے۔ صابر و شاکر بندی کے بڑے درجے ہوتے ہیں۔ میری بہنوں میں تو ایک یہی بیچاری باقی ہیں۔

والسّلام ۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے رشتے میں بھانجے تھے لیکن مخلصانہ تعلقات کی بنا پر بالکل سگے بھانجے کی طرح تھے۔ اور مولانا مرحوم کے تربیت یافتہ بھی۔ مولانا کو بھی ان سے بڑا تعلق تھا یہ محسنہ قدوائی کے والد ماجد تھے۔

(۲) ان کے خالو ارتضیٰ کریم صاحب کا انتقال۔

(۳) مکتوب الیہ کے سگے ماموں زاد بھائی۔

(۴) کراچی کا مشہور روزنامہ۔

(۵) مکتوب الیہ کی خالہ کی قیام گاہ۔

(۶) مکتوب الیہ کے سگے خالہ زاد بھائی اور "ڈان" کے ایڈیٹر جن کی لندن میں اچانک وفات ہوئی۔

حاجی صدیق میمن صاحب بمبئی کے نام

دریاباد۔

۱۸ر جولائی ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

برادر عزیز!

السّلام علیکم

منصوری صاحب کے خط سے گویا دفعتہً بجلی گر پڑی۔ دل اچانک حادثے کے لیے کسی طرح تیار نہ تھا ایک بار نہیں بار بار پڑھا اور کئی منٹ تک ہاتھ میں لیے رہا کسی طرح یقین ہی نہیں آتا تھا۔ اِنّا لِلّٰہ ثم اِنّا لِلّٰہ۔

مغفرت و درجات عالیہ کی دعائیں بار بار کیں جنازہ غائبانہ بھی مضطر ہوکر (موافق مسلک اہل حدیث) پڑھ دیا۔ یہ محسوس ہو رہا ہے کہ آپ کا بھائی نہیں میرا بھائی دنیا سے اُٹھ گیا اور یہ

تعزیت میں آپ کے بھائی کی حیثیت سے نہیں اپنے بھائی کی حیثیت سے کر رہا ہوں کون جانتا تھا کہ اخلاص دیگانگت کا ۴۰ سالہ دوریوں یک بیک اور یک لخت ٹوٹ جائے گا۔

اللہ اس بندہ مومن کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ نصیب فرمائے۔ صدق کے اس نمبر کی تو کتابت ہو چکی اب انشاء اللہ اس کے بعد والے نمبر میں دعائے مغفرت کروں گا۔ علی میاں کو بھی ایسا ہی صدمہ ہوا ہوگا۔

پیام تعزیت میری طرف سے، بیوی۔ لڑکوں لڑکیوں سب سے نام بنام کردی جائے۔ اپنا موجودہ پتہ بھی ضرور لکھ دیجئے گا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم کے مخلصوں میں تھے ان کے بڑے بھائی غریب صاحب مولانا مرحوم کے خاص مخلصوں میں تھے۔ مولانا کو ان کے انتقال سے جو صدمہ ہوا اس کا اظہار اس تعزیت نامہ سے ہوتا ہے۔ اور ان کے تعلقات اور گھر سے تعلق اخلاص دیگانگت کا اندازہ بھی اس سے ہوتا ہے۔ مولانا ان کے اخلاص کے بے حد قائل تھے۔ مرحوم بڑے ہی دین دار شخص تھے اور جملہ دینی تحریکوں سے بڑا شغف تھا۔

(۲) مراد مولانا ابوالحسن علی میاں، ان سے بھی غریب صاحب کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔

بیگم چودھری عرفان حسین صاحب احسان منزل نیا گاؤں کے نام

(تعزیتی مکتوب ان کے بہنوئی کے انتقال پر)

دریابادـ

۲۰ اگست ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! وعلیکم السّلام

بے شک صابرہ[۲] سلمہا کا غم تم سے بڑھ کر کس کو ہو سکتا ہے۔ رہیں تمہاری والدہ[۳] تو اس سن پر پہونچ کر خود احساس ہی مردہ یا نیم مردہ ہو جاتا ہے یہ بھی اللہ کی رحمت ہی ہے۔

مرحوم[۴] کا حافظ قرآن ہونا خود ہی کیا کم تھا پھر جمعہ کا دن پانا اور صبح کی نماز بلکہ تلاوت سے بھی فراغت پائے ہوئے گویا سیدھا جنت کا پاسپورٹ ہاتھ میں لیے ہوئے۔

لڑکی کی شادی کی پوری خوشیاں نہ دیکھ سکنے کی جو حسرت باقی رہ گئی وہ بھی انشاء اللہ پورے اجر کا کام دے گی۔ غرض یہ کہ ہر طرح اچھے ہی گئے اور اب ہم لوگوں کا کام ان کے حق میں صرف دعائے مغفرت کرنا ہے۔

میرے نام فہیم سلمہ کا خط آیا تھا اس میں بھی مفصل حال درج تھا۔

دُعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کی حقیقی خالہ زاد بہن تھیں اور ان سے مولانا مرحوم کے بڑے ہی مخلصانہ تعلقات تھے اور یہی صورت ان دونوں مرحومین کے بعد موصوفہ کی ہم سب سے ہے۔

(۲) مکتوب الیہ کی چھوٹی بہن اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ پاکستان منتقل ہو گئی تھیں۔

(۳) چودھری شفیق الزماں صاحب تعلقہ دار گڑھی بہلول کی بیوی اور مولانا مرحوم کی بیگم کی سگی خالہ۔

(۴) مراد مکتوب الیہا کے چھوٹے بہنوئی حافظ سلطان احمد صاحب ایڈوکیٹ۔

(۵) مرحوم کا انتقال لڑکی کی شادی کے ایک ہی ہفتے کے بعد ہوا تھا۔

(۶) مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے بھائی اور مولانا مرحوم کے بڑے ہی مخلص جو پاکستان بنتے ہی وہاں منتقل ہو گئے تھے مولانا کے آخر دم تک ان کا گہرا تعلق قائم رہا اور برابر خط و کتابت کا

سلسلہ جاری رہا اور اب ہم لوگوں سے وہی خصوصی اور مخلصانہ ارتباط قائم رکھا ہے۔

محمد طارق صاحب[1] بھیارہ ضلع بارہ بنکی کے نام

دریاباد۔

۵ ستمبر ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

مرحوم کی وفات کی خبر پاتے ہی صدق[2] میں لکھ دیا تھا چنانچہ ۸ر[3] کے پرچے میں نکل چکا۔ تمہارے نام ذاتی تعزیت نامہ البتہ آج کل پر ٹلتا رہا۔ یہ بھی تحقیق نہ تھی کہ تمہاری والدہ[4] مع الخیر بعد وطن[5] چلی آئیں یا وہیں ہیں، بہرحال دعائے مغفرت اسی وقت کر دی تھی اب پھر کر رہا ہوں۔ بیماری اتنی لمبی اور تکلیف دہ اٹھائی کہ اس میں دھل گئے اور پاک صاف دنیا سے رخصت ہوئے اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔

تمہاری والدہ وغیرہ کی یہ خوش نصیبی ہے کہ جی بھر کر خدمت کا موقع انھیں مل گیا کوئی عبادت ماں باپ کی خدمت سے بڑھ کر اور کون ہو سکتی ہے۔

میرا ساتھ ۶۰ برس کا چھوٹا[6]۔ ان کی نوجوانی، بھرپور جوانی کا نقشہ نظر کے سامنے پھر رہا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ——

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے قدیم ترین مخلص دوست جناب مولوی مسعود علی ندوی منیجر دارالمصنفین اعظم گڑھ کے نواسے تھے۔ مرحوم کے انتقال کے بعد یہ تعزیت نامہ ان کو لکھا

(۲) مرحوم کی وفات پر مولانا مرحوم کا مؤثر تعزیتی مضمون شائع ہوا تھا۔

(۳) صدق ۸ر ستمبر کی اشاعت۔

(۴) مرحوم کی صاحبزادی اور مکتوب الیہ کی والدہ۔
(۵) مرحوم کے انتقال کے بعد مرحوم کا انتقال دارالمصنفین اعظم گڑھ میں ہوا تھا۔
(۶) مراد بھیارہ۔
(۷) مراد اعظم گڑھ۔
(۸) مرحوم مدتوں علیل رہے اور چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو گئے تھے۔
(۹) مولانا مرحوم کا اور مرحوم کا ۶۰ برس تک ساتھ رہا۔

بنام مولوی شاہ غلام محمد[1] صاحب کراچی

دریاباد۔

۲۸ر اکتوبر ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

حادثہ کی خبر آپ ہی نے سنائی۔ ہم لوگ بالکل بے خبر تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اتنی کم سنی میں بیوگی کسی کی بھی ہو قابل ہمدردی ہوئی چہ جائیکہ ہماری سیدزادی کی۔ گھر بھر کو ایسی ہی تکلیف پہنچی جتنی اپنی کسی عزیز کے لیے ہوتی۔

مرحوم محی الدین کی موت یوں ہی دردناک ہوئی چہ جائیکہ وہ ان خوبیوں کے مالک تھے۔ میں ان سے بہت ہی کم واقف تھا یہ سارا حال تو آپ کے خط سے معلوم ہوا۔ اللھم اغفرلہٗ وارحمہٗ بہرحال۔

ع۔ ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) یہ تعزیت نامہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد کے انتقال پر

مکتوب الیہ سے اطلاع پانے پر لکھا۔

(۲) مراد حضرت سید کی صاحبزادی۔

(۳) حضرت سید صاحب کے چھوٹے داماد۔

چودھری رحم علی الہاشمی[۱] علی گڑھ

دریاباد۔

۲۴ر اپریل ۱۹۶۸ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

مولوی افضل علی[۲] مرحوم کی اللہ مغفرت فرمائے۔

بھائی کا صدمہ بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ اختلاف مذاق و مسلک[۳] کے باوجود بھی کم سے کم اتنا تو ہوتا ہے ہی کہ انسان اپنے سے بڑے کی موجودگی میں اپنے کو چھوٹا اور کم سن سمجھتا رہتا ہے اور اس کے اٹھ جانے کے بعد اپنی کبر سنی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

کل کے "ہماری زبان"[۴] میں جو مضمون ڈاکٹر عبدالحق مرحوم[۵] پر دیکھا اس کا ایک بڑا ٹکڑا "صدق" میں لینے کے قابل ہے ——

والسلام۔ دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھلوارہ ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے ہیں اور انگریزی و اردو کے نامور صحافی رہ چکے ہیں۔ پنڈت موتی لال نہرو کے اخبار انڈیپنڈنٹ الہ آباد سے منسلک رہے اور روزنامہ ہمدم لکھنؤ کے بھی ایڈیٹر رہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف، مذہبیات سے بھی خاصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ مولانا مرحوم کے بڑے پرانے ملنے والوں اور دوستوں میں ہیں۔

(۲) مکتوب الیہ کے برادر بزرگ جو حضرت تھانوی سے بیعت تھے۔

(۳) مکتوب الیہ کا رنگ ان کے مرحوم بھائی کے مذاق سے بالکل مختلف تھا۔

(۴) انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار ترجمان۔

(۵) بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق جن کے ساتھ دفتر انجمن ترقی اردو دہلی میں مکتوب الیہ نے برسوں کام کیا۔

ایم اسلم صاحب[1] بارُودخانہ لاہور کے نام

(ان کی بیوی کے انتقال پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد۔

۲۴ر اپریل ۱۹۶۸ء بسم اللہ

کرم گستر! السّلام علیکم

سید ناظم علی دریاباد[2] کے خطوط سے آپ کی خانہ ویرانی کا حال کچھ روز ہوئے معلوم ہوا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ رفیق حیات کی مفارقت کا صدمہ ہمیشہ ہی سخت ہوتا ہے اور کبر سنی میں تو جوانی سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ ہر قسم کی عادتیں جو اس رفیق حیات کے ساتھ پختہ ہو چکی ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے حقیقۃً چولی دامن بن چکے ہوتے ہیں۔ خیر اللہ صبر دے اللہ ہی صبر دیتا ہے۔

اجر عظیم کا بھی استحضار کر لیجئے۔

اور اسے بھی حافظہ میں تازہ کر لیجئے کہ بی بی خدیجہؓ کا غم اٹھانے والا کون ہوا ہے یہ اضطراری اتباع سنت تو تعزیت کے بجائے تہنیت کے قابل ہے۔

بہرحال ہم سب آگے پیچھے وہیں چل رہے ہیں اس کا کیا غم کہ فلاں اس ٹرین سے گیا اور فلاں اس ٹرین سے۔ والسّلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) ہندو پاکستان کے پرانے اور مشہور اصلاحی اور اسلامی ناول نگار اور افسانہ نویس
(۲) مولانا مرحوم کے بڑے مخلص ہم وطن۔ مولانا سے ان کی آخر زندگی تک برابر خط و کتابت کا سلسلہ قائم رکھے رہے۔

ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب ایم، بی بی ایس شریف منزل بلیماران دہلی

(ان کی بیوی آصفہ[1] کے انتقال پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد۔

۳ر جون ۱۹۶۸ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہ! السلام علیکم

ہماری آصفہ تو خوب ہلکی پھلکی اپنے وطن اصلی کو روانہ ہو گئی۔ ہم معمر لوگوں کی طرح بوجھل بننے کا انتظار نہ کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اس دنیا میں زیادہ جی کر بجز اس کے حاصل کیا ہے کہ غم اور صدمہ ہی روز اور سہنے کو ملیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ہلکے پھلکے روانہ ہو جاتے ہیں

آں عزیز کے دل کو صدمہ جس درجہ کا بھی پہنچا ہو بالکل قدرتی ہے۔ بیوی اور پھر اچھی بیوی[2] پیاری اور محبوب بیوی زندگی کا بہترین سرمایہ ہوتی ہے جس کا بدل ممکن نہیں۔ یاد اس مرحومہ کی بات بات پر آئے گی اور خون کے آنسو رلائے گی۔ لیکن خوب یاد رہے کہ اجر بھی ٹھیک اسی درجے کا ملے گا۔ امتحان جتنا سخت ہوتا ہے انعام بھی اسی مناسبت سے ملتا ہے۔

ماں، بہنیں، چاہنے والا شوہر سب پر کیا کیا گزری ہو گی، سب سے بڑا مسئلہ بچوں کے سنبھالنے کا ہے خاص کر سب سے چھوٹے بچے کا، اللہ ہی یہ بیڑا پار لگائے۔

یہاں خبر کل دوپہر کو پہنچی اس وقت سے رات تک برابر خیال مرحومہ ہی کا بندھا رہا اب غسل ہو رہا ہو گا اب تکفین ہو رہی ہو گی اب جنازہ چلا ہو گا، اب نماز ہو رہی ہو گی۔ اب تدفین

کا وقت ہوگا۔ ظہر اور عصر کی نمازوں کے بعد خیال کر کے دعائے مغفرت کی توفیق ہوگئی۔

ہر انسان سے کتنے حق ادا کرنے رہ جاتے ہیں۔ اللہ کے بھی بندوں کے بھی۔ مرحومہ کے ساتھ دوستی یہی ہے کہ ان کے حقوق کو ادا کر دیا جائے یا انھیں معاف کرا لیا جائے۔ حقوق اللہ (مثلاً نماز، روزہ چھوٹ جانے) کی حد تک تو معاملہ آسان ہے محض استغفار کافی ہو جاتا ہے بندوں کے حقوق کا معاملہ ذرا دشوار ہے۔ اس کی طرف فوراً توجہ ہونی چاہیئے۔ سابقہ میں جس کسی کے بھی حقوق باقی رہ گئے ہوں وہ تو فوراً ادا کر دیئے جائیں (کسی کا قرض، کسی کی مزدوری) وغیرہ۔ رہے زبان اور ہاتھ پیر کے حقوق (کسی کی بے جا مار اور بدزبانی وغیرہ) تو انھیں بھی صاحب معاملہ سے معاف کرا لیا جائے یا انھیں کچھ دے دلا کر راضی کر لیا جائے۔ بس ان مراتب سے فارغ ہو کر جنت ہی جنت، راحت ہی راحت ہے۔ ایسی راحت جس کا دنیا میں تصور نہیں ہو سکتا۔

موت کو لوگوں نے ہوّا بنا رکھا ہے۔ یہ ہرگز کوئی عذاب یا بری حالت نہیں۔ جو منزل پیمبروں تک کے لیے ناگزیر رکھ دی گئی ہے وہ بری کیوں کر ہو سکتی ہے یہ تو مادی آلائشوں سے آزاد ہونے اور روح کو اپنے جوہر لطیف کی طرف رجوع ہونے کا مبارک وقت ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کے لیے سرتاسر برکت و رحمت۔ طبعی طور پر جدائی کا رنج و قلق تو ہوتا ہی ہے اور ہونا چاہیئے بھی۔ باقی عقلی طور پر مسرت و ادائے شکر کا موقع۔ وہاں جس جس سے ملاقات ہو رہی ہوگی اس خوشی کا اندازہ دنیا کی عام خوشیوں سے کوئی مقابلہ نہیں۔

مجھے چاروں بہنوں میں اس لڑکی کے ساتھ خصوصی لگاؤ تھا۔ ساتھ بھی بہت رہا بعض وقت تو بالکل اپنی ہی لڑکی معلوم ہونے لگتی تھی۔ اب کی جاڑوں میں جب ان کا دریا باد آنا ہوا تو سب سے زیادہ گھل مل کر آصفہ ہی ملیں کیا خبر تھی کہ یہ ملنا عالم ناسوت میں آخری تھا۔

جدائی کتنے دن! بات کہتے ہی یہ مدت بھی ختم ہو جائے گی۔ اور ہر عزیز کے ساتھ دائمی وصال ناقابل انفصال! اصل رشتہ تو وہیں کا ہوگا ـــــ یہ دنیا کا بودا کمزور تار عنکبوت

کا سا رشتہ بھی کوئی رشتہ ہوتا ہے! یہاں لڑکیاں اور ان کی والدہ سب اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے نہایت رنجیدہ، غمزدہ ملول و متاثر، اور خبر چونکہ بڑی حد تک دفعتہً معلوم ہوئی سب کے ہاتھوں سے گویا طوطے اُڑ گئے۔ کل شام تک لوگ آئے سب اخلاص کے ساتھ شریک مغفرت رہے یہاں کی خاص نائن جو قابلہ گری کے سلسلے میں وہاں گئی تھیں اور مالا مال ہو کر لوٹی تھیں وہ آئیں اور رو رو کر دیر تک مرحومہ کو دعائیں دیتی رہیں۔ اور آں عزیز نے تو طویل تیمارداری میں خدا معلوم کتنے مجاہدے کر لیے اور اپنی تربیت و تزکیہ روح کے مراتب طے کر لیے۔ بارہا اپنے فن پر جھنجھلانا اپنے اور اپنے ساتھیوں کی کسی تدبیر کسی مخلصانہ کوشش کا کام نہ آنا مرحومہ کی تکلیفوں کو ذرا بھی کم نہ کر سکنا۔ یہ سارے اپنی بے بسی کے مشاہدے بے کار نہیں کرائے گئے سب کچھ انھیں کے اندر آگیا راحتوں، لذتوں، بے اندازہ مسرتوں کے یہ جوہری خزانے جب جنت میں پوری شدت اور قوت کے ساتھ کھلیں گے تو اس وقت حسرت ہوگی کہ ان کا ذخیرہ اور زیادہ کیوں نہ ہوا۔ مالک و مولا کی بے پناہ شفقتوں اور بے اندازہ احسانات کا اندازہ ہی آج کون کر سکتا ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ دہلی کے نامور ڈاکٹروں میں ہیں۔ مرحومہ مکتوب الیہ کی بیوی مولانا مرحوم کے رشتے کے قریبی بھائی مولوی احمد کریم صاحب کی سنجھلی صاحبزادی تھیں اور مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے سگے پھوپھی زاد بھائی کی لڑکی یعنی دونوں کی بھتیجی ہوتی تھیں اور مولانا مرحوم کی تربیت میں عرصہ تک رہی تھیں۔ اس لیے ان کے انتقال سے مولانا مرحوم کو بہت صدمہ ہوا۔ مرحومہ کا انتقال کینسر کے مرض میں ہوا۔

(۲) مکتوب الیہ اور مرحومہ میں بڑی ہی محبت تھی۔

(۳) مرحومہ کی تین بہنیں اور ہیں جو ماشاءاللہ سب بقید حیات ہیں۔

(۴) مرحومہ شادی سے کئی برس قبل دریاباد میں منتقل رہیں اور تقریباً روزانہ مولانا مرحوم کے ہاں آیا کرتی تھیں اور ہر قسم کے معاملوں میں نہ صرف مولانا مرحوم سے مشورے لیتی تھیں بلکہ بڑی حد تک ان پر عمل کرتی تھیں۔

(۵) آخری بار مرحومہ دسمبر ۱۹۶۷ء میں اپنی بہنوں اور والدہ کے ساتھ دریاباد آئیں

(۶) مولانا کی بیگم صاحبہ اور مرحومہ کی پھوپھی۔

سید عقیل احمد جعفری[۱] کراچی کے نام

دریاباد۔

۱۳ر اکتوبر ۱۹۶۸ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا اگر برادر جان برابر دنیا سے اُٹھ گیا تو دنیا میرے بھی ایک مخلص عاشق سے خالی ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ع آعندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں۔

تعزیت کے جتنے بھی مستحق آپ ہیں بس اس سے کچھ ہی کم میں بھی ہوں۔ اللہ جنت کروٹ کروٹ نصیب کرے۔

تفصیل اس وقت تک کچھ علم میں نہ آئی اور کچھ ضرورت بھی اس کی نہیں اب کل پرسوں کے اخباروں میں آتی ہو۔ کام کی جز اس وقت دل سے نکلی ہوئی دعائے مغفرت ہی ہے۔

والسلام دعاگو دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی اپنے چھوٹے بھائی کی طرح مولانا مرحوم کے خاص مخلصوں میں تھے اور طرز تحریر میں مولانا کے متبع تھے چھوٹے بھائی کا نمبر اس باب میں بڑھا ہوا تھا۔

(۲) مراد مولوی سید رئیس احمد جعفری صاحب جن کو مولانا مرحوم سے ارادت وعقیدت

ندوۃ العلماء کی طالب علمی کے زمانے سے تھی یہ تعلق تقریباً ۴۰، ۴۲ برس قائم رہا جعفری صاحب اردو کے بڑے اچھے لکھنے والوں میں تھے۔ طرز تحریر میں وہ مولانا مرحوم کے مقلد تھے۔ وہی سلاست وہی شگفتگی اور وہی آمد۔ خلافت کے برسوں اڈیٹر رہے پاکستان منتقل ہوجانے کے بعد کچھ دنوں تک زمیندار کے بھی ایڈیٹر رہے۔ رسالہ ثقافت لاہور سے بھی تعلق رہا۔ اپنا ذاتی رسالہ ریاض کچھ دن کراچی سے نکالا۔ مولانا کے مخلص خصوصی تھے۔ انگریزی اردو تفسیر کی اشاعت کا مسئلہ تاج کمپنی سے انھوں نے ہی طے کرایا اور بعض دوسری کتابوں کا بھی۔ مولانا محمد علی کے بھی عاشقوں میں تھے۔

مولانا سید محمد اسعد مدنی ناظم جمیعتہ العلماء ہند دہلی

دریاباد۔

۲۱ر نومبر ۱۹۶۸ء

بسم اللہ

عزیز مکرم! السلام علیکم

آپ کی آزمائش پہلی ہی کیا کم تھی کہ اب اس پر یہ قیامت خیز اضافہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ صرف اتنا یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہر ایک کا امتحان بہ قدر اس کے ظرف و درجے کا ہوتا ہے اور میزان الٰہی میں آپ کا ظرف اتنا عالی بلکہ اعلیٰ پایا گیا! مبارک ہو اجر کا وہ مرتبہ جس کا آج آپ کو اندازہ بھی نہیں ہوسکتا۔ ان اللہ مع الصابرین۔

آپ سے بڑھ کر تو قابل ہمدردی وہ عفیفہ ہے جسے سایہ پدر اور نور نظر دونوں سے بیک وقت محروم ہوجانا پڑا ہے۔

درد اور درماں دونوں ایک ہی کے ہاتھ میں؟ فاصبر وما صبرک الا باللہ۔ مہینہ بھی تو عین صبر و ضبط کا آپہنچا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) چونکہ مولانا مرحوم حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی سے بیعت تھے اس لیے مکتوب الیہ سے بھی خاصا تعلق تھا خود مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم کا بڑا احترام کرتے تھے۔ مولانا مرحوم مکتوب الیہ کی فعالیت اور جوشِ عمل کے قائل تھے۔ مکتوب بالا اس حادثے کی خبر پڑھ کر لکھا گیا کہ مرحوم کے نوسالہ صاحب زادے اور ان کے خسر اور ممتاز عالم جناب مولانا حمید الدین صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کار کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔

(۲) مراد ماہ رمضان۔

چودھری شرف الزماں صاحب احسان منزل لکھنؤ کے نام

دریاباد۔

۱۲ر نومبر ۱۹۶۸ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

سانحہ کی خبر یک بیک سن کر ہم لوگ تو سناٹے میں رہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن اور والدہ رافت[۲] پر جو اثر پڑا وہ ظاہر ہی ہے۔ اللہ بچوں بچیوں اور سب ہی عزیزوں کو صبر دے۔

مرحومہ کی مغفرت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ مغفور نہ ہوتیں تو ماہ رمضان کیوں نصیب ہوتا یہ مہینہ تو خوش نصیبوں ہی کے حصہ میں آتا ہے۔

اور رحمت در رحمت یہ کہ جمعہ کی رات شروع ہو چکی تھی گویا پہلی شب جمعہ کی ملی۔ یہ مہینہ اور یہ رات دونوں ہی اکٹھی مل گئیں اس سے زیادہ ایک کلمہ گو کو اور کیا چاہیئے۔ اللہ کردٹ کردٹ جنت نصیب کرے۔

والدہ رافت کا فوری سفر ممکن ہی نہیں ہوتا اور اگر ارادہ کر لیتیں تو بھی کچھ بے کار ہی ساتھا۔ یہاں اطلاع جمعہ کو دس بجے کے قریب پہنچی۔ انشاء اللہ اب سنیچر کو دوپہر کی گاڑی

سے ارادہ کر رہی ہیں[۳]۔ والسّلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے اور ان کے گھر سے ہم سب کے مخلصانہ تعلقات تھے۔ ان کی بیوی بھی اسی درجہ ہم سب سے محبت کرتی تھیں خاص کر مولانا کی بیگم صاحبہ سے۔ اس خط سے ان مخلصانہ تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۲) مراد مولانا کی بیگم صاحبہ۔

(۳) لکھنؤ جانے کا۔

ڈاکٹر محمد یوسف[۱] جے آپٹکل ورکس حضرت گنج لکھنؤ کی اہلیہ کی وفات پر

دریابادؔ۔

۱۲ر دسمبر ۱۹۶۸ء

بسم اللہ

عزیزی و شفیقی! السّلام علیکم

ڈاک یہاں سہ پہر کو آتی ہے کل سہ پہر کو حقیقت نے آپ کے یہاں سانحہ کی خبر سنائی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ دعائے مغفرت معاً کر دی اور بعد مغرب دوبارہ کی۔ اس وقت بھی کر رہا ہوں۔

حالانکہ یہ بھی جانتا ہوں کہ رمضان اور پھر اس کے عین وسط میں اٹھ جانے والی ہر دعائے مغفرت سے بے نیاز اور خود ہی مغفور و غریق رحمت ہے۔

اللہ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے بلکہ مرحومہ کی خوش قسمتی پر خوش ہو جیئے کہ اتنا بہترین وقت انہیں نصیب ہوا۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ ماہر امراض چشم ہیں اور مولانا کے بھی معالج رہے ہیں۔ کئی بار عینک کا نمبر بدلا۔ نہ صرف معالج چشم رہے بلکہ ارادت مند بھی۔

(۲) لکھنؤ کا یہ اخبار روزنامہ جو مولانا کے ایک دور کے عزیز اور تعلقات کے لحاظ سے بالکل قریبی عزیز انیس احمد عباسی صاحب نکالتے تھے تقسیم کے بعد یہ پرچہ سہ روزہ ہو کر رہ گیا اور اس کی اشاعت بھی بہت گھٹ گئی لیکن لکھنؤ کی خبریں اس میں بہت تفصیل سے نکلتی تھیں۔

ماسٹر صغیر احمد صاحب[۱] ماسٹر سید ناطاہر سیف الدین ہائی اسکول منٹو سرکل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دریاباد۔

۱۲ر دسمبر ۱۹۶۰ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام

انشاء اللہ اب بالکل طبیعت ٹھیک ہوگی۔ اور ضعف وغیرہ جاتا رہا ہوگا۔

رحمت الٰہی کے بھی کتنے ڈھنگ اور طریقے ہیں کسی کی آزمائش عبادات اختیاری (روزہ وغیرہ) سے ہوئی اور کسی سے مجاہدات اضطراری بیماری وغیرہ کی شکل میں کرائے جاتے ہے مقصود ماحصل ہر صورت میں رحمت ہی رحمت ہے۔

ماں[۲] کی مفارقت دنیا کا ایک شدید ترین صدمہ اور شدید ترین محرومی ہے لیکن اجر بھی صبر پر اسی اندازہ وحساب کے مطابق ہے۔

اللہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے ان کے اعمال صالحہ طویل بیماری خود کیا کم اسباب مغفرت ہیں پھر رمضان کا عین قرب ۲۰ر نومبر تو شعبان کی ۲۸ تھی اور رمضان کی ۲۹ کی شام سے شروع ہو گئے۔ دعا کرنے والی اولاد[۳] اس پر مستزاد۔

مشورے اور گزارشوں کے کالم میں انشاء اللہ اور تفصیل ہوگی۔ موقع جب بھی مل سکے۔

دوبارہ خیال کرنے سے معلوم ہوا کہ تاریخ انتقال ۱۰ نہیں ۳۰ تھی یعنی عین بھرپور رمضان
ایسی تاریخ تو کسی خوش نصیب ہی کے حصہ میں آتی ہے ایسی وفات قابل تعزیت نہیں
قابل مبارک باد۔ والسلام

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ جو مولانا مرحوم کی زندگی میں مرحوم ہو چکے تھے مولانا کے مخلص اور خصوصی ارادت مندوں میں تھے۔

(۲) یہ تعزیت نامہ مکتوب الیہ کی والدہ کے انتقال پر ہے۔

(۳) مکتوب الیہ بڑے ہی صالح اور سعید تھے۔

(۴) صدق کا ایک کالم جو تقریباً ہر دو ہفتے کے بعد شائع ہوتا تھا اور اس میں بڑی کام کی باتیں مولانا کے قلم سے ہوتی تھیں۔

حافظ عابد شوکت علی[1] خلافت ہاؤس بمبئی کے نام

(ان کے بڑے بھائی زاہد شوکت علی[2] صاحب کے انتقال پر تعزیتی خط)

دریاباد۔

۲۴ دسمبر ۱۹۶۸ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہ اللہ! السلام علیکم

باپ کے بعد بڑے بھائی ہی کا مرتبہ ہوتا ہے۔ مرحوم کی اللہ بال بال مغفرت فرمائے خبر پڑھتے ہی دعائے مغفرت کر دی اور اس کے بعد بھی بار بار کی اس وقت بھی کر رہا ہوں۔

اللہ بیوی بچوں اور سب عزیزوں کو صبر و تسکین دے۔
پرانا زمانہ ۱۹۲۳ء سنہ ۱۹۲۴ء کا بلکہ مرحوم کی طالب علمی کا بھی نظر کے سامنے پھر گیا۔
اب وہ منظر کبھی کیوں دیکھنے میں آنے لگے۔ صدق کے لیے بھی نوٹ بھجوا رہا ہوں۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا شوکت علی کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔
(۲) مکتوب الیہ کے بڑے بھائی اور وہی مولانا شوکت علی کے انتقال کے بعد سنٹرل خلافت کمیٹی کے دفتر کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ اور مرحوم کے انتقال کے بعد عرصے تک روزنامہ خلافت نکلتے رہے۔ مولانا مرحوم سے ان کے خاصے تعلقات تھے۔ علی برادران سے مولانا مرحوم کے جو تعلقات تھے۔ اسی کی وجہ سے مولانا مرحوم ان دونوں کی اولاد سے سگے عزیزوں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔
(۳) مراد زاہد شوکت علی صاحب۔
(۴) تعزیتی نوٹ۔

محمد ابراہیم قدوائی لیاقت آباد، کراچی

دریاباد۔
۲۷ جنوری سنہ ۱۹۶۹ء بسم اللہ
عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام
کل سہ پہر کو تمہارے کارڈ آفتابؔ کے نام والے نے عزیز دبیرؔ کے سفر آخرت کی خبر سنائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ کس قیامت کا یہ سانحہ ہوا ان کی بیوی بچوں اور سب سے بڑھ کر ان کی والدہ کے لیے۔ کیا کہہ کر اور کن لفظوں میں ان بے چاری سے تعزیت

کی جائے۔ بس اللہ ہی انھیں صبر دے جیسا کہ انھیں دو چار بار قبل دے چکا ہے۔ ایک عشیر مرحوم ہی کا صدمہ ان کے لیے کیا کم جانکاہ تھا کہ یہ دوسرا زخم کاری ان کے دل و جگر پر لگا۔

اتنا سخت امتحان بڑے ہی عالی ظرف بندوں کا لیا جاتا ہے اور اس کے اعتبار سے وہ بڑی خوش نصیب ٹھہریں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ مصیبت بڑی شدید اور ہوشربا رہا ہے۔ لیکن بہرحال کتنے دن کی دیکھتے دیکھتے انشاء اللہ کٹ جائے گی اس کے بعد چین ہی چین راحت ہی راحت جس پر دوسروں کو رشک آجائے گا۔

ہم سب لوگوں پر جو ابھی تازہ صدمہ میں مبتلا تھے۔ غم کی ایک تازہ رَو دوڑ گئی اور دعا کے سوا کوئی چارہ نہ اس غم سے ہوا نہ اس غم سے ہے۔ میری بہنوں میں تو وہی بے چاری اب ایک رہ گئی ہیں یہ خط دراصل انھیں کے نام ہے یہ خط ان کو پڑھ کر سنا دینا ان کا پتہ معلوم نہ تھا۔

میاں ملا کا کوئی تعزیت نامہ ہمارے ہاں نہ آیا۔ لڑکیاں بڑی منتظر رہیں یہ تو ممکن ہی نہیں کہ انھوں نے نہ بھیجا ہو یقیناً ڈاک میں ضائع ہو گیا انھیں بھی یہ کارڈ دکھا دینا اگر ملاقات ہو جائے۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے ایک خالہ زاد بھائی کے لڑکے اور برادر محترم حکیم عبدالقوی کے ہم سن اور ہم لوگوں کے والدہ کے سگے چچازاد بھائی ہیں۔ یہ بھی کچھ عرصہ مولانا کی تربیت میں رہے اور کئی برس ہوئے مرحوم ہو گئے۔

(۲) برادرم محترم حکیم عبدالقوی صاحب کا گھریلو نام۔

(۳) مولانا مرحوم کے رشتے میں بھتیجے اور بھانجے اور چودھری خلیق الزماں کی

پہلی بیوی کے سگے بھتیجے ۔ ان لوگوں سے بھی ہم لوگوں کے بڑے مخلصانہ تعلقات رہے۔ پاکستان بننے کے بعد یہ کراچی منتقل ہوگئے۔

(۴) یہ مولانا کی رشتہ میں بہن ہوتی تھیں لیکن بڑی ہی محبت کرنے والی اور اپنے عزیزوں پر جان چھڑکنے والی اور بڑی عبادت گزار۔

(۵) ان کے بڑے صاحبزادے، بھائی اور شوہر کے انتقال پر۔

(۶) مولانا کی ان بہن کے بڑے صاحبزادے اورڑان کے اڈیٹر۔

(۷) مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کا انتقال کا صدمہ۔ مرحومہ کا انتقال بالکل دفعتہً یکم جنوری ۱۹۶۹ء کو باندے میں ہوا جہاں وہ اپنے بڑے بھتیجے کی دو لڑکیوں کی شادی میں شرکت کرنے گئی ہوئی تھیں اور ان کے انتقال سے ایک روز قبل مولانا مرحوم باندے سے واپس آئے تھے۔

(۸) رشتے کی سب بہنوں میں۔

(۹) مولانا کے بڑے عزیز اور خاص تعلق رکھنے والے بھانجے مولوی قطب الدین صاحب جن کا عرف ملا تھا۔ محسنہ قدوائی کے والد ماجد ان کا ذکر پچھلے خطوں میں آچکا ہے۔ دبیر مرحوم ان کے سگے خالہ زاد بھائی تھے اور ان سب لوگوں سے قطب الدین صاحب کا بڑا گہرا تعلق تھا۔

مرزا جمیل احمد صاحب ایڈوکیٹ حیدرآباد دکن

دریاباد۔

۳۰ر جنوری ۱۹۶۹ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

کل صبح آپ کے بھائی صاحب کے سلسلے میں عبادت نامہ بھیج چکا تھا کہ شام کی ڈاک

سے وہ خط ملا جس نے تعزیت نامہ کو واجب کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

بھائی کی چوٹ بھی بڑی سخت چوٹ ہوتی ہے اس کا ذاتی تجربہ رکھتا ہوں۔ ہر مسلمان کی موت یوں بھی مبارک ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ ان کے آخر وقت کے حالات جو آپ نے لکھے ہیں۔ اللہ بال بال رحمت فرمائے۔ دمہ کا مرض مشابہ سکرات ہوتا ہے۔ کتنے گناہ اس موذی مرض سے دھل گئے ہوں گے۔ میرے مرحوم بھائی کو بھی یہی مرض عمر بھر رہا تھا۔

والسلام۔ دعاگو

عبدالماجد

شفاء الملک حکیم عبداللطیف صاحب[1] سابق پرنسپل طبیہ کالج علی گڑھ

جھوائی ٹولہ حکیم عبدالعزیز روڈ کے نام تعزیتی مکتوب

(ان کے بڑے بھائی حکیم عبدالمجید کے انتقال پر)

طبیب ابن طبیب[2] کی مراجعت وطن حقیقی پر ہدیۂ تعزیت قبول ہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ جو خدمت خلق کرتے کرتے بوڑھا ہو گیا وہ بالآخر اس شافی برحق کے دربار میں پہنچ گیا جہاں آگے پیچھے ہم سب ہی پہنچ رہے ہیں۔

موئے سفید، پیٹ کا مرض، اور عشرہ مبارک ذی الحجہ، بے شمار مریضوں کی دعائیں سب کی سب شافع برحق کی قیادت میں ارحم الراحمین کی جلب رحمت کو موجود فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ کا مژدہ کانوں تک کب کا پہنچ چکا ہوگا۔

بھائی کا رشتہ خود کیا کم ہوتا ہے اور آپ کے حق میں تو وہ مرحوم بمنزلہ والد[3] کے تھے طبعی غم و صدمہ جتنا بھی ہو بجا ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) نہ صرف مکتوب الیہ بلکہ ان کے خاندان سے مولانا مرحوم کے پشتینی تعلقات چلے آتے ہیں۔ مولانا مرحوم کے مکتوب الیہ سے خصوصی تعلقات تھے۔ مکتوب الیہ انتقال سے پہلے تک علی گڑھ سے آنے کے بعد مولانا کے معالج رہتے تھے۔ یہی صورت ان کے بڑے بھائی شفاء الملک حکیم عبدالمعید صاحب کے ساتھ تھی وہ مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے بھی معالج رہے۔

(۲) مراد حکیم عبدالمعید صاحب مرحوم۔

(۳) مکتوب الیہ کی صغر سنی ہی میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور مرحوم حکیم عبدالمعید صاحب نے ان کی تعلیم و تربیت دلائی اور پوری طرح کفالت کی۔

قاضی محمد فاروق بھٹکلی متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء
۳ رحمانیہ ہوسٹل ندوۃ العلماء

دریاباد۔

۱۸ اپریل ۱۹۶۹ء　　بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ!　　وعلیکم السلام

باپ کی مفارقت ہر حال میں ایک شدید ترین طبعی قلق و صدمہ کا باعث ہوتی ہے چہ جائیکہ جب بالکل اچانک اور اپنے سے بہت فاصلہ پر واقع ہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن آیت محض رسمی طور پر پڑھ دی جاتی ہے حالانکہ تسکین قلب کے لیے ضرورت آیت پر صحیح و کامل مراقبہ کی ہے۔

جب اس کا استحضار پورا ہو جائے کہ ہم سب اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کے پاس سب کو جانا ہے تو جدائی کیسی؟ استحضار مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں جس حد تک بھی بن پڑے کوشش کر کے حاصل کرنا چاہیے۔

باقی مرحوم کی مغفوریت و رفع درجات کے لیے دعائیں برابر کرتے رہنا چاہیئے۔ اللہ ہر اونچے درجے سے بہرہ اندوز کرے۔ مرحوم کا یہی احسان کمال کچھ کم ہے کہ امداد اور پھر اکلوتی اولاد کو خدمت دین کے لیے وقف کر دیا۔

اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

والسّلام، دُعاگو دعاخواہ

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ہونہار طالب علم تھے اور مولانا کی لکھنؤ تشریف آوری پر ملتے رہتے تھے یہ تعزیت نامہ ان کے والد کے انتقال پر ہے۔

(۲) مکتوب الیہ کے والد کا انتقال ان کے وطن بھٹکل میں ہوا تھا۔

(۳) یعنی ایک دینی درس گاہ ندوۃ العلماء میں داخل کرایا اور دنیوی تعلیم پر دینی تعلیم کو ترجیح دی۔

فرحت انوار صاحبہ[۱] کراچی

دریاباد ــــ

۱۸ر اپریل ۱۹۶۹ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! وعلیکم السّلام

جی نہیں پاکستانی اخبارات تو بہت سرسری نظر سے گزرتے ہیں یہ خبر صاعقہ اثر[۲] ان میں نہیں نظر پڑی تھی آں عزیزہ ہی کے خط سے اطلاع ملی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آں عزیزہ اور بیوہ کو جو کچھ بھی صدمہ ہوا ہو بالکل قدرتی ہے لیکن عقلاً ایسے شخص کی مغفرت میں شک ہی کیا ہو سکتا ہے جو اتنے بندوں کی حاجت روائی کر چکا ہے اور جس کی سفارش میں بے شمار دعائیں عرش الٰہی پر پہنچ چکی ہیں۔ جمعہ کا دن اور پردیس کی

موت ان سب کے علاوہ۔

بہرحال اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ صدق کے آئندہ نمبر میں مراسلہ مع اپنے مفصل نوٹ کے دے دیا ہے ــــــــ

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا کا تعارف پچھلے خطوں میں ہو چکا ہے۔ مولانا ان کی طرز تحریر سے بہت متاثر تھے ان کے مضامین لکھنؤ کی زبان پر اور لکھنؤ کے بارے میں "ساقی" کراچی میں نکلے تھے اتفاق سے ان کے قریبی اعزہ لکھنؤ میں خاتون منزل۔ مولانا کی قیام گاہ کے قریب ہی رہتے تھے۔ چنانچہ جب مکتوب الیہا پاکستان سے آتی تھیں اور مولانا مرحوم کی صاحبزادیاں بھی جاتی تھیں۔ مولانا مرحوم بھی راقم مرتب کی معیت میں ان سے ملنے گئے تھے ان کی قیام گاہ ٹیڑھی بازار ہے۔

(۲) یہ تعزیت نامہ مکتوب الیہا کے ماموں وہاج الدین عباسی کے انتقال پر ہے جس کی اطلاع مکتوب الیہا نے دی تھی اس کے جواب میں یہ تعزیت نامہ ہے۔

(۳) مرحوم عباسی صاحب آئی، سی، ایس ہر ایک کے بڑے کام آتے تھے۔ معلوم نہیں کتنوں کا کام ان کی وجہ سے ہوا۔ وہ پاکستان میں بڑے اونچے عہدے پر فائز تھے پاکستان منتقل ہونے سے پہلے یہاں بھی اونچے عہدے پر فائز تھے۔

افتخار الزماں ابن چودھری سمیع الزماں مرحوم تالاب گنگنی شکل لکھنؤ دریاباد۔

۱۸ر اپریل ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

عزیزم! السّلام علیکم

لکھنؤ کے خط سے تمہارے والد مرحوم کی وفات کی خبر معلوم ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ میرا پیام تعزیت اپنے بھائی، بہنوں اپنی والدہ اور سب عزیزوں کو پہنچا دینا۔ گھر میں اب سب سے بڑے وہی مرحوم تھے۔

دُعا گو

عبدالماجد

(۱) یہ تعزیت نامہ مکتوب الیہ کے والد چودھری سمیع الزماں کے انتقال پر بھیجا گیا چودھری صاحب چودھری خلیق الزماں کے بڑے بھائی تھے اور مولانا مرحوم کے رشتے میں بھائی ہوتے تھے۔ ان کے دادا مولانا کی نانی کے سگے بھائی تھے۔

ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب[1] راشٹرپتی بھون نئی دہلی

دریاباد۔

۵ رمئی ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

تعزیت کا خط لکھنے تو بیٹھ گیا لیکن سوچ رہا ہوں کہ لکھوں تو کیا لکھوں۔ اور آپ سب لوگوں کو خاص، کہ تازہ بہ وہ کی تسکین قلب کے لیے کون سے لفظ استعمال کروں۔

موت برحق اور ہر ایک کے لیے ہے اور خوف وہراس کی چیز نہیں یہ تو بندہ کی حاضری اپنے نہایت شفیق مالک ومولا کے دربار میں ہے لیکن وہ غم نصیب کیا کہہ کر اپنے دل کو سمجھائے جس کا سہاگ دنوں اور گھنٹوں میں نہیں منٹوں میں لٹ گیا اور جس کی بادشاہی چشم زدن میں خاک میں مل گئی۔ ذرا سا بھی تیاری کا موقع تو اس بیچاری کو یا آپ لوگوں میں کسی کو نہ مل سکا۔

لیکن یقین کیجئے یہ سب ایک طریقہ اجر بڑھانے کا ہے۔ اجر بے حساب ناقابل پیمائش

اور اس کا جتنا زیادہ استحضار جس کسی کو ہوگا اسی نسبت سے اس کا دل سکون میں رہے گا بس اس کو دل کی گہرائیوں میں اتار لیجئے اور اپنا وقت زیادہ سے زیادہ مرحوم کے لیے دعائے خیر میں صرف کیجئے۔

میرا تعلق تو صرف مرحوم سے عزیزوں کا سا تھا بے شان و گمان یہ خبر پاکر دل پر جو کچھ گزری بالکل ظاہر ہے۔ معاً دعائے مغفرت کی بار بار دعائیں مختلف نمازوں کے بعد کیں اور دعا میں لڑکیاں بھی برابر شریک رہیں۔

بہرحال اللہ انھیں جنت نصیب فرمائے اور اب بس یہی ان کے کام آنے والی چیز ہے ——— والسلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) یہ تعزیت نامہ مکتوب الیہ جن سے مولانا مرحوم کے بڑے گہرے مخلصانہ تعلقات تھے کے بڑے بھائی ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ ہند کے سانحہ ارتحال پر ہے۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی، ادبستان، دین دیال روڈ لکھنؤ

دریابادـ

۲۹ ستمبر ۱۹۶۹ء بسم اللہ

بندہ مہربان! السلام علیکم

علی عباس حسینی مرحوم کی سناونی کل دوپہر کو سنی اور دل دھک سے ہوکر رہ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ تعزیت آپ کو پیش کر رہا ہوں ——

مرحوم میرے مخلصوں میں تھے۔ تہذیب و شائستگی کی تصویر بڑے شریف نستعلیق۔ مجھ سے کچھ دن کچھ برائے نام پڑھ لکھ لیا تھا وہ رشتہ آج تک قائم رکھے رہے بڑے ہوکر

میرے سامنے چھوٹے ہی بنے رہے۔ قبر پر چل کر فاتحہ پڑھنا ہے اور آپ اس کی رہنمائی اگر کر سکیں تو بہت خوب۔ ۵ر اکتوبر کو انشاء اللہ لکھنؤ پہونچ جاؤں گا[۲] اور قیام کچھ روز رہے گا جس دن اور جس وقت آپ کو سہولت ہو کچھ قبل سے اطلاع کر دیں خط سے یا ٹیلی فون سے ۲۲۷۰۷[۳]۔ آپ کے ہاں حاضر ہو جاؤں گا۔

والسّلام دُعاگو

عبدالماجد

(۱) حسینی صاحب سے جس درجے کے تعلقات تھے اس کا ذکر تعزیت نامہ میں موجود ہے

(۲) کئی برس سے مولانا مرحوم کا اکتوبر میں لکھنؤ آنے اور ۵، ۶ ہفتے قیام کرنے کا معمول تھا۔

(۳) دوسروں کی سہولت کا لحاظ مولانا مرحوم کو حد درجہ رہتا تھا اس کا اندازہ اس مجوزہ انتظام سے ہوتا ہے۔

فرزندان سید علی عباس حسینی مرحوم ایم اے عزت گنج وزیر گنج لکھنؤ دریاباد۔

۳۰ر ستمبر ۱۹۶۹ء بسم اللہ

عزیزان گرامی! السلام علیکم

حسینی مرحوم کی سنا دنی سننے میں آئی دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ اِنّا للہ۔ میرے قدیم مخلصوں میں تھے اور جوہر شرافت کے ایک پیکر مجسم تھے۔

تم لوگوں اور تمہاری والدہ پر جو کچھ گزر رہی ہوگی اس کا تجربہ ہر صاحب تجربہ کو ہے بس اللہ ہی صبر اور برداشت کی قوت عطا کرے۔

آئندہ ہفتے انشاء اللہ آکر مرحوم کی تربت پر فاتحہ پڑھنے جاؤں گا اور اپنے اور

ان کے مشترک دوست سید مسعود حسن رضوی کو ہمراہ لے کر۔
اپنی والدہ کو ضرور میری طرف سے پیام تعزیت پہنچا دینا۔
والسّلام
عبدالماجد

پروفیسر سیّد مسعود حسن رضوی صاحب کے نام

(ان کی بیگم صاحبہ کی خبر وفات پر تعزیت نامہ)

لکھنؤ۔
۲۴ر اکتوبر ۱۹۶۹ء
بسم اللہ

صورت از بے صورتی آمد بردن
باز شد انا الیہ راجعون

برادرم! السّلام علیکم

ابھی ابھی سانحہ کی خبر پڑھی[1]۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔
رفیقہ حیات کی جدائی اور وہ بھی یوں آناً فاناً جس درجہ کا صدمہ بشر کے لیے ہے وہ میری بھی تازہ آپ بیتی ہے اس لیے ہمدردی اور تعزیت آپ کے ساتھ رسمی نہیں بلکہ سو فی صدی دلی رکھتا ہوں۔ اللہ ہی آپ کو صبر عطا فرمائے۔
کل انشاء اللہ فاتحہ سوئم میں حاضری دوں گا۔
والسّلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) مقامی اخبارات میں۔

مولوی حبیب احمد ندوی[1] ۴۴۸ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی ۵

لکھنؤ۔

۲۶ر اکتوبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

برادرم!

وعلیکم السلام

رفیقۂ حیات کی جدائی پر تعزیت قبول ہو۔ اللہ کامل مغفرت فرمائے اور آپ کو صبر جمیل۔ جمعہ کا دن نصیب ہونا مرحومہ کی عین خوش نصیبی تھی ــــ

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا شوکت علی کے سکریٹری رہے تھے اور مولانا مرحوم سے تعلق اخلاص رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد بھی برابر خط و کتابت کا سلسلہ قائم رکھے رہے۔

شیخ انور الزماں[1] ایڈووکیٹ بانده

لکھنؤ۔

۳ر نومبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ!

دو چار دن سے مرحومہ کی یاد اور زیادہ آنے لگی خصوصاً سہ پہر کے وقت بعض دن تو یہی معلوم ہونے لگتا ہے کہ میں یہاں نہیں باندے میں ہوں اور وہاں بھی گھر میں نہیں بغیا میں[2] ــــ وہیں جہاں اپنا سب سے بڑا خزانہ راحت حیات کا سرمایہ اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کر آیا ہوں یہ کیسے کیا؟ وہ جسم مجھ سے قبر میں اتارا کیسے گیا؟ قبر کو بند

ہوتے مجھ سے دیکھا کیسے گیا؟ جنازہ کو کاندھا مجھ سے دیا کیسے گیا؟ وہ کفن پوش بے حس وحرکت اور خاموش مجھ سے دیکھا کیونکر گیا۔؟ چہرہ کے رنگ وروپ کا اندازہ تو میں نیم اندھارات میں کیا کرتا لیکن باوقار سڈول پن کا اندازہ تو اس عالم میں بھی ہو گیا ہائے جامہ زیبی کس غضب کی تھی کہ کفن پوشی پر پھبٹی پڑتی تھی۔ الوداعی نماز پڑھاتے وقت ہوش وحواس کیسے قائم رہے؟

یہ ساری ان ہونی باتیں کیسے ہو کر رہیں؟ جدائی ۵۲ سال کی رفاقت میں کبھی پورے دو مہینے کی بھی ہو کر نہیں رہی۔ زیادہ سے زیادہ جو ہوئی وہ کل ۵-۶ ہفتے کی اور وہ بھی پوری عمر میں کل دو بار۔ یہ مہینوں کی جدائی کا معاملہ میں کیا جانوں اسے اب برداشت کیسے کر رہا ہوں۔

ہائے ان کا دل کتنی بار کس کس طرح میری وجہ سے دکھا ہے ان کی کتنی حسرتوں اور ارمانوں کا خون میرے ذمہ ہے سوچتا ہوں اور جیسے زمین میں گڑ جاتا ہوں۔

اللہ نے تھوڑی بہت قوت ایمانی جو بخش دی ہے (وہ بھی شاید خدمت قرآن کے طفیل میں) اس کے لحاظ سے عقلاً بحمد اللہ تمام تر صبر واطمینان ہے اور بعد حیات کے جو کچھ بھی آثار ظاہر ہیں ان سے پورا اعتماد مغفورہ اور جنتی ہونے کا ہے۔

تم مرحومہ کی سگی اولاد سے کم نہ تھے[۴] اور اللہ نے آخر وقت کی ساری خدمت کی سعادت بھی تمہارے ہی نصیب میں لکھ دی تھی[۵] لڑکیوں سے بات کر کے کبھی کچھ رودھو لیتا ہوں اور وہی اثر تمہارے نام کے خط سے ہوتا ہے۔ یہ جواب طلب ذرا سا بھی نہیں محض اپنے دل کی بھڑاس نکال لینے کے لیے ہے سوچتا ہوں تو نظر آتا ہے کہ ۵۲ سال کی ساری مدت محض ایک لطیف وخوشگوار خواب تھی۔ بات کی بات میں کٹ گئی۔

کٹی رات حرف وحکایات میں
سحر ہو گئی بات کی بات میں

دُعا گو

عبدالماجد

(۱) یہ خط کوئی تعزیت نامہ نہیں لیکن موثر ہونے کے لحاظ سے تعزیت ناموں میں شامل کرلیا ہے۔ مکتوب الیہ مولانا مرحوم کی بیگم کے چہیتے بھتیجے تھے۔ یہ مولانا مرحوم کے تربیت یافتہ تھے اور گرمیوں کی چھٹیوں کا طالب علمی کے زمانے میں بڑا حصہ دریاباد میں گزارتے تھے مولانا کو ان سے بڑی محبت تھی اور یہ بھی مولانا مرحوم کے بڑے ہی ارادت مند اور مزاج شناس تھے۔

(۲) باندے کا وہ احاطہ یا چھوٹا باغ جو خاندانی قبرستان ہے اور جہاں مکتوب الیہ کے دادا دادی اور والدہ کی قبر ہے اور وہیں مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کی بھی قبر ہے اور وہیں ان کے بڑے لڑکے اکبر کی قبر ہے جو ۱۱½ سال کی عمر میں باندے میں فوت ہوا۔

(۳) مولانا مکتوب الیہ کی لڑکیوں کی شادی کی تعزیت میں شرکت کرکے ہم سب لوگوں کے ساتھ ۳۱ دسمبر کی سہ پہر کو باندے سے روانہ ہوکر رات کو لکھنؤ پہنچے اور دوسرے دن یعنی یکم جنوری ۱۹۶۹ء کی دوپہر کو دریاباد مع منجھلی صاحب زادی یعنی برادر محترم حبیب احمد قدوائی کی بیوی کے دریاباد گئے اور ۲ر کی صبح کو مرحومہ کے انتقال کی خبر بذریعہ ٹیلی فون مکتوب الیہ نے ہم لوگوں کو لکھنؤ میں دی۔ غم مرحوم کو اطلاع کرنے میرے چھوٹے بھائی عبدالعلیم سلمہٗ مع میری بیوی کے کار پر گئے۔ جو مرحومہ کی چہیتی بھتیجی حامدہ حبیب اللہ نے دی تھی اور علیم سلمہٗ سے غم مرحوم کو اس سانحہ کی اطلاع ہوئی۔

(۴) مرحومہ مکتوب الیہ کو بہت چاہتی تھیں۔

(۵) تجہیز و تدفین اور ہر چیز مکتوب الیہ نے کی۔

شجاع الدین صاحب[1] برمکان ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور لاہور

دریاباد۔
۱۰ر دسمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام

اللہ مرحوم و مغفور کو زیادہ سے زیادہ دینی نعمتوں اور نوازشوں سے مالامال فرمائے اللہ کے ہاں سے بلاوا بھی تو عین رمضان میں آیا اور وہ بھی اس کے دوسرے عشرہ میں جو مخصوص ہے رحمت و مغفرت کے لیے۔ مرحوم کی زندگی جس طرح قابل رشک تھی اپنی دینی خدمات کے لیے اسی طرح یہ موت بھی قابل رشک پائی۔ اپنی والدہ اور بہنوں کو خاص طور سے میرا یہ پیام ہمدردی و تعزیت پہنچا دیجئے۔ اچانک صدمہ شدید ترین صدمہ ہوتا ہے صبر آتے آتے ہی آئے گا۔ بہرحال مرحوم کی خوش نصیبی میں شک نہیں بہترین سرور و نعمت کی جگہ پہنچ گئے ہیں۔ چند گھنٹے قبل کراچی سے ایک صدق نواز نے "حریت" یکم دسمبر کا ایک تراشہ بھیج دیا تھا۔ اسے پڑھ کر دل دھک سے رہ گیا تھا[2]۔ اور دل سے دعائیں کرتا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا عبدالباری ندوی[3] دونوں کو خبر پہنچائے دیتا ہوں۔ صدق اس ہفتہ کا تو زیر طبع ہے آئندہ ہفتہ انشاء اللہ مفصل نوٹ دوں گا۔

شریک غم و دعاگو۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد ڈاکٹر رفیع الدین صاحب ان لوگوں میں تھے جن کے نہ صرف علم و فضل بلکہ حکیم ہونے کے مولانا مرحوم پوری طرح قائل تھے اور اس لیے کہ یہ خالص علمی رنگ میں اسلام کی بڑی ہی قابل قدر خدمت اپنی تحریروں سے کر رہے ہیں۔ صدق میں بار بار مولانا نے اس پہلو کو اجاگر کیا۔ ان کی اسلامیت اور دینی جذبے کے بڑے مداح تھے ان کے وفات

انتقال کا مولانا کو بہت صدمہ ہوا۔

(۲) مرحوم ڈاکٹر صاحب کو رکشا الٹنے کا حادثہ پیش آیا تھا۔ اس کی اطلاع ایک صاحب نے "حریت" کا تراشہ بھیج کر کی لیکن یہ چوٹیں جان لیوا ثابت ہوئیں۔

(۳) یہ دونوں حضرات بھی ڈاکٹر صاحب کے علم و فضل، حکیمانہ نظر اور اسلامی حمیت و غیرت کے بڑے معترف اور قائل تھے۔

جناب وفا ملک پوری اڈیٹر "صبح نو" پٹنہ

دریاباد۔

۱۵ر دسمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

مکرم بندہ! السلام علیکم

آپ کا تازہ رسالہ دو ایک دن سے آیا ہوا تھا آج اتفاق سے پہلے صفحہ پر نظر پڑ گئی۔ رفیق زندگی کی جدائی خود ہی کیا کم ہوتی ہے کہنا چاہیے کہ یہ تو اُم المصدمات ہے چہ جائیکہ اور بھی قریب کے عزیز ایک ایک کر کے اُٹھ جائیں اور دوسرے مصائب کا بھی اجتماع ہو جائے اللہ ہی آپ کے دل کو سنبھالے رکھے۔

مومن کے لیے تو ہر غیبی صورت محض مہر بہ صورت قہر ہوتی ہے۔ ہر ایک کا پورا اجر موعود ہے۔ دنیا کی راحتوں، لذتوں کا کوئی مقابلہ ہی ابدی راحتوں اور لذتوں سے نہیں اور یہ اضطراری مجاہدے جو کرائے جاتے ہیں سب اسی جنت کے لیے ہیں جو ہر کلمہ گو کی منزل مقصود ہے۔

اللہ ہم کو آپ کو سب کو اس گہری حقیقت کا حقیقی احساس عطا کرے اس کے بعد ہر تلخی انشاء اللہ شیریں بن کر رہے گی۔ والسلام دعاگو

عبدالماجد

خدیجہ سلمہا بیگم[1] چودھری الطاف حسین قیصر باغ لکھنؤ

دریاباد۔
۲۲ر دسمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

مومن مخلص کی موت یوں ہی ہمیشہ اچھی ہی ہوتی ہے پھر تمہارے والد[2] کی وفات جو شاید عین رمضان میں یا اس کے متعاقب ہی ہوئی ہے۔ یہ تو جنت کی طرف بلاوا بلکہ صاف ڈبل بلاوا تھا۔ سب سے بڑھ کر ان کی طرف سے گواہی دینے والی ان کی شدید پابندی نماز باجماعت ہوگی۔ کیسی کیسی مسجدوں کے در و دیوار گواہی دیں گے جہاں وہ دور دور محض نماز کے لیے پہنچے تھے۔

تمہارے ذاتی صدمے یوں ہی کیا کم تھے اور سالہا سال سے چلے آرہے تھے کہ اب ان پر ایک اور کا اضافہ ہوا۔

عقلاً خوش ہو کہ اس طرح تمہارے مرتبے بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے ہیں مومنہ کی ادنیٰ سی بھی تکلیف اس کا مرتبہ بڑھاتی رہتی ہے۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا رشتے میں مولانا کی بھانجی ہوتی تھیں۔ ان کی والدہ مولانا کی بیگم صاحبہ کی ہم سن اور پرانی سہیلی تھیں اور دونوں میں بڑے مخلصانہ تعلقات تھے مکتوب الیہا کے والد چودھری اکبر حسین آئی، سی، ایس جوڈیشل لائن میں برسہا برس رہے جج اور آخر میں جوڈیشل سکریٹری اور LEGAL REMEMBRANCER ہوگئے اور تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہوگئے اور وہاں بھی اونچے عہدے پر رہے۔ دین داری بلکہ تقویٰ میں ممتاز تھے یہ تعزیت نامہ

ان ہی کے انتقال پر ہے۔

(۲) چودھری اکبر حسین مرحوم۔

مولوی محمد حسین شمس علوی کاکوروی[1] ایڈیٹر رسالہ فروغ اردو مالک انوار بک ڈپو لکھنؤ۔

دریاباد۔

۴ر مئی ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

واسطہ در واسطہ آپ کے یہاں سانحہ کی خبر مجھ تک بھی پہنچی اور دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ سانحہ بجائے خود بھی کم نہ تھا۔ پلے پلائے، ہنستے دوڑتے لخت جگر کا آنکھوں کے سامنے سے اُٹھ جانا ماں باپ کے لیے کس درجہ صبر آزما تھا چہ جائیکہ یوں آناً فاناً چٹ پٹ دشمنوں تک کے دل دہلا دینے پگھلا دینے کے لیے کافی!۔۔۔ آپ لوگوں پر قیامت گزر کر رہی ہوگی۔ کیا کیا ارمان آپ لوگوں کے دلوں میں ہوں گے۔ پڑھنے پڑھانے کے، شادی بیاہ کے، ہر طرح کے دنیوی و اُخروی فلاح و بہبود کے۔۔۔ بجلی ان پر گر پڑی بے دھم و بے گمان۔

ایسا کڑا امتحان تو بس عالی ظرف ہی کا لیا جاتا ہے خوش ہو جیئے کہ تمام ازل کی میزان میں آپ عالی ظرف پائے گئے۔

اور اس وقت کی خوشی کا تو کہنا ہی کیا جب وہ معصوم روح ہنستی کھیلتی ہوئی آپ کو اس عالم میں لے جانے کے لیے استقبال کو آئے گی اور پھر دوبارہ مچلتی ہوئی جنت میں آپ کو گھسیٹتی ہوئی لے جائے گی۔

اس وقت رشک کریں گے آپ کے نصیب پر دوسرے اور نصیب پر آپ خود۔

والسّلام

سوگوار عبدالماجد

(۱) نہ صرف مکتوب الیہ کے بلکہ ان کے والد مولوی حاجی محمد حسن صاحب جو مولانا تھانوی کے مرید بھی تھے اور ان کے دوسرے قریبی اعزہ مثلاً مولانا ڈاکٹر مصطفےٰ حسن علوی سے مولانا مرحوم کے مخلصانہ تعلقات تھے اور مکتوب الیہ سے ہم سب لوگوں کے بھی مخلصانہ تعلقات ہیں خاص کر برادر محترم حبیب احمد صاحب سے۔ تعزیت نامہ مکتوب الیہ کے صاحب زادے کے انتقال پر بھیجا گیا۔

صاحبزادگان بشیشور پرشاد منور لکھنوی، آدرش کتاب گھر دریا گنج دہلی

دریاباد۔

۲۰ مئی سنہ ۱۹۴۰ء

بسم اللہ

عزیزان من!

کل شام کو دہلی کے ایک انگریزی روزنامہ میں آپ کے والد ماجد کی وفات کی خبر پڑھی اور دل نے بڑا حزن و ملال محسوس کیا۔

اردو کی بڑی خدمت کر گئے اپنے ترجموں سے بھی اور اپنی شاعری سے بھی خدمت اردو میں اپنے والد کے قدم بہ قدم تھے بلکہ ان سے بھی آگے بڑھ گئے تھے۔ خدا آپ لوگوں کو صبر عطا فرمائے۔

عبدالماجد

مولانا عمران خاں ندوی مسجد شکور خاں بھوپال کے نام

(مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کی وفات پر تعزیت نامہ)

دریاباد۔

۸ر مئی ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

تعزیت کیا کروں، کن الفاظ میں کروں۔ بس ملت نے اپنی عزیز ترین متاع گم کردی دعائے مغفرت تحصیل حاصل ہے وہ خود ہی انشاء اللہ دوسروں کی مغفرت کرائیں گے۔ زندگی ہی میں میں نے یہ بین طور پر محسوس کیا کہ عالم آخرت ان کے لیے اجنبی نہ تھا گویا دو گھر رکھتے تھے ایک اس عالم آب وگل میں ایک آخرت میں براہ کرم مخدومہ محترمہ سے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں سے میری طرف سے تعزیت فرمایئے۔

آئندہ ہفتہ کا پرچہ مرتب ہوچکا تھا۔ دوسرے مضمون خارج کرکے آپ کے مراسلہ[2] کو جگہ دے رہا ہوں خود میرا نوٹ اس کے بعد کی اشاعت میں ہوگا۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) حضرت شاہ صاحب بڑے ہی مقدس اور برگزیدہ بزرگ اور خاصان حق میں تھے۔ مولانا مرحوم ان سے بہت متاثر تھے۔ اور کئی بار محض حضرت مرحوم کی زیارت اور ان کی باتیں سننے بھوپال تشریف لے گئے۔ مکتوب الیہ کی حضرت مرحوم سے خاص ارادت تھی اس لیے یہ تعزیت نامہ بھیجا گیا۔

(۲) یہ مراسلہ حضرت مرحوم کے وصال اور حالات کے بارے میں تھا۔

طارق محسن قدوائی جگور ضلع بارہ بنکی

دریاباد۔

۱۶ر جون ۱۹۷۰ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! دعائیں

سہ پہر کو اخبار میں تمہارے والد مرحوم[۱] کی خبر وفات دفعتاً پڑھ کر دل دھک سے ہوگیا۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور تم سب لوگوں کو توفیق صبر عطا فرمائے۔

لڑکے کا سن کچھ بھی ہو جائے باپ کی زندگی بھر وہ لڑکا ہی بنا رہتا ہے ان کے انتقال سے دنیا ہی بدل جاتی ہے اور ذمہ داری پہلی بار اپنے سر آپڑتی ہے اللہ اس آزمائش میں کامیاب کرے۔

پردیس کی موت کا ایک خاص اجر ہوتا ہے وہ نعمت مرحوم کو مل گئی مجھے تو ان کی طالب علمی شادی وغیرہ کی ایک ایک منزل یاد ہے۔

خالد سلمہٗ کا پتہ نہیں معلوم ورنہ انھیں بھی تعزیت نامہ لکھتا۔ تمہاری خالہ ماموں بہنیں سب ہی تعزیت کی مستحق ہیں۔

بہرحال اب تو یہی دعا ہے کہ اللہ مرحوم کے درجات بلند کرے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے نواسے ہوتے تھے اور ان کی چچازاد بہن کے نواسے

(۲) شیخ مومن علی قدوائی جگوری جو مولانا مرحوم کے داماد ہوتے تھے۔

(۳) مرحوم کا انتقال پاکستان میں ہوا تھا۔

(۴) مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین[1] قریشی کرامت منزل لکھنؤ کے نام

(ان کے والد کے سانحہ ارتحال پر)

دریاباد۔

۲۴ر دسمبر ۱۹۷۰ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

سانحہ کی خبر ابھی 'بیباک' میں نظر سے گزری۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

باپ کی موت کسی سن میں بھی ہو اولاد کے حق میں ایک ابتلاء عظیم ہے اور پھر باپ جو اس قدر پابند شریعت اور دین دار ہو۔ مومن کی موت یوں ہی رحمت الٰہی کا مظہر ہوتی ہے اس پر شب جمعہ کی رحمت۔ علی میاںؒ کی امامت نماز جنازہ وغیرہ مستزاد اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ ہر امتحان پر اجر بھی درجۂ امتحان کا ہوتا ہے بس اسی حقیقت کو ہر وقت دل میں تازہ رکھئے انشاء اللہ پوری تسکین حاصل ہو جائے گی۔

والسلام دعاگوئے مغفرت

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ تمام ملی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کے اولڈ بوائے ہیں اور اولڈ بوائز ایسوسی ایشن اور مسلم مجلس کے صف اول کے لیڈروں میں۔ حضرت مولانا علی میاں کے خاص لوگوں میں ہیں۔ ڈاکٹر عبدالعلی صاحب مرحوم کے بعد مولانا مرحوم کے معالج رہے اور بڑی دل سوزی سے مولانا مرحوم کے فالج کا علاج کیا ایسے بھی ہم سب لوگوں کے معالج رہتے ہیں اور بڑی خصوصیت کرتے ہیں۔

(۲) سہارن پور کا ہفتہ وار۔

(۳) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

محمد خان[1] معرفت اقبال محمد خاں کوارٹر ۲ ٹیلی فون ایکسچینج کراچی

دریاباد۔

۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

غم نامہ ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ اللہ صبر دے اور مرحومہ کی مغفرت کرے۔ دعا فوراً ہی کر دی تھی۔ صدمہ تو اولاد کو بھی ہوتا ہے۔ اور ماں اولاد کے حق میں کہنا چاہیے کہ سب سے بڑی نعمت ہوتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ تعزیت و ہمدردی کے قابل شوہر ہوتا ہے اس سن میں تو اس کی زندگی ہی گویا ختم ہو جاتی ہے۔ بیوی اس کے حق میں ایسی نعمت ہوتی ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

شروع جنوری ۱۹۶۹ء میں خود یہ زخم کاری کھا چکا ہوں اس دن سے آج تک کھل کر ایک بار بھی ہنسی نہیں آسکی ہے بس اب جنت ہی میں انشاء اللہ ملاقات ہوگی اللہ ہر مومن اور مومنہ کو یہ درجہ نصیب کرے۔

والسلام دُعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد دوست محمد صاحب سیتاپور میں مولانا کے اسکول نیلوتھے اور پاکستان بننے کے بعد وہاں منتقل ہو گئے تھے۔ مکتوب الیہ نے اپنی والدہ کے انتقال کی خبر دی اس پر مولانا نے یہ تعزیت نامہ لکھا۔

حاجی بہاء الدین صاحبؒ یاقوت پورہ حیدرآباد

دریاباد۔

۱۱ر نومبر ۱۹۷۰ء بسم اللہ

عزیزی و مشفقی! وعلیکم السلام

جمعہ کی موت تو بڑی مبارک موت ہے صرف خوش نصیبوں ہی کے حصہ میں آتی ہے اعمال صالحہ اور اولاد صالح موجود ہوں اس پر مستزاد۔ انشاء اللہ مغفرت یقینی ہے بہرحال دعا خط پڑھتے ہی کردی اور اس کے بعد بھی۔ عزیز کا عزیز اپنا ہی عزیز ہوجاتا ہے۔ گھر کی لڑکیاں بھی دعا میں شریک ہیں۔ اولاد کی دعا والدین کے حق میں پوری ہی موثر ہوتی ہے چہ جائیکہ رمضان میں۔ والسلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخلص خصوصی تھے۔ وہ انھیں "بے بہا" کہا کرتے تھے ان کے اخلاص وفہم دونوں کے قائل تھے۔ مکتوب الیہ نے خط وکتابت کا سلسلہ مولانا کی آخر زندگی تک قائم رکھا اور اب تک ہم لوگوں سے وہی رشتہ اخلاص قائم رکھے ہوئے ہیں۔

احمد سعید صاحبؒ انجینیر برمکان شفاء الملک حکیم عبداللطیف صاحب مرحوم جھوائی ٹولہ لکھنؤ

دریاباد۔

۱۲ر نومبر ۱۹۷۰ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

کیا بیان ہو کہ حکیم صاحب مرحوم کی خبر وفات پڑھ کر کس درجہ صدمہ دل کو ہوا یہ معلوم ہوا کہ کوئی عزیز ہی نہیں عزیز قریب ہی دفعتہً چھٹ گیا۔ خاندانی تعلقات چوتھی پشت سے چلے آ رہے تھے۔ اپنی والدہ وغیرہ کی زبان سے بچپن میں حکیم محمد یعقوب صاحب اور حکیم محمد ابراہیم صاحب[۳] کے حالات بارہا سننے میں آئے اور پھر شفاء الملک حکیم عبدالمعید[۴] اور شفاء الملک حکیم عبداللطیف دونوں ذاتی طور پر میرے انتہائی کرم فرما تھے۔ برسوں سے یہ معمول تھا کہ جہاں بیمار پڑا لکھنو چلا آیا اور اپنے کو انھیں شفاء الملک کے سپرد کر دیا۔

اتفاق سے کبھی مرحوم نے آں عزیز کا ذکر ہی نہیں کیا اس لیے مجھے آپ کے وجود کی خبر بھی نہ ہوئی۔ سوچتا رہا کہ تعزیت کروں تو کس سے کروں اب کل محض اتفاق سے حکیم عبدالقوی دریابادی کی زبانی علم ہوا۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے دل سے دعا نکلتی ہے۔ وسط رمضان کی موت اور پھر جمعہ کے دن قابل رشک موت پائی۔ اور سارے عزیزوں کی خدمت میں بھی یہی پیام تعزیت۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ شفاء الملک حکیم عبداللطیف صاحب کے فرزند تھے۔ مرحوم کے انتقال پر یہ تعزیت نامہ ان کے نام گیا۔ شفاء الملک مرحوم کے انتقال کا مولانا پر بہت اثر تھا۔

(۲) شفاء الملک مرحوم بھی مولانا مرحوم سے بڑی ارادت مندی اور خلوص کا تعلق رکھتے تھے۔ ان سے خاندانی تعلقات چلے آتے تھے۔ اس کا ذکر اس تعزیت نامہ میں آگیا ہے۔

(۳) ہر دو حضرات شفاء الملک مرحوم کے مورثوں میں تھے۔

(۴) شفاء الملک مرحوم کے برادر بزرگ ان سے بھی اسی درجہ کا ہمارے خاندان

سے مخلصانہ تعلقات تھے مولانا کی بیگم صاحبہ اور صاحب زادیوں کے بھی معالج رہے اور بڑی توجہ فرماتے تھے۔ فروری ۱۹۶۹ء میں ان کے انتقال پر مولانا مرحوم نے حکیم عبداللطیف صاحب کو تعزیت نامہ لکھا جو اس کتاب میں شامل ہے۔

قمر حسن خاں پسر ظفر حسن[1] خاں، زرد کوٹھی شاہ گنج لکھنؤ

دریاباد۔

۱۶ر دسمبر ۱۹۷۰ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السّلام

اپنی والدہ ماجدہ کی وفات پر دلی تعزیت قبول کرو اور اپنے بھائی بہنوں کو بھی پہنچا دو۔ رمضان اور پھر اس کے عشرہ ثانی کی موت تو پروانہ جنت ہوتی ہے اس سے بڑھ کر مبارک وقت اور کون سا ایک مسلمان کے لیے ہوگا۔

اللہ ان مرحومہ کو غریق رحمت کرے اور سارے عزیزوں کو توفیق صبر دے اگر مجلس چہلم لکھنؤ میں ہوتی تو میں ضرور شرکت کی کوشش کرتا۔

ماں کی ذات ایک نعمت لاثانی ہوتی ہے سن کچھ بھی ہو جائے کوئی دوسری نعمت اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ والسّلام

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد مولانا مرحوم کے کالج کے ہم درس اور بڑے ہی مخلص دوستوں میں تھے ــــ اور یہ رشتہ اخلاص ان کے انتقال تک یعنی کوئی ۴۵-۴۶ برس تک قائم رہا۔ مکتوب الیہ نے اپنی والدہ کے انتقال کی اطلاع دی تھی اس پر یہ تعزیت نامہ گیا۔ خاں بہادر مرحوم اتحاد بین المسلمین یعنی شیعہ سنی اتحاد کے علمبرداروں میں تھے

اور مولانا اس جذبہ کی بڑی قدر کرتے تھے۔

عبدالرؤف صاحب عباسی مرشد آباد پلیس گولہ گنج

دریاباد۔

۲۰ر دسمبر ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

خدا کرے بمبئی سے واپسی مع الخیر ہوئی ہو اور مرض میں نمایاں افاقہ ہو گیا ہو۔ آپ لوگوں پر جو آسمان ٹوٹ پڑا[1] اس پر سوا اس کے اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کو کوئی بڑا امتحان لینا اور اسی کی مناسبت سے جزائے عظیم دینا مقصود ہے جب ہی اتنی حیرت انگیز، حسرت انگیز، عبرت انگیز موت واقع کر دکھائی گئی۔ بچے اور بوڑھے اپنے اور پرائے سب ہی انگشت بدنداں! پردیس کی موت اور وہ بھی ایسی بے کسی سے خود ہی ایک پروانۂ مغفرت ہے اور موت کس کی؟ ایک جوان صالح کی[2]۔ اپنے سارے کنبے کی پرورش کرنے والے اور اپنی ملت کی قلمی خدمت میں لگے رہنے والے کی[3]۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب لوگوں کے لیے کوئی سبیل معاش جلد سے جلد نکال دے۔

اس جنوری میں لکھنؤ حاضری کا قصد ہے اور پہلا کام آپ کی خدمت میں تعزیت اور عیادت دہرے فریضے کے لیے حضوری ہے۔

مرحوم جب مجھے خط لکھتے یا جب ملتے تو اس ادب و احترام اور اس اخلاص و محبت سے کہ بالکل سگے بھتیجے کا لطف آجاتا دل سے دعائیں بے اختیار نکل رہی ہیں ــــ

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم کے مخلصین میں تھے اور ۱۵ برس تک "صدق جدید" کے پیش رو صدق کے منیجر رہے بالکل عزیزوں کے سے تعلقات تھے۔

(۲) اس سے مراد مکتوب الیہ کے بڑے ہی ہونہار اور سعید بھتیجے جو اپنا اخباری نام اپنے ان چچا کے نام پر عبدالرؤف عباسی جونیر لکھتے تھے کے دفعتاً سانحہ ارتحال پر ہے۔ مرحوم ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں مقیم تھے اور وہیں کار کے حادثہ کے شکار ہوئے۔ مرحوم بڑے صالح اور متقی نوجوان تھے۔

(۳) مرحوم ہی سارے کنبہ کے مصارف کے کفیل تھے اس لیے کہ مکتوب الیہ کا اخبار حق کئی برس ہوئے بند ہو چکا تھا اور پریس بھی فروخت ہو چکا تھا اور خود مکتوب الیہ بھی علیل تھے۔ ڈاکٹروں نے کینسر کا مرض تشخیص کیا تھا۔

(۴) مرحوم کئی برس سے جرنلزم کی ڈگری لینے کے بعد ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے بڑے اونچے روزنامے سے منسلک تھے۔ اور اپنے قلم سے مسلمانوں کی خدمت کر رہے تھے۔

مولوی عبدالحمید ندوی[۱] جے سکھ پور[۲] ضلع بارہ بنکی

دریاباد۔

۳۰ دسمبر ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

اللہ صبر عطا فرمائے۔ رفیق زندگی کا ساتھ چھوٹنا اللہ کی طرف سے ایک سخت آزمائش ہوتی ہے۔ خود[۳] اس تلخی کا مزہ دو برس سے چکھ رہا ہوں اللہ ہر مسلمان کو اس میں کامیاب کرے ——

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی شروع طالب علمی ہی سے مولانا کے مخلصوں میں تھے۔
(۲) مکتوب الیہ کا وطن جو دریاباد سے چند میل کے فاصلہ پر تھا۔
(۳) مراد مولانا کی بیگم صاحبہ کے انتقال سے ہے۔

محمد جمال الدین صاحب، دارالاسلام باڑہ ضلع پٹنہ

دریاباد۔
۱۷ر فروری ۱۹۷۱ء بسم اللہ

مہربان بندہ! السلام علیکم

والدہ کا سایہ سر سے اُٹھ جانا زندگی کے بڑے صدموں میں سے ہے اللہ پوری طرح مغفرت فرمائے اور آپ سب لوگوں کو صبر عطا فرمائے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

کمال محمد خاں، ٹیلی فون ایکسچینج کراچی

دریاباد۔
۱۳ر اپریل ۱۹۷۱ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام

اللہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور سارے عزیزوں کو توفیق صبر اچھا ہوا کہ بیوی سے جاکر جلد مل گئے۔ اور زیادہ طویل جدائی نہیں جھیلنا پڑی۔ وفات کی خبر کئی دن ہوئے نادم سیتاپوری صاحب کے خط سے مل چکی تھی اور تعزیت بھی ان سے اسی وقت کر دی تھی۔

زندگی میں ملاقات کی ایک موہوم سی امید جو ایک بچپن کے رفیق سے تھی وہ بھی آج ختم ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰہ۔ والسّلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد مولانا مرحوم کے سیتاپور اسکول میں ساتھی تھے۔ برسہابرس کے بعد ان کے کراچی میں ہونے کی اطلاع مولانا مرحوم کو نادم سیتاپوری صاحب نے دی اس سے مولانا بڑے خوش ہوئے۔ اس سے پہلے برابر نادم صاحب سے ان کے سیتاپور میں قیام کے زمانے میں خیریت پوچھتے رہتے تھے۔ مرحوم کی رفیقہ حیات کے انتقال کی اطلاع پانے پر مرحوم نے ان کے صاحب زادے کے نام تعزیت نامہ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۷۰ء کو لکھا تھا

(۲) یعنی چند ہی مہینے کے بعد مرحوم کا انتقال ہوگیا۔

مولانا حاجی حافظ ابوالقاسم محمد عتیق صاحب ٹکسال چوک فرنگی محل لکھنؤ

دریاباد

۱۲ر جون ۱۹۷۱ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

کل دوپہر کو اخبار سے حادثہ کی خبر ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

یہ ایک اضطراری سنت نبوی ہے جو خوش نصیب شوہروں کو حاصل ہوجاتی ہے ایک تو اتنی طویل وتکلیف دہ علالت اور پھر انتقال کا وقت جمعرات کی شام، جمعہ کی تدفین ایک بڑے مجمع کی نماز جنازہ، مغفرت ومغفوریت کے لیے اسباب متعدد رکھتے ہیں۔

طویل العمر بیوی سے جو رشتہ انس ومؤانست قلب کا پیدا ہوجاتا ہے اس کا بدل دنیا میں ممکن نہیں بہرحال اب وقت ہے۔ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ پر کاربند ہوجیے

اور اجر بے حساب حاصل کیجیے۔ والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کے پشتینی تعلقات تھے۔

مولانا اسعد میاں ناظم جمیعۃ العلماء ہند دہلی

دریاباد۔

۲۵ر جون ۱۹۷۱ء بسم اللہ

عزیز مکرم! السّلام علیکم

آپ کے عم محترم کی وفات حسرت آیات پر آپ سے دلی تعزیت کرتا ہوں۔ اللہ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے۔ والسّلام

دُعا گو

عبدالماجد

(۱) مولانا محمود احمد صاحب جن کا قیام مدینہ منورہ میں تھا یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے سن میں چھوٹے تھے۔

ممتاز علی وارثی صاحب بی اے، سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ کورٹ سنگارریڈی آندھرا

دریاباد۔

۱۳ر جولائی ۱۹۷۱ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السّلام

آں عزیز کی والدہ مرحومہ کی اللہ مغفرت فرمائے۔ خط پاتے ہی دعا کردی تھی۔

یہ نعمت بے بدل ہوتی ہے۔ بھائی معصوم علی مرحوم[1] میرے مخلصوں میں تھے ان کے لڑکے کو ضرورت کسی مزید تعارف کی ہرگز نہ تھی۔ کئی سال قبل کی ملاقات بھی مجھے یاد پڑ گئی غالباً ظہور مرحوم موہانی[2] کے مکان پر ہوئی تھی ۔ والسلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد حیدرآباد میں وکالت کرتے تھے۔ ان کا وطن ضلع بارہ بنکی ہی تھا ان سے مولانا مرحوم کے خاصے تعلقات رہ چکے تھے۔

(۲) ان کا ذکر پچھلے خطوں میں آچکا ہے۔ مولانا مرحوم کے پرانے اور مخلص دوست سید امین الحسن موہانی کے بھائی اور داماد۔

مقبول احمد لاری[1]، لاری ہاؤس اقبال منزل نواب حامد حسن روڈ لکھنؤ

دریاباد۔

۲۰ر جولائی ۱۹۷۱ء بسم اللہ

مکرم بندہ! السلام علیکم

خیر مرحوم[2] کی خبر وفات کل پڑھی دعائے مغفرت اسی وقت کر دی۔

تعزیت نامہ سوچتا رہا کہ کس کے نام لکھوں ان کے عزیزوں سے میں واقف نہیں آخر نظر آپ ہی کے نام پر گئی۔

اردو کے مخلص خادم عمر بھر رہے میرے مخلص عنایت فرما تھے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ والسلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا ماشاء اللہ نیپال میں بہت اچھا کاروبار چل رہا ہے اور یہ ماشاء اللہ بڑے مخیر شخص ہیں۔ مولانا مرحوم سے ارادت مندانہ تعلق اخلاص رکھتے تھے مکتوب الیہ اپنے ہاں تقریبات میں مولانا مرحوم کو بڑی ہی خصوصیت سے مدعو کرتے تھے اور مولانا وقت نکال کر ان میں شریک ہوتے تھے۔

(۲) یہ مرحوم انجمن ترقی اردو ہند کے دفتر میں بابائے اردو مولوی عبدالحق کے پاکستان جانے سے پہلے کام کرتے تھے اور اس کے بعد جب انجمن کے سکریٹری قاضی عبدالغفار ہوئے تو ان کے ساتھ علی گڑھ میں برسوں کام کیا۔ اردو کے بڑے ہی مخلص اور کارگزار خادم تھے اور آخر دم تک بڑے جوش سے اس کا کام کرتے رہے۔

جناب شیخ مستنصر اللہ صاحب نزد زندہ عجائب گھر بنارسی باغ لکھنؤ

دریاباد۔
۱۵ ستمبر ۱۹۷۱ء

بسم اللہ

السلام علیکم

مکرم بندہ!

کل شام کو آپ کے بھائی مرحوم حافظ غضنفر اللہ کے انتقال کی خبر پڑھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ بھائی کی وفات کا صدمہ ہونا بالکل طبعی امر ہے۔ اللہ آپ کو اور سارے عزیزوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

دعائے مغفرت اسی وقت کر دی تھی اور اس وقت بھی کر رہا ہوں۔ مرحوم سن دار تھے اور سن دار ہونا تو خود مومن کے لیے ایک سبب مغفوریت ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ مجھے بوڑھے مومن سے سوال کرتے مروت آتی ہے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بڑے پختہ اور مخیر مسلمان ہیں دینی اور ملی کاموں میں بہت پیش پیش رہتے ہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے بھی ممبر ہیں اور اس کے جلسوں میں بڑی پابندی سے شریک ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے رہتے ہیں

(۲) مکتوب الیہ کے بھائی ان کا بھی ماشاء اللہ بڑا اچھا کاروبار تھا۔ یہ مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لے چکے تھے۔

جناب حامد انصاری صاحب[۱] ڈپٹی سکریٹری وزارت خارجہ نئی دہلی

دریاباد۔

۲۱ ستمبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

مکرم بندہ! السلام علیکم

ابھی الجمعیۃ سے اسد اللہ کاظمی صاحب[۲] کی خبر رحلت معلوم ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحوم میرے بھی پرانے کرم فرما تھے اور پختہ مسلمان دعائے مغفرت دل سے کر رہا ہوں۔ مرحوم کے کسی عزیز قریب کے نام اور پتے سے مجھے واقفیت نہیں اس لیے اخبار میں آپ کا پتہ دیکھ کر آپ ہی کو تعزیت نامہ لکھ رہا ہوں۔

بیوی کو اور سب عزیزوں کو اللہ صبر عطا فرمائے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مسلم یونیورسٹی کے بڑے ہی ہونہار طالب علموں میں تھے۔ راقم السطور کے بڑے قابل شاگرد تھے طالب علمی کے بعد فارن سروس کے مقابلے کے امتحان میں کامیاب ہوئے اور فارن سروس میں ان کا تقرر ہوگیا۔ اس وقت عرب امارات میں ہند کے سفیر ہیں۔

ان کے والد مولوی عزیز انصاری بھی ایم، اے او کالج کے ممتاز طالب علموں میں تھے۔ اور اس زمانے کی قومی تحریکوں میں پیش پیش رہے۔ جنگ بلقان کے مورچہ پر طبی وفد ڈاکٹر انصاری مرحوم کی قیادت میں گیا اس کے ایک ممبر یہ بھی تھے۔ اس کے بعد تحریک عدم تعاون میں حصہ لیا۔

(۲) یوپی میں انسپکٹر آف اسکولز رہے اور اپنی اسلامیت کے لیے ممتاز رہے۔

ایس ایم عباس صاحب ناظم آباد کراچی

دریاباد۔

۹ر اکتوبر ۱۹۷۱ء بسم اللہ

مخلص و مشفقی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

اولاد اگر دس بھی ہوں تو ایک کا بھی اٹھ جانا صدمہ عظیم کا باعث ہوگا چہ جائیکہ جب لڑکا ایک ہی ہو اور وہ بچہ نہیں پرورش پایا ہوا جوان! معاذ اللہ! کیا کچھ ماں باپ پر گزر رہی ہوگی ——

عزیزی حکیم عبدالقوی کے نام کا خط پڑھا اور دل بہت ہی کڑھا۔ مرحوم کے لیے دعائے مغفرت اور آپ کے لیے دعائے توفیق صبر دونوں ساتھ ہی ساتھ زبان سے نکلے۔

امتحان بڑا بھی ہوا اور کڑا بھی۔ غفلاً آپ خوش ہوجئے کہ آپ کا ظرف امتحان عظیم کے اہل سمجھا گیا ایسے امتحان صرف عالی ظرفوں کے ہوتے ہیں۔

خدا جانے کیا کچھ اجر آپ کے لیے تیار ہوا ہوگا۔ آج ہم آپ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے دوسرے آپ پر ترس کھا رہے ہیں کل وہی آپ پر رشک کریں گے۔

آپ میرے حق میں دعائے عاقبت دارین کی کریں۔ مبتلائے غم کی دعا مقبول ہوتی ہے۔

والسّلام، دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

ڈاکٹر نورالحسن[1] وزیر تعلیم نئی دہلی

دریابادؔ۔

۱۸ر اکتوبر ۱۹۷۱ء بسم اللہ

عزیزہ مکرم! السلام علیکم

اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال پر میری طرف سے تعزیت قبول ہو۔ ماں کی محبت کا بدل دنیا کی ساری نعمتیں مل کر نہیں کر سکتیں ــــــ

میرے بھائی صاحب مرحوم مولوی عبدالمجید صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر کے تعلقات آپ کے والد ماجد[2] سے بہت گہرے تھے اور سر وزیر حسن[3] کے تعلقات میرے والد مرحوم ڈپٹی عبدالقادر سے اور بھائی صاحب اور مجھ سے اچھے خاصے رہ چکے ہیں۔

اخبار میں آپ کی والدہ مرحومہ کی مجلس سوئم کا اعلان پڑھ کر ممکن نہ ہوا کہ آپ کو تعزیت نامہ نہ لکھوں۔ والسّلام

دُعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کچھ ہی دن پہلے وزیر تعلیم ہوئے تھے۔

(۲) سید عبدالحسن صاحب ان کا اور والد مرحوم کا کالج میں ساتھ رہا اور پھر دونوں ساتھ ساتھ ڈپٹی کلکٹر رہے۔ جب تک والد مرحوم زندہ رہے برابر مکتوب الیہ کے والد سے ملاقات جاری رہی۔

(۳) مکتوب الیہ کے نانا اور آل انڈیا مسلم لیگ لکھنؤ کے سکریٹری اور صدر اور

اودھ چیف کورٹ کے چیف جسٹس۔ ان کا انتقال ۱۹۴۷ء میں ہوا۔

سعید الملک حافظ سعید احمد خاں صاحب چھتاری[1]، چھتاری ہاؤس علی گڑھ

دریاباد۔

۲۶ر نومبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ابھی قومی آواز کی ایک کاپنوری تعزیتی مٹنگ کی خبر سے معلوم ہوا کہ بیگم نواب چھتاری راہی ملک بقا ہوگئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

رمضان (اور پھر اس کے دوسرے عشرہ میں) وفات پانے والی مومنہ سے بڑھ کر اور کون خوش نصیب ہوگی اللہ اونچے سے اونچا مرتبہ نصیب کرے حافظ قرآن کی رفیق زندگی کا ایسا انجام ہونا ہی تھا۔

اس سن میں جو زخم کاری غم زدہ شوہر کے دل کو لگتا ہے اس کا تجربہ ذاتی طور پر رکھتا ہوں زخم ناقابل اندمال ہوتا ہے ہاں اللہ ہی اپنی طرف سے صبر و برداشت کی قوت دے! ہر طرح کی عادتیں رفاقت و موانست کی پڑ چکی اور خوب پختہ ہو چکی ہوتی ہیں اب ان کا بدل کوئی لائے تو کہاں سے لائے؟

اللہ نے آپ کا ظرف اتنا عالی پایا جب ہی آپ کا امتحان بھی سخت لیا گیا آپ خوش ہوں کہ میزان الٰہی میں آپ کا ظرف اتنا اونچا پایا گیا اور آپ کو اضطراً بیوی خدیجہؓ کے شوہر نامدار کی اتباع سنت کا شرف مل گیا۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) نواب صاحب سے مولانا مرحوم کے مخلصانہ تعلقات آخر دم تک رہے

نواب صاحب کے اخلاص، وضع داری اور اسلامیت کے مولانا مرحوم بڑے مداح رہے۔ قبلہ نواب صاحب اسی تعلق کی وجہ سے خاص طور سے اس احقر سے بڑی ہی شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں۔

محمد عبد اللہ صاحب قاضی پور خورد گورکھپوری کے نام

(ان کے والد کے انتقال پر تعزیت نامہ)

دریاباد۔

۲۶ر نومبر ۱۹۷۱ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

اللہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کی مغفوریت میں شبہ ہی کیا ہو سکتا ہے۔ مدینہ منورہ کی موت اور ہندوستان کے حساب سے عین عید کا دن، عمر بھر کی ریاضتیں اور عبادتیں! صدق میں بھی مراسلہ درج ہوگا تاکہ دعائے مغفرت میں ایک وسیع حلقہ شریک ہو سکے۔ اِنا لِلّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اپنی والدہ ماجدہ سے تعزیت خاص طور پر پہنچا دیجئے۔

والسلام دعاگو

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد حاجی نثار احمد صاحب گورکھپور بڑے سخت مسلمان رئیس تھے اور حضرت شاہ وصی اللہ کے مسترشد خصوصی۔ اور مولانا مرحوم سے بھی ان کو خاص عقیدت تھی

پروفیسر آل احمد سرور صاحب[1] صدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دریاباد

۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء بسم اللہ

برادرم سلمہٗ ! وعلیکم السّلام

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ آپ کو تعزیت لکھنے کو قلم سنبھال ہی رہا تھا کہ خود آپ کا خط مل گیا سانحہ کی خبر میاں ہاشم قدوائی کے خط سے ہو چکی تھی۔ دعائے مغفرت اسی وقت کر دی تھی اب پھر کر دی۔

باپ کا سہارا بہت بڑا سہارا ہوتا ہے جب تک زندہ رہتا ہے لڑکے کا سن جو کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے کو لڑکا ہی سمجھتا رہتا ہے پوری فکریں اور ذمہ داریاں اس کے اُٹھ جانے کے بعد ہی اپنے سر آپڑتی ہیں خوش نصیب ہے وہ اولاد جس کو اتنے سن تک باپ کی خدمت کا موقع ملتا رہے۔

بہر حال اب اللہ ہی مغفرت فرمائے اور ہر طرح سے معاملہ رحمت کا رکھے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے بھی مولانا مرحوم کے مخلصانہ تعلقات رہے اور خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بیگم صالحہ عابد حسین[1] معرفت ڈاکٹر عابد حسین ایم۔اے، پی۔ایچ ڈی
جامعہ نگر نئی دہلی

دریاباد۔

۲۱ر دسمبر ۱۹۶۱ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہٗ ! السّلام علیکم

کل بالکل دفعتاً سیدین مرحوم[2] کی خبر وفات پڑھ کر دل دھک سے رہ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ اخبار دو ایک منٹ تک ہاتھ سے نہ چھوٹ سکا ان کے والد مرحوم[3] کا

چہرہ نظر کے سامنے پھر گیا اور مرحوم کے لیے دعائے مغفرت خاصی دیر تک زبان پر جاری رہی۔
ظاہر ہے کہ قریب ترین عزیزوں کا کیا حال ہوگا۔ مجھے ان کی کسی صاحبزادی[۳] کا پتہ نہیں معلوم آپ ہی تکلیف کر کے ان تک میری دلی تعزیت پہنچا دیجئے۔
اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔
آئندہ ہفتہ کے صدق میں بھی انشاء اللہ تعزیت آئے گی۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) خواجہ غلام السیدین مکتوب الیہا کے حقیقی بھائی تھے۔
(۲) مشہور ماہر تعلیمات مولانا آزاد کے زمانہ میں وزارت تعلیم کے سکریٹری رہے اور اس کے بعد بھی کئی برس تک۔
(۳) خواجہ غلام الثقلین مرحوم۔ مولانا مرحوم ان کی حمیت دینی اور جذبہ اتحاد اسلامی کے بڑے قائل تھے۔
(۴) بیگم خواجہ غلام السیدین کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔

حاجی شیخ بہاء الدین صاحب[۱] یاقوت پورہ حیدرآباد

دریاباد۔
۲۴ر دسمبر ۱۹۷۱ء

بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

غم نامہ ملا۔ مضمون نے بڑا ہی متاثر و مغموم کیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔
زچگی کی موت شہادت کی موت ہوتی ہے اور پھر جس کے دل سے سوگوار ایسے ایسے لوگ ہوں ماں بے چاری کو تو جنت شاید صرف اسی ایک مجاہدہ پر عطا ہو جائے؟ جوان لڑکی

کو اپنے ہاتھ سے نہلانا، کفنانا کوئی معمولی امتحان ہے؟ دل وجگر پر کیا گزر رہی ہوگی جب چھٹی کا غسل دینے کے بعد آج غسل میت بھی اپنے ہی ہاتھ سے دینا پڑا ہو۔ ماں اور بیٹی دونوں کی مغفوریت کا سامان ایک ساتھ ہوگیا۔

انشاء اللہ گنجائش نکلتے ہی صدق میں ذکر کر دیا جائے گا تاکہ دعائے مغفرت میں شرکت بہتوں کی ہو جائے حالانکہ خود خدائے غفار کی شان رحمت کیا کم ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا کے بڑے خصوصی ارادت مند تھے۔ ان کا تعارف اس مجموعے میں پہلے بھی آچکا ہے۔ یہ تعزیت نامہ ان کی جوان شادی شدہ بیٹی کی زچگی کے انتقال پر لکھا گیا

چودھری عشرت علی سندیلوی، قومی آواز لکھنؤ

دریاباد۔

۱۶ر فروری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

سفر میں تھا۔ دریاباد پہنچ کر ۱۴ر کا "قومی آواز" نظر سے گزرا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کر دی۔ والدین کی نعمت تو ایسی دولت ہے جس کا نعم البدل کیا محض بدل بھی ممکن نہیں ــــ اور اولاد کا سِن کچھ بھی ہو جائے ان کے دم تک وہ لڑکا ہی رہتا ہے اور بیسیوں فکروں سے آزاد۔

اللہ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور آپ لوگوں کو توفیق صبر دے۔

والسلام۔ دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مس تسنیم[1] بدرالزماں[2] صدیقی، لودھی کالونی نئی دہلی

دریاباد۔

۲۹ر فروری ۱۹۷۲ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

لکھنؤ سے واپس ہو کر تار ابھی یہیں ملا۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ ظاہر ہے کہ باپ کی زندگی اولاد کے حق میں کتنی قیمتی ہے۔ تم سب بھائی بہنوں پر کیا گزر رہی ہوگی۔ اور سب سے بڑھ کر تمہاری والدہ پر۔ بیوی کا تو سب سے بڑا سہارا شوہر ہوتا ہے۔ وطن سے باہر موت خود ایک درجہ مغفوریت کا رکھتا ہے۔

اپنی والدہ کی خدمت میں ہم سب کی طرف سے تعزیت پہنچا دینا اللہ سب کو توفیق صبر دے۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا اب مسز تسنیم فضل، فضل صاحب اب پلاننگ کمیشن کے ممبر ہیں۔

(۲) مکتوب الیہا کے والد شیخ بدرالزماں صاحب مولانا مرحوم کے عزیز بھی ہوتے تھے اور چودھری خلیق الزماں کے بھتیجے۔ مولانا مرحوم کے شاگرد بھی رہے تھے۔ خلافت کی تحریک میں جیل بھی گئے اور ملی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے لکھنؤ ہی میں پریکٹس کرتے تھے انتقال سے کئی برس پہلے دہلی منتقل ہو گئے۔ خوش گو شاعر بھی تھے۔ مولانا مرحوم سے بی۔اے۔ کی طالب علمی کے زمانہ میں کچھ عرصہ پڑھا بھی تھا۔

سہیل الزماںؒ لودی کالونی نئی دہلی

دریاباد۔

۸ر مارچ ۱۹۷۲ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السّلام

تارؔ کے جواب میں تعزیت نامہ کئی دن ہوئے لکھ چکا ہوں۔ کچھ علالت مفصل نہ معلوم ہوئی۔ مرحوم بیمار کیا ہوئے؟ آخر تک حواس درست؟ دفن کہاں ہوئے؟ مرحوم علاوہ عزیز داری کے میرے ہم سن بھی تھے اور جب بی اے میں تھے کچھ روز مجھ سے پڑھا بھی تھا اس لیے یگانگت اور زیادہ تھی۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) بدرؔ الزماں صاحب کے بڑے صاحبزادے۔ انھوں نے اپنے والد کے انتقال پر اطلاعی خط لکھا۔ اب یہ کویت میں ہیں۔

(۲) تعزیتی تار جو مکتوب الیہ کی بہن نے اپنے والد مرحوم کے انتقال پر مولانا مرحوم کو دیا تھا۔

تسنیم بدرؔ الزماں صاحبہ لودی کالونی نئی دہلی

دریاباد۔

۳۱ر مارچ ۱۹۷۲ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

لمبا چوڑا خط اچھا ہوا کہ لکھنؤ کے پتے سے ملا۔ میاں قدیرؔ اور دونوں لڑکیوں

(رافت[۳] اور زاہدہ[۴]) نے وہیں پڑھ لیا۔ حمیرا[۵] نے یہیں میرے ساتھ پڑھا۔ زہیرا[۶] تو علی گڑھ میں ہیں۔ جو رنج و غم تمہارے خط سے ظاہر ہوتا ہے بالکل قدرتی ہے۔ باپ چیز ہی ایسی ہے اور پھر تمہاری والدہ کا صدمہ و غم تو اس سے بڑھ کر واجبی۔ بیوہ بیچاری کی زندگی تو شوہر کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔

اب مرحوم کی دوستی اور خیر خواہی اسی میں ہے کہ جتنی بھی ممکن ہو ان کے حق میں دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کیا جائے۔ مرض الموت کی تکلیفیں بھی گناہوں کو دھو دینے کے لیے ہوتی ہیں۔ جمعہ کا دن یوں بھی کیا کم ہوتا ہے چہ جائیکہ پھر عاشورہ بھی۔ وفات پر مبارک باد کا اگر دستور ہو تو ایسی وفات دہری مبارک باد کی مستحق تھی اور پھر جوار صالحین تیسری چیز۔

"حقیقت[۷]" لکھنو کا تراشہ ملفوف ہے۔ صدق کا تراشہ جس کا اس میں حوالہ ہے۔ میاں آفتاب بھیج چکے ہوں گے۔ صدق کے واسطے سے انشاء اللہ بہت لوگوں کی دعائیں مل گئی ہوں گی۔

آفتاب سلمہٗ نے خبر قومی آواز میں بھی چھپوا دی تھی۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا کے تار کے جواب میں ان کے والد کے انتقال پر تعزیت کا حال پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ یہ خط بھی مفصل تعزیت ہے۔

(۲) مولانا مرحوم کی بھتیجی کے شوہر اور قریبی بھانجے۔ یہ بھی مولانا مرحوم کے بہت قریب رہے تھے اور شیخ بدرالزماں صاحب سے علاوہ عزیز داری کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔

(۳-۴) مولانا مرحوم کی بڑی اور چھوٹی صاحبزادیاں علی الترتیب حکیم عبدالقوی صاحب اور عبدالعلیم قدوائی کی بیویاں۔

(۵) مولانا مرحوم کی منجھلی صاحبزادی یعنی حبیب احمد قدوائی صاحب کی بیوی۔ ان کا قیام دریاباد میں سب سے زیادہ رہتا تھا اور یہ مولانا کی بڑی مزاج شناس تھیں۔ انھیں سب سے زیادہ مولانا مرحوم کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔

(۶) مولانا مرحوم کی منجھلی صاحبزادی اور راقم مرتب کی شریک حیات۔

(۷) مکتوب الیہا کے والد کے انتقال پر۔

(۸) "صدق" کے تعزیتی نوٹ۔

سید مشیر احمد[۱] محلہ شیخ سرائے خیرآباد سیتاپور

دریاباد۔

۱۴ر اپریل ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

والد کی موت اولاد کے حق میں سن کچھ بھی ہو جائے ایک سخت ترین اور ناقابل تلافی سانحہ ہے۔ اللہ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اللہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔

ہاشم[۲] خیرآبادی ایک میرے ملنے والے بھی تھے مگر ان کا نام محمد صدیق تھا اور[۳] وہ پاکستان جا چکے تھے۔

دعاگو

عبدالماجد

---

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے والد کے انتقال سے مطلع کیا تھا۔

(۲) غالباً مکتوب الیہ کے والد ہاشم خیرآبادی تھے۔

(۳) یہ مولانا مرحوم کے بڑے مخلصوں میں تھے "سچ" اور اس کے بعد "صدق" کے دفتر کے بڑے کارگزار کارکن رہے اور پھر پاکستان منتقل ہو گئے۔ مولانا تھانوی[رح] اور

شیخ الاسلام مولانا مدنی دونوں سے تعلق رکھتے تھے۔

انیس احمد عباسی صاحب ایڈیٹر "حقیقت" جگت نرائن روڈ لکھنؤ

دریابا د۔

۲۰ر اپریل ۱۹۷۲ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

تازہ "حقیقت" پڑھ کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

بھائی کی محبت ضرب المثل ہوتی ہے اس سے بڑھ کر محبت کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے فاتحہ اسی وقت پڑھ دیا دعائے مغفرت اس وقت بھی کر رہا ہوں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے بھائی کی وفات کی خبر پڑھ کر یہ تعزیت نامہ بھیجا گیا۔

مولانا انظر شاہ استاد تفسیر دارالعلوم دیوبند کے نام ان کی بیوی کے انتقال پر

دریابا د۔

یکم جولائی ۱۹۷۲ء بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حکیم عبدالقوی نے کسی اخبار میں پڑھ کر مجھ سے آپ کے ہاں کے سانحہ کی خبر سنائی اِنَّا لِلّٰہِ۔ اللھم اغفرلہا وارحمہا۔

رفیقۂ حیات کی جدائی کسی سن میں بھی ہو شوہر کے لیے ایک شدید ترین آزمائش ہے اس کا ذائقہ چکھے ہوئے ہوں۔ آپ قابل مبارک باد ہیں کہ آپ اس آزمائش کے اہل

جانے گئے جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی اس وقت کو کاٹ دینے کی بھی توفیق دے دیتا ہے

آپ ماشاء اللہ خود ہی عالم دین ہیں صبر کے فضائل و مدارج سے آپ سے بڑھ کر اور کون واقف ہوگا۔ جتنی عمر آپ لکھا کر لائے ہیں سب امید و حسرت میں کاٹ دیجئے اجر قدم قدم پر ہے۔

دعاگو و دعاخواہ

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کے فرزند ارجمند ہیں اور خود بھی عالم دین۔ دار العلوم دیوبند میں تفسیر کے استاد ہیں۔ ان سے مولانا مرحوم کے خاصے تعلقات تھے۔

چودھری رحم علی الہاشمی، شبلی روڈ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام

(ان کی رفیقہ حیات کے انتقال پر)

دریاباد۔

۱۹ر جولائی ۱۹۷۲ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

دل پسند رفیقہ حیات کا میسر آجانا جس طرح اللہ کا بہترین عطیہ ہے اسی طرح اس نعمت کا سلب ہو جانا سخت ترین آزمائش ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ۔

جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی انشاء اللہ اجر بھی دے گا۔ یہ تو مسلمان کے لیے خوش قسمتی ہے کہ بی بی خدیجہؓ کے شوہر نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا نصیب ہو گیا۔ خود بھی اس وقت علیل ہوں۔ مشکل سے یہ خط لکھا ہے۔

والسلام دعاگو

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کے بہت پرانے تعلقات تھے اور مراسلت کا سلسلہ بھی رہتا تھا۔ مکتوب الیہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے بڑے اچھے مترجم ہیں۔

محمد مسلم صاحب ابن ڈاکٹر عبدالستار صدیقی الٰہ آباد

دریاباد

۱۲ر اگست ۱۹۷۲ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

ادھر سخت بیمار رہا۔ اب بھی اچھا نہیں ہوں۔ مرحوم سے زندگی بھر میرا تعلق ۵۰، ۶۰ سال کا اب جاکر ٹوٹا۔ اِنّا لِلّٰہ۔

اگر مہلت ملے تو آخری وقت کے حالات دو چار سطروں میں لکھ دینا انتقال کب ہوا اور کیوں کر؟ کچھ بول سکے تھے؟ دفن کہاں ہوئے۔ نماز جنازہ کس نے پڑھائی۔

والسلام، دعاگو سوگوار

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب سے مولانا مرحوم کے ۵۰، ۶۰ سال کے گہرے مخلصانہ تعلقات تھے الٰہ آباد جب مولانا ہندوستانی اکیڈمی کے جلسوں میں شرکت کرنے تشریف لے جاتے تھے تو ڈاکٹر صاحب ہی کے مہمان ہوتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے علم و فضل خاص کر لسانیات کے بارے میں مولانا بڑے قائل تھے۔ ان سے قرابت بھی ہوتی تھی۔

(۲) جولائی ۱۹۷۲ء میں مولانا علیل ہوئے اور بخار کا سلسلہ کئی ہفتے رہا۔

(۳) مراد ڈاکٹر عبدالستار صدیقی۔

(۴) آخر زمانہ میں ڈاکٹر صاحب بالکل خاموش ہوگئے تھے۔ حافظہ بھی جواب دینے لگا تھا۔

اشتیاق احمد عباسی صاحب[1] بار ایٹ لا سروجنی نائیڈو مارگ لکھنؤ کے نام

(ان کے بھائی کے انتقال پر)

لکھنؤ۔

۲۴ ستمبر ۱۹۷۲ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

بھائی کا رشتہ قدرتی رشتوں میں ایک قوی ترین رشتہ ہوتا ہے۔ بھائی علی حیدر عباسی[2] مرحوم کی وفات پر ہدیۂ تعزیت پیش کرتا ہوں۔

اللہ مغفرت فرمائے۔ دعائے خیر خبر وفات سنتے ہی کر دی تھی ابھی اطلاع ملی کہ وفات جمعہ کے دن ہوئی تھی سبحان اللہ ہر مسلمان کے لیے قابل رشک۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کی قرابت ہوتی ہے وہ مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے رشتے میں بھائی ہوتے تھے ان سے بھی بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔

(۲) مکتوب الیہ کے بڑے بھائی جو بڑے ہی قابل لوگوں میں تھے اور مدتوں بھوپال میں وزیر رہے پاکستان بننے کے بعد وہاں منتقل ہو گئے اور اس کی فارن سروس سے منسلک ہو گئے اور ڈپٹی کمشنر رہے۔ اور وہیں مرحوم ہو گئے۔

عبدالحکیم دریابادی[1] دریاباد گھی اسٹور مولانا شوکت علی اسٹریٹ کوٹوالی، کلکتہ

لکھنؤ۔

۲۷ ستمبر ۱۹۷۲ء

بسم اللہ

مہربان بندہ! وعلیکم السّلام

کچھ دن سے لکھنؤ میں ہوں اور انشاء اللہ ۲۸ر شعبان، ۲ر اکتوبر کو واپس پہنچ جاؤں گا ـــــ سانحہ کی اطلاع دریاباد ہی میں کسی نے سنائی تھی اور دعلئے مغفرت اسی وقت کردی تھی

بیوی میاں کا رشتہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ ایک کی زندگی دوسرے کے ساتھ بالکل وابستہ ہوجاتی ہے اور ایک کی موت دوسرے کو نیم مردہ بنادیتی ہے لیکن بہرحال اس مرحلہ سے گزرنا تو سب ہی کو پڑتا ہے اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اور مسلمان کو تو اس پر خوش ہونا چاہیئے کہ اس سے بلا ارادہ اتباع سنت نبویؐ نصیب ہوجاتا ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کو آخر حضرت رسول اللہؐ ہی نے دفن کیا تھا۔

اس کا یقین رہے بلاکسی شک وشبہ کے جدائی عارضی ہے جیسے دنیا میں پیش آتی رہتی ہے اس کے بعد جنت میں انشاء اللہ ساتھ دائمی ہوگا کہ جدائی کبھی بھی نہ ہوسکے گی۔

میرے اوپر تو گزری ہوئی ہے۔ دنیا ہی اس وقت سے بالکل بدل گئی ہے۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) ایک مخلص ہم وطن۔

(۲) دریاباد۔

مقبول احمد لاریؒ[1] لاری ہاؤس اقبال منزل لکھنؤ

لکھنؤ۔

۲۹ر ستمبر ۱۹۷۳ء بسم اللہ

مہربان بندہ! السّلام علیکم

اخبار میں آپ کے ہاں کے حادثہ کا دردناک ذکر پڑھا۔[2] مرحوم کے حق میں دعلئے مغ

اور مجروح کے حق میں دعائے صحت کردی اور آپ سب شکستہ دلوں کے حق میں دعائے صبر سخت آزمائش آپ لوگوں کی ہوئی اللہ اس میں کامیاب کرے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخلص ارادت مندوں میں ہیں۔

(۲) مکتوب الیہ کے کوئی قریبی عزیز کسی حادثے میں ہلاک ہوگئے اور دوسرے عزیز مجروح ہوئے تھے۔

حاجی محمد شفیع صاحب[1] پیکارڈ واچ کمپنی چاندنی چوک دہلی

لکھنؤ۔

۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

ابھی الجمیعت سے آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات کی خبر ملی۔ اِنا لِلّٰہ وانا الیہ راجعون اللہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ دعائے مغفرت اسی وقت کردی۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ اتنے عرصے تک آپ کو ان کی خدمت گزاری کا موقع ملا۔ جنت جیت لینے کے لیے آپ کی تو یہی ایک خدمت کافی ہوجائے گی انشاء اللہ۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخلص خصوصی تھے۔ دہلی میں ایک آدھ بار انھیں مولانا مرحوم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور انھوں نے بے انتہا خاطر کی بالکل عزیزوں کا سا تعلق تھا۔

سیّد انصار حسین معرفت سید احتشام حسین مرحوم
اردو ڈیپارٹمنٹ الٰہ آباد یونیورسٹی الٰہ آباد کے نام

(ان کے بھائی پروفیسر احتشام حسین کے انتقال پر)

دریاباد۔

۳ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

ڈاک یہاں سہ پہر کو مل جاتی ہے کل پنجر کی سہ پہر کو قومی آواز پڑھ کر کلیجہ دھک سے ہوگیا۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس حادثۂ عظیم کا خیال تک بھی نہ تھا آپ تو خیر مرحوم کے بھائی ہی ہیں میرے حق میں بھی مرحوم ایک عزیز قریب سے کم نہ تھے۔ اپنی بیوہ بھاوج بھتیجوں اور سارے ہی خاندان والوں کو میری طرف سے دلی تعزیت پہنچا دیجئے۔ اللہ آپ کو بھی صبر دے اور ہم سب کو بھی۔ میری ہی طرح عزادار خدا معلوم کتنے اور ہوں گے۔ مرحوم اپنی نیکیوں خوش خلقوں کا صلہ آج کیا کچھ پا رہے ہوں گے۔

والسلام حزیں و سوگوار

عبدالماجد

(۱) پروفیسر احتشام حسین پہلے لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبہ اردو میں استاد رہے اسکے بعد الٰہ آباد یونیورسٹی میں پروفیسر ہوگئے۔ راقم مرتب اور اس کے برادر حبیب احمد صاحب جنھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم اے کیا تھا کے استاد تھے اور بڑے ہی شفیق استاد۔ مولانا مرحوم سے پروفیسر صاحب کے مخلصانہ تعلقات تھے اور مولانا مرحوم ان کی نیکی خوش خلقی، کے بہت قائل تھے۔ ان سے جو تعلقات تھے اس کی تفصیل اس تعزیت نامہ میں ہے۔

قاضی عدیل عباسی صاحب ایڈوکیٹ بستی

دریاباد۔
۱۷ر دسمبر ۱۹۷۲ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

ابھی ۱۲ بجے دن کو قومی آواز سے حادثہ کی خبر معلوم ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس صدمہ کا درد آشنا پوری طرح ہوں اس لیے ہمدردی بھی آپ کے ساتھ کامل ہے۔ طویل علالت اور پھر جمعہ کا دن قوی اسباب مغفرت میں سے ہیں تعزیت نامہ دعائے مغفرت کے فوراً بعد ہی لکھے دیتا ہوں۔ آج کی ڈاک تو نکل چکی کل اتوار ہے کہیں پرسوں یہ ڈاک سے نکلے گا۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات حضرتؐ کے سامنے ہوئی تھی آپ کو بھی اتباع سنت اضطراراً نصیب ہو گئی۔ اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

والسلام دعاگو

عبد الماجد

(۱) یعنی رفیقہ حیات کا سانحہ ارتحال۔

ایس کے ورما چیف جسٹس ہائی کورٹ الہ آباد

دریاباد۔
۲۵ر دسمبر ۱۹۷۲ء

بسم اللہ

جناب من! تسلیم

آپ کے والد صاحبؒ کی وفات پر آپ سے اور آپ کے سارے خاندان سے

اظہار ہمدردی اور ماتم پرسی کرتا ہوں۔ آپ کے والد برسہا برس ہندوستانی اکیڈمی کے صدر رہے ہیں اس کی کونسل کا ممبر تو شروع سے رہا اور کئی برس تک وائس پریذنٹ بھی

مشرقی تہذیب میں یہ وقت بیوی بچوں پر سخت غم و صدمہ کا ہوتا ہے۔ آپ اپنے غم و صدمہ میں مجھ کو بھی شریک سمجھیں۔ نیازمند

عبدالماجد

(۱) جسٹس کملاکانت ورما جو الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس رہے اور کئی برس تک ہندوستانی اکیڈمی کے صدر رہے۔

جمیل مہدی صاحب ایڈیٹر "عزائم" لکھنؤ

دریابادـ

۱۱ر جنوری ۱۹۷۲ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

"بیباک"[۲] میں آپ کے عزیز بھائی کی خبر وفات پڑھی اور دعائے مغفرت کردی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہا ـــــ

بھائی کا رشتہ دنیا کے اہم ترین رشتوں میں ہے شرعاً عرفاً ہر طرح سے۔ اللہ ممبر جمیل کی توفیق دے ۔ والسلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) اس وقت یہ اخبار ہفتہ وار تھا۔

(۲) سہارن پور سے شائع ہونے والا ایک جاندار اور صحیح معنوں میں بیباک ہفتہ وار

مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی لکھنؤ

دریاباد۔

۱۱ر جنوری ۱۹۷۳ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

ابھی دس بجے دن[1] کو جب مرحومہ[2] کا سوئم ہو رہا ہوگا اپنی محترمہ اہل خانہ مولوی عظمت اللہ مرحوم کی خبر وفات پڑھی۔ مرحوم میرے استاد محض رسمی قسم کے نہ تھے[3] حقیقی اور بڑے شفیق استاد تھے عربی ٹوٹی پھوٹی جو کچھ بھی آئی انھیں کی بدولت آئی معاً دعائے مغفرت کردی۔

قریب کے سارے عزیزوں کو تعزیت رسانی کا مزید اجر حاصل کیجئے۔

والسلام دعاگو وطالب دعا

عبدالماجد

(۱) اس وقت "قومی آواز" ہاکر لایا کرتے تھے۔

(۲) مکتوب الیہ کی کسی قریبی عزیزہ کا سوئم۔

(۳) مرحوم مولانا کے سیتاپور گورنمنٹ ہائی اسکول میں عربی کے استاد تھے اور اس زمانے میں مولانا کی مضمون نگاری کی ہمت افزائی کی تھی۔ مولانا مرحوم ان سے بہت بے تکلف تھے۔

انیس احمد عباسی ایڈیٹر "حقیقت" لکھنؤ کے نام

(ان کے بھانجے اور داماد غلام احمد فرقت کی اچانک وفات پر تعزیت نامہ)

دریاباد۔

۱۵ر جنوری ۱۹۷۳ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

کل اتوار دس بجے دن کو تازہ" قومی آواز" پڑھ کر دل کیا بیان کروں کیا دھک سے ہو کر رہ گیا۔ موت اس سن میں اور اس قدر اچانک۔

آپ لوگوں پر جو کچھ بھی گزر رہی ہوگی وہ تو سب اللہ ہی جان سکتا ہے۔ جو کچھ پڑھنا ممکن تھا اسی وقت پڑھ ڈالا۔

بے بس و بے کس بیوہ پر دم کے دم میں کیا بیت گئی اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

"ترقی پسندوں" کا مقابلہ جم کر کرنا تو اس وقت کا خاص مجاہدہ تھا اور ایک دینی و اخلاقی مہم ـــــ اس کا پورا پورا اجر مرحوم کو ملے گا۔

عزیزہ سہیلا اور میاں توفیق دونوں کی نظر سے اگر یہ تعزیت نامہ گزر سکے تو بہت اچھا تھا ـــــ

سوگوار دعاگو

عبدالماجد

(۱) مرحوم اردو کے مزاحیہ شاعر اور نثر میں بھی مزاحیہ نگاری کرتے تھے۔

(۲) ۱۹۴۲ء ۱۹۴۳ء میں مرحوم نے "مداوا" لکھ کر ترقی پسندوں کی عریانیت فحاشی اور اخلاقی کج روی کو نمایاں کیا۔ اور اس کے بعد بھی اس مہم میں مسلسل مصروف رہے۔

(۳) مرحوم فرقت کی بیوی اور مکتوب الیہ کی صاحبزادی۔

(۴) مکتوب الیہ کے دوسرے بھانجے اور فرقت صاحب کے سگے بھائی۔

مولوی ابن حمید فراہی، پھریہا ضلع اعظم گڑھ

دریاباد۔

۹ر فروری ۱۹۰۳ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ سمجھ داروں کے لیے اس سے بڑھ کر اور کلمہ تعزیت

کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ سب کو توفیق صبر جمیل دے۔

مجھے تو مرحوم[۲] کی شکل دیکھ کر ان کے والد مرحوم علامہ کی صورت یاد آجاتی تھی۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے عزیز قریب کے انتقال پر۔

(۲) مولانا حمیدالدین فراہی کے صاحب زادے۔

اطہر حسین[۱] صاحب کمشنر لکھنؤ ڈویژن لکھنؤ

دریاباد۔

۱۲ر فروری ۱۹۷۹ء بسم اللہ

گرم گستر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کل دوپہر کو قومی آواز" نے سید رشید احمد مرحوم[۲] کی خبر وفات سنائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مغفرت کی دعائے کر دی۔ مرحوم میرے پرانے ملنے والوں میں نہیں ابھی دو ہی چار مہینے ہوئے کہ ان سے پہلی قلمی ملاقات[۳] ہوئی۔ پھر شخصی لیکن ملے تو اتنے کھل کر اور اس اخلاص کے ساتھ کہ سالہا سال کے دوست معلوم ہونے لگے۔

میں تو ان سے لکھنے لکھانے کے عنوانات سوچے ہوا تھا اور منتظر تھا کہ زبانی ملوں تو ان سے وہ مضمون لکھواؤں، سیاسی ہے میں تو ان سے بڑے افسروں کے سابقہ اور ذاتی تجربوں کا متوقع تھا۔

بیماری وغیرہ کی کچھ خبر نہ تھی وفات کی خبر بالکل اچانک پڑھی۔ صاحبزادی تو آپ کے گھر ہی میں ہیں۔ لڑکوں کا مجھے علم نہیں بہرحال میری یہ تعزیت ان سب تک براہ کرم پہنچا دیجئے۔ "صدق" میں بھی نوٹ انشاء اللہ اگلے ہفتے دوں گا۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کے خاصے تعلقات رہے اور سلسلۂ مراسلت بھی رہا۔ مکتوب الیہ کی انگریزی تصانیف اور تحریروں کے بڑے قدرداں تھے اور ان کے جذبے کے بڑے مداح۔

(۲) مکتوب الیہ کے خسر جن کے والد صاحب مرحوم یعنی مولانا کے بڑے بھائی مولوی عبدالمجید صاحب سے بھی خاصے تعلقات تھے۔

(۳) مرحوم کے دلچسپ مضامین اپنی پولیس کی ملازمت کے تجربوں کے سلسلے میں "قومی آواز" میں شائع ہوئے تھے اس پر مولانا مرحوم نے خط و کتابت کی۔

(۴) مرحوم کے بڑے صاحبزادے اور مکتوب الیہ کے برادر نسبتی ڈاکٹر خالد رشید صاحب ہیں جو مسلم یونیورسٹی میں لا فیکلٹی کے ریڈر ہیں۔ اور اس شعبہ کے بڑے قابل استادوں میں ہیں۔

خالد عثمان صاحب، عثمان پورہ حیدرآباد

دریاباد۔

۱۴ر مارچ ۱۹۷۳ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السّلام

اللہ آپ کے والد مرحوم کی مغفرت کاملہ فرمائے۔

مرحوم سے ملاقات مجھے یاد ہے گو اب سالہا سال سے نہیں ہوئی تھی۔ اللہ آپ کو توفیق صبر دے۔ جدائی دائمی نہیں صرف عارضی ہوتی ہے۔ ہم سب ہی اس منزل کے مسافر ہیں کوئی پہلے پہنچا کوئی بعد میں۔ یہ اچھا کیا جو وفات کی مجھے خبر کر دی۔

والسّلام دعاگو۔

عبدالماجد

شفاعت علی صاحب[1] ریڈیو ہاؤس لکھنؤ

دریاباد۔

۱۴ر مارچ ۱۹۷۳ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

آپ کی رفیقۂ حیات مرحومہ کی خبر وفات میری نظر سے نہیں گزری تھی آپ کا مراسلہ[2] پڑھ کر خبر ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

یہ اللہ کی طرف سے شوہر کے حق میں ایک سخت امتحان ہوتا ہے۔ اللہ آپ کو اس میں کامیاب سو فیصدی کرے۔ خود اس منزل سے گزر چکا ہوں اور اس کڑی آزمائش کو جھیلے ہوئے ہوں۔ اللہ ان مرحومہ کی مغفرت کرے اور سارے متعلقین کو توفیق صبر دے۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم کے مخلصوں میں ہیں اور ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی لکھنؤ یونیورسٹی کے استاد اردو کے چھوٹے بھائی۔

(۲) تعزیت نگاروں کے شکریہ کے سلسلہ میں اخباری مراسلہ۔

چودھری عظیم الدین اشرف[1] پیسار ضلع بارہ بنکی

(ان کے چھوٹے بھائی عماد الدین اشرف کی اچانک وفات پر تعزیتی مکتوب۔ قومی آواز میں سانحہ کی خبر پڑھ کر)

دریاباد۔

۱۷ر مارچ ۱۹۷۳ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

اللہ آپ کو اور سارے اعزہ کو صبر دے اور مرحوم کی مغفرت تو جمعہ کا دن پا جانے سے انشاء اللہ یقینی ہے۔ بھائی کا رشتہ بھی والدین کی طرح اپنی جگہ بے نظیر ہوتا ہے

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا شمار مولانا مرحوم کے مخصوص مخلصین میں ہے۔

بیگم انور ریاست حسین صاحب[۱] بنک روڈ پٹنہ کے نام

(ان کے والد چودھری خلیق الزماں کے انتقال پر تعزیت نامہ)

دریاباد۔

۱۹ر مئی ۱۹۷۳ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

شب کو عشاء کے وقت ایک صاحب نے ریڈیو کے حوالے سے خبر جانکاہ سنائی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ خوش نصیبی کی بات ہے کہ جمعہ کا دن ملا۔

تمہارے تو خیر والد ہی تھے تم دونوں کو جتنا بھی صدمہ ہو کم ہے۔ میرے بھی تو قریب ہی کے عزیز تھے اور عزیزوں سے بڑھ کر ان کی خدمات ملت۔ مسلمانوں کی خدمت میں ساری عمر صرف کر دی[۲]۔ اللہ اللہ کر وٹ کر وٹ جنت نصیب کرے۔ کیسے کیسے زخم بھی ملت کے ہاتھوں کھائے۔ زحمت نہ ہو تو یہی کارڈ لیسن[۳] سلمہا کو بھی بھیج دینا۔

والسلام دعاگو عبدالماجد

(۱) چودھری خلیق الزماں صاحب کی بڑی صاحبزادی جن کی شادی پٹنہ میں ڈاکٹر ریاست حسین سے ہوئی جن کے دو بھائی وجاہت حسین صاحب اور حفاظت حسین صاحب یوپی کے سنیر آئی سی ایس افسران تھے۔

(۲) چودھری صاحب کی دو صاحبزادیاں ہندوستان ہی میں تھیں ایک بڑی بیگم ریاست حسین اور دوسری ان سے چھوٹی لیلیٰ جن کی شادی گورکھپور میں ہوئی تھی۔

(۳) مولانا مرحوم مسلم لیگ کے لیڈروں میں سے چودھری خلیق الزماں سے سب سے زیادہ متاثر تھے اور ان کے بڑے معترف تھے۔

(۴) مکتوب الیہا کی چھوٹی بہن جن کا قیام گورکھپور میں رہتا تھا۔

سیّد شاہ تسلی حُسین صاحبؒ عُرف تسلّی میاں خاتون منزل لکھنؤ

دریاباد۔

۱۱ر جولائی ۱۹۷۳ء

بسم اللہ

مکرم بندہ! السلام علیکم

"قومی آواز" سے آپ کے جوان بھتیجے اور بھتیجی دونوں کی وفات کی اطلاع ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ایک ہی صدمہ اس قسم کا کیا کم صبر آزما ہوتا ہے چہ جائیکہ دو دو صدمے۔ بس اللہ ہی والدین کو اور آپ سب لوگوں کو توفیق صبر دے۔ آزمائش یقیناً سخت کڑی ہے۔ لیکن اجر بھی یقین رکھئے کہ اسی درجہ کا عظیم و لا انتہا ہے۔ آپ کے بھائی صاحبؒ سے براہ راست نیاز حاصل نہیں، لیکن آخر آپ کے والد مرحوم و مغفورؒ کے نیازمندوں میں تو رہ چکا ہوں ــــ

والسّلام تعزیت گزار

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کئی برس سے خاتون منزل ہی میں فروکش ہیں اور اس کا ایک حصہ انھوں نے خرید لیا ہے۔ نہ صرف عالم ہیں بلکہ لکھنؤ کے ایک طبقے میں مقبول اہل طریقت۔
(۲) شاہ واعظ حسن صاحب سجادہ نشین آستانہ حضرت شاہ وارث حسن صاحب۔
(۳) مکتوب الیہ کے والد حضرت شاہ وارث حسن صاحب بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں ان کا لکھنؤ میں مسجد شاہ سید محمد ٹیلہ والی مسجد پر قیام رہتا تھا۔ ان کی صحبت کے فیض سے نہ معلوم کتنے انگریزی تعلیم یافتہ عقیدہ میں نہ صرف پختہ مذہبی ہو گئے بلکہ نماز روزہ کے شدید پابند ہو گئے۔ اور ان کی بالکل کایا پلٹ ہو گئی۔ مولانا مرحوم کا انتقال ۱۹۳۶ء میں ہوا اور وہیں ٹیلے پر مدفون ہیں۔

ظہیر احمد صدیقی بنام الطیب بدر باغ علی گڑھ کے نام

دریاباد۔

۱۲ر جون ۱۹۳۷ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام

۸ر جولائی کا غم نامہ کل ۱۱ر کی شام کو ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔
اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ دعائے مغفرت معاً کر دی تھی۔ اور بعد نماز بھی جب یاد آ گئی کر دی اور عین اس وقت بھی کر رہا ہوں۔ صدمہ بالکل ایک عزیز کی رحلت کا سا ہوا آپ لوگ اگر لفظ اللہ سننے کے گواہ موجود نہ ہوتے جب بھی ان کے سے مسلم کامل کی مغفرت میں شبہ کیسے ہو سکتا تھا۔[۳]

تازہ "صدق" تو آج جمعرات کو چھپ رہا ہوگا۔ آئندہ ہفتے میں انشاء اللہ تعزیتی نوٹ ضرور درج ہوگا۔

شعر و ادب کا بھی اتنا سلیم، لطیف، متوازن مذاق کسی کو کم ہی ہوتا ہے۔

اپنے بہنوئی پروفیسر ظفر احمد صاحب[۴] کو بھی تعزیت ضرور پہنچا دیجئے۔ الہ آباد میں ان کے ساتھ ملاقات کئی بار رہی تھی[۵]

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) ریڈر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی۔

(۲) مکتوب الیہ کے والد پروفیسر ضیاء احمد بدایونی مسلم یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کی پروفیسری سے ریٹائر ہوئے اور اپنے علم و فضل میں بہت ممتاز تھے۔ فارسی کے ساتھ ساتھ اردو کے بھی ادیب فاضل اور خوش گو شاعر تھے۔ مومن اور کلام مومن پر انھوں نے داد تحقیق دی تھی۔ مولانا ان کے علم و فضل کے بڑے معترف تھے اور خاصے تعلقات تھے۔

(۳) مکتوب الیہ نے لکھا کہ آخر وقت زبان پر لفظ اللہ تھا۔

مظہر احسن گیلانی[۱] ریڈر شعبہ معاشیات جامعہ عثمانیہ
حیدرآباد دکن

لکھنؤ۔

۱۵ر اکتوبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

محمد عبدالرحمٰن سعید صدیقی نے ابھی حادثہ کی خبر سنائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن رفیق زندگی کی رفاقت سے محرومی اور مفارقت دنیوی صدموں میں ایک شدید ترین صدمہ ہے جس رحیم و شفیق مالک نے یہ وقت ڈالا ہے وہی برداشت کی توفیق بھی دے دیتا ہے۔ صدمہ کیسا ہی شدید ہو بہرحال گزر جانے والا ہے اور اس کا اجر بے حساب

باقی رہ جانے والا ہے۔

مومنہ کی خوش قسمتی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ عین رمضان کی تاریخ ملی عقلاً اس پر خوش ہوجیئے اور اسے انعام بخشی تصور کیجئے ـــــ پوری قدر تو اس وقت ہوگی جب جنت میں انشاء اللہ پائیدار اور دائمی ملاقات نصیب ہوگی۔ مجھ سے بڑھ کر اس صدمہ کا لذت کش اور کون ہوگا۔[۲]

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اور مولانا مرحوم سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔

(۲) مراد مولانا مرحوم کی رفیقۂ حیات کی رحلت ہے۔

رانی محمود آباد، محمود آباد ہاؤس لکھنؤ کے نام

(ان کے شوہر راجہ امیر احمد خاں صاحب تعلقہ دار محمود آباد کے انتقال پر تعزیتی مکتوب) ـــــ

لکھنؤ۔

۱۵ر اکتوبر ۱۹۷۳ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! سلام درحمت

عورت کی زندگی میں بیوگی سے بڑھ کر سخت وقت اور کون آسکتا ہے اور اس کے لیے آپ سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ آپ کو اس امتحان میں ثابت قدم رکھے۔

مرحوم راجہ قابل رشک تھے کہ آخری وقت ماہ رمضان کے وسط میں نصیب ہوا اور دوسرے پھر وطن سے ہزارہا میل دور پردیس میں۔ دہرے دہرے اجر کے پورے مستحق ہوگئے۔

اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

میرے خاص طور پر مہربان تھے اور ان سے بڑھ کر ان کے والد ماجد سر مہاراجہ[۲] کے میرے اوپر احسانات ہیں دل سے ان کا دعاگو رہتا ہوں۔

دعاگو

عبدالماجد دریابادی

(۱) مکتوب الیہا کے شوہر راجہ امیر احمد خاں سے مولانا مرحوم کے خاندان کے خصوصی تعلقات تھے راجہ صاحب کے انتقال کی خبر ملتے ہی مولانا مرحوم نے مکتوب الیہا کو تعزیت نامہ لکھا

(۲) مہاراجہ علی محمد خاں صاحب۔

(۳) مولانا مرحوم کے والد ماجد مولوی عبدالقادر صاحب اور مرتب کے دادا کا معالجہ کے بعد مکہ معظمہ میں انتقال ہوا۔ مولانا مرحوم اس وقت بی اے کر چکے تھے ۔ دادا صاحب کے انتقال کے بعد مالی ابتلا کی وجہ سے تعلیم جاری رکھنے کی کوئی گنجائش نہ تھی لیکن راجہ صاحب مرحوم نے مولانا کے بڑے بھائی اور مرتب کے والد سے بااصرار کہا کہ مولانا ایم اے میں اپنا داخلہ کرالیں اور سولہ مہینے کے مصارف پچاس روپئے ماہوار کے حساب سے فوراً دے دیئے اس طرح کے بہت سے موقعوں پر مولانا مرحوم کی مدد فرمائی اور اس کے مرحوم آخری دم تک معترف رہے۔

مہاراج کمار امیر حیدر محمود آباد ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ

لکھنؤ۔

۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۳ء بسم اللہ

عزیز مکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تعزیت نامہ خبر سنتے ہی رانی سہبا کے نام لکھ دیا تھا آں عزیز کے لیے اس کا منتظر رہنا

بعد تدفین کربلا سے واپس آئیں اس وقت تک واپسی انشاء اللہ بخیریت ہو چکی ہوگی۔ کیا بیان ہو کہ خبر سن کر مجھ پر کیا گزری۔ سر مہاراجہ[3] میرے مخلص ہی نہیں محسن بھی تھے۔ ان کی کن کن عنایتوں کن کن احسانوں کو گناؤں۔ ان کو اپنے عزیز بزرگوں میں سمجھتا تھا کچھ ایسے ہی تعلقات ہلکے درجے میں ان کے وارث جانشین سے بھی رہے۔ آں عزیز تو ان کے حقیقی بھائی ہی تھے اور تازہ داغ یتیمی جاتے ہوئے بچے[4] ان دونوں کو کون سمجھا سکتا ہے؟ کون صبر دلا سکتا ہے۔

صبر وہی دلائے گا جس نے عین آغاز رمضان میں انھیں بلا لیا اور وطن سے ہزاروں میل دور پردیس میں بلا لیا اور آخر زندگی تک دین و ملت ہی کی خدمت میں لگا دیا[5]۔

کوشش کروں گا کہ عید کے بعد ہی انشاء اللہ زبانی تعزیت کے لیے حاضر ہو جاؤں اس محمود آباد ہاؤس میں جو برسوں سر مہاراجہ کی عنایت بے کراں سے اپنا گھر معلوم ہوتا رہتا تھا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ راجہ امیر احمد خاں مرحوم کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان سے بھی مولانا مرحوم کے تعلقات تھے۔

(۲) مراد راجہ امیر احمد خاں کی رحلت کی خبر۔

(۳) مکتوب الیہ کے والد مہاراجہ علی محمد خاں۔

(۴) مراد مرحوم راجہ صاحب کے صاحبزادے سلیمان حیدر صاحب۔

(۵) اس سے مراد راجہ صاحب مرحوم کی ملی سرگرمیاں ہیں۔ وہ مسلم لیگ کے چوٹی کے لیڈروں میں تھے اس کے خازن رہے اور اس کے کاموں پر بے دریغ روپیہ صرف کیا۔

محمد وسیم صاحب جعفری ایڈوکیٹ رگھول ضلع ہمیرپور

دریاباد

۳۰ر نومبر ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

مرحوم کی وفات سے دلی صدمہ ہوا۔ دعائے مغفرت دل سے اسی وقت کردی تھی اور اب خط پاکر پھر کردی۔ مرحوم کی نیکیاں ہمیشہ زندہ رہ جانے والی ہیں۔

میری اہلیہ مرحومہ کا انتقال باندے میں دفعتاً ہوگیا تھا اس وقت مرحوم نے جو ہمدردی اور غم خواری کی تھی ان کی یاد دل پر نقش ہے۔

اور سب عزیزوں کو بھی میری تعزیت پہنچادیجئے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے قریبی عزیز مولوی سلیم کے انتقال کی اطلاع دی تھی۔ مولوی صاحب مرحوم بڑی فعال شخصیت کے مالک تھے نہ صرف اپنے آبائی وطن مودھا بلکہ کہنا چاہیئے پورے بندیل کھنڈ ڈویژن میں مسلمانوں کے کام میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ خاص کر مدرسوں کے قیام میں اور انھیں بڑی لگن سے ترقی دی تھی۔

بیگم محسنہ قدوائی وزیر خوراک یوپی بارہ بنکی کے نام

(ان کے والد قطب الدین احمد عرف ملا میاں کے انتقال کی خبر پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد۔

۱۸ر دسمبر ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دُعائیں

ابھی ابھی گیارہ بجے "قومی آواز" میں سانحہ کی خبر پڑھ کر کلیجہ دھک سے ہوگیا ـــــ خود تمہارے دل پر تو کیا گزر رہی ہوگی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

خیر دن جمعہ کا پایا۔ ۱۴ر دسمبر کو جمعہ ہی تو تھا ایک مسلمان کی یہ خوش قسمتی تھی یوں بھی صدمے اتنے اٹھائے کہ انشاء اللہ بالکل ہی دُھل گئے ہوں گے۔ کتنے زندہ دل اور کتنے ہنس مکھ تھے پھر آخر میں کیا کیا دیکھنا پڑا۔ کیا کیا سہنا پڑا۔ خود تمہیں کو بھائی کا صدمہ اٹھائے ہوئے کے دن ہوئے تھے کہ یہ دن بھی دیکھ لینا پڑ گیا۔ کس طرح جی چاہتا ہے کہ اُڑ کر پہنچوں اور تمہاری والدہ سے تعزیت کروں خیر ہر مجبوری اجر کو بڑھاتی ہی رہتی ہے آئندہ اگر کوئی مفصل خط وہاں سے کسی ذریعہ سے آجائے تو اسے خود دیکھنا چاہتا ہوں۔ ایک بار پھر دعائے مغفرت کرتا ہوں اور مرحوم کے بچپن سے اس وقت تک کے ہر دور کو یاد کرتا ہوں ـــــ

دُعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا کے والد مولانا مرحوم کے رشتے میں بھانجے ہوتے تھے اور تعلقات کے لحاظ سے بالکل سگے بھانجے۔ مولانا کے مخلصین مخصوص میں تھے۔

(۲) مکتوب الیہا کے والد کے انتقال کی خبر۔

(۳) آخر زمانہ میں یعنی ۱۹۵۵ء میں پاکستان منتقل ہونا پڑا چونکہ یہاں کی ملازمت ختم ہوگئی تھی۔

(۴) مکتوب الیہا کے بڑے بھائی بنگلہ دیش کے قیام کے بعد چٹاگانگ میں شہید ہوئے۔

(۵) مرحوم کا انتقال پاکستان میں ہوا۔

(۶) مرحوم بچپن ہی سے مولانا مرحوم کی تربیت میں رہے اسی لیے مولانا کو ان سے

بہت زیادہ تعلق تھا اور ان کو بھی مولانا مرحوم سے۔

مولانا ناصر بحر العلومی فرنگی محلی لکھنؤ

دریاباد۔

۱۱ر دسمبر ۱۹۷۳ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

بحر العلومی مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کر رہا ہوں۔ تدفین کی پہلی شب شب جمعہ ہوئی خود ایک مبارک فال ہے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔

والسلام تعزیت گزار۔

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ کے بڑے بھائی مولوی محمد کامل کے انتقال پر یہ تعزیت نامہ مولانا مرحوم نے بھیجا۔ ان کے خاندان سے مولانا مرحوم کے خاندانی تعلقات تھے۔ مولانا مرحوم کے والد مولوی عبد القادر صاحب مکتوب الیہ کے دادا مولانا محمد نعیم صاحب جو اپنے زہد و اتقا میں بہت ممتاز تھے کے شاگرد تھے۔ مولوی محمد کامل کے صدق میں متعدد مضامین بھی شائع ہوئے۔

شاہ افاق احمد صاحب سجادہ نشین درگاہ ردولی ضلع بارہ بنکی کے نام

(ان کے بھائی وسیم احمد صاحب کے انتقال پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد۔

۸ر جنوری ۱۹۷۴ء بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

وسیم میاں مرحوم کی موت پر آپ لوگوں سے تعزیت کرتا ہوں اور مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت۔

۸ ذی الحجہ یوں بھی مبارک اور متبرک ہونے کے لحاظ سے بہت ہی قابل قدر تھی اور پھر حرمین شریف میں تو عین عید الاضحیٰ تھی اور پھر تدفین شب جمعہ یا یوم جمعہ کی مزید برکات پر شامل۔ سبحان اللہ وما شاء اللہ۔

والسلام دعاگو

عبد الماجد

مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کے نام

(ان کی رفیقۂ حیات کے انتقال پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد۔

۹ فروری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سانحہ نے دل کو انتہائی ملول کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

قلب انسانی کے لیے جو صدمے انتہائی صبر آزما ہو سکتے ہیں ان میں ایک یہی رفیقۂ حیات کی مفارقت ہے۔ انشاء اللہ آپ اس وقار اور عزیمت کے ساتھ گزر جائیں گے جو آپ کے مرتبۂ علم و فضل و معرفت کے شایان شان ہے۔ مجھ سے بڑھ کر اس عظیم تلمی کا لذت شناس اور کون ہوگا اور میرے لیے سب سے ٹھنڈا مرہم آپ کے مکتوبات و مضامین ثابت ہوئے تھے۔ آپ کا وہ احسان کبھی بھولنے والا نہیں۔

اللہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور آپ کے رفع مدارج کو اس حادثہ کا سبب بنائے۔

صدق میں بھی انشاءاللہ اس کا ذکر کروں گا تاکہ کثرت سے لوگوں کو دعائے مغفرت و ایصال ثواب کا موقع ملے۔ مرد کا تو سارا نظام زندگی اور سکون قلب اس سے رخصت ہوجاتا ہے۔ بہرحال آپ کو مبارک ہو کہ اس اضطراری سنت (رحلت خدیجہؓ) کا موقع مل گیا

والسّلام دعاگو ودعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مراد مولانا مرحوم کی رفیقہ حیات کا سانحہ رحلت۔

(۲) نہ صرف مکتوب الیہ کا تعزیت نامہ بلکہ اس کے بعد کئی مفصل عنایت نامے جس سے مولانا کو بہت سکون حاصل ہوا اس کا وہ بار بار ذکر بھی کرتے تھے۔

صدیق احمد صاحبؒ ایڈوکیٹ بارہ بنکی کے نام

(ان کی اہلیہ کے انتقال پر)

دریاباد۔

۱۴ر فروری ۱۹۶۴ء بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

خبر پڑھتے ہی مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کردی۔

مرد کے لیے مفارقت کا یہ صدمہ شدید صبر آزما ہوتا ہے اللہ صبر عطا فرمائے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے ہم لوگوں کی قرابت ہوتی ہے خاص کر ان کی بیوی سے۔

سید کلب عباس صاحب[1] کی اولاد کے نام جائس، رائے بریلی

دریاباد

۱۱ر جون ۱۹۷۴ء

بسم اللہ

عزیزم!

السلام علیکم

مرحوم سید کلب عباس چند سال کالج میں میرے ساتھ پڑھ چکے تھے اب بھی دوستانہ تعلقات تھے۔ سید کلب مصطفیٰ مرحوم[2] میرے مخصوص مخلصوں میں تھے ان کے بڑے بھائی صاحب سے بھی تعلقات تھے۔ سید کلب عباس مرحوم کی بیوی اور سارے عزیزوں کو میری طرف سے تعزیت پہنچا دیجئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

عبدالماجد

(۱) مرحوم عباس صاحب شیعہ کانفرنس کے مدتوں سکریٹری رہے اور اپنے جوشِ عمل میں بہت ممتاز تھے اور مسلمانوں کے کاموں میں بھی بڑے آگے رہتے تھے۔

(۲) سید کلب عباس صاحب کے چھوٹے بھائی جن کا نو دس برس ہوئے انتقال ہو چکا تھا۔

ماسٹر انوار احمد صدیقی صاحب وارڈن روم رسول ہوسٹل

سیف الدین طاہر ہائی اسکول مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دریاباد

۱۸ر جولائی ۱۹۷۴ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ!

وعلیکم السلام

کیا لکھوں تمہارے کارڈ نے کس غضب کی بجلی گرا دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی عزیز بلکہ

عزیز قریب کا حادثہ گزر گیا۔ بیوہ اور بھائی دونوں بے چاروں پر کیا گزری ہوگی مجھے مخلص ماشاءاللہ کثرت سے مل گئے ہیں لیکن صاحب فہم مخلص بس چند ہی نصیب ہوئے ہیں[۲]۔ بڑے ہی مخلص تھے اور جس درجے کے مخلص تھے اسی درجہ کے صاحب فہم بھی تھے بار بار دعائے مغفرت کر چکا ہوں اور ابھی کرتا رہوں گا۔ ہمارے گھر بھر میں سب خوب واقف تھے لڑکیوں نے دل سے دعا کی۔ یہ کارڈ انھیں[۳] دونوں کو سنا دینا۔ یہ ضرور لکھ بھیجنا کہ تجہیز و تکفین کی کیا صورت ہوئی مصارف کہاں سے آئے۔ آخر تک کیا کیفیت رہی کچھ بولے چالے رہے ــــ والسّلام

سوگوار و داعی مغفرت

عبدالماجد

(۱) یہ تعزیت نامہ مولانا مرحوم نے اپنے ایک بڑے ہی صاحب فہم مخلص صغیر احمد صاحب اسسٹنٹ ٹیچر مسلم یونیورسٹی اسکول کے سانحہ ارتحال پر مکتوب الیہ کو لکھا جو مرحوم کے دوستوں میں تھے۔ مرحوم صغیر احمد صاحب زمانہ طالب علمی ہی سے مولانا مرحوم کے بڑے ہی خصوصی عقیدت مندوں میں تھے اور اس تعلق میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا پہلے کچھ پتھری کی شکایت ہوئی بالآخر کینسر کے موذی مرض میں انتقال ہوا اور انتقال علی گڑھ میں نہیں بلکہ دیلور میں ہوا، ان سے بالکل عزیزانہ تعلقات تھے۔ جب مولانا مرحوم علی گڑھ تشریف لے جاتے تو گھنٹوں ان کے ساتھ صرف کرتے تھے۔

(۲) مولانا مرحوم آخر تک ان کے مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب فہم ہونے کے قائل تھے اور اس کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔

(۳) مراد مرحوم کی بیوہ اور بھائی نصیر احمد صاحب جو اب بھی مسلم یونیورسٹی رجسٹرار آفس میں ہیں۔

افتخار احمد صاحب[1] دواخانہ ہمدرد ایجنسی، اعظم گڑھ

دریاباد۔

۱۸ر جولائی ۱۹۷۴ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

ماسٹر انوار کے نام تعزیت نامہ لکھ چکا ہوں۔ مرحوم کے جوان جسم میں سن و عمر روح تھی ہر طرح سے دوسروں کے لیے باعث رشک۔ خود میرے لیے بھی باعث رشک۔

انشاء اللہ بال بال مغفرت ضرور ہوگی۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ ماسٹر صغیر احمد کے قریبی عزیز ہیں انھوں نے مرحوم کے انتقال کی اطلاع دی تھی۔

نصیر احمد صاحب[1] منٹو سرکل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دریاباد۔

۶ر اگست ۱۹۷۴ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

خط خاصا مفصل مل گیا۔ اللہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ایسے مخلص اور اس درجے کے صاحب فہم کہاں ملتے ہیں۔ میرے لیے مرحوم ایک نعمت تھے زندگی بھر قدم قدم پر یاد آئیں گے۔

ہر اچھی خبر کا منتظر رہوں گا۔[2] والسلام۔ عبدالماجد

(۱) ماسٹر صغیر احمد کے چھوٹے بھائی یہ اب مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار آفس میں صیغہ امتحانات میں ہیں۔

(۲) مراد بالکل آخر وقت کے حالات۔ اس سے مولانا مرحوم کو بہت دلچسپی تھی اس قسم کے حالات سُن کر بہت خوش ہوتے تھے۔

مولوی حاجی عبید الرحمٰن[۱] خاں شروانی حبیب منزل میرس روڈ علی گڑھ کے نام

(ان کی بیگم صاحبہ کے انتقال پر تعزیت نامہ)

دریاباد

۲۵ر اگست ۱۹۷۴ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ سانحہ کی خبر ابھی ملی اگرچہ غیر متوقع نہ تھی[۲] دل پسند بیوی اللہ کی ایک بہترین نعمت ہوتی ہے اس طرح اس کی مفارقت کا صدمہ بھی شدید ترین ہوتا ہے۔ قدم قدم پر یاد آئے گی۔ وہ خلا جو پیدا ہو جاتا ہے وہ گھڑی گھڑی محسوس ہوگا۔

نفس مرض کا اس درجہ موذی ہونا[۳] خود ہی ساری سیئات کے کفارہ کے لیے انشاء اللہ کافی ہو جائے گا اور پھر آپ لوگوں کی مخلصانہ دعائیں اپنی بھی خیر دعائے مغفرت بھی انھیں میں شامل کرتا ہوں۔ میاں ریاض الرحمٰن[۴] مولوی آدمی ہیں۔ اجر کے بیش قیمت ہونے کا ان سے بڑھ کر جاننے والا اور کون ہوگا۔ اللہ سب کو صبر عطا فرمائے۔

والسلام دعاگو

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کے بڑے پرانے مخلصانہ تعلقات ان کے والد مرحوم

نواب صدر یار جنگ مرحوم کے زمانے سے چلے آتے تھے جو مولانا مرحوم سے آخر دم تک قائم رہے۔ مکتوب الیہ یونیورسٹی کے برسہابرس آنریری ٹریژرر رہے اور بڑی ہی دیانت سے اپنے فرائض بلا کسی آنریریم کے انجام دیئے۔ اس وقت بھی باوجود پیرانہ سالی کے ماشاء اللہ بڑے انہماک سے ملی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سکریٹری ہیں ان کی سرگرمی اور جوش عمل نوجوانوں کے لیے قابل تقلید ہے۔

(۲) مرحومہ عرصے سے علیل تھیں۔

(۳) مرحومہ کو کینسر کا مرض تھا۔

(۴) مکتوب الیہ کے صاحب زادے اور ریڈر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی ان کی بھی مولانا سے خط و کتابت رہتی تھی۔

مولوی سیّد ریحان حسین چشتی پھلواری شریف پٹنہ

دریاباد

۲ر ستمبر ۱۹۷۴ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السّلام

سیاست کانپور میں سانحہ کی خبر پڑھ کر صدق ۳ کے لیے نوٹ لکھ چکا تھا کہ آپ کا مراسلہ بھی وصول ہوا وہ بھی اس نمبر میں انشاء اللہ نکل جائے گا۔

مرحوم میرے مخلصین میں تھے اور مرحوم کے جو ذاتی کمالات و مناقب تھے وہ ان کے علاوہ بشاہ سلیمان چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی طالب علمی کے زمانے سے ہمارے خاندان دریاباد میں جو علمی تعلقات رہے تھے ۴ وہ مرحوم نے نباہ دیئے۔

اللہ جنت الفردوس میں جگہ دے اور کیوں نہ جگہ ملے گی۔ والسّلام

سوگوار۔ عبدالماجد

(۱) مولانا شاہ غلام حسنین پھلواری کے انتقال کی۔ شاہ صاحب مرحوم مولانا مرحوم کے خصوصی ارادت مندوں میں تھے اور "صدق" کے بہت قدردانوں میں تھے اور اس کی ایک ایک سطر بہت غور اور دل چسپی سے پڑھتے تھے اور مولانا سے برابر سلسلۂ خط و کتابت جاری رکھے ہوئے تھے۔

(۲) مراد صدق کی اشاعت نمبر ۴۱

(۳) مرحوم شاہ صاحب کے والد ماجد جو اپنے زمانے کے نامور واعظ تھے اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

(۴) مولانا مرحوم کے دادا مفتی مظہر کریم کے وقت سے۔

قاضی زبیر مصطفیٰ دریابادیؒ کے نام

(ان کے والد قاضی ضیاء الدین کے انتقال پر تعزیت نامہ)

لکھنؤ۔

۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۲ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ!

اب محسوس کر رہے ہوں گے کہ باپ کے مرنے کے کیا معنی ہوتے ہیں خواہ اپنا سن کچھ بھی ہو جائے اور باپ کا سن بھی کیا ہو جائے۔

اور جو صدمہ ڈالتا ہے وہی برداشت کی قوت بھی رفتہ رفتہ دے دیتا ہے تم سب بڑے ہو اس لیے سب تمہارے نقش قدم پر چلیں گے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

یہ دن بہرحال سب ہی کو پیش آنا ہے۔

نماز جنازہ اگر میں خود موجود ہوتا تو تم ہی سے پڑھواتا یہ کہلا دینا بالکل بھول ہی گیا گو وہ حافظ جی بھی بڑے ہی اچھے آدمی ہیں۔

یہاں دعائے مغفرت بعد نماز فجر اپنی مسجد میں کردی۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کے ایک عزیز کے بڑے صاحبزادے جو برسوں مولانا مرحوم کے ہاں شام کی نشست میں آنے والوں میں تھے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے مولانا کے ہاں آیا کرتے تھے۔

(۲) قصبہ کے قاضی اور امام عیدگاہ۔ یہ رشتے میں مولانا کے بھتیجے ہوتے تھے اور بڑے ہی مخلص۔ زمینداری اور کاشت کاری کے کاموں میں بہت زیادہ مدد ان سے ملتی تھی۔ تحصیل سے متعلق بھی مولانا مرحوم کے کاموں کو بڑی خوشی سے انجام دیتے تھے۔

(۳) مکتوب الیہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔

(۴) مرحوم کی تدفین دریابادمیں ہوئی اور مولانا مرحوم اس زمانہ میں بغرض علاج لکھنؤ میں مقیم تھے۔

(۵) مراد حافظ غلام نبی صاحب جنھوں نے دریابادمیں مولانا مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی اور جن کے قصبے میں بیسیوں شاگرد حفظ قرآن میں تھے۔ مرحوم نے ایک سو سال سے زیادہ عمر پائی۔

اشتیاق احمد عباسی بیرسٹرایٹ لا ہیولاک روڈ لکھنؤ کے نام

(ان کی بیگم صاحبہ کے انتقال پر تعزیتی مکتوب)

لکھنؤ۔

یکم نومبر ۱۹۷۲ء

بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

جب سے اخبار میں حادثہ کی خبر پڑھی برابر جنازہ کا یہیں منتظر رہا احسان منزل

سے پورا وعدہ ہو چکا تھا آج جب تدفین کی خبر سنی یہ صدمہ بھی کچھ کم نہ ہوا مطلق خبر نہ ہو سکی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی۔

زندگی کس گھر میں پیدا ہو کر پھر کس گھر میں گزار دی۔ بڑی ہمت کا کام تھا اللہ پورا اجر عطا فرمائے ——

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے سالے ہوتے تھے مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے رشتے میں بھائی تھے اور مولانا سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ ٹبلی دیژن والوں نے مولانا سے انتقال سے پہلے جو انٹرویو لیا اس میں سوالات مکتوب الیہ ہی نے کئے۔

(۲) مکتوب الیہ کی بیگم کے سانحہ انتقال کی خبر۔ یہ مکتوب الیہ کی دوسری بیوی تھیں۔ پہلی بیوی کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا تھا یہ ہندوستان کی مشہور مغنیہ بیگم اختر فیض آبادی تھیں ان کا احمد آباد میں انتقال ہوا یہ بڑی داد و دہش کرتی تھیں اور نماز روزے کی بڑی پابند ہو گئی تھیں۔

(۳) احسان منزل میں مکتوب الیہ اور مولانا کی بیگم صاحبہ کے قریبی اعزا یعنی خالہ زاد بہنیں، ان کے شوہر اور خالہ زاد بھائی اور خالہ زاد بہن کے شوہر اور ان کے بھائی رہتے ہیں یہ سارا گھرانا مولانا مرحوم سے بڑی ارادت رکھتا تھا۔

(۴) مرحومہ نے مکتوب الیہ سے شادی کر کے بالکل شریف بیویوں کی طرح زندگی گزاری اور اس کے ساتھ ساتھ بڑی مذہبی بھی ہو گئیں۔

مطبوعہ زیرِ نگرانی:
علیم اللہ صدیقی ــــ کلکتہ ۱۶

سیّد آل عبا آوارہ مارہروی آل انڈیا ریڈیو۔ دہلی

بسم اللہ

دریاباد

۱۷ر جولائی ۵۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

آوارگی کے پردے میں "یہ ردائے آل عبا" خوب نکلی۔ سبحان اللہ۔

ہماری کم نگاہی تم کہاں تھے ہم کہاں سمجھے۔

دل نے کہا "فرقہ ملامتیہ" ابھی زندہ ہے۔

کل اٹھارہ جولائی کی شب میں وقت نکال کر ضرور آپ کی پیش کردہ "بی بھٹیاری"[۳] سے دل بہلاؤں گا اور جی میں آئی تو پھر آپ کے اسٹیشن ڈائرکٹر کو اپنے تاثرات بھی لکھ بھیجوں گا۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے اسکول فیلو تھے۔ مولانا مرحوم ان کی زبان دانی خاص کر لکھنوی زبان رعایت لفظی اور انشا پردازی کے قائل تھے۔

(۲) اس وقت مکتوب الیہ آل انڈیا ریڈیو سے منسلک تھے۔

(۳) مکتوب الیہ کا پیش کردہ فیچر پروگرام۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۰ر جولائی ۵۴ء برادرم! السلام علیکم

آپ کی فرمائش[1] مجال ہے ٹال سکوں پہونچی بُرے وقت اور بیک بھی یعنی جب کام میں گھرا ہوا تھا۔ (عموماً ہر کام کے لیے دو دو ہفتے قبل وقت نکال رکھنے کا دستور ہے)۔

یہ سب کچھ سہی لیکن حرمت آل عبا سب پر غالب ہے جس طرح بھی ہوگا کل انشاء اللہ دو چار سطریں ٹیڑھی سیدھی لکھ بھیجوں گا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

(۱) مکتوب الیہ نے اپنی کتاب "اپنی موج میں" کا مسودہ نہ صرف مولانا کو دیکھنے بھیجا بلکہ اس پر پیش لفظ لکھنے کی فرمائش بھی کی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۰ر جنوری ۶۰ء برادرم! وعلیکم السلام

تعزیت نامہ[1] مل گیا تھا۔ مرحوم[2] سے دوستی فقیر عالم مرحوم ہی سے تھی اور یوں تعلقات تو سارے خاندان صادق سے تھے۔ دعائے مغفرت فرما کر خود بھی اجر یاب ہو جیئے۔

کچھ روز ہوئے دہلی ریڈیو کی فرمائش پر احتشام صاحب[3] نے ایک ادبی انٹرویو کیا۔ میں نے ایک موقع پر آج کل کے 'تخلیقی ادب' والوں کی اکثریت کی ہجو کی۔ یہ کہا کہ ان میں کوئی دس فی صدی اچھے لکھنے والے ہیں۔ نمونہ کے طور پر نام دو پیش کیے ایک نواب شفیع دہلوی ثم لاہوری دوسرے عفت آوارہ ——— لکھنؤ ریڈیو والے ریکارڈنگ کرتے وقت اس جرح و قبول کرنے میں آمادہ نہ ہوئے۔ عجب دنیا ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے برادر بزرگ مولوی عبدالمجید ڈپٹی کلکٹر کے سانحۂ ارتحال پر۔

(۲) مرحوم سے مراد مولوی عبدالمجید صاحب ہیں۔

(۳) مراد پروفیسر احتشام حسین صاحب صدر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی جو اس وقت لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ریڈر تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۱ جولائی ۶۴ء

برادرم!

وعلیکم السلام

شاہ عبدالقادر کے ترجمے کا سال ۱۲۰۵ھ ہے۔ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ اس سے چند سال قبل کا ہے۔

شاہ حقانی کے ترجمے کا نمونہ (مثلاً سورۃ فاتحہ و سورۃ اخلاص کا ترجمہ) اگر عنایت ہو مع مترجم کے حالات اور ترجمہ کے خصوصیات کے تو صدق اس کی اشاعت باعثِ سعادت سمجھے گا۔ میرے علم میں تو یہ ترجمہ پہلی بار آ رہا ہے۔

بچوں و بچیوں کا حال بہت اچھا کیا جو لکھ بھیجا۔

اگر آئندہ کبھی خط لکھنے کی نوبت آئے تو ذرا سیتاپوری اعزہ کے مختصر حالات لکھ بھیجیے گا۔ اب بھی کوئی وہاں ہے؟ مارہرہ سے وہاں آ کر کب اور کیسے بسا تھا؟ سید محمد صادق مرحوم و مغفور اور فقیر عالم مرحوم اور اُن کے چھوٹے بھائی (نام اس وقت خیال میں نہیں آ رہا ہے) اور مولوی شاہ اسمٰعیل حسن مرحوم اور ارتضیٰ میاں مرحوم یہ سب آپ کے کیا کیا ہوتے تھے؟

شاہ ابوالحسن مرحوم بھی آپ ہی کے خاندان کے ہوں گے۔ میری خوش دامن ان کی بڑی مرید اور معتقد تھیں۔ دو اور مارہرویوں کے نام بھی یاد پڑ گئے ایک سید افتخار عالم ان سے اچھے خاصے تعلقات تھے دوسرے بشیر حسین اُن سے محض شناسائی تھی۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کے بارے میں لکھا تھا۔

(۲) مصنف حیات النذیر یعنی ڈپٹی نذیر احمد کی سوانح حیات۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۲ جولائی ۷۲ء

برادرم! وعلیکم السلام

محبت نامے سے خیریت تو معلوم ہی ہو گئی۔ یہی بڑی چیز ہے۔ کتاب[1] کا اردو نسخہ آپ نے وہی دیکھا ہوگا جو نامی پریس لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔ میرے پاس بھی وہی تھا (ممکن ہے اب بھی کہیں پڑا ہو لیکن اس کا ڈھونڈنا کارے دارد ہے۔ ہندی نسخہ انگریزی خط میں) قلمی ایک زمانے میں میرے پاس آگیا تھا۔ وہ سن ان چیزوں کی قدر کا نہ تھا۔ اپنی حماقت سے کچھ قدر نہ کی اور ضائع ہو جانے دیا۔ کئی برس بعد ڈھونڈھانہ ملا۔

مصنف کے خاندان کا اب کوئی نہیں۔ کتاب میں اپنے آپ کو ذات کا بٹیائچ لکھا ہے۔ زبانی یہ روایت سننے میں آئی کہ مومن یا انصاری برادری کے تھے۔ میرے بچپن تک کتاب اتنی گمنام نہ تھی۔ ایک خوش آواز حافظ صاحب مثنوی دوم کی طرح اسے بھی ترنم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی تلاش کا ذکر صدق میں کروں گا شاید کوئی اللہ کا بندہ پتا لگا لے۔

تاریخ دریاباد میں لالہ برج کشور لال دریاباد[2] نے جس جواہر کا ایک نام رموز الفقرا بھی دیا ہے اور سال تصنیف ۱۱۴۹ ہجری دیا ہے جو مطابق ۱۷۳۶ء پڑتا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) کتاب سے مراد دریاباد کے ایک پرانے درویش قاسم شاہ کی منظوم تصنیف جس جواہر ہے۔

(۲) اس لیے کہ مولانا مرحوم کی ہزاروں کتابیں کوٹھے میں اور نیچے کی پچاسوں الماریوں میں

رکھی ہوئی تھیں۔

(۳) یہ تاریخ دریاباد کے مصنف اور شاعر تھے اور اردو کلچر کا نمونہ تھے۔ منشی نوبت رائے نظر کے شاگرد تھے انکی تاریخ دریاباد ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۹ جنوری ۱۹۷۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

وی پی کی فرمائش خوب رہی۔[۱]

میرے بس میں ہوتا تو پرچہ مستقلاً نذر خدمت ہوتا رہتا۔ دونوں نمبر انشاء اللہ حاضر خدمت ہونگے مگر دو چار دن کے بعد، دفتر لکھنؤ میں ہے اور اب ڈاک خانے کی خوش نظمی ۴۰ میل کو ۴۰۰ میل بنائے ہوئے ہے۔[۲]

آپ کی یہ عینی شہادت ارشد مسعود صاحب[۳] کو آپکا بندہ بے دام بنائے ہوئے ہے۔ اللہ آپ کی اور میری دونوں کی عاقبت محمود بنائے۔[۴]

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) صدق بھیجنے کی

(۲) دریاباد سے لکھنؤ خط اس خوش نظمی کی وجہ سے کئی کئی دن میں پہنچتا تھا۔

(۳) لکچرار ریڈر شعبۂ قانون مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ جو جسٹس محمود کے حالات لکھ رہے تھے جسٹس موصوف کا انتقال سیتاپور میں ہوا تھا جب مولانا مرحوم اسکول کے طالب علم تھے۔

(۴) ذکر جسٹس محمود کا ہے اس سے مولانا نے رعایت لفظی کا فائدہ اٹھایا۔

بنام محمد احمد غریب صاحب تاجر کٹلری بازار بمبئی

بسم اللہ

دریاباد

۱۷ جولائی سنہ ۱۹۵۳ء

برادرم! السلام علیکم

اس خط کے حامل سید علی احمد مجھ سے بڑے خصوصی تعلق رکھنے والے ہیں۔ میرے تفسیری مسودات اور اکثر دوسرے مسودات سب انہیں کے ہاتھ کے صاف کئے ہوئے ہیں۔ صدق کے بھی گویا اسسٹنٹ ایڈیٹر ہیں۔ اپنی ایک عزیزہ کو پاکستان بھیجنے ہی تک جارہے ہیں۔ بمبئی ان کے لئے بالکل اجنبی ہے۔ میں نے انہیں بتادیا ہے کہ خانۂ غریب (غریب خانہ نہیں) تک پہنچ کر بمبئی اجنبی نہ رہے گا۔

یہ کچھ تو ادنیٰ خدمت نہیں صرف ٹکٹ بدنے کی جگہ چاہتے ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مکتوب الیہ جو مولانا سے پہلے راہی جناں ہو چکے تھے مولانا مرحوم کے بڑے قدیم مخلص بلکہ خص مخلصوں میں تھے اور مولانا ان کے اخلاص، فہم اور کارگزاری کے بہت معترف تھے مناجات مقبول کے پہلے ایڈیشن کی طباعت کے سارے مصارف انہوں نے اپنے نام کی رعایت کے بغیر برداشت کئے۔ مولانا کے ذاتی معاملوں میں بہت دلچسپی لیتے تھے چنانچہ تاج کمپنی سے مولانا کو رائلٹی دلوانے میں ان کی کوششیں بڑی حد تک کامیاب رہیں۔ مولانا سے انکے بالکل قریبی عزیزوں کے سے تعلقات تھے

(۲) موصوف بھی مولانا مرحوم کے بڑے مخلص فعال اور کارگزار معاون تھے۔ انگریزی کی ساری تفسیر

انہوں ہی نے ٹائپ کی اور زیادہ تر اردو مسودوں کو صاف کیا۔ اردو خط بہت پاکیزہ اور اچھا تھا۔ صدق کے عملی انتظامات میں بھی ان کو بڑا دخل تھا۔ مولانا ان کے اخلاص اور فہم دونوں کے بڑے قائل تھے اور اُن سے بڑے خوش گئے۔ جنوری ۱۹۸۳ء میں وفات پائی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۳ر ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

ایسے صاحب فہم مخلص کی طرف سے بھی ایسی سخت فرمائش سُن کر جی چاہا کہ سر پیٹ لوں۔ جس غریب کو یہ روزانہ ۲۵، ۳۰ اخبار دیکھنے پڑتے ہوں اور دو ایک رسالے بھی اور ہر مہینے درف ریویو ہی کے غرض سے ۱۵، ۲۰ کتابیں پڑھنی پڑتی ہوں اور روزانہ خط و کتابت کا سارا کام بغیر اسسٹنٹ کے اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتا ہو اور خدا معلوم کتنے پیام اور دیباچے اور پیش لفظ ہر ہفتے لکھنے پڑتے ہوں اور دوسروں کے مسودات پر نظر ثانی اور انہیں بعض مشورے دیتے رہنے ہوتے ہوں اور ہفتہ وار کی ایڈیٹری اور مستقل شغل تصنیف و تالیف ان سب کے علاوہ! اور پھر یہ سارا کام بعد فجر سے قبل غروب آفتاب ختم کر دینا ہوتا ہو اس لئے کہ بعد غروب آفتاب آنکھ پر زور پڑنے کے باعث لکھنا پڑھنا سالہا سال سے ترک ہے۔ ایسے شخص سے جو ساتھ ہی خانہ داری اور گھر بار کے سارے قضیے اور جھگڑے بھی رکھتا ہو اس سے یہ فرمائش کرنا خصوصاً اس سے اتنے لمبے سفر کی توقع رکھنا ظلم ہے یا نہیں!

ایکسپریس ٹکٹ کی ضرورت نہ تھی۔ ڈاک خانہ گھر سے چند قدم پر ہے اور ڈاک وہاں آتے ہی مل جاتی ہے۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

(۱) اس تفصیل سے قارئین کو مولانا مرحوم کی روزانہ مشغولیت کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔ اور اس کا بھی کہ سارا کام وہ تن تنہا اور کسی سکریٹری یا پرسنل اسسٹنٹ کی مدد کے خود ہی کرتے تھے۔

(۲) مکتوب الیہ نے یہ خط بذریعہ ایکسپریس ڈلیوری بھیجا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۳ ستمبر ۱۹۵۴ء

برادرم سلمہٗ! وعلیکم السلام

(۱) تازہ حج پر مخلصانہ مبارکباد۔

(۲) اپنی اس خوش نصیبی پر کہ یاد اس ارض پاک پر آتی رہی خود اپنے سے رشک پیدا ہوا۔ جزاک اللہ۔

(۳) مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی۔ گیلانی بریگیا مونگیر[۱]

(۴) محمد علی ذاتی ڈائری اور تفسیر جلد دوم[۲] خدا خدا کر کے دونوں شائع ہوگئیں۔

(۵) صدق کی اشاعت دو ہفتے کے لیے بند رکھنا پڑی تھی۔ خریداروں اور ایجنٹوں کے نادہندگی کا کرشمہ تھا

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے لکھا کہ سفر حج میں برابر مولانا یاد آتے رہے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) مکتوب الیہ نے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کا پتہ دریافت کیا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۹ مارچ ۱۹۵۵ء

برادرم! السلام علیکم

آپ سے سخت شرمندگی ہے کہ براہ بمبئی آنے کی کوئی صورت نہیں نکل رہی ہے۔ اس لیے آپ کو مطلع کیے دیتا ہوں کہ اب انتظار نہ فرمایا جائے۔

تاسف جتنا آپ کو ہوگا شاید اتنا ہی مجھے بھی ہو رہا ہے۔ جی یہ چاہتا ہے کہ تلافی کی کوئی صورت جلد نکال سکوں۔

معذرت خواہ

عبدالماجد

(۱) اپریل ۱۹۵۵ء میں ملک غلام محمد صاحب گورنر جنرل پاکستان کی دعوت پر مولانا مرحوم اپنی بیگم، خاکسار اور محمد معین کارکن صدق پاکستان گئے تھے۔ پہلے خیال تھا کہ بحری جہاز سے براہ بمبئی کراچی جائیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۴ نومبر ۱۹۵۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

تازہ معاودت باسعادت اللہ ہر طرح سے مبارک کرے۔ لندن کا پروگرام کب سے کب تک کے لیے ہے۔ تجارت و سیاحت کے ساتھ دین کی خدمت کے موقعے بھی نظر ہے آپ نے نکال رکھے ہوں گے۔

خدا کے گھر کی زیارت کے بعد خدا کی شان کا مشاہدہ بھی دلچسپ ہے زبان اکبر

وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

کوئی چھوٹی پونجی والا ہزار ڈیڑھ ہزار کی رقم سے اگر آپ کی تجارت میں شرکت کرنا چاہے تو آپ کے ہاں بہ سہولت و بلا زحمت اس صورت کے نکلنے کا امکان ہے؟ ہر تاجر کے ہاں اس کی گنجائش نہیں نکلتی۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد۔

مکتوب الیہ تازہ سفر حج سے واپس ہو آنے کے بعد لندن جانے والے تھے۔

اس سے مولانا مرحوم کے مذاق طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے کہ کسی معاملے میں بھی کسی پر دباؤ ڈالنا گوارا نہ تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۱ دسمبر ۱۹۵۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

البلاغ کا یہ ملک سعود نمبر خوب نکلا۔ اور مولانا گیلانی کے مضمون کا تو کہنا ہی کیا! اس نمبر کے لیے کچھ نہ لکھ سکا اسے اپنی محرومی پر محمول کرتا ہوں۔

محبت نامے کی چند سطریں سلطان سے متعلق صدق نمبر میں دے رہا ہوں۔

بمبئی کی زیارت خود آپ کی زیارت یہ سب سامان کشش کے ہیں۔ موانع بھی کم نہیں۔ کم فرصتی تو مستقل ظاہر ہی ہے۔ باقی آج کل تو موسم بھی سفر کے لیے زیادہ مناسب نہیں گلستہ جن لوگوں نے بلایا تھا وہ قدیم مخلصوں میں تھے اور ماشاء اللہ بڑے خوش حال ہیں۔

انھوں نے مصارف سفر پیش کیے تو زیادہ عذر نہ کر سکا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) بمبئی کا دینی ماہنامہ اور انجمن خدام النبی کا ترجمان۔ مرحوم اس پرچے کے نکالنے والوں میں تھے۔

(۲) شاہ سعود کے ہندستان آنے کے موقع پر۔

بسم اللہ

دریاباد
۱۰ جنوری ۱۹۵۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

سہل سمجھی میری شفا تو نے
کی بس اے چارہ گر دوا تو نے

آپ کے سے مخلص کی کسی فرمائش کو رد کرتے تکلیف دل کو ہوتی ہے لیکن بات جب ایسی آپڑے تو یہ تکلیف بھی گوارا ہی کرنی ہوتی ہے۔

پبلک جلسوں میں شرکت مدت سے ترک کر چکا ہوں خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی یا ادبی کسی نوعیت کے بھی اور صدارت وغیرہ کے لیے گنجائش اتنی بھی نہیں۔ اس عہد کو اگر ایک آدھ بار کسی کے مروت یا دباؤ میں آکر توڑا تو بس پھر نباہ نہیں ملنے کی، فرمائشوں کا وہ تانتا بندھے گا کہ اچھا بھلا آدمی بدحواس ہو کر رہے۔

کلکتہ اور کراچی دونوں کے سفر بعض مخلص افراد کی طلب پر اور محض ان سے ملنے ملانے کے لیے قبول کیے تھے۔ کسی قسم کے پبلک جلسے میں مطلق شرکت نہیں کی اور اس پر لاہور

کے بعض احباب کی سخت ناخوشی مول لی۔

کرایہ وغیرہ کی رقم مخلص افراد سے تو قبول کر لیتا ہوں جن کا اخلاص جنچا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن پبلک اداروں میں سب ہی طرح کے لوگ شامل ہوتے ہیں اس لیے ان کا کسی قسم کا عطیہ قبول کرنے میں بڑا تامل رہتا ہے۔ انجمن سے اگر رقم آئی تو انشاء اللہ معذرت کے ساتھ واپس ہو جائے گی ڈائری کا اشتیاق رہے گا۔ پیشگی شکریہ۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم کو بمبئی یوم حسرت جو ۲۸ اور ۲۹ جنوری کو منایا جانے والا تھا کی صدارت کے لیے مدعو کیا تھا۔

(۲) اس سے مولانا کے ایک بڑے خاص معمول کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۳) جون ۱۹۵۵ء میں بعض مخلص اور خوشحال تجارت پیشہ ہم وطنوں کی دعوت پر کلکتہ کا سفر بیگم صاحبہ خاکسار اور بڑی نواسی کے ساتھ کیا تھا۔

(۴) کراچی ملک غلام محمد صاحب کی دعوت پر۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۳ فروری ۱۹۵۶ء

برادرم السلام علیکم

میرا پچھلا خط تو عزیز صدیق[1] کے نام تھا۔ بجائے ان کے جواب آپ نے دیا۔ جون میں موسم خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے[2] تو ہفتہ عشرہ قبل وسط مئی کے بعد مثلاً ۱۹ مئی سے تقریباً ایک ہفتے کا پروگرام ہو سکتا ہے۔ انشاء اللہ تین دن تو آمد و رفت میں لگ جاتے ہیں۔

شرف الدین مرحوم[۳] کے تیسرے لڑکے کا نام یاد پڑ گیا۔ خلیل ندوی ثم جامعی علوم نہیں اب کہاں ہیں؟ میں نے پوچھا تھا کہ عربی سیکنڈ ہینڈ کتابیں بمبئی میں مل سکیں گی؟ یہ معلوم ہو جائے تو کتابوں کے نام لکھ کر بھیجوں۔

جمعیۃ تمدن اسلامی[۴] کا دفتر آج سے دس بارہ سال قبل سنڈل بینک کی عمارت Bruce Road پر تھا خدا معلوم جمعیۃ اب بھی قائم ہے۔

سیٹھ دادا بھائی داؤجی[۵] تو مدت ہوئے ملایا چلے گئے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی جوان ہی کی طرح مولانا کے خاص مخلصوں میں تھے۔

(۲) مکتوب الیہ بہت دنوں سے مولانا مرحوم کو بمبئی بلا رہے تھے موسم سے مراد بمبئی کا موسم ہے جہاں زبردست بارش جون میں شروع ہو جاتی ہے۔

(۳) عربی کتابوں کے مشہور کتاب فروش۔

(۴) یہ انجمن مولانا مرحوم کے خاص مخلص سیٹھ دادا بھائی نے قائم کیا تھا۔

(۵) مولانا کے ایک مخلص خصوصی۔

(۶) موجودہ ملیشیا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۱ فروری ۱۹۵۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

بمبئی کا پروگرام تو اصلاً آپ ہی کے دعوت پر بنا رہا تھا جب آپ کی موجودگی مشتبہ ہے تو ظاہر ہے کہ اپنا ۱۰، ۱۲ دن کا وقت کیوں ضائع کروں اس لیے اب پروگرام کو فسخ ہی سمجھئے۔

خطبۂ نکاح پر نظرثانی کا اس وقت وقت نکلنا ذرا مشکل ہی ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے لکھا کہ مئی میں آپ کی آمد کے موقع پر میری موجودگی مشتبہ ہے اس پر مولانا نے اپنا بمبئی کا پروگرام فسخ کر دیا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ اپریل ۱۹۵۸ء

برادرم! وعلیکم السلام

تحریر کے لیے تو تعمیل ارشاد میرے لیے باعث فخر و سعادت ہے۔ لیکن اتنے تنگ وقت پر ایسی فرمائش کرنا اس دعاگو کے اخلاص و نیاز کا ذرا کڑا امتحان لینا ہے۔

مکتوب گرامی کل شام کو ملا اور آج ہی صبح پہلی ڈاک سے یہ عریضہ روانہ ہو رہا ہے۔ مقدس لکڑی کا تبرک[۲] بھی پہنچ گیا۔ وہ شکریہ سے بالاتر ہے۔ اس وقت آنکھوں سے لگانے کے بعد ایک الگ لفافے میں بند کر کے رکھ دیا ہے اور اوپر ہدایت لکھ دی ہے کہ ہم میاں بیوی کے کفن کے اندر رکھنے کے لیے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مراد مکتوب الیہ کی کتاب پر پیش لفظ ہے۔

(۲) خانۂ کعبہ کی چھت کی لکڑی کا ٹکڑا۔

بسم اللہ

دریاباد

۹ ستمبر ۵۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

مسرت نامہ کئی دن ہوئے مل گیا تھا اور دل پوری طرح شکر گزار و ممنون ہو چکا تھا۔[1]

ریلوے رسید پارسل کی کل وصول ہوئی۔ اس نے اس مسرت بے پایاں میں ایک خاش پیدا کر دی۔ ریلوے اسٹیشن بجائے دریاباد کے بارہ بنکی درج تھا۔ اللہ۔ ایک ذرا سی غلطی کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ دریاباد ریلوے اسٹیشن نو دہے۔ بارہ بنکی یہاں سے ۲۴ میل کے فاصلے پر ایک دوسرا اسٹیشن ہے۔

ایک آدمی وہاں پارسل لانے کو بھیجوں گا لیکن دیکھئے جو وہاں اسوقت تک پارسل پہنچ گیا ہو۔ ورنہ آدمی دوبارہ بھیجنا پڑے گا بلکہ شاید بار بار بھی کہ اس کا کچھ ٹھیک نہیں کہ پارسل کب پہنچے۔

بہر حال آپ دونوں کی انتہائی محبت اور اخلاص میں تو کوئی شبہ ہے ہی نہیں۔ اور اجر سارا اسی کا ہے پارسل بھی دیر سویر انشاء اللہ مل ہی جائے گا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ اور اُن کے چھوٹے بھائی نے مولانا مرحوم کے لئے ایک قیمتی جانماز بذریعہ پارسل بھیجی تھی۔ اسی جانماز کو مکتوب الیہ مدینہ شریف میں بچھا کر ۲ مہینے نماز پڑھتے رہے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۱ ستمبر ۱۹۵۸ء

برادرم! وعلیکم السلام

وہی ہوا جس کا ڈر تھا کل آدمی بارہ بنکی جا کر ناکام واپس آیا۔ پارسل ۳ کا چلا ہوا ۱۰ تک بارہ بنکی پہنچا ہی نہ تھا۔ اور خدا معلوم کب پہنچے۔

بار بار آدمی بارہ بنکی بھیجنے کی ہمت مشکل ہی سے ہوگی۔ ایک صورت ابھی خیال میں آئی کہ آپ اسٹیشن ماسٹر بارہ بنکی کو تار دے دیں کہ پارسل دریاباد Redirect کر دیا جائے ریلوے رسید کا نمبر P 7851 - 50 ہے۔

میں تو کچھ مایوس ہو چلا ہوں اور اپنے معاملات میں بہ ہمت بھی بہت واقع ہوا ہوں۔ طبیعت ہر معاملے میں سکون ڈھونڈتی ہے۔ جہاں ذرا گڑبڑ ہوئی یا اپنج پنج پڑا فوراً ہی منقبض و منتشر ہو جاتی ہے۔[1]

اگر تار مجھے بھی دینا چاہیں تو نوٹ کر لیجئے کہ دریاباد تار گھر ہے بارہ بنکی اگر اس کے ساتھ لکھا گیا تو تار بارہ بنکی چلا جائے گا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کا اصل مذاق یہی تھا لیکن وہ جائز سعی و تدبیر بہ معاملے میں کرتے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۳ ستمبر ۱۹۵۸ء

برادرم! السلام علیکم

ابھی ابھی پارسل ایک صاحب بارہ بنکی سے وصول کرلائے[1] ابھی کھولا بھی نہیں ڈاک کا وقت نکلا جارہا ہے۔ الحمدللہ بڑا اطمینان ہوا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) وہی جانماز کا پارسل۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۵ ستمبر ۱۹۵۸ء

عزیز مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

پارسل کی محض رسید پرسوں لکھ چکا ہوں۔

کھولنے کے بعد سب چیزیں اس میں صحیح وسالم پائیں۔ جانماز اور ایسی مبارک اور مقدس جانماز کا شکریہ کس زبان سے ادا کیا جائے۔ اسے آنکھوں سے لگایا اور سر پہ رکھا۔ جزائے خیر اللہ پاک عطا فرمائے۔

ہاں صاحب کتابوں کے لئے شکریے کے ساتھ شکوہ بھی۔

میں نے تو صرف یہ چاہا تھا کہ کتابیں سیکنڈ ہینڈ آپ کے ذریعہ سے ایک تولہ جائیں اور پھر ارزاں رہیں۔ آپ کی وہی مہربانی کیا کم تھی لیکن آپ نے غضب یہ کیا کہ[1] جدید وی قیمت نہ لی اور اب اقرب الموارد کی بھی قیمت کا کوئی ذکر نہ کیا!

یہ تو فدا زیادتی ہی ہے اور ان تجربوں کے بعد ہمت نہیں پڑتی کہ بقیہ فرمائشوں (البدایہ والنہایہ) کی یاد دہانی آپ سے کروں۔ اسے ذرا سوچ لیجئے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) عربی کی مشہور لغت جو طالب علموں کے لیے بڑے کام کی ہے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۳ جنوری ۱۹۵۹ء

برادرم! السلام علیکم

سیٹھ دادا بھائی کا پرزور خط ملایا سے آیا ہے کہ انگریزی تفسیر میں ملایا یا ہندوستان میں چھپوانے پر تیار ہوں۔ آپ مسودہ تاج کمپنی سے منگوا کر مجھے بھیج دیں۔

اب چونکہ تاج کمپنی سے بالکل مایوس ہو چکا ہوں اس نے انھیں مسودہ واپس کرنے کو لکھ دیا ہے۔

وہ ایسا کرنے کیوں لگے۔ لیکن بالفرض انھوں نے مسودہ واپس کر دیا تو کیا بمبئی میں اچھی انگریزی چھپائی کا انتظام ہو سکے گا؟

سیٹھ صاحب نے لکھا ہے کہ وہ سوا لاکھ کی رقم اس پر خرچ کرنے کے لیے تیار ہیں۔

اردو تفسیر کی نظر ثانی بہت کچھ کر چکا ہوں کوئی بڑا پیشتر اگر اس کے لیے آمادہ ہو جائے تو طبع ثانی کے لیے مسودہ انشاء اللہ تھوڑے ہی دن میں تیار ہو سکتا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کے ایک بڑے مخلص۔

(۲) اس لیے کہ ناشر نے بہت ہی زیادہ دیر لگائی سنہ ۴۰ء میں اشاعت کے لیے ایگریمنٹ پر دستخط کرائے اور تفسیر جاکر کہیں کوئی ۱۷، ۱۸ برس کے بعد مکمل شائع ہوئی۔

(۳) افسوس ہے کہ کوئی پبلشر نہ مل سکا اور مولانا کی زندگی میں اردو تفسیر کے دوسرے ایڈیشن کی دو جلدیں دسویں پارہ تک شائع ہوئیں اور انتقال سے کچھ پہلے گیارہویں پارہ علیحدہ شائع ہوا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ مئی سنہ ۵۹ء

کرم گستر! السلام علیکم

جی ہاں ان سیٹھ صاحب[1] کی دماغی حالت کی طرف سے میں مطمئن نہیں ہوں لیکن باوجود اس کے یہ ہاتھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ وہ بھی نہ چھاپیں گے تو وہ تو یوں بھی نہیں چھپ رہا ہے۔

بہرحال تاج کمپنی نے تو منظوری دے دی اور لکھا کہ مسودہ ہم آپ کے بھیجے ہوئے پتے پر بھیج دینے کے لیے تیار ہیں لیکن جو مطبوعہ جلدیں[2] ہمارے پاس ہیں ان کا کیا ہوگا کیا وہ صاحب ہم سے خرید لیں گے؟ میں نے یہ لکھ دیا ہے کہ یہ کاروباری معاملہ آپ براہ راست انھیں سے طے کرلیں۔

جمعیۃ تمدن اسلامی والے[3] اگر چالیس پچاس ہزار کی رقم اس تفسیر کے کام میں لگادیں تو یہ تو سیٹھ صاحب کی مدعی کے عین مطابق ہوگا۔

ہاں صاحب کیا جمعیۃ والے اپنے حصہ داروں[4] کو کچھ نہیں دے رہے ہیں۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) سیٹھ احمد دادا بھائی۔

(۲) انگریزی تفسیر اس وقت تک مکمل شائع نہیں ہوئی تھی۔ صرف دو یا تین جلدیں شائع ہوئی تھیں۔

(۳) اس انجمن سے سیٹھ صاحب کا بھی گہرا تعلق تھا۔

(۴) مولانا مرحوم بھی اس انجمن کے حصہ دار تھے یا انجمن ایک لمیٹڈ کمپنی کی حیثیت بھی رکھتی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ اپریل سنہ ۵۹ء

برادرم! السلام علیکم

سیٹھ دادا بھائی کی ایک تازہ تحریر ٹائپ شدہ کی نقل ملفوف ہے۔
مجھے تو یقین نہیں آتا کہ کمپنی والے اس کی تعمیل کریں گے۔
ہاں یہ فرمایئے کہ کراچی سے روپیہ آنے کی کوئی سبیل ہے۔ برسوں کے بعد اب خدا خدا کر کے تاج کمپنی نے ایک رقم (تخمیناً ایک ہزار ہوگی) ارسال کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔

میں نے فنانس سکریٹری حکومت پاکستان کو لکھ کر اجازت چاہی کچھ جواب ہی نہ آیا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) یہ سلسلہ طباعت تفسیر ماجدی انگریزی۔

(۲) تاج کمپنی نے رائلٹی بھی بہت دیر میں ادا کی اور اس سلسلہ میں مولانا مرحوم کو خاص زحمت اٹھانی پڑی۔ خاص کر مولانا جمال میاں فرنگی محلی اور چودھری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان

کی کوششوں سے یہ رقم مولانا کو وصول ہو پائی۔

بسم اللہ

دریاباد

۹ مئی ۱۹۵۹ء

برادرم! السلام علیکم

میرے عزیز[1] خصوصی خان بہادر حاجی مسعود الزماں بیرسٹر باندا سے آپ واقف ہوں گے۔ انتقال کو ابھی ½ سال ہی ہوا ہے[2] ان کی بیوی حج کی تمنا میں مدت سے تھیں۔ اب مشتاق تر[3] ہو گئی ہیں۔

ادھر ان کے لڑکے ڈاکٹر اشرف الزماں ایم۔ بی۔ بی۔ ایس جو باندا ہی کے قریب اسسٹنٹ سرجن تھے کی دفعتہً ڈیوٹی انھیں کی خواہش اور درخواست پر اب کی حج میں لگ گئی۔ ۲۷ اپریل کو انھیں تار ملا کہ ۲۹ کو ہی پہنچ جاؤ اور ۳۰ اپریل کے جہاز میں روانہ ہو جاؤ۔ بے چارے کو فوراً روانہ ہو جانا پڑا۔ ماں تک سے نہ مل سکے۔ بمبئی پہنچ کر اس جہاز میں جگہ نہ ملی اب ۶ مئی کو روانہ ہوئے ہونگے۔

اب وہ بے چاری جانے کو بہت بیقرار ہو رہی ہیں آخری جہاز شاید ۳ جون کو روانہ ہو رہا ہے جانتا ہوں کہ دیر بہت ہو چکی ہے اور اب سفر کا کیا امکان ہے۔ پھر بھی اپنی والی پوری کوشش تو آخری وقت تک کر لینا ہے۔ اگر آپ کے ذریعے کوئی بھی صورت نکل سکے تو کسی جہاز پر ایک فرسٹ کلاس اور ایک تھرڈ کلاس رزرو کرا کر ان کے بڑے صاحب زادے کو تار سے مطلع کر دیں شیخ انور الزماں ایڈووکیٹ، باندا۔

ظاہر ہے کہ آپ اپنی والی کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے گو یہ سمجھتا ہوں کہ کامیابی اس کے بعد بھی موہوم ہے۔ اتنی قلیل مدت میں سارے مرحلے طے ہو جانا قریب بہ محال ہی ہے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کے سالے۔

(۲) جنوری ۱۹۵۸ء میں۔

(۳) ان محترمہ کا نام بھی مشتاق النساء ہے۔

(۴) مراد بیگم شیخ مسعود الزماں۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۱ مئی ۱۹۵۹ء

برادرم! السلام علیکم

پرسوں جس ضرورت سے خط لکھا ہے اتفاق سے ویسی ہی ضرورت آج پھر پیش آگئی۔ اُس کے پورے ہونے کی توقع کب تھی چہ جائیکہ اس کی؟ لیکن ان کا معاملہ شاید آسان تر ہے۔ مولانا محمد ہاشم فرنگی محل لکھنؤ عمر ۴۰ سال مسافر ڈک کلاس ان کا نام ویٹنگ لسٹ میں داخل ہے حسب جواب مغل لائن کمپنی نمبر 2 - W1190 چاہتے یہ ہیں کہ انھیں جگہ ۳ جون والے جہاز پر مل جائے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۳ اگست ۱۹۵۹ء برادرم! السلام علیکم

انشاء اللہ آپ مع الخیر وطن واپس آگئے ہوں گے۔ آگے پڑھنے سے قبل دعائے خیر اس عاصی کے حق میں کر دیجئے۔

جمیعۃ التمدن اسلامی کا خط مہینوں کے بعد اب کل موصول ہوا (انگریزی میں) اصل خط
تو شاید آپ کو وہیں دیکھنے کو مل جائے۔ میں جو جواب اس ڈاک سے روانہ کر رہا ہوں، اس کی
نقل دوسرے صفحہ پر حاضر ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) یہ خط انگریزی تفسیر کے بارے میں تھا۔ جمیعۃ کے بانی سیٹھ احمد داد بھائی یہ چاہتے تھے
کہ ان کی والدہ مولانا مرحوم کے اس عظیم الشان دینی خدمت کے صلے میں ایک گرانقدر رقم
پیش کر دے۔

بسم اللہ

دریاباد

۸ ستمبر ۱۹۵۸ء

برادرم! وعلیکم السلام

خیریت نامہ بڑے انتظار کے بعد کل شام کو ملا۔ بہ خیریت معاودت وطن پر مبارک باد
قبول ہو۔ بہ سال تازہ حج کی سعادت پر مبارک باد میں کہاں تک پیش کروں۔ جی ہاں سیٹھ داد
بھائی کے متعلق اور بھی دو ایک اطلاعیں اسی قسم کی آچکی ہیں لیکن اس میں میرا آخر کیا قصور ہے؟
اور میں اگر یہ نہ کرتا تو اور کیا ہوتا؟ یہ تاج کمپنی سے ۲۰۱۹ سال کے بعد بھی مایوس نہ
ہوتا؟ جب ادھر سے پاس کامل تھی تو ایک نئے تجربے میں آخر نقصان ہی کیا ہو سکتا ہے؟ ——
بس یہی ہوگا کہ نہ چھپے گا تو وہ تو یوں بھی نہ چھپ رہا تھا۔ تاج صاحب نے جنوری میں مسودہ
بھی واپسی کا صریح وعدہ کر کے آج تک مسودہ واپس نہ کیا۔

رائلٹی کا نام ہی نہ لیجئے۔ اسی کم بخت چیز نے تو تاج صاحب سے یہ وعدہ خلافیاں کرائی
ہیں نہ چھاپنے اور ٹال رکھنے سے وہ اپنا تو ظاہری بے نقصان کر رہے ہیں بدگمانی اگر نہ

سمجھیے تو مجھے یقین ہے کہ وہ میری موت ہی کا راستہ دیکھ رہے ہیں کہ رائلٹی طلب کرنے والا زندہ ہی نہ رہے جب اطمینان سے چھاپیں۔ دو جلدیں جو چھاپی ہیں انھیں سے دریافت فرمائیے کہ ایک حبہ بھی ان کی رائلٹی کا بھیجا ہے۔

دادا بھائی خود کہاں سے دیں گے اور نہ میں نے ایک حرف از خود زبان سے نکالا۔ انھوں ہی نے لکھا ہے کہ وہ ایک گرانقدر رقم جمعیۃ التمدن الاسلامی سے دلوادیں گے۔

آپ تو خود بھی اس ساری مراسلت سے واقف ہیں نہ واقف ہوں تو ان کے دفتر سے دیکھ سکتے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح چھپ جانے ہی کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور اب یہ رائلٹی کا سوال پیدا کر کے کیا میں اور خطرے اس کے لیے پیدا کروں؟

۱۰ ستمبر کو میرا ایک دستی خط لے کر ایک مصیبت زدہ عزیز بمبئی روانہ ہوئے ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) ۴۰ سنہ ۴۰ء میں تاج کمپنی سے انگریزی تفسیر قرآن کی طباعت اور اشاعت کا معاہدہ ہوا تھا لیکن ۱۹۵۹ء تک صرف ایک ہی جلد تاج کمپنی نے شائع کی۔ انتہائی روح فرسا اور تلخ تجربہ!

(۲) مراد شیخ عنایت اللہ صاحب تاج کمپنی لاہور

(۳) مولانا کے ایک عزیز قریب شیخ ولی احمد رئیس قصبہ اچولی (دریاباد کے قریب) کینسر کے مرض میں مبتلا ہو کر بغرض علاج بمبئی گئے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ اکتوبر ۱۹۵۹ء

برادرم! السلام علیکم

وہ عزیز[1] بمبئی سے برابر خط میں آپکا ذکر خیر بڑی ہی ممنونیت سے کرتے ہیں۔ جزاک اللہ اور سنئے۔ تاج کمپنی والے برابر میرے انگریزی مسودے پر قبضہ کیے ہوئے چھپائی کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ تازہ جلد کل موصول ہوئی حالانکہ مسودہ میں جنوری میں واپس مانگ چکا تھا اور وہ حضرت اس کا وعدہ بھی کر چکے تھے۔

خیر اس قسم کے نامسانہ کے اور جو پہلو ہیں تو وہ بھی ہیں لیکن شرافت اور دیانت کا ایک کھلا ہوا تقاضا یہ تو شاید تھا ہی کہ جس مصنف کے مسودے سے سراسر منافع اٹھایا جا رہا ہے اسے کم سے کم اس کی رائلٹی تو دے ہی دی جاتی اس کے Terms پر نہیں اپنے ہی Terms پر۔ معاہدہ کے وقت ۱۹۴۰ء میں رائلٹی کی شرح بیس فی صدی خود انہی حضرت نے رکھی تھی بعد تکمیل معاہدہ کے خط آیا کہ ہم دوران جنگ صرف ۱۲½ فی صد دے سکیں گے منظور نہ کرتا تو کیا کرتا۔ اتنا غنیمت ہوا کہ اس کے چھپے ہوئے دو پاروں کی رقم اسی شرح سے ادا بھی کر دی۔

لیکن اب جب ۱۹۵۶ء میں از سر نو چھپائی شروع کی تو خط آیا کہ ہم اب صرف دس فی صدی دے سکیں گے۔ ایک بڑی فرم کے لیے ایسی بدعہدیاں کس حد تک زیبا ہیں۔ لیکن اب میں کرتا تو کیا کرتا۔ یہی لکھ بھیجا کہ جو آپ کی مرضی لیکن حسب دستور سابق اس رقم کو اسی وقت ادا کر دیں۔ جواب آیا کہ ابھی کیسے ہم تو کاپیوں کے فروخت ہونے پر کریں گے۔ انا للہ۔

کل تقسیم کی قیمت ساٹھ روپیہ ہے اور کاپیاں تین ہزار تو بہر حال چھاپ رہے ہیں اس حساب سے کل آمدنی ایک لاکھ اسی ہزار کی رائلٹی اٹھارہ ہزار ہوئی اور اگر پانچ ہزار کاپیوں والی

روایت صحیح ہے تو تین لاکھ کی آمدنی پر تیس ہزار ـــــ صبر و قناعت کے فضائل بزرگوں سے سُنے ہوئے کچھ کان میں پڑے ہوئے ہیں اس لیے مطالبہ ہرگز نہیں پیش کرتا۔

آپ کو مخلص اور صاحب اثر سمجھ کر صورت حال سے صرف اطلاع دے رہا ہوں۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) سلسلہ مکتوب نمبر ۲۱۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۲ نومبر ۵۹ء

برادرم! السلام علیکم

کاغذ مع دستخط واپس ہے[۱]۔

آپ ہی کی طرح ایک مخلص خصوصی اور ہیں مولانا جمال میاں فرنگی محلی لکھنوی ثم پاکستانی[۲]۔

انھوں نے بھی اس معاملے میں پوری دلچسپی اور کوشش کا اظہار کیا ہے اور انشاءاللہ آپ سے ہر ممکن تعاون کریں گے۔ اب آپ اور وہ دونوں مل کر جو بھی ذریعہ منتخب فرمائیں۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مرحوم کی رائلٹی کی رقم دلانے کی امید اپنے خط میں دلائی اور تحریر دستخط کے لیے بھیجی۔

(۲) موصوف نے بعد تاخیر بہت سے رائلٹی دلوانے کی بڑی کوشش کی اور بارہا خطوط و پیغام کے بعد کامیابی ہوئی۔

بسم اللہ

دریاباد
۲۱ نومبر ۱۹۵۹ء

برادرم! وعلیکم السلام

عجیب بے خیالی ہوئی۔ آپ کے مکتوب کا دوسرا جزو جواب لکھتے ہوئے بالکل خیال ہی میں نہ آیا۔

اب آپ کا دوسرا خط آنے پر اسے پڑھا۔

تاج پنی سے اب کوئی معاملہ کرنے پر میں توبہ کر چکا تھا[1] لیکن اب اس میں آپ کا توستفا ہے اس لیے کچھ زیادہ عذر نہیں۔

ترجمہ پر نظر ثانی کی ضرورت یقیناً ہوگی۔ بیس برس کی مدت بہت بڑی ہوئی۔ اس میں مصنف کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

رائلٹی وغیرہ جو کچھ آپ ہی طے فرمادیں قبول کرلونگا۔ اپنی زبان سے کچھ نہ کہوں گا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) اس کی بدعہدی کی وجہ سے۔

بسم اللہ

دریاباد
یکم دسمبر ۱۹۵۹ء

برادرم! السلام علیکم

بمبئی سے وہ علیل عزیز واپس آگئے آپ کی مدح و تشکر میں رطب اللسان۔

کمال میاں کا خط کئی روز ہوئے آیا تھا آپ کے لیے لکھا تھا کہ اس معاملہ میں بڑی احتیاط

سے کام لیں یعنی کوئی بات حکومت کے قانون مالیات کے خلاف نہ ہونے پائے[1] میں نے جواب لکھ دیا کہ غریب صاحب ماشاء اللہ خود ہی بڑے محتاط ہیں۔ احتیاط مزید کے خیال سے آپ کا پیغام بھی پہنچا دوں گا۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ
عبدالماجد

(۱) اس لیے کہ بغیر دونوں حکومتوں کی اجازت کے روپیہ منتقل نہیں ہو سکتا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد
۳۰ دسمبر ۱۹۵۹ء

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ تاج کمپنی کا خط واپس ملفوف ہے۔

۲۔ دونوں نمونے مجھے منظور ہیں۔ البتہ فارسی میں مختصر تفسیری حاشیوں کے لیے کام ظاہر ہے کچھ بڑھ ہی جائے گا۔

۳۔ یہ منظوری بڑی پس و پیش کے بعد دے رہا ہوں۔ آج کل وقت کا بہت بڑا حصہ اردو تفسیر کی مفصل و مکمل نظر ثانی میں لگ رہا ہے بعض جگہ صفحے کے صفحے بالکل نئے ہو گئے ہیں۔ اس وقت گیر مشغولی کے ساتھ انگریزی کام کے لیے وقت نکالنا آسان نہیں خصوصاً جب کہ کارکردگی کی وہ صلاحیت و ہمت باقی نہ رہی جو آج سے ۲۰۔۲۵ سال قبل تھی[1]

تذبذب و تامل اس لیے بالکل قدرتی ہے۔

۴۔ جب انگریزی کام ۱۹۳۳ء میں شروع کیا تو کبھی تجارتی نفع کا خیال تک نہ تھا۔ سارا سہارا بس اجر آخرت ہی کا تھا۔ رائلٹی وغیرہ کا خیال تو کئی سال بعد مولوی رئیس احمد جعفری نے تاج کمپنی کے حوالے سے دلایا۔ اب بھی بحمداللہ رقم کی کمی و بیشی کی طرف ذہن کو مطلق التفات

نہیں بس شرط صرف یہ ہے کہ اس کے لیے طویل انتظار نہ کرنا پڑے[۳]۔ اور یہ بھی سب اس صورت میں کہ جب وہ کچھ دینا منظور کریں ورنہ اس کا سرے سے کوئی سوال ہی نہیں۔ تاج کمپنی کی طرف سے اصل گرانی جو طبیعت میں پیدا ہوئی اس طویل انتظار ہی سے ہوئی۔

آگے آپ جو کچھ بھی فرمائیں ایسا صاحب فہم مخلص مجھے اور کون ملے گا۔ صاحب فہم کی خوبی بڑی خوبی ہے۔ زندگی میں صاحب فہم مخلص چند ہی ملے اور انھیں میں مرحوم ڈاکٹر عبدالحق مدراسی تھے جنھیں آج تک یاد کرتا ہوں[۴]۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) جب مولانا مرحوم نے قرآن مجید کا کام شروع کیا اس وقت عمر چالیس برس تھی اور اس خط کے لکھتے وقت وہ ۶۷ برس کے ہو چکے تھے۔

(۲) یہ مولانا کے مخصوص مخلصوں میں تھے۔ ان کا تفصیلی ذکر آگے چل کر آئے گا۔

(۳) یہی مولانا مرحوم کا مذاق طبیعت تھا۔

(۴) ڈاکٹر صاحب مرحوم کے صاحب فہم ہونے کے مولانا بہت قائل تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲ جنوری ۱۹۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

[illegible] لفافہ بھیجا یہ اس کا ضمیمہ ہے

[illegible] تفسیر کے سلسلے میں بجائے رائلٹی کے نقد معاوضہ پانچ سو روپیہ تاج کمپنی نے [illegible] میں نے منظور کر لیا تھا۔ ادھر مسودہ پہنچتا تھا ادھر وہ رقم روانہ کر دیتے تھے۔

آخر کے ۴۰۳ پاروں کے لیے البتہ مدتوں انتظار کرنا پڑا تھا۔

انھیں کی پیش کردہ ایک صورت آپ، کے علم میں لے آیا اس سے زیادہ اور کچھ مقصود نہیں۔

۲۔ انگریزی کام میں ایک خرچ ٹائپ کرانے کا اچھا خاصا بڑھ جانا ہے بس اس کا بھی خیال رکھ لیا جائے۔

روپے پیسے کا ذکر ان معاملات میں طبیعت پہ خدا کیسا ہی گراں گذرے بہرحال لے آنا ہی پڑتا ہے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

ذریاباد
۱۲ جنوری ۱۹۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

اس خط کے حامل میرے ہم نام ہی نہیں ہم قصبہ بھی ہیں اور اپنی کم سنی ہی سے مجھ سے ملتے رہے ہیں۔ بہرائچ کے نارمل اسکول میں ٹیچر ہیں اور محض اپنے ذاتی شوق سے اس مرتبے تک پہونچے ہیں۔

اس سال تہاز محمدی (۱۹ فروری) سے حج بیت اللہ کی توفیق پا رہے ہیں۔ زیادہ خرچ کرنے کی حیثیت نہیں رکھتے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کے لئے [illegible] تردد ہو رہے ہیں۔ حیدرآباد بھوپال کی ریاستیں اب باقی ہی کہاں ہوگی ورنہ وہاں کا انتظام کر دیتا۔

بہرحال آپ دونوں صاحبان کے امکان میں جو ہوگا اس سے تو ان کی رہنمائی فرما دیں گے۔

حاجی محمد اصطفا خاں لکھنوی ثم کراچوی (کارخانہ اصغر علی محمد علی عطر والے) میرے خاص مخلص ہیں۔ ان کا ایک مکان مدینہ میں اس غرض کے لیے ہے۔ وہ خود اگر وہاں ہوئے جب تو ٹھیک ہے ورنہ وہاں کے انچارج خدا معلوم کون صاحب ہوں، میں اُن سے واقف نہیں۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مراد مکتوب الیہ اور ان کے چھوٹے بھائی محمد صدیق میمن ہیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ جنوری سنہ ۱۹۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

یہ مراسلہ کل موصول ہوا۔ اس سے اتنا اندازہ تو ہوا کہ کارروائی بہرحال جاری ہے کسی رفتار سے سہی۔ سرکاری دفتری چکر تو اپنی سست رفتاری کے لیے مشہور ہیں ہی لیکن اس میں تو سُستی تاج کمپنی کی نظر آرہی ہے

میری بڑی لڑکی (۲) اہلیہ حکیم عبدالقوی حج کے لیے بیقرار ہے اس کے لیے سفر ۱۷ مئی ہی کے جہاز سے ممکن ہے۔ اس سے عزیزوں کا ایک قافلہ جارہا ہے جس میں اس کی حقیقی ممانی بیوہ خان بہادر شیخ مسعود الزماں و والدۂ ڈاکٹر اشرف الزماں شامل ہیں) خدا کرے اب بھی ٹکٹ کی کوئی صورت نکل آئے۔ عجب سے بے حال ہو رہی ہے۔ نہ جا سکی تو انتہائی مایوسی ہوگی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) اسٹیٹ بینک پاکستان کا خط مولانا مرحوم کے نام آیا اس میں انہوں نے تاج کمپنی کے نام خط کی نقل بھیجی تھی رائلٹی کے سلسلے میں۔

(۲) موصوفہ عبادات سے والہانہ شغف بچپن ہی سے رکھتی ہیں اور بڑی ہی عابدہ ہیں۔

بسم اللہ

دریاباد
۲۸ جنوری سنہ ۱۹۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

دونوں خط مل گئے تھے۔

اصل سہولت تو مجھے قسط وار ہی میں رہے گی[۱]۔ یہ نہ ہو سکے تو یک مشت رقم آپ کی پیش کی ہوئی منظور ہے۔ البتہ اس صورت میں ٹائپ کا بل بھی تاج کمپنی کے ذمے رہے گا۔

لڑکی کو[۲] سیٹ تو مل گئی لیکن ۲۰ مئی والے جہاز سے۔ ان کا قافلہ ۱۰ مئی کے جہاز سے روانہ ہو رہا ہے۔ خدا کرے کوئی صورت اس جہاز کے لیے نکل آئے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) ترجمہ قرآن مجید انگریزی کی رائلٹی مراد ہے۔

(۲) مولانا مرحوم کی سب سے بڑی صاحب زادی، اہلیہ حکیم عبدالقوی صاحب۔

بسم اللہ

دریاباد
۲ فروری سنہ ۱۹۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

ابھی مکتوب ملا۔ یہ ضرور لکھ بھیجیے گا کہ مکہ معظمہ جانے اور واپسی کا تخمینی پروگرام کیا ہے؟ جانا کس جہاز سے ہے[۱]۔

انگریزی ترجمہ کا کام اللہ کا نام لے کر شروع کر دیا ہے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سفر حج کو جا رہے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد
یکم مارچ ۱۹۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

عرصے سے خیریت نامہ نہ ملنے سے دل لگا ہوا تھا۔ حکیم عبدالقوی سلمہٗ کے نام کا خط مورخہ ۲۲ فروری مجھے کل وصول ہو گیا اس سے خیریت تو معلوم ہی ہو گئی اب معاملات کی سنئے۔[1]

۱۔ شیخ صاحب کو اردو تفسیر کے معاوضے کی جو آخری رسید میں نے بھیجی تھی اس میں یہ لکھ دیا تھا کہ کل اتنی رقم پہلے ایڈیشن کی بابت وصول پائی اس پر خط آیا کہ یہ رقم تو دائمی حق تالیف کی تھی میں نے جواب میں یہ لکھ دیا کہ

(الف) جب معاہدہ میں کوئی تصریح نہیں تو کاپی رائٹ قانون میں مراد ہمیشہ پہلے ہی ایڈیشن سے ہوتی ہے۔ اگر میں غلط فہمی میں ہوں تو آپ کسی قانون کا حوالہ اپنے موافق لکھ بھیجئے میں تسلیم کر لوں گا۔

(ب) قانون کو جانے دیجئے۔ آپ نے خود اتنے طویل عرصے میں کبھی اپنی کسی تحریر میں اس کا اظہار کیا ہو تو وہی مجھے لکھ بھیجئے۔

(ج) یہ دونوں چیزیں کبھی نہیں تو لاہور یا کراچی کے چند معتمد اہل قلم و اہل پریس سے اپنی تائید کرا دیجئے اس پر بھی میں قائل ہو جاؤنگا۔

شیخ صاحب ان تینوں میں کسی ایک شرط کو بھی نہ پورا کر پائے۔

---

[1] اردو چھپائی میں اتنی تاخیر کی کہ اس ۱۵۱۲ برس کے عرصے میں تفسیر بہت کچھ out of date ہو گئی

معلومات کا اضافہ بہت کچھ ہو گیا۔ بعض بعض حصے تو گویا نئے ہو گئے اس لیے دوسرا ایڈیشن نکالنا ناگزیر ہو گیا ہے۔

۲۔ پہلے ایڈیشن کی لکھائی چھپائی بھی میری مرضی کے مطابق نہ ہوئی میں نے ایک کتاب تفسیر لکھی تھی اور اسے مستقل کتابی حیثیت دینا چاہا تھا۔ شیخ صاحب نے اسے مصحف محشّٰی کی صورت میں طبع کر دیا۔ پڑھنے والے پر نفسیاتی اثر دونوں صورتوں کا بہت مختلف ہوتا ہے۔

۳۔ مدت ہوئی میں نے شیخ صاحب کو لکھا ایک بار نہیں تین بار کہ اردو مسودہ کا ایک ایک پارہ مجھے بھیجتے جائیں تاکہ میں ترمیم و اضافے کے بعد انھیں چھپنے کو واپس بھیج دیا کروں اسے قبول فرمایا لیکن عمل ایک بار بھی نہیں کیا۔ یہ سراسر انھیں کے نفع کی چیز تھی اس کے بعد نئے ایڈیشن کی ضرورت اتنی شدید باقی نہ رہ جاتی۔

۴۔ نئے انگریزی ترجمے کی طرح آپ نے زائد ہی رکھ دی ہے اور خصوصاً ٹائپ کی تو بہت ہی زیادہ رکھ دی اس سے کم میں ٹائپ اور مقابلہ دونوں کرا لوں گا اس لیے اس رقم کو آپ کم کرا سکتے ہیں۔

یہ کاروباری سودے کرتے وقت میرے دل کو سخت تکلیف بھی ہوتی ہے اور شرمندگی بھی خصوصاً قرآن مجید کے سلسلے میں۔

رقم کی تعداد کے بارے میں بحمداللہ اپنے دل کو غنی پاتا ہوں۔ زیادہ کی ہوس ہرگز نہیں رکھتا۔ اس پر دعا کرتا رہتا ہوں کہ کہیں اس سے وہاں کا اجر نہ کٹ جائے اور اتنا ہی ملے جو میرے ظرف کے اندر ہو۔ مال بھی اپنے صرف کے حقوق رکھتا ہے ایسا نہ ہو کہ میں کم ظرف زیادہ مال پا کر بدراہ و بدعمل ہو جاؤں۔

ہاں بس اس کی فکر رہتی ہے کہ جو کچھ بھی طے ہو جائے انگریز ہیلتھ کی طرح مشین کی پابندی اور باقاعدگی سے وصول بھی ہو جائے گھس گھس کر کے بار بار کے تقاضوں سے بڑی ہی کوفت ہوتی ہے۔

یہ آپ نے بالکل صحیح لکھا کہ مثلاً جب دو پارے تیار ہو جائیں تو اس کا معاوضہ ادھر سے وصول ہو جائے لیکن اس کی عملی شکل کیا ہوگی وی۔پی کھلا ہوا تو ہے نہیں جو ادھر بھیج دیا جایا کرے جیسا کہ اردو تفسیر کے زمانے میں تھا۔

۵۔ ہاں صاحب یہ تو مستقبل کے متعلق ہوا۔ باقی جو رقم رائلٹی کی انگریزی تفسیر جلد اوّل پر مدت سے واجب الادا چلی آرہی ہے اور جس کے لیے مختار نامہ محمد اللہ صاحب انصاری کے پاس موجود ہے اس کی بابت معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ ہو سکا۔

یہ نہ معلوم ہوا کہ آپ کا پروگرام حجاز کا کب سے کب تک کا ہے۔

عزیزی صدیق سلمہ کا مفصل محبت نامہ عرصہ ہوا مل گیا تھا ایک حصہ صدق میں بھی دے دیا ہے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) تاج کمپنی کے معاملات تفسیر کی اشاعت و طباعت کے بارے میں۔

بسم اللہ

دریاباد
۹ مارچ ۱۹۶۰ء

برادرم! وعلیکم السلام

دو سطریں قلم برداشتہ حاضر خدمت کیے دیتا ہوں[1]

تاج کمپنی سے وہ پچھلی رقم (انگریزی رائلٹی والی) وصول کرنے میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی کوششیں ابھی تک ناکامی ہی رہیں ورنہ آپ ذکر ضرور کرتے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

یہ سطریں مکتوب الیہ کی کتاب "غریب کا حج" پر لکھی گئیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۰ر مارچ ۱۹۶۰ء

برادرم وعلیکم السلام

کل صبح "غریب کاج" پر دو چار لفظ لکھ کر بھیج چکا تھا کہ شام کو محبت نامہ مل گیا۔

اب جب تک تاج صاحب وہ پچھلا حساب صاف نہ فرمائیں کسی نئی معاملت کی ہمت کیوں کر ہو سکتی ہے۔ میرے خیال میں آپ انھیں یہی صاف تحریر فرما دیں۔ بینک کے خط سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب تاخیر بینک کی طرف سے نہیں خود انھیں حضرت کی طرف سے ہو رہی ہے۔

جی ہاں مصلح صاحب[1] کے کام پر نظر ثانی کی بات پوری طرح میری سمجھ میں بھی نہیں آئی ایک پارہ نمونہ کا بھیجیں اور یہ تصریح کر دیں کہ کس قسم کی خدمت وہ مجھ سے لینا چاہتے ہیں۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مراد مولوی ابو محمد مصلح صاحب جو قرآن مجید اور اس کی تعلیمات کی اشاعت کے لیے بہت ساعی رہتے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ر اپریل ۱۹۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

وہ کینسر کے مریض عزیز شیخ ولی احمد ساکن ایچولی آپ کے نہایت درجہ ممنون کرم اب پھر ڈاکٹر کی حسب ہدایت شروع مئی میں بمبئی کا ارادہ کرتے ہیں اور فکرمند ہیں کہ اب کی قیام کا انتظام کیا رہے گا اس بار تو آپ نے مسافر خانے میں جگہ دلوا دی تھی اب کی مسافر خانہ

حاجیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوگا۔

حکیم عبدالقوی مع اپنی اہلیہ[1] کے غالباً ۱۱ مئی کو بمبئی پہنچ جائیں۔

شرف علی کا مرسلہ پارہ اول میں نے دیکھ لیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ باقی پارے بھی بھیج سکتے ہیں جواب نہ آیا۔

تاج کمپنی کی طرف سے حسب معمول خاموشی ہے اس پچھلی رائلٹی سے متعلق۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) حکیم صاحب کی اہلیہ حج کرنے جارہی تھیں حکیم صاحب انھیں پہنچانے بمبئی تک گئے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۸ اپریل ۱۹۶۰ء

برادرم! وعلیکم السلام

جی ہاں اس کی نظر ثانی بہت زیادہ وقت نہ لے گی۔ رقم میں اپنے قلم سے کچھ نہ لکھوں گا۔ آپ جو چاہیں ان سے کہہ دیں۔ خدمت قرآن مجید کے سلسلے میں کچھ بھی قبول کرتے دل سے ندامت رہتی ہے۔

اہمیت میرے یہاں جو کچھ بھی ہے رقم کی کمی وبیشی کی نہیں بروقت وصولی کی ہے یعنی نوبت بہ لمبے انتظار کی نہ آئے۔ اگر باقی انتیسوں پارے آجائیں تو میں دس دس پارے بھیجتا جاؤں۔

صاحب تاج کمپنی کا تازہ تجربہ تو آپکو خود ہوگیا۔ انگریزی ترجمے کی فرمائش کو کتنا عرصہ ہوگیا اور آج تک شرائط کو لیت ولعل میں ڈالے ہوئے ہیں اور پرانی رائلٹی کو واجب ہوئے تو برسوں گزرتے جارہے ہیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) قرآن مجید سے متعلق یہ خدمت شرف علی اینڈ سنز بمبئی لینا چاہتے تھے۔

دریاباد
۷ مئی سنہ ۶۰ء

برادرم! وعلیکم السلام

عنایت نامہ عین انتظار میں ملا۔ بس اب جوں ہی شرف علی کا سلسلہ مسدود ہو جائے گا انشاء اللہ کام شروع کر دوں گا اور جلد ہی ختم بھی کر دوں گا ——— آخر یہ ارسال کرنے کا جو طریقہ بھی آپ مناسب خیال فرمائیں۔

حج سے آپ کی واپسی کا اندازہ کب تک ہے؟ وہاں آپ کا پتہ کیا رہے گا؟ حکیم عبدالقوی سلمہ مع قافلے کے بمبئی انشاء اللہ ۱۱ مئی (چہارشنبہ) کی شام کو کاشی ایکسپریس سے پہنچیں گے ان کا قافلہ ۵ آدمیوں کا ہوگا۔ (۳ خواتین ۲ مرد)۔ بمبئی میں قیام کی جگہ کا مسئلہ ہے۔ خدا کرے اس کا کوئی معقول انتظام ہو جائے۔

نیا انگریزی ترجمہ تو میں نے شروع کر دیا تھا لیکن جب تاج کمپنی کی طرف سے سکوت کامل دیکھا تو پھر قدرتاً اسے چھوڑ دیا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۱۴ مئی سنہ ۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

تاج صاحب کے خط میں اب کہیں اشارۃً اس تازہ فرمائش (نئے انگریزی ترجمے) کا ذکر نہیں حالانکہ میں نے اپنے خط میں ذکر کر دیا تھا۔

اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اب وہ یہ کام نہیں چاہتے اس لیے کام شروع کر کے میں نے چھوڑ دیا ہے۔

حکیم عبدالقوی سلمہ اس وقت تک پہنچ چکے ہوں گے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

دریاباد
۱۸ مئی سنہ ۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

خدا کرے آپ کو روانگی جہاز سے قبل یہ کارڈ مل جائے۔ میں نے یہ دریافت کیا تھا کہ روانگی کب اور واپسی تخمیناً کب تک ہوگی؟ وہاں کا پتہ تو حکیم عبدالقوی سلمہ کو معلوم ہی ہوگا اور وہ پرسوں نرسوں تک لکھنؤ پہنچ جائیں گے۔ ہمارے ہاں کا قافلہ توانشاءاللہ کل روانہ ہو جائے گا۔

وہ مریض عزیز شیخ ولی احمد ساکن قصبہ ایچولی ۲۳ مئی کو بمبئی پہنچنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ ۲۰ مئی کے آخری جہاز کے بعد مسافر خانے میں جگہ بہ آسانی مل جائے گی۔

وہ اپنے کمرے کا نمبر جان لینا چاہتے ہیں۔ آپ تو اس وقت بہت ہی مصروف ہونگے۔ ممکن ہے منیری صاحب یہ اطلاع دے سکیں۔

شرف علی صاحب کے ہاں سے مسودے کا اب تک انتظار ہے۔ تاج کمپنی کی تازہ مراسلت کی نقل کئی دن ہوئے روانہ کر چکا ہوں۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۳ مئی سنہ

برادرم! السلام علیکم

آپ تو انشاء اللہ ۲۰ کو روانہ ہونگے ہی۔

بہ سلامت روی و باز آئی

حیدرآباد دکن کے ایک صاحب مولانا فضل اللہ بہاری ہیں۔ ان کی کتاب شرح ادب المفرد ابھی مصر میں چھپی ہے۔ اس کے کچھ نسخے جدہ کے شیخ صاحب کے ذریعہ ڈاکٹر خواجہ محمد شعیب صاحب سول سرجن حیدرآباد کو حاصل ہو گئے ہیں وہ ایک نسخہ مجھے عنایت کرنا چاہتے ہیں اور دو نسخے میرے واسطے سے لکھنؤ کے دو اور صاحبوں کو۔ آپ کو زحمت دینا ہے کہ میرا نسخہ تو کارڈ لکھ کر آپ ہی ڈاکٹر صاحب سے ضرور حاصل کر لیں اور اگر بہ آسانی ممکن ہو تو وہ دو نسخے بھی۔ ڈاکٹر صاحب اس سال دوبارہ حج کو گئے ہیں ان کی جائے قیام ہے۔ رباط حیدرآباد ہوٹل شیران۔

اس چھوٹے سے لکھنوی قافلے کی خبر تو آپ اپنے امکان بھر جدہ اور حرمین میں

46215

رکھیں گے ہی۔ لکھ کر جی میں آیا کہ اس فقرے کو کاٹ دو پھر رہنے ہی دیا۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) استاد جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد۔ مولانا مرحوم سے ان کے خصوصی تعلقات تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ جون سنہ ۱۹۶۰ء

برادرم! وعلیکم السلام

۱۰ جون کا لکھا ہوا خیریت نامہ آج پندرھا دن بعد بڑے وقت سے مل گیا۔ لڑکی کے ہاں[1] سے کوئی خط نہ آیا اس سے خاصی تشویش تھی خصوصاً لڑکی کی اختلاج زدہ والدہ کو۔ آپ کے خط سے ضمناً یہ خیریت بھی معلوم ہوگئی

اب نہ معلوم آپ کب مع الخیر بمبئی پہنچ رہے ہیں۔

توضیحی ترجمہ قرآن، پر نظر ثانی آج ختم ہوگئی۔ الگ پرچیوں پر یادداشتیں نوٹ کرلی ہیں۔ آپ کے بمبئی پہنچنے پر پیکٹ ارسال کردونگا۔

آپ لوگوں[2] کے حج اب ماشاءاللہ اتنے ہوچکے ہیں کہ ہر دفعہ تازہ مبارک باد کہاں تک دی جائے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مراد مولانا کی بڑی صاحبزادی۔

(۲) مراد مکتوب الیہ اور اُن کے بھائی صاحبان۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۸ر جولائی سنہ ۱۹۶۰ء

برادرم! وعلیکم السلام

۱۴ر جولائی کا خیریت نامہ بڑے وقت سے اور عین عالم انتظار میں ملا۔ اس حساب سے تو انشاءاللہ اس وقت تک مراجعت وطن ہو گئی ہو گی۔

اس خط کا بڑا حصہ صدق کے کام کا تھا۔ ۲۵ میں انشاءاللہ دے دوں گا۔ لڑکی جس جہاز پر ہے وہ تو ۱۶ر اگست کو بمبئی پہنچنے والا ہے نہ؟

شرف علی کے ہاں کے کام کا پارسل بنا ہوا آپ ہی کے انتظار میں رکھا ہوا ہے۔ کینسر والے عزیز مریض اب کی بھی آپ لوگوں کے بڑے شکر گذار اور مزید افاقے کے ساتھ واپس آئے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۴ر اگست سنہ ۱۹۶۰ء

برادرم! وعلیکم السلام

ایک اور عزیز سے جو حج سے واپس ہو کر ۲۸ر جولائی کو لکھنؤ پہنچ گئے تھے آپ کی خیریت اور سفر کی خیر معلوم ہو چکی تھی۔

لڑکی کے جہاز کی خبر ابھی تک تو ۱۶ر اگست کے لیے۔ حکیم عبدالقوی سلمہ لینے بمبئی ۱۴ر اگست کو پہنچ جائیں گے اور ۱۸ کی شام کو لکھنؤ روانگی کا پروگرام ہے۔

دکن کے کسی غیر معروف قصبے سے ایک مسلمان وکیل صاحب نے صدق کو رجسٹرڈ نوٹس بھیجا ہے کہ اس نے فلاں مضمون کے ذریعے تمام وکیلوں اور بیرسٹروں کی توہین کی ہے اس لیے فوراً معافی مانگے اور ۵ ہزار کی رقم بطور ہرجانہ دے ورنہ فوجداری اور دیوانی دونوں عدالتوں میں چارہ جوئی کی جائے گی۔

پارسل اسی ڈاک سے رجسٹرڈ شرف علی بھائی کے نام روانہ ہو رہا ہے رقم بیمہ سے یا منی آرڈر سے آجائے تو بہتر ہے ورنہ چک یا ڈرافٹ سے[۲]

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مولانا کی بڑی صاحب زادی۔
(۲) رائلٹی کی رقم۔

بسم اللہ

دریاباد
۱۹ اگست سنہ ۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

رافت[۱] بہ خیریت لکھنؤ پہنچ گئیں آپ لوگوں کی مدح و ثنا میں رطب اللسان عین توقع کے مطابق علی بھائی والوں کو اگر تقریظ ہی لکھوانی تھی[۲] تو شروع ہی میں اس کی تصریح کر دی جاتی اتنی ضخیم کتاب کی پوری ذمہ داری لینے کے معنی یہ تھے کہ اسے از سر نو لکھتا اور یہ کام ظاہر ہے ہفتوں، مہینوں کا نہیں تھا بلکہ ایک آدھ سال کا۔

آنریریم میں مجھے رقم کتنی ہے، کی پروا نہیں ہوتی لیکن کب ملتی ہے، کی پروا رہتی ہے[۳]۔ سارے انتظامات اس کی بنیاد پر کرنے ہوتے ہیں۔ اب مجھے اس خیال سے شرمندگی ہو رہی ہے کہ خود آپ بار ندامت محسوس کر رہے ہوں گے۔

انگریزی فرم اس طرز معاملت کے قریب بھی نہیں جاتے یہ خاصہ تو بس ہمارے

ہی بھائی بندوں کا ہے۔

دریاباد کے عوام کا ایک قافلہ ۲۰ راگست کے جہاز سے کل بمبئی پہنچے گا۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

(۱) مراد اہلیہ حکیم عبدالقوی صاحب۔

(۲) بسلسلۂ ترجمہ توضیح قرآن۔

(۳) یہی مولانا کا مذاق طبیعت تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ راگست ۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

علی بھائی شرف علی کے ہاں سے کل ڈرافٹ وصول ہوگیا[1]۔ رسیدی ٹکٹ لگاکر روانہ کر رہا ہوں۔ آپ کو جو زحمت اس سلسلے میں ہوگی دل اس سے شرمندہ ہو رہا ہے۔

اُردو کی تفسیر کی نظر ثانی اب تقریباً ختم ہے۔ ترمیم و اضافہ اندازہ ہے کہ چالیس فیصد ہوا ہوگا۔

اب دیکھئے اللہ اس کی طبع و اشاعت کی کیا صورت نکالتا ہے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

(۱) یہ ڈرافٹ توضیحی ترجمہ قرآن کے سلسلہ میں۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۵ اگست سنہ ۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

اس عبارت کی نقل موجود نہیں، اور زیادہ یاد نہیں۔ ذمہ داری عموماً دو قسم کی ہوتی ہے ایک اجمالی، عمومی، سرسری اور دوسری تفصیلی لفظ بہ لفظ۔

ایک مہینہ کا وقت صرف پہلی قسم کے لیے رہا اور اب کوئی موٹی، فاحش، کھلی ہوئی غلطی انشاء اللہ نہیں ملے گی۔

باقی اگر ایک ایک لفظ کی ذمہ داری اپنے سر لیتا تو اس کے لئے کم از کم ایک سال کی مدت درکار تھی۔

بس عبارت ایسی رہے جس سے پڑھنے والے کو دھوکا دوسری قسم کی ذمہ داری کا نہ ہو جائے اور آپ جیسی چاہیں ترمیم کر دیں۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ دیباچہ حذف کر دیا جائے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

(۱) یہ خط توضیحی ترجمہ قرآن سے متعلق ہے۔

JAMIA HAMDARD LIBRARY

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ اکتوبر برادرم سلمہٗ! وعلیکم السلام

بچوں کا عقد اللہ تعالیٰ بہ طرح مبارک کرے! ہونے والے شوہر کون ہیں؟ کیا کرتے ہیں؟ عجب اتفاق ہے کہ اتنے تعلق یگانگت کے باوجود آج تک خانگی زندگی کے متعلق دریافت

کرنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ ماشاءاللہ کے بچے بچیاں ہیں؟

آپ کی فرمائش کی تعمیل سے انکار جس قدر میرے دل کو گراں گزر سکتا ہے کسی بیان و تصریح کا محتاج نہیں لیکن دوسری طرف تعمیل آسان بھی نہیں۔ خود اپنی سب سے چھوٹی لڑکی کے واسطے بھی خطبہ نہ تیار کر سکا تھا۔ بہرحال ایک درمیانی راہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ آج شب میں حکیم عبدالقوی لکھنؤ سے آئیں گے ان سے کہہ دونگا اور وہ مسودہ تیار کر کے مجھے دکھا لیں گے اس سے انشاءاللہ ایک گونہ تعمیل ارشاد ہو جائے۔ ایک ہفتہ کا وقت بہرحال اس میں لگے گا۔ انشاءاللہ ۲۷، ۲۸ اکتوبر کو لفافہ آپ کے نام روانہ ہو جائے گا۔

اپنی تفسیر اردو کے نئے ایڈیشن کے لیے پبلشر کی فکر و تلاش میں ہوں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی صاحب زادی۔

(۲) مکتوب الیہ نے مولانا سے خطبہ نکاح لکھنے کے لیے فرمائش کی تھی۔ حکیم عبدالقوی نے ایک خطبۂ نکاح مرتب کر کے مولانا کی اصلاح کے بعد روانہ کیا۔

بسم اللہ

دریاباد

۴ نومبر سنہ ۱۹۶۰ء

برادرم! وعلیکم السلام

بہت اچھا کیا جو اپنی زندگی کی تفصیل لکھ بھیجی۔ میرے ساتھ لڑکیوں نے بھی بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھا۔ تعلقات مخلصانہ خیر شروع سے تھے اب رفتہ رفتہ ان کا دائرہ پبلک زندگی سے گزر کر خانگی زندگیوں تک بھی وسیع ہو گیا الحمدللہ۔

لکھنؤ سے حکیم عبدالقوی کا مرسلہ خطبہ نکاح انشاءاللہ پہنچ گیا ہوگا۔ لڑکی کا عقد اللہ تعالیٰ ہر طرح مبارک و مسعود کرے۔

کل تفسیر کی ضخامت دو تین ہزار صفحات سے کیا کم ہوگی[۲]۔ کوئی بڑا ہی پبلشر اس کو لینے کی ہمت کر سکتا ہے۔ اگر علی بھائی شرف علی تاج آفس یا اور ایسا ہی کوئی نیم آمادہ ہو تو میں ایک پارہ کا مسودہ آپ کے پاس بھیج دوں۔ اسے دیکھ کر وہ کل کی ضخامت کا اندازہ خود قائم کرلے۔

اس وقت تو آپ تقریب کے انتظام میں مشغول ہوں گے۔ اس لیے اس کے جواب کی کوئی جلدی نہیں۔ اطمینان سے بعد فراغت انشاءاللہ لکھیے گا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کے صاحب زادیوں نے۔
(۲) مراد اردو تفسیر۔
(۳) تاج آفس سے مراد تاج آفس بمبئی ہے۔ یہ تاج کمپنی لاہور سے بالکل الگ اور مختلف ہے۔

بسم اللہ

دریاباد
۱۹ جنوری ۱۹۶۱ء

برادرم السلام علیکم

یہ کارڈ دو ضرورتوں سے ہے:

۱۔ ان عزیز[۱] بے چارے کی تکلیف کا پھر بہت زور ہوا ہے۔ لکھنؤ کے ڈاکٹر فوراً بمبئی جانے کو کہہ رہے ہیں۔ بڑا مسئلہ ان غریب کے وہاں قیام کا ہے۔ ابھی تو شاید عارضان

حج کا بڑا مجمع نہ ہو۔ اگر اس وقت آپ کی عنایت سے انھیں مسافر خانہ میں جگہ مل سکے تو سبحان اللہ۔

۲ - دوسری بات چھوٹی سی ہے۔ کہتے ہی ہوئے حجاب آتا ہے۔ وہ آپ کی مرسلہ ڈائری ایک لڑکی کو نذر کر چکا اب اس کے بعد وہ ایک لڑکی کے شوہر کو بہت ہی زیادہ پسند آگئی ہے اگر کہیں سے قیمتہً مل سکتی تو فوراً منگا کر انھیں دے دیتا۔ اب سوائے اس کے کہ آپ ہی کو زحمت دوں کوئی اور صورت نظر نہیں آتی۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) مراد شیخ ولی احمد صاحب۔

بسم اللہ

دریاباد
۲۷ جنوری سنہ ۱۹۶۱ء

برادرم! السلام علیکم

بمبئی کے اردو اخبارات کھولنے کی بھی نوبت نہیں آئی[۱] اس لیے اب تک بے خبری رہا۔ آج جو حکیم عبدالقوی سلمہٗ لکھنؤ سے آئے[۲] تو انھوں نے انقلاب کے حوالے سے وہ خبر صاعقہ اثر سنائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم سے ذاتی شناسائی سنہ ۱۹۲۹ء میں ہوئی تھی[۳]۔ اور بالواسطہ تو ان کے الطاف اور عنایات کا مداح تھا ہی۔ اور آپ کے تو خیر وہ حقیقی بھائی ہی تھے[۴]۔ خوب جانتا ہوں کہ بھائی کی محبت کے کیا معنی ہوتے ہیں اور تازہ تجربہ رکھتا ہوں کہ اس[۵] نعمت کا زوال زندگی کو کیسا تلخ بنا دیتا ہے۔ اس لیے ہمدردی آپ لوگوں سے رسمی نہیں قلبی اور گہری رکھتا ہوں۔ خانگی نظم اور کاروباری انتظام میں خلل کیا کچھ پڑ کے رہا ہوگا اور ماں غریب

کی حالت کا پوچھنا ہی کیا؟ کیا کچھ دل پر گزر رہی ہوگی۔ لیکن انھیں بشارت دے دیجئے کہ ان کے مرتبے بھی کیا کیا بڑھنے والے ہیں اور درجے بھی کیا کچھ ملنے والے ہیں!

اتنا سخت امتحان ہر ایک کا نہیں ہوتا۔ ہر ایک کا ظرف اس کے قابل نہیں سمجھا جاتا

؎ دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر۔

یقین رکھیے کہ جس درجہ کی آزمائش اسی نسبت سے ثمر و اجر بھی۔ اس میں شبہ بھی نہ کیا جائے مسلمان جو بھی اُٹھ جاتا ہے بہر حال اپنے شفیق مولا و پروردگار کے پاس پہنچتا ہے ہر طرح کا انعام و اکرام وصول کرنے کے لیے اس میں غم و حزن یا خوف و اندیشہ کی کیا بات ہے ــــ یہ موقع تو تبریک و تہنیت کا ہونا چاہئے ــــ اور پھر جب کہ وہ بندہ اہل اللہ بھی ہو۔ حج پر حج کرتا چلا جاتا ہو ــــ اور اسے بلاوا بھی پہنچے تو خاص ارض حرم میں۔ ایسی موت ہم ایسوں کے لیے سراسر قابل رشک! اب ملاقات انشاء اللہ جنت ہی میں ہوگی۔ ایسی ملاقات جس کے بعد کوئی جدائی نہیں۔

اس نامہ سیاہ کو بھی اپنا شریک غم سمجھئے اور ہم لوگوں کی طرف سے تعزیت اپنے بڑوں، چھوٹوں سب کو پہنچا دیجئے۔

تعزیت کا تار کل خبر پاتے ہی دے دیا تھا۔

والسلام دُعاگو

عبدالماجد

(۱) دریا باد میں ڈاک سہ پہر کو آتی تھی۔ سردیوں میں بالکل شام ہو جاتی تھی اس لیے بہت سے اخباروں کو دیکھنے کا وقت نہیں مل پاتا تھا مولانا انھیں دوسرے دن صبح دیکھتے تھے۔

(۲) مولانا کی زندگی بھر برابر حکیم عبدالقوی ہر جمعہ دریا باد آتے تھے اور واپسی دوسرے دن ہوتی تھی اپنے ساتھ صدق کے آئندہ نمبر کے مضامین لے جاتے تھے۔

اُن کا ہر جمعہ کو دریاباد جانے کا معمول اب بھی ہے لیکن اب شام ہی کو واپسی ہو جاتی ہے۔

(۳) مولانا مرحوم کے سفر حج کے موقع پر بمبئی میں۔

(۴) مرحوم مکتوب الیہ کے بڑے بھائی تھے۔

(۵) اس سے مراد مولانا مرحوم کے بڑے بھائی اور خاکسار مرتب کے والد ماجد مولوی عبدالمجید صاحب کا سانحۂ ارتحال ہے۔

(۶) ان مرحوم بھائی کا انتقال مکہ معظمہ میں ہوا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۵ر فروری ۶۱ء

برادرم!

وعلیکم السلام

آپ کا سا مخلص بھی جب میرے پیہم عذر بے فرصتی کو تصنع یا مبالغہ پر محمول کرتا ہے تو بے اختیار سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔

آپ کو مطلق اندازہ نہیں کہ ہر ہفتے کتنی فرمائشیں کن کن پر زور سفارشوں کے ساتھ مقدمہ، دیباچہ یا تعارف وغیرہ کی وصول ہوتی رہتی ہے۔

خود آپ کی ذات کی صورت ایک مستثنیٰ تھی۔ آپ کا شمار خواص میں بلکہ اخص خواص میں ہے۔ باقی دوسروں کی فرمائش کی تعمیل ممکن ہی نہیں۔ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا مجبوراً پیکٹ بلا کھولے واپس خدمت کر رہا ہوں۔ از سر نو رجسٹری کرا کے۔

بھائی مرحوم کی یاد تو ابھی مدتوں تازہ رہے گی۔ بات بات پر یاد آتے رہیں گے۔ تعزیتی نوٹ صدق میں دے دیا تھا۔

ڈائری پاکر وہ عزیز بہت شکر گزار ہوئے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) غالباً مکتوب الیہ نے کسی صاحب کی کتاب پر مولانا سے دیباچہ یا پیش لفظ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ فروری سنہ ۱۹۶۱ء

برادرم! السلام علیکم

بہ آسانی ممکن ہو تو برائے مہربانی یہ مطلع فرمائیں کہ سلطان کویت شیخ عبداللہ سلیم حال وارد بمبئی کا پتہ کیا ہے اور ابھی کب تک بمبئی میں رہیں گے۔ دو باتیں اور یاد پڑ گئیں۔

۱۔ جمعیۃ تمدن اسلامی، ۵، محمد علی روڈ بمبئی کا انگریزی خط آیا کہ آپ کے ترجمہ و تفسیر کی طبع و اشاعت کی مالی امداد کا مسئلہ ہمارے ہاں زیر غور ہے بشرطیکہ چھپائی ہندوستان کے اندر ہو رہی ہے

۲۔ خود تاج کمپنی کا خط مدت دراز کے بعد آیا کہ انگریزی تفسیر کا خلاصہ درکار ہے اگر آپ اسے نظر ثانی کر کے اتنا کر دیں کہ ۵ سو صفحے میں قرآن آجائے تو سبحان اللہ۔ جواب لکھے دیتا ہوں کہ یہ فرمائش آپ کی طرف سے بمبئی کے غریب صاحب نے عرصہ ہوا پیش کی تھی بلکہ کام بھی میں نے اسی وقت شروع کر دیا تھا اب بھی انھیں کا واسطہ قائم رہے تو بہتر ہے۔ اختصار کرنے میں وقت خاصا لگے گا اور ترجمہ کی زبان بھی جا بجا بدلنا اور بجائے قدیم کے جدید کرنا ہوگی۔

اسی خط میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آج کل حبیب بینک کا دیا ہوا ترجمہ ان کے لیے بطور پرنٹر چھاپ رہے ہیں۔ واللہ اعلم یہ کس کا ترجمہ ہے

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۷ مارچ ۱۹۶۱ء

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مولوی عبدالرؤف جھنڈے نگری کے تازہ خط کا تراشہ بجنسہٖ منسلک ہے۔ میں از خود اگر کسی ادارہ کے لیے تحریک آپ سے کرتا تو سب سے پہلے وہ ندوہ ہوتا جو سارے ہندوستان کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے اس کے بعد نمبر بہرائچ کے نورالعلوم کا آتا جس کے کارکن مولانا محفوظ الرحمٰن کے اخلاص پر مجھے شوقی صدی اعتماد ہے۔

جمعیۃ تمدن اسلامی کی تازہ سالانہ رپورٹ (۳۰ جون ۱۹۶۱ء) کل شام کو موصول ہوئی اس میں ہے کہ سیٹھ دادا بھائی نے تحریک پیش کی ہے کہ دریابادی کو ترجمہ قرآن پر کچھ Reward دیا جائے۔ اس میں قید کسی قسم کی نہیں (اصل عبارت آپ خود پڑھ لیجئے گا)۔ اگر سوال محض قدر افزائی اور صلہ دینے کا ہے تو اس کے لیے کسی مزید لوچھ گچھ کی کیا ضرورت ہے نہ میری طرف سے کوئی مطالبہ اور نہ اس میں کسی مول تول کا خیال ہی کرسکتا ہوں۔ جمعیۃ جو کچھ بھی اپنی حیثیت اور حوصلے کے مطابق پیش کرسکے گی اس کے لیے باعث اجر اور میری طرف سے باعث صد تشکر بھی ہوگا۔

عطایا کے قبول کرنے میں معطی کے اخلاص کو ذرا دیکھ سن لیتا ہوں جہاں تک سیٹھ دادا بھائی کا تعلق ہے ان کے اخلاص میں مجھے ذرا شبہ نہیں۔ باقی ان ڈائرکٹر صاحبان سے مجھے کوئی واقفیت نہیں۔

تاج کمپنی والے اگر جدید انگریزی ترجمے کے لیے ذکر کریں تو بالکل ظاہر ہے کہ سب سے پہلے چھپا حساب تو بے باق ہو ہی جانا چاہیئے۔ بغیر اس کے کوئی معاملت کیونکر ہوسکتی ہے۔ حافظ صدیق سلمہٗ کی خوش نصیبی کا کیا کہنا۔ قابل صد رشک۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) یہ بھی مولانا کا خاص معمول تھا۔

بسم اللہ

دریاباد
۲۹ر مارچ ۱۹۶۱ء

برادرم! السلام علیکم

۷ر مارچ کو ایک مفصل لفافہ بھیجا۔ جواب نہ آنے سے یہی خیال ہوتا ہے کہ آپ سفر پاکستان پر روانہ ہو گئے۔ خیر خدا کرے ہر طرح خیریت ہی ہو۔ اس لفافہ میں مولوی عبدالرؤف جھنڈے نگری کا تراشہ بھی ملفوف تھا۔

تاج کمپنی نے مجھے انگریزی ترجمے و تفسیر کے اختصار کے لیے لکھا تھا میں نے لکھ دیا تھا کہ "یہ فرمائش آپ نے عرصہ ہوا غریب صاحب کے ذریعہ کی تھی انھیں کا ذریعہ اب بھی رکھئے تو بہتر ہے" اب کل جواب آیا کہ غریب صاحب ہمارے بہترین دوست ہیں لیکن ہم یہ معاملہ براہ راست رکھنا چاہتے ہیں کسی کا واسطہ نہیں رکھنا چاہتے۔ اب فرمایئے۔

میں خود بھی انھیں جواب ایک دو دن کے بعد لکھ دوں گا کہ جب تک پچھلے معاملات بالکل بے باق نہ ہو جائیں کوئی نئی معاملت کیوں کر ہو سکتی ہے۔

جمیعۃ التمدن اسلامی والوں نے سنا ہے اپنی مطبوعہ کارروائی میں لکھا ہے کہ انگریزی تفسیر پر ایک Remark دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی مطالبہ نہ میری طرف سے ہے نہ ہو سکتا ہے۔ محض اپنی خوشی سے وہ لوگ اگر کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اس تحریک کے محرک اور جمیعۃ کے بانی کے حسب فیصلہ اور جمیعۃ کے حسب حیثیت جو کچھ بھی وہ پیش کر دیں گے بلا کسی مزید سوال و جواب کے قابل قبول ہو جائے گا۔

ان عزیز کینسر کے مریض بیچارے کی حالت اب بہت خراب ہو گئی۔ سفر کے قابل کسی طرح بھی نہ رہے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۹ اپریل ۱۹۶۱ء

برادرم! السلام علیکم

وہ کینسر والے مریض ایک مقامی ڈاکٹر کے علاج سے سنبھل گئے ہیں یعنی اس قابل ہو گئے ہیں کہ بمبئی کا سفر کر سکیں۔ ان کا ارادہ ہے کہ ۱۴ مئی کو لکھنؤ سے روانہ ہو کر ۱۵ مئی (۲۹ ذی قعدہ کی شام) تک بمبئی پہنچ جائیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس وقت مسافر خانہ میں جگہ آپ کی عنایت سے نکل آئے گی۔ آگے جیسا ارشاد ہو۔

خود آپ کا پروگرام کیا ہے۔

اس اردو تفسیر کے نئے ایڈیشن کے لئے سوچتا ہوں کہ مسودہ کا پہلا پارہ آپ کے پاس روانہ کر دوں شرف علی وغیرہ جس کسی کو آپ چاہیں دکھلا دیں حجم وغیرہ کا پورا اندازہ اس سے ہو جائے گا۔ رائلٹی فی پارہ آپ جو کچھ بھی فرمائیں گے بلا کسی عذر و حجت کے قبول کر لوں گا۔ شرط صرف ایک ہی ہے کہ جو کچھ بھی ہو نقد ہو۔ وعدہ کا تجربہ بہت تلخ ہو چکا ہے رقم کے زیادہ ہونے کی ہوس بحمد اللہ اپنے اندر نہیں پاتا بلکہ جو کچھ قبول کرتا ہوں ڈر کر کہ کہیں یہ ہی اجر آخرت کا بدل نہ قرار پائے۔

تاج کمپنی کی طرف سے حسب معمول خاموشی ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۴ مئی ۱۹۶۱ء

برادرم! وعلیکم السلام

سیر کشمیر اللہ ہر طرح مبارک کرے اور زیارت ندوہ کا پروگرام تو بہت ہی خوب بنا۔ اللہ اسے ہر طرح کامیاب و سازگار کرے۔ لکھنؤ کی تاریخیں پہلے سے معلوم ہو جائیں تو میں خود اس زمانے میں لکھنؤ آؤں گا اور پھر اس کے بعد دو چار گھنٹوں کے لیے دعوت دریاباد کی دوں گا۔

Director's Report کا ذکر سیٹھ دادا بھائی کی تحریک پر ان کی مطبوعہ Reward میں موجود ہے جو محسن طیب جی کے دستخط سے ۲۲ فروری ۱۹۶۱ء کو شائع ہوئی ہے آپ اسے خود ملاحظہ فرمالیں میں آپ ہی آپ ایسی بات کیوں کر لکھ سکتا تھا۔

پارہ کے مسودہ بھیجنے کی مجھے بھی کوئی ایسی عجلت نہیں آپ سفر سے بہ اطمینان واپس آلیں۔ مریض صاحب کو اطلاع کیے دیتا ہوں کہ ۷ جون تک وہ مسافر خانے میں قیام کر سکتے ہیں۔

انگریزی تفسیر کی جلد ششم بھی پریس سے باہر آگئی ہے اب دفتری خانے میں ہے۔ اب صرف آخری جلد (ہفتم) کا پریس سے آنا باقی رہ گیا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۱۳ مئی سنہ ۱۹۶۱ء

برادرم! السلام علیکم

خدا کرے سیاحت کشمیر بہ خیر تمام ہوئی ہو۔

سیٹھ دادا بھائی کے تازہ خط کی نقل ملفوف ہے۔ یہ سب کچھ بغیر میری طرف سے کسی تحریک کے وہ بیچارے خود ہی کر رہے ہیں۔

یہ رقم شاید جمیعتہ والوں کو گراں معلوم ہو رہی ہے جب ہی تو وہ اتنا پس و پیش کر رہے ہیں ورنہ اس تحریک کو پیش کیے ہوئے تو اب مہینوں سے گزر برسوں کی نوبت آرہی ہے۔

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں تعداد رقم کی پروا الحمد للہ مجھے چنداں نہیں ہوتی البتہ انتظار کی طویل مدت کھل جاتی ہے۔

ابھی تو آپ سفر میں ہیں۔

کینسر کے مریض آج بمبئی روانہ ہو رہے ہیں۔

ناظم ندوہ ڈاکٹر عبدالعلی کی وفات میرے لیے ذاتی و پبلک دونوں حیثیتوں سے ایک سخت سانحہ کا حکم رکھتی ہے۔ انا للہ۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۷ر جون سنہ ۶۱ء

برادرم! السلام علیکم

خدا معلوم کیوں لیکن میں یہ بہرحال فرض کیے ہوا تھا کہ آپ کشمیر سے واپسی پر خیریت نامہ ضرور لکھیں گے۔ خیر خدا کرے واپسی مع الخیر ہو چکی ہو۔

سفر لکھنؤ کا جو خیال تھا اب تو اس کا بھی زمانہ قریب آگیا۔

کینسر والے مریض کی حالت اب بہت سقیم ہو گئی ہے۔ بیچارے کو سفر بمبئی کی حسرت ہی رہ گئی۔

ڈاکٹر عبدالعلی مرحوم کی عمر اسّی سال کی نہ تھی ستر کے بھی متکل سے تھے مجھ سے سن میں صرف چند ماہ بڑے تھے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ر جولائی سنہ ۶۱ء

برادرم! وعلیکم السلام

خیریت نامہ عین انتظار میں ملا

بچی کی بات ٹھہر جانا بھی ایک بڑا مرحلہ ہوتا ہے۔ اللہ ہر طرح سے مبارک و مسعود کرے۔

وہ کینسر والے مریض عین عاشورہ کے دن دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بڑے ہی

تکلیف اٹھائیں۔ انشاء اللہ بالکل دھل کر وہاں پہنچے ہونگے۔

تعمیل ارشاد میں خط تو سیٹھ دادا بھائی کو لکھے دیتا ہوں لیکن میرے خیال میں یہ کچھ غیر ضروری سا ہے۔

یہ رقم قرآن مجید کی خدمت کا ایک طرح کا معاوضہ ہے۔ اس کے قبول کرنے ہی میں ضمیر کو خلش ہو رہی ہے کہ کہیں اصل اجر نہ کٹ جائے۔ چہ جائیکہ اسی قسم کی کم و بیشی پر کوئی سوال پیدا کر کے ٹرسٹی صاحبان کو اطمینان دلا دیجئے کہ وہ جو کچھ بھی مناسب خیال فرمائیں اس کو ان کے حق میں دعائے خیر کے ساتھ قبول کروں گا اور کسی حجت و بحث کا امکان و خیال تک دل میں نہ لاؤں گا۔

البتہ طول طویل وعدوں کا میں قائل نہیں۔ اہمیت میرے ہاں جو کچھ ہے 'کب' کی ہے 'کتنے' کی مطلق نہیں۔ تاج کمپنی سے جو کچھ شکایت ہے وہ صرف اسی کی ہے کہ وعدوں پر وعدے ایک مدت نامتناہی کے لیے چل رہے ہیں۔

ٹرسٹی صاحبان سے جمعیۃ کی مطبوعہ کاروائی بابتہ یکم مارچ ۱۹۶۰ء حاصل کر کے دیکھیے اس میں سیٹھ دادا بھائی کی تحریک کا ذکر صاف الفاظ میں موجود ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ معاملہ کتنے عرصے سے چل رہا ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
یکم اگست ۱۹۶۱ء

برادرم! السلام علیکم

سیٹھ دادا بھائی کی ہوائی رجسٹری کل کلاں سے وصول ہوئی۔ میری سفارش کا مطلق

لحاظ نہ فرمایا بلکہ میرے خط کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔ صرف اس خط کی نقل بھیج دی ہے جو انھوں نے بمبئی ٹرسٹیوں کے نام لکھا ہے۔ تیز و تند خط بلا ضرورت تیز و تند۔ آپ ضرور اس خط کو وہاں دفتر میں ملاحظہ کیجیے یا کم از کم ٹیلی فون پر اس کی عبارت سُن لیجیے۔

اپنی بات پر اڑ گئے ہیں اور ٹرسٹیوں کو دھمکی دی ہے اگر یوں نہ دوگے تو ہائی کورٹ میں مقدمہ چلاؤں گا۔

ان کی بے پناہ محبت و اخلاص میرے ساتھ ظاہر ہی ہے لیکن اس معاملے میں اپنی مصلحت کو میری مصلحت پر غالب رکھے ہوئے ہیں۔ میں تو اپنے بالکل جائز حق کے لیے بھی کسی سے لڑائی بھڑائی نہیں چاہتا[1] چہ جائیکہ اس آمدنی کے لیے جو تمام تر ایک عطیہ ہی کی شکل رکھتی ہے[2]۔

بہرحال اب آپ ہی شاید اس عقدہ کو کسی طرح حل کر سکیں میری تو عقل بالکل دنگ ہے۔

عملاً و نتیجتہً وہی بات ہوئی جو تاج کمپنی کے معاملے میں چلی آ رہی ہے یعنی تعطل یا Dead lock۔

ہاں صاحب بمبئی کے کسی ایسے کتب فروش کا پتہ بتائیے جو مطبوعات ایران فروخت کرتا ہے۔ ایران کی ایک جدید شاعرہ کا مجھے دیوان خریدنا ہے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ
عبدالماجد

(۱) موجودہ ملیشیا
(۲) یہی مولانا کا اصولی عمر بھر رہا۔

بسم اللہ

دریاباد
۱۴ اگست ۱۹۶۱ء

برادرم! السلام علیکم

مَلایا خط اُسی دن لکھ دیا تھا۔ پرسوں سیٹھ صاحب کا جواب آگیا۔ خط یوں لمبا چوڑا لیکن اصل معاملہ سے متعلق صرف اس قدر کہ آئندہ خط میں یعنی میرا دوسرا خط پہنچ لینے کے بعد لکھیں گے۔

میں نے جواب لکھ دیا کہ میری کسی خفیف سی تحریک کے بغیر آپ نے خود ہی تو اتنی بڑی رقم دلوانا چاہی اور جب ڈھائی برس کے بعد اس کے ۲/۳ کی وصولی کی اُمید پڑی تو خود ہی تعطل بھی پیدا کر دیا۔

ایرانی کتب فروش کا مجھے پتہ چل گیا۔ پلے ہاؤس بمبئی ۸ جس کتاب کی ضرورت ہے وہ ایک جدید ایرانی شاعر فرخ زاد فرخ (Farkh Zad Farrukh) کا دیوان ہے جو یقیناً بہت قیمتی ہوگا اور انھیں تہران سے منگانا ہوگا۔ بہرحال قیمت معلوم ہو جائے تو میں اسے آپ کے پاس پیشگی بھیج دوں۔

سیٹھ صاحب کو میں نے یہ بات بھی لکھ دی تھی کہ سردست ٹرسٹیوں ہی کی منظور کردہ رقم ملنے دیجئے اور باقی کے لیے اپنی تحریک جاری رکھیے۔ خدا معلوم اس پر انھوں نے کیوں سکوت اختیار فرمایا۔

والسلام
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۱۵ر اگست ۱۹۶۱ء

برادرم! السلام علیکم

صبح خط لکھ چکا تھا کہ شام کو آپ کا عنایت نامہ مل گیا اور آپ کی خوش دماغی اور معاملہ فہمی کا پھر قائل ہوا اٹھا۔ ماشاء اللہ وجزاک اللہ۔ مخلص تو اللہ نے مجھے بڑی کثرت سے دیے ہیں لیکن خوش فہم مخلص بس چند گنتی کے ہیں اور ان میں ایک مرحوم ڈاکٹر عبدالحق کرنولی تھے۔

مجھے اس کے مان لینے میں کیا تامل ہو سکتا ہے بہ خوشی تیار ہوں[1]۔

اس مسئلے کے بعد صرف عمل رہ جاتا ہے۔ سیٹھ صاحب کے اب کسی خط کے انتظار کی ضرورت نہیں۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے یہ صورت پیش کی تھی کہ دی جانے والی رقم میں سے کچھ رقم مولانا مرحوم ٹرسٹیوں کے ایک اسکول کو بہ طور عطیہ دے دیں۔

بسم اللہ

دریاباد
۲ر جنوری ۱۹۶۲ء

برادرم! وعلیکم السلام

تار کی شکل دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا اسی دن شام کو یہاں وصول ہو گیا تھا اور مفصّل خط کل شام کو مل گیا تھا۔ اکسپریس کی ضرورت

نہ تھی یہاں میری ڈاک ایکسپریس ہی ہوتی ہے یعنی بلا تاخیر وصول ہو جاتی ہے۔

آپ اپنے تساہل و غفلت کا ذکر کر کے میرے دل کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اور پھر واقعہ کے بھی بالکل برعکس۔ تنہا ان صاحبوں کے ہاتھ میں معاملہ رہتا تو نوبت مہینوں کیا برسوں کی آجاتی۔

میں ضابطہ سے دارالمصنفین کا اب تک سوا دو ہزار روپے کا قرضدار ہوں (بخشش ماہی) وہ میرے حساب سے طباعت کی لاگت کاٹتے رہتے ہیں) رقم ملتے ہی پہلا کام ان کا قرض ادا کرنا ہے۔

سرمایہ کے ساتھ ذمہ داریاں بھی بڑی عائد ہو جاتی ہے۔ اللہ اس امتحان میں کامیاب فرمائے۔ ہوس زر، ذاتی تجربہ اور دنیا کا مشاہدہ دونوں ہیں کہ کسی منزل پر ختم نہیں ہوتی، برابر بڑھتی ہی رہتی ہے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۲۰ فروری ۱۹۶۲ء

برادرم! السلام علیکم

۱۷ کو چیک وصول ہو گیا۔ ۱۸ کو اتوار تھا اب کل دوشنبہ کو اسے لکھنؤ اپنے بینک کو بھیجا ہے۔ اور جمیعۃ کو باضابطہ رسید بھی بھیج دی۔

سیٹھ احمد دادا بھائی کو جو کچھ ابر لے گا ظاہر ہی ہے لیکن ان شاء اللہ آپ کا حصہ بھی کچھ کم نہ ہوگا۔ ان پیچ در پیچ مرحلوں سے گزرنا میرے بس کی بات نہ تھی میں تنہا تو شاید تھک کر بیٹھ ہی جاتا۔

ڈائری کا خیال غالباً ذہن سے اتر گیا میں نے لکھا تھا کہ حکیم عبدالقوی کے پتے پر بھیج دی جائے یا میرے پتے پر بھی آسکتی ہے۔

آپ نے ستمبر اکتوبر میں لکھنؤ آنے کو لکھا تھا ندوہ دیکھنے کی غرض سے بہرحال وہ موقع تو گیا۔ شمالی ہند میں سفر کے لیے مارچ اپریل کا موسم بھی اچھا رہتا ہے یعنی زیادہ گرمی نہیں ہوتی۔ البتہ آپ کی مصروفیت بہ سلسلہ حج کا خیال ہے۔

اس ایرانی کتاب کے لیے میں اب ایک اور ذریعے سے کوشش کر رہا ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد اجر آخرت ہی سے ہے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ مارچ ۱۹۶۲ء

برادرم! السلام علیکم

برادرم حافظ محمد صدیق سلمہٗ کے کسی مسودے کا یہ صفحہ میرے پاس کب سے اور کیسے پڑا رہ گیا تھا آج واپس کر رہا ہوں۔ شرمندگی و معذرت کے ساتھ۔

اسکول کے لیے رقم بھیجوں تو کس کے نام؟ سکریٹری انجمن اسلام ہائی اسکول کے نام؟

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) یہ عطیہ حسب ایما ڈائرکٹر جمعیۃ التمدن اسلامی مولانا مرحوم نے اسلام ہائی اسکول بمبئی کو دیا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۱ر اکتوبر ۱۹۶۲ء

برادرم! السلام علیکم

پچھلے دنوں خاصا علیل رہا۔ تیز بخار، نزلہ وغیرہ۔ اب بحمداللہ اچھا ہو رہا ہے۔

مہینوں نہیں برسوں کے بعد آج خدا خدا کر کے پارہ اوّل کا پیکٹ آپ کی خدمت میں دفتر صدق لکھنؤ سے روانہ ہو رہا ہے۔ میری نظر تو شرف علی پر پڑ رہی ہے۔ آگے اللہ مالک ہے۔

آئندہ جو فی پارہ آپ جو کچھ بھی طے فرما دیں گے مجھے منظور ہوگا۔ اس کے لیے الگ سے مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔

صرف آپ کے علم میں سے آنے کے لیے عرض ہے کہ پہلے ایڈیشن کے لیے ۵ سو فی پارہ تاج کمپنی نے خود ہی رکھا تھا اس وقت کی Market Value یہ تھی۔ اس دوسرے ایڈیشن میں نظر ثانی اور اضافہ کثرت سے ہوا ہے اور وقت بہ حیثیت مجموعی کہنا چاہیے کہ اتنا ہی صرف ہوا ہے۔

باقی اللہ کا کام ہے۔ دل تول کرتے ہوئے میں خود ہی ڈر رہا ہوں معاذ اللہ ایسا نہ ہو کہ وہاں کے اجر کے بجائے یہی اجرت کافی سمجھ لی جائے۔

رقم کی کمی و بیشی کی طرف سے یوں بھی بحمداللہ کچھ بے نیاز سا ہوں۔ البتہ یہ ہے کہ رقم قلیل کتنی ہی ہو اس کی ادائی فوراً ہو جایا کرے اور ہاں ساٹھ روپے فی پارہ کی۔ رقم کم سے کم مجھے خوش نویس یا ناقل کو دینا ہوگی۔

آپ بھی مشغول آدمی ہیں۔ معاملات کے طے کرانے میں خواہ مخواہ وقت صرف ہوگا۔ چھپائی میں پہلے ایڈیشن کے برعکس کتابی تقسیری صورت میں چاہتا ہوں کہ بہ طور مصحف

کے نہیں۔ یعنی متن قرآن کے نیچے ترجمہ اور پھر خط فاصل دے کر میرے حاشیئے نمودار جیسے

الحمد للہ رب العالمین۔

ساری حمد اللہ جہانوں کے پروردگار کے لیئے[1]۔

انشاء اللہ بھائیوں اور خاندان سمیت خیریت ہوگی۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) یہ پارہ اردو میں تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ اکتوبر ۱۹۶۲ء

برادرم! السلام علیکم

بجائے دریاباد کے یہ لکھنؤ سے لکھ رہا ہوں۔ کئی ہفتے سے بیمار اور لکھنؤ میں علاج کی غرض سے مقیم ہوں۔ منیری صاحب[1] سے شرمندہ ہوں کہ کوئی پیام وغیرہ ان کی صاحب زادی کے شادی کے موقع پر بالکل نہ لکھ سکا۔ اس وقت تو تیز بخار میں مبتلا تھا اب بخار اتر گیا تھا صرف کھانسی نزلہ وغیرہ باقی رہ گیا تھا اور دریاباد واپسی کی تیاری کر رہا تھا کہ بخار از سر نو آنے لگا اب آگے جو اللہ کو منظور ہو۔ علالت بے بڑی برکت و نعمت کی چیز۔ خوب خوب بصیرتیں اپنے عجز و عبدیت کے مشاہدے سے دل و دماغ میں آجاتی ہیں۔

آپ خود مشغول آدمی ہیں اس پارے کے سلسلے میں دوبارہ لکھتا ہوں کہ اپنے کاروبار کا زیادہ ہرج نہ کیجئے گا۔

گھر کی اور آپس کی شادیوں کا کیا کہنا[2]۔ یہ تو اللہ ہی کی ایک خاص نعمت ہے اللہ ہر طرح مبارک فریقین کو کرے۔ اور پھر لڑکی کا حافظہ ہونا نور علیٰ نور۔ معاش کا ذریعہ تجارت

بہترین ہے ہر ملازمت سے بہتر۔ اللہ ہر طرح مبارک کرے۔

شیخ صاحب بھی خوب شخص ہیں۔ آپ سے روایت میں ایک ہزار کا مبالغہ کر گئے۔ جو رقم اپریل میں بھیجی وہ ۴ ہزار نہیں ۳ ہزار تھی۔ ۲ ہزار کا اقرار بھی کس مشکل سے فرمایا۔ رقم میرے حساب سے اس سے کہیں زائد ہوتی تھی۔ اتنا بھی جو کچھ ہوا چودھری محمد علی کی عنایت سے ہوا۔ اللہ نے ان کے دل میں اتنی ہمدردی ڈال دی۔ بقیہ کا وعدہ شروع ستمبر کا تھا اب اکتوبر کا آخری عشرہ آگیا۔ کسی خط کا جواب نہیں۔

پارہ اوّل کی واپسی کی تو بہرحال ضرورت نہیں۔ جو کچھ بھی آپ طے کرا دیں گے آنکھ بند کر کے منظور کر لوں گا۔ رقم کی کمی و بیشی کا مطلق خیال نہیں بس اتنا چاہتا ہوں کہ ادائی نقد ہی ہوتی رہے۔

پرسوں تیز بخار تھا کل حرارت رہی۔ اب آج دیکھئے دن کیسا گزرے صبح کے وقت طبیعت روز ہلکی رہتی ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مراد محی الدین منیری جو مکتوب الیہ کے خاص لوگوں میں تھے۔

(۲) مولانا کا عمل بھی اس پر تھا۔ چنانچہ اپنی چاروں لڑکیوں کی شادیاں اپنے بھتیجوں سے کیں۔

(۳) مراد شیخ عنایت اللہ صاحب۔

(۴) سابق وزیر اعظم پاکستان۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۳ نومبر ۱۹۶۲ء

برادرم! السلام علیکم

کل آپ کا پیکٹ دیکھ کر پہلا خیال دل میں آیا کہ آپ نے وہ پارہ واپس کر دیا ہے۔ کسی پبلشر نے جنگ کی حالت[1] میں اس پر روپیہ لگانا قبول نہ کیا ہوگا۔ خیر جب کھولا تو اس کے اندر سے مطبوعہ کتاب نکلی ـــــ لیکن اب آگے قسمت کی خوبی دیکھئے یہ بالکل ہی دوسری کتاب نکلی یہ تو مشہور قدیم شاعر حکیم عرفی کا دیوان نکلا! مجھے جس کتاب کی تلاش ہے اس کا نام "اسیر" ہے (وہ بھی دیوان ہی ہے)۔

اور وہ کلام کسی قدیم شاعر کا نہیں ایک جدید شاعرہ کا ہے۔ ان خاتون کا نام اغلباً فرح زادہ فرخ ہے۔

مہینوں کی دوا دوش کا نتیجہ یہ نکلا اور آپ کو اتنی زحمت خواہ مخواہ ہوئی۔ مرسلہ کتاب پہلی ڈاک سے واپس ہے۔

تہران کے پبلشر ابن سینا نے مجھے ۱۹۶۱ء میں لکھا تھا کہ اس کے ایجنٹ کا پتہ حسب ذیل ہے Koka Buildings, Play House, Bombay

کس درجے مجھے شرمندگی ہو رہی ہے کہ آپ نے زحمت اتنی کی اور میں اس سے نفع کچھ نہ حاصل کر سکا۔

یہ خط ڈاک میں جا ہی رہا تھا کہ لکھنؤ کے پتے والا خط موصول ہو گیا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) اس وقت چین ہندوستان سے برسرپیکار تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ نومبر سنہ ۱۹۶۲ء

برادرم! وعلیکم السلام

ندوہ کی مجلس انتظامی کی میٹنگ ۱۶ دسمبر کو ہو رہی ہے۔ ابھی ایجنڈا میرے پاس بھی نہیں آیا ہے۔ علی میاں نے اس کی دعوت خصوصی آپ کو ضرور بھیجی ہوگی یا اب بھیج رہے ہونگے۔ بہرحال اگر آپ کی شرکت بہ سہولت تمام اور بغیر کسی زحمت کے ہو سکے تو سبحان اللہ۔ دو ہفتے ہوئے آپ کی عطیہ کتاب رجسٹرڈ آپ کو واپس کر چکا ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۷ نومبر سنہ ۱۹۶۲ء

برادرم! وعلیکم السلام

کل صبح کارڈ لکھ چکا تھا۔ شام کو مفصل عنایت نامہ ملا۔ تاج والوں کی نئی فرمائش کی تعمیل بھی انشاء اللہ ہو جائے گی اگر عمر نے وفا کی لیکن سردست تو سوال تو اس بڑی تفسیر کی اشاعت کا ہے پہلے ایڈیشن کا جو اس وقت تاج کمپنی کراچی کے ہاتھ میں ہے اس سلسلے میں تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ دوسرا ایڈیشن اس سے بہت مختلف اور ضخامت میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ عملاً ایک مستقل اور نئی کتاب۔

دعوت حج و حجاز آپ لوگ جس محبت و اخلاق سے بھجوا رہے ہیں وہ شکریہ سے بالاتر ہے لیکن اب میں جلسوں اور کانفرنسوں کے کام کا بالکل نہیں رہ گیا ہوں محض شرکت بھی میرے لیے

اب ایک مجاہدہ بے چہ جائیکہ اس میں تقریر کرنا اور علمی حصہ لینا۔

علی میاں اور میرا اس معاملہ میں کیا جوڑ۔ وہ ماشاء اللہ مرد میدان ہیں اور پھر عربی گفتگو و تقریر پر بے تکلف قادر۔ میں اپنی گوشہ نشینی کا عاشق۔ یوں ظاہر ہے کہ ارض حجاز میں پہنچ جانے وہاں جینے اور مرنے کی تمنا کس مسلمان کے دل میں نہ ہوگی لیکن دوسری طرف معذوریاں بھی ناقابل لحاظ نہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم کو سفر حجاز پر آمادہ کرنے کے لیے مولانا علی میاں صاحب کا حوالہ دیا تھا کہ وہ کس کثرت سے برابر مختلف اجتماعات میں شرکت کرنے کے لیے تشریف لے جاتے رہتے ہیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ جنوری ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

خیریت نامہ عین عالم انتظار میں ملا۔ میں تو لکھنے والا ہی تھا دریافت خیریت کو بھی اور مبارک باد کو بھی۔

اللہ عقد سے فراغت ہر طرح مبارک کرے۔

میاں صدیق سلمہ موجود ہوں تو انھیں بھی سلام پہنچا دیں۔

تبلیغی گشت کے سلسلے میں بھوپال کا نام سن کر کان پور و لکھنؤ کو بھی رشک پیدا ہو گیا اور مولانا شبلی مرحوم کا ایک شعر ان کے دریابادی نیازمند کو یاد آگیا

شبلی کا گھر بھی خانۂ دشمن کے پاس ہے
محشر خرام اور بھی دو ایک قدم سہی

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۵ فروری ۱۹۶۳ء

برادرم! السلام علیکم

مولانا ادریس ندوی سلمہ سے اجتماع میں ملاقات و خیریت معلوم ہوئی۔ عجب نہیں کہ اب ان کی اور مولانا علی میاں کی سب کی مشترک کوشش اب کی مدیعہ پردیش سے بھی آگے یوپی تک لے آئے۔ انشاء اللہ۔

قرآن مجید کی خدمت سے تجارت و منفعت ہرگز مقصود نہیں۔ جتنا قبول کر لیتا ہوں سخت شرمندہ رہتا ہوں اور اپنے کو نفرین کرتا رہتا ہوں۔ فقہا نے جو گنجائش کھینچ تان کر نکالی ہے وہ وقت کی قیمت یا وقت کا معاوضہ ہے ورنہ نفس عبادت پر معاوضہ کیا۔ بہرحال اصل مقصود صرف اس قدر ہے کہ کوئی بڑا فرم اتنا سرمایہ تفسیر کی چھپائی میں گوارا کر لے اور مسودہ کی صفائی وغیرہ کا خرچ نکل آئے بس قصہ ختم۔

آپ کو یہ اس لیے لکھ دیا کہ آپ کہیں بربنائے اخلاص و محبت کچھ زیادہ حاصل کرنے کی فکر میں نہ ہوں۔ پیمبروں کی شان تو یہ ہوتی ہے وما اجری الا علی اللہ۔ میں دنیا دار اس مرتبے کی تو گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تاہم طمع سے تو اپنے کو روک ہی سکتا ہوں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۴ جون ۱۹۶۳ء

برادرم! السلام علیکم

انشاء اللہ اس وقت تک پاکستان سے بخیریت واپس آگئے ہوں گے۔
پارہ تفسیر بھی آپ کے ساتھ گیا ہوگا۔ واللہ اعلم اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔[1]
مولوی رئیس احمد جعفری نے ایک خط میں مجھے لکھا تھا کہ بڑے پبلشرز اس وقت کورس کی کتابیں چھاپنے میں مشغول ہیں۔ انھیں تفسیر کا کام ہاتھ میں لینے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔
حکیم عبدالقوی سلمہٗ تو بحمداللہ بہ عافیت واپس آگئے۔ سارا سفر کہتے تھے بڑی راحت سے گزرا۔ بھائی صدیق سلمہٗ نے جس یگانگت کا برتاؤ کیا اس کی توقع ان سے تھی۔

والسلام دُعاگو دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) طباعت کے سلسلے میں۔
(۲) حج سے مشرف ہوکر۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۱ جون ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

مولوی رئیس احمد سلمہٗ نے امید تو بے شک دلائی ہے[1]۔ لیکن اول تو پاکستان والوں سے کوئی معاملت کرنے میں جو عملی دشواریاں ہیں وہ ظاہر ہی ہیں دوسرے یہ کہ خود رئیس صاحب نے ۴، ۵ مہینے کا انتظار ضروری بتایا ہے اس وقت پریس والے کورس

کی کتابیں چھاپنے میں مشغول ہیں۔

اب ہلکی سے امید خان بہادر محمد جان کے دارالاشاعت قرآن سے پڑی ہے ایک دریابادی مخلص مقیم کلکتہ کے ذریعہ گفتگو شروع ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں وہ میرا پہلا پارہ واپس آجائے تو بہتر ہے تاکہ اگر یہ معاملات طے ہو جائے تو اسے فوراً ہی کلکتہ روانہ کر دوں۔

حجاز کے حالات سن کر دلی صدمہ ہوتا ہے۔ سیاسیات سے تو مجھے کوئی بحث نہیں۔ صدمہ کی چیز وہاں کا اخلاقی انحطاط اور فسق کی گرم بازاری ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) اردو تفسیر کی طباعت و اشاعت کے بارے میں۔

(۲) یہی مولانا کا اصلی مذاق طبیعت تھا۔ اصل زور وہ اسلامیت پر دیتے تھے۔ سیاست کو ضمنی حیثیت۔

بسم اللہ

دریاباد

۲ جولائی ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

آپ کی والدہ ماجدہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عند اللہ بڑی ہی عالی ظرف ہیں جب ہی تو ان کا امتحان اتنا سخت لیا جا رہا ہے ابھی پہلی ہی اولاد کے صدمے کو کتنے دن ہوئے ہیں کہ دوسرا صدمہ اتنا درجے کا چھوٹی اولاد کے لیے اٹھانا پڑا۔ زخم پر زخم کس قدر سخت ہوتا ہے۔

اور ان معظمہ کے ساتھ آپ دونوں بھائیوں اور دوسرے قریبی عزیزوں کا بھی پورا امتحان ہو گیا۔

ایک بھائی کا صدمہ کیا کم تھا کہ دوسرے بھائی کا بھی اُٹھانا پڑ گیا۔

اور بلاوا آیا بھی تو کیا قابل رشک معمولی سی بیماری اور تسبیح پڑھتے پڑھتے۔ آپ آپ لوگوں کو یوں ہی حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائی کا بڑا اہتمام رہتا ہے وہ بجائے خود قابلِ رشک ہے۔ چہ جائیکہ حسن خاتمہ کی یہ صورتیں۔ اللہ اللہ۔ بہرحال جس نے وقت ڈالا ہے وہی کاٹ بھی دے گا۔

خاندانی اور کاروباری نظام پر جو کچھ اثر پڑ رہا ہوگا ظاہر ہی ہے لیکن اجر بھی تو اسی نسبت سے انشاء اللہ یقینی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اپنا ہی کوئی عزیز اُٹھ گیا۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۸ جولائی ۱۹۶۳ء

برادرم! السلام علیکم

آج مناجات مقبول پر نئے ایڈیشن کے لیے نظرثانی کرنے بیٹھا۔ دیباچہ میں اس فقرہ پر نظر پڑی کہ دعاؤں میں سب سے زیادہ یاد رکھنے کے قابل بمبئی کی وہ مخلص اور گمنام ہستی ہے جس نے اس مناجات کے مصارف طبع کی کفالت کی[1] تو اس کے درمیان میں خفیف سی ترمیم یوں کردی "وہ مخلص و معروف لیکن اپنے کو گمنام رکھنے والی ہستی"۔

یہ محض اطلاعاً تحریر ہے۔

انقلاب (گجراتی) احمدآباد کے ایڈیٹر صاحب پر کوئی مقدمہ خواہ مخواہ چل گیا ہے۔ صدق کے ایک مضمون کے ترجمے کی بناء پر (مطبوعہ دسمبر ۱۹۶۱ء)۔ ایڈیٹر صاحب نے

صفائی کے گواہوں میں واللہ اعلم کس مصلحت سے میرا نام لکھا دیا ہے۔ اگر خدانخواستہ جانا پڑا تو ایک بڑا لمبا اور تکلیف دہ سفر ہوگا۔

والدہ ماجدہ تو مکہ معظمہ سے واپس آگئی ہونگی۔

والسلام دُعاگو

عبدالماجد

(۱۱) ۱۹۴۸ء میں جب قرآنی اور حدیثی دعاؤں کے اس معروف مجموعے کو مع اپنے حاشیوں کے مولانا چھپوانا چاہتے تھے تو مکتوب الیہ نے اس کے جملہ مصارف برداشت کیے اور شدید اصرار کیا کہ ان کا نام نہ آنے پائے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ اگست ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

آپ کا ذہن کہاں تک پہنچا ہے میں نے تو محض اطلاعاً دیباچہ کی وہ عبارت لکھ بھیجی تھی۔ آپ کا ذہن رسا اور ہی طرف منتقل ہوگیا۔[1] اب رقم ارسال کرنے کا سوال ہی کیا تھا۔

مناجات مقبول کا پہلا ایڈیشن غالباً مارچ ۱۹۴۸ء میں نکلا تھا۔ اس سے کچھ روز پہلے ہی کسی عزیز کی وفات ہوئی تھی[2] اور آپ نے ان مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے ایک رقم اس میں لگادی تھی جو اس وقت کی شرح کاغذ و کتابت وغیرہ کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔ جدید ایڈیشن کا تخمینہ بن کر نہیں آیا ہے لیکن بہرحال آپ کو اس سے کوئی بحث بھی نہیں ہونا چاہیئے۔

اپنی والدہ ماجدہ کو میرا سلام مع پیغام تعزیت ضرور پہنچا دیں۔ ان بے چاری پر

جو وقت پڑا ہے وہ اپنوں ہی کو نہیں غیروں کو بھی متاثر کرنے والا ہے۔ ابھی کل ہی شام کو لڑکیاں ذکر کر رہی تھیں اور عجب کیا ہے جو یہ ذکر فرشتوں میں بھی ہو رہا ہو۔ بہر حال ان کی خوش نصیبی میں شک ہی کیا ہو سکتا ہے۔ ایک تو اولاد اتنی سعید و صالح ایک سے بڑھ کر ایک۔

صدمہ بجائے خود کیا کم تھا چہ جائیکہ ان میں سے دو دو کی تجہیز و تکفین کا نظارہ اپنی آنکھ سے کرنا! جس درجہ کا کڑا امتحان اس مرتبہ کا اجر و صلہ بشری اندازہ سے باہر۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) یعنی دوسرے ایڈیشن کے مصارف طبع کی کفالت کے لیے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۵ جنوری ۱۹۶۴ء

برادرم! السلام علیکم

بمبئی کے پبلشرز کا تجربہ تو آپ کو خود ہو چکا۔ حیدرآباد، بھوپال وغیرہ اب زندہ نہیں[۱]۔ لے دے کر اب کہیں گنجائش نظر آتی ہے تو شاہ حجاز، امیر کویت یا ریاست بہاول پور کے ہاں ہاں[۲]

امیر کویت اخبار میں پڑھا اس وقت بمبئی آئے ہوئے ہیں۔

آپ کو یہ سب کچھ اس لیے لکھ دیا کہ شاید کوئی مشورہ آپ دے سکیں۔ نول کشور پریس لکھنؤ سے تخمینہ تیار کرایا فی پارہ تقریباً دو ہزار بتایا ہے یعنی کل ۶۰ ہزار کچھ متفرق رقم اس کے علاوہ مثلاً مسودہ کی صفائی۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) یعنی حیدرآباد، بھوپال کی ریاستیں ختم ہوگئیں۔
(۲) اردو تفسیر کی طباعت کے سلسلے میں۔

بسم اللہ

دریاباد
۱۱ر فروری ۱۹۶۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

دو چار دن کی مہلت دیجئے۔ پارہ اوّل عید کے بعد ہی انشاءاللہ ارسال خدمت ہو جائے گا۔

عزیزی حافظ صدیق کے حالات سُن سُن کر رشک ہی پیدا ہوتا ہے۔ ماشاءاللہ سبحان اللہ۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۱۳ر جولائی ۱۹۶۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

پارہ اوّل کے لیے انشاءاللہ آپ کی مخلصانہ کوششیں کامیاب ہو کر رہی ہونگی۔ اُمید تو یہی ہے تاہم جب تک آپ کی طرف سے کوئی متعین اطلاع نہ آئے دل لگا رہنا بالکل قدرتی ہے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ر جولائی ۱۹۶۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

کل کارڈ بھیج چکا تھا کہ مایوسی نامہ مل گیا۔ انا للہ۔ مسودہ کا پیکٹ بھی آ ہی رہا ہوگا۔

ظاہر ہے آپ نے اپنی والی کوئی کسر تھوڑے ہی رکھی ہوگی۔ میں مایوس تو پچھلے سال ہی ہو چکا تھا البتہ جب ابکی آپ نے مسودہ دوبارہ منگوایا تو قدرۃً امید تازہ ہو گئی تھی۔ بہرحال بندہ کی ہر حسرت دنیا میں نکل کر کہاں رہتی ہے۔ بعض بڑی اہم حسرتیں ساتھ لے کر بھی تو جانا ہوتا ہے۔

کلکتہ والوں سے کوئی خاص تعلق نہیں اور جب تک کوئی تعلق خصوصی اور ربط قلبی نہ ہو خطاب خاص کو جی نہیں چاہتا۔ باقی خطاب عام تو صدق میں ہی ہو چکا ہے۔

اب آج خیال میں آیا کہ بہ طور آخری کوشش ذرا تاج کمپنی کو پھر خط لکھ کر دیکھوں گو پاکستان سے اب کوئی معاملت بھی کرنے میں جو دشواریاں ہیں وہ ظاہر ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

دریاباد

۲۱ر جولائی ۱۹۶۴ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

تیر کمان سے نکل چکا تھا ــــ مگر میں نے کچھ زیادہ عبارت آرائی نہیں کی ہے صرف اتنا ہی لکھ بھیجا ہے۔

"تفسیر اردو اب کامل نظر ثانی کے بعد پریس میں جانے کے قابل ہوگئی ہے۔ ترمیم واضافہ کم سے کم ۳۰ ــــ ۳۵ فی صد ہوگیا ہے۔ اور اس حد تک کتاب کہنا چاہیئے نئی ہوگئی ہے۔ چھپائی ابھی بہ طور مصحف نہیں بلکہ مستقل کتابی صورت میں منظور ہے۔ اب آگے آپ جیسا فرمائیے"۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ
عبدالماجد

دریاباد
۵ ستمبر ۱۹۶۴ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

ایک خبر آپ کی واقفیت اور عبرت کے لیے۔

۶ ہزار کی رقم تاج کمپنی کے ذمے برسوں سے چلی آرہی تھی خدا خدا کر کے ۱۶ نومبر ۱۹۶۳ء کو ڈرافٹ موصول ہوا مگر ۹۰۲ کی رقم کٹ کر۔ خط میں لکھا تھا کہ یہ انکم ٹیکس میں دے دیں گے۔ میں نے لکھا کہ انکم ٹیکس سرٹیفکیٹ بھجوا دیجئے کہ یہاں دوبارہ رقم نہ وصول کی جا سکے۔ جواب پہلے تو یہ آیا کہ "اچھا ہم بھجوا رہے ہیں" اور اس کے بعد سے جواب سرے سے ندارد۔ خط پر خط اور آخر میں ایک رجسٹری خط۔

جولائی ۱۹۶۴ء میں مجھے یاد پڑا کہ لاہور کے انکم ٹیکس افسر تو میرے مخلص خصوصی ہیں انھیں لکھا منّا جواب آیا کہ کام تو بہت معمولی ہے چند گھنٹوں کا ہے۔ سرٹیفکیٹ جلد ہی پہنچ جائے گا۔ اور پھر جو خط آئے بے چارے کی طرف سے اپنی بڑی معذوری و شرمندگی کا اظہار یہاں تک کہ اب یہ معلوم ہوا کہ رقم انکم ٹیکس کراچی میں سرے سے داخل ہی نہیں ہوئی ہے! ــــ اب فرمائیے۔

ایسے ظالم کا کیا کرے کوئی!

اب ایک درخواست میری طرف سے ہے انکم ٹیکس کمشنر حلقہ شمالی لاہور کے نام جائے گی اور دیکھئے کیا کیا مرحلے سر کرنے پڑتے ہیں۔

فیروز سنز لاہور کی تعریف سننے میں آئی ہے[1]۔ گو ان سے تعلق نہیں۔ اب پارۂ اوّل کا مسودہ انصاری صاحب[2] کے پاس جا ہی چکا ورنہ سوچ رہا ہوں کہ فیروز سنز کو لکھ کر دیکھتا۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) لاہور کے مشہور پبلشر

(۲) محمد اللہ انصاری صاحب سکریٹری پیپرز آف کامرس کراچی جو اپنے زمانہ طالب علمی میں مسلم یونیورسٹی میں انجمن اسلامیات کے سرگرم سکریٹری رہ چکے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد
۱۹ دسمبر ۱۹۶۴ء

برادرم! السلام علیکم

بڑے تعجب کی بات ہے کہ پارۂ اوّل رشید انصاری صاحب کے ہاں سے آج تک نہ آئی۔ ۷ اگست کو رجسٹرڈ لکھنؤ سے روانہ ہوا تھا۔ اور خط اس سے متعلق دو تین دن قبل ہی سے دریاباد سے بھیج دیا تھا۔

خدانخواستہ وہ پیکٹ ضائع ہوا تو میرے لیے تو قیامت ہی ہو جائے گی۔ دو خط اس درمیان میں اور بھی انھیں لکھ چکا ہوں۔ سب لاجواب۔

ابھی آپ یہ کریں (اگر مناسب معلوم ہو) کہ انھیں ٹرنک کال کریں اور جواب سے مجھے تار یا فون سے مطلع کر دیں۔ خط سے بھی لکھ سکتے ہیں۔ خط اور تار میں بہت زیادہ

فرق نہیں ہوتا۔ خط اکثر دوسرے ہی دن پہنچ جاتا ہے ورنہ تیسرے دن۔

تار کے لیے میرا نام کافی ہے۔ یہاں ٹیلی گراف آفس ہے بارہ بنکی لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ٹیلی فون لکھنؤ میں تو موجود ہے ہی۔ نمبر 22707۔ دریاباد میں بھی پبلک کال آفس کھل گیا ہے اور اس کا Extension میں نے اپنے ہاں لے لیا ہے بلا نمبر کے۔ مگر کھلتا یہ دن رات میں صرف ۴ گھنٹے کے لیے ہے دن میں ۱۰ سے ۱۱ تک پھر ۲ سے ۵ تک۔

تاج کمپنی کو دینے کی اس تازہ تجربہ (انکم ٹیکس سرٹیفکیٹ) کے بعد کسی طرح ہمت نہیں ہو رہی ہے۔ اب فیروز سنز کو سوچ رہا ہوں لیکن پہلے مسودے کی سلامتی کی خبر تو ملے۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ دسمبر ۱۹۶۴ء

برادرم! السلام علیکم

آپ کو کارڈ کل صبح لکھا۔ الحمدللہ کل شام کو تاج کمپنی کا خط آگیا کہ مسودہ تفسیر مل گیا ہے۔ بڑی فکر اور تشویش دور ہوئی۔ آپ کو یہ پہلی ڈاک سے لکھ رہا ہوں۔ لیکن اب اسے کیا کیا جائے کہ آج اتوار پڑ گیا ہے۔ اتنی دیر تو بہرحال لگے گی۔

اصل معاملے کے لیے لکھا ہے (تفسیر کی بڑی تنار وصفت کے بعد) کہ ضخیم کتابوں کی نکاسی میں بڑی دیر لگتی ہے۔ مولانا تھانوی اور مولانا عثمانی کے چھپے ہوئے ترجمے بھی ابھی ایسے ہی رکھے ہیں۔ پبلک سستی اور مختصر کتابیں چاہتی ہے۔ ہم آپ کے مسودے کو رکھے ہوئے ہیں۔ اس پر سوچ بچار کر رہے ہیں۔

اس انکم ٹیکس سرٹیفکیٹ کے لیے لکھا ہے کہ بینک سے ہم سے خط و کتابت کا چکر

چل رہا ہے۔ ہمارا آفس شہر سے بہت دور بھی ہے۔ وغیرہا۔

میری رائے تو یہی ہے کہ فیروز سنز اگر قبول کرلے تو مسودہ اب اسی کو دے دیا جائے۔ مہر صاحب[1] کے جواب کا بھی انتظار ہے۔ انصاری صاحب کا جواب سرے سے نہ آنا بڑا حیرت انگیز ہے یقیناً ان کا جواب ڈاک ہی میں غائب ہوا ہوگا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد غلام رسول مہر صاحب، سابق مدیر انقلاب، موصوف نے اردو تفسیر کی طباعت واشاعت کے لیے بڑی سعی کی۔

بسم اللہ

دریاباد

۳۰ نومبر ۱۹۶۴ء

برادرم! السلام علیکم

لکھنؤ کے مسیحی ایڈیٹر[1] اور ہندو روزنامہ پانیر کے نام بمبئی کے ایک مسلمان کا مراسلہ دیکھ کر مجھے بڑی عبرت آئی: بمبئی میں مسلمان تو لکھ پتی ماشاء اللہ بے شمار ہوں گے۔ اتنی سی حقیر رقم کا سوال تو معمولی خوش حال بھائی بھی پورا کر سکتے ہیں۔

تفسیر کی طبع ثانی بدستور معلق ہے۔ مایوسی روز افزوں۔ لاہور کے ایک مہر صاحب البتہ تھوڑی بہت اُمید مہینوں سے دلائے جا رہے ہیں۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ جنوری ۱۹۶۵ء

برادرم! السلام علیکم

دُنیا میں رہ رہ کر کیا کیا تجربات ہوتے اور کیسے کیسے لوگوں سے دُکھ پہنچ کر رہتے ہیں۔ انصاری صاحب کو میں نے اپنا خاص مخلص سمجھ کر تفسیر پارہ اوّل کا مسودہ تاج کمپنی کے لیے بھیجا تھا۔ تاج والوں نے اسی وقت معذرت کر کے مسودہ انھیں واپس کر دیا۔ ان حضرت نے مجھے خبر تک نہ کی۔ اور خود تو کیا خط لکھتے میرے کسی خط کا بھی جواب نہ دیا۔ اسی درمیان میں مہر صاحب نے تھوڑی بہت امید دلائی۔ میں نے تاج والوں کو لکھا کہ وہ مسودہ لاہور مہر صاحب کو بھجوا دیں۔ وہاں کہاں سے بھیجتے۔ جب ان کے پاس ہوتا جب تو بھیجتے۔ اس مسودہ پر قبضہ تو انصاری صاحب کا ہے۔ اور اسے ہفتوں نہیں مہینوں کی مدت ہو چکی ہے۔

آپ کو خود ہی خوب معلوم ہے کہ یہ مسودہ کے مہینے سے نہیں کے سال سے گشت میں ہے۔ سب سے پہلے تو آپ ہی کے پاس شرف علی کے سلسلے میں بھیجا تھا۔

بہرحال اب دیکھئے انصاری صاحب کے پنجے سے اسے کب نجات ملتی ہے کوئی اس صورت کا تصور بھی کر سکتا تھا۔ جو کچھ مشیت میں ہو، ہو ہی کر رہتا ہے۔

سنا ہے کہ امیر کبیر پھر بمبئی آئے ہوئے ہیں۔ جھنڈے نگری صاحب میرے ہی ذریعہ سے واسطہ در واسطہ اپنے مدرسے کے لیے ان کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ اتنی ہمت کہاں سے لاؤں کہ خاص اپنے کام کے لیے ان تک رسائی پیدا کر سکوں۔ ورنہ ۷۰۰۰ ہزار کی رقم ان جیسے عالی ہمت امیر کبیر کے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔

بھائی صدیق سے سخت شرمندہ ہوں جس وقت ذرا بھی وقت نکل سکا ضرور

ان کی فرمائش کی تعمیل کرتے پڑتے کردوں گا لیکن وقت اتنا بھی ملنے کی کیا توقع ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ر اگست ۱۹۶۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

یہ آپ نے فرمائش کرکے کیسا ظلم کر دیا۔ میں تو چاہتا ہی نہ تھا کہ سفر کے خاتمے سے قبل آپ کو اس سفر کی خبر بھی ہو۔ آپ کی فرمائش کی تعمیل نہ کرنا میرے لیے کوئی آسان بات ہے۔

اگر میں نے تین دن بھی قیام سورت میں رکھا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ نو دن کام کا ہرج ہوگا۔

دریاباد سے براہ دہلی سورت پہنچنے میں تین دن کا وقت لگتا۔ نو دن کی مدت میں کتنا کام تلف ہو جائے گا جو آخر مجھی کو صاف کرنا ہوگا۔

اگر آپ نے پہلے طلب فرمالیا ہوتا تو سفر بجائے سورت کے بمبئی ہی کا رکھتا۔ اب تو قابل عمل صورت یہی ہے کہ اس سفر کے کچھ روز بعد دوبارہ سفر بمبئی ہی کا کروں۔ دوسرا سفر مجھے گوارا ہے بہ مقابلہ ایک مرتبہ کے مسلسل ہرج کے۔

یہ صرف اپنی مظلومیت کی سرگذشت سنادی۔ فیصلہ آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا کو بمبئی اور اُس کے ساتھ سورت بلا رہے تھے۔ لیکن افسوس اس سفر کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۲ر دسمبر ۱۹۶۵ء

برادرم! السلام علیکم

جمعیۃ التمدن اسلامی کے آئندہ جلسے کے لیے آپ کو اپنا نائب مقرر کرتا ہوں۔ Proxy کے لیے جمعیۃ کا ممبر ہونا ضروری نہیں (اور آپ تو عجب نہیں جو اس کے ممبر ہوں بھی)۔

ایجنڈا میں اہم مسئلہ صرف ایک یعنی مسٹر اے اے فیضی کا دوبارہ انتخاب بہ حیثیت ڈائرکٹر کے۔ میں اس تجویز سے متفق ہوں اور انھیں کے حق میں رائے رکھتا ہوں۔

واللہ اعلم ان سے راہ و رسم آپ کی ہے بھی یا نہیں اگر ہو اور موقع بھی مل جائے تو میرا سلام بھی انھیں پہنچا دیجیے گا۔

ان کی ایڈٹ کی ہوئی کتاب "دعائم الاسلام" (اُن کے مذہب کی بڑی مستند کتاب) میں نے حال ہی میں پڑھی ہے۔ بڑی محنت اور قابلیت سے ایڈٹ کیا ہے۔ ان کے انگریزی مضمون تو کئی ایک پڑھ چکا ہوں۔ کاش بجائے چھاگلہ کے وہی وزیر تعلیم ہوتے۔

ہاں صاحب دو باتیں اور۔

(۱) ہمارے سیٹھ دادا بھائی داؤجی کی کوئی خبر آپ کو ہے۔ جمعیۃ والوں سے شاید دریافت ہو جائے۔ میرے پاس کوئی ڈیڑھ سال سے خط نہیں آیا ہے۔

(۲) انھوں نے میرے نام سے کچھ حصے اس کمپنی میں خرید دیے تھے۔ اب یاد نہیں کہ

کتنے حصے تھے اور نہ معلوم ان حصوں پر کچھ ملتا ہے یا نہیں۔
آپ انشاء اللہ مع اعزا و خاندان بہ خیریت ہوں۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) اسمٰعیلی فرقہ

بسم اللہ

دریاباد
۳۱ دسمبر ۱۹۶۵ء

برادرم! السلام علیکم

۱۔ اب تو آپ سفر حجاز کی تیاری میں مصروف ہونگے۔ اللہ ہر طرح مبارک کرے۔
۲۔ جدہ میں کاروباری قیام کی جو صورت نکل رہی ہے دل اس پر بھی مبارک باد پیش کرنا چاہتا ہے مگر پھر طویل جدائی کا خیال کر کے اداس و ملول بھی ہو جاتا ہے۔ یہاں رہ کر بھی گو ملاقات سالہا سال سے نہ ہو سکی تاہم آس تو ہر وقت لگی رہتی ہے۔ خیر اللہ جو بہتر سمجھے۔
۳۔ جمیعۃ التمدن کی میٹنگ تو ہو چکی ہوگی۔ اب اگر طبیعت پر کچھ گرانی محسوس ہوئی تو اچھا ہے کہ آپ شریک نہ ہوئے ہوں۔ کوئی ضروری کام تو تھا نہیں۔
۴۔ ہر شخص کی زندگی کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور جاننے والوں کے تجربے بھی مختلف ہی ہوتے ہیں۔ فیضی[۱] کی متعدد تحریریں پڑھنے کے بعد بہ حیثیت مجموعی میرے اوپر اثر اچھا پڑا تھا اور انھیں گو تجدد زدہ لیکن بہرحال مسلمان ہی سمجھتا ہوں[۲]۔ اور مسلک کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ وہ اہل سنت سے خارج ہیں۔
۵۔ بے شک آپ کی طرح اور بھی بہ کثرت مسلمان کے خاندان آدھے آدھے تقسیم ہو گئے

اللہ حافظ و ناصر ہے۔ اب دیکھئے راستے کب کھلتے ہیں۔ ڈاک وغیرہ کے بند ہو جانے سے صدق کا نقصان خاصا ہوا۔ آمدنی ۳۳ فی صد گھٹ گئی۔

۶۔ علی میاں بیچارے آنکھوں کی شدید تکلیف میں مبتلا ہیں۔ اللہ ہم سب پر فضل فرمائے۔

۷۔ جدہ میں اب تو سفیر مصطفیٰ کامل کے چھوٹے بھائی ہیں خدا کرے آپ کے ان سے تعلقات خوش گوار رہیں۔

۸۔ مناجات مقبول کا نیا ایڈیشن بھی چند ہفتے ہوئے نکل آیا اور صدق میں ذکر بھی آچکا ہے۔

۹۔ احمد داؤد جی بھائی کا حال ممکن ہے جمیعۃ والوں سے کچھ معلوم ہو جاتا۔ خود آپکو ظاہر ہے براہ راست کیا علم ہو سکتا تھا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد آصف فیضی ہیں۔

(۲) مولانا کا مذاق یہ تھا اختلافی چیزوں کو کم کر کے مابہ الاشتراک چیزوں کو دیکھا جائے۔

(۳) مکتوب الیہ کو غالباً فیضی صاحب کے مذہبی خیالات سے شدید اختلاف تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۸ مئی ۱۹۶۶ء

برادرم! السلام علیکم

منادی صاحب نے حادثے کی خبر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مکہ مکرمہ میں موت تو خوش نصیبوں ہی کو نصیب ہوتی ہے پھر جس نے ایسے دین دار بند چھوڑے وہ ماں یوں بھی بڑی خوش نصیب تھی۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ عطا فرمائے۔

آپ اور بھائی صدیق دونوں خوش نصیب ہیں کہ اتنے عرصے ان کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔ سچ ہے جو کچھ بھی ہو جائے ماں کا وجود ایک ایسی نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ر جنوری ۱۹۶۷ء

برادرم! السلام علیکم

محبت نامہ کئی دن ہوئے مل گیا تھا۔ عرصہ دراز کے بعد ملا تھا اس لیے قدر بھی زیادہ ہوئی۔ صدق میں چھپنے کو بھیج دیا تھا انشاء اللہ اس ہفتے نکل جائے گا۔

وہاں کے رمضان کا کہنا سبحان اللہ۔ اللہ جسے بھی یہ سعادت نصیب کرے۔ آپ کا پوسٹ بکس نمبر میں بھول گیا یہ عزیزی صدیق کے پتے پر جا رہا ہے آپ نے نئے وطن و مسکن کا پتہ نہ لکھا اور نہ اور کچھ حال لکھا اس کا انتظار لگا رہا۔

بمبئی چھوڑ دینے کے وقت سے ایک خاص خلا محسوس کر رہا ہوں جیسے کسی عزیز قریب کے بچھڑ جانے پر ہو جاتا ہے۔ اب زندگی بھر ملاقات کی صورت ہی کیا۔ بمبئی میں ایک اطمینان رہتا تھا۔ گھر میں طبیعت مسلسل خراب اور زیادہ رہنے لگی ہے اور چھوٹی لڑکی زاہدہ خاتون عرصے سے بیمار چلی آتی ہے دونوں کے لیے ضرور دعا کرتے رہیں۔ خانگی سکون بھی دماغی کام کرنے والوں کے لیے ایک نعمت ہوتا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) یہ مکتوب الیہ کا آخری خط تھا کیونکہ اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

مکاتیب بنام مولانا عبدالباری صاحب ندوی لکھنؤ

بسم اللہ

دریاباد

۳۱ جولائی

برادرم!

السلام علیکم

ابھی تک تو یہی علم ہے کہ حضرت گیلانی تشریف لائے ہیں اور دوشنبہ کی شام کو دہرہ سے لکھنؤ پہنچیں گے میں ان کو آپ ہی کے بھروسے پر فوراً لکھنؤ جانے دے رہا ہوں یعنی جس طرح گیلانی سے لانے کے ذمہ دار میاں مکارم تھے اسی طرح انھیں واپسی میں دریاباد پہنچانے کے ذمہ دار جناب والا ہیں ڈر یہی لگا ہوا ہے کہ انھیں لکھنؤ میں دیر لگے گی اور گھبرا کر آخر میں وہ سیدھے وطن ہی کا رُخ کریں گے ــــ تشبیہ ناقص و گستاخانہ سہی لیکن بہرحال بے لگتی ہوئی کہ بن یامین کی بہ حفاظت واپسی کے لیے یعقوب پیمبر ہود سے بھی کہہ رہے ہیں۔

آپ کے جواب میں ایک لمبا چوڑا مراسلہ جامعہ سے آیا کیا بتاؤں کس کا ــــ بہرحال ناقابل اشاعت۔ وہاں سے ذمہ دارانہ جواب آنے کا منتظر ہوں۔ صوفی صاحب کے تازہ مراسلے میں ایک اصولی بحث ہے۔ آئندہ کسی نمبر میں نکل سکے گا۔ جامع المجددین کی اسپٹ پر گرفت ہے۔ حضرت گیلانی کا قیام بہ سلسلۂ علاج طویل ہوا تو انشاء اللہ ضرور لکھنؤ آؤں گا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا کے قدیم ترین بے تکلف دوستوں میں تھے ان سے تعلقات کا سلسلہ ۹۸ء میں قائم ہوا اور مکتوب الیہ کے انتقال تک قائم رہا۔ بہت ہی

اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ عطا فرمائے۔

آپ اور بھائی صدیق دونوں خوش نصیب ہیں کہ اتنے عرصے ان کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔ سچ ہے جو کچھ بھی ہو ماں کا وجود ایک ایسی نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ جنوری ۱۹۶۷ء

برادرم! السلام علیکم

محبت نامہ کئی دن ہوئے مل گیا تھا۔ عرصہ دراز کے بعد ملا تھا اس لیے قدر بھی زیادہ ہوئی۔ صدق میں چھپنے کو بھیج دیا تھا انشاء اللہ اس ہفتے نکل جائے گا۔

وہاں کے رمضان کا کہنا سبحان اللہ۔ اللہ جسے بھی یہ سعادت نصیب کرے۔ آپ کا پوسٹ بکس نمبر میں بھول گیا یہ عزیزی صدیق کے پتے پر جا رہا ہے آپ نے نئے وطن و مسکن کا پتہ نہ لکھا اور نہ اور کچھ حال لکھا اس کا انتظار لگا رہا۔

بمبئی چھوڑ دینے کے وقت سے ایک خاص خلا محسوس کر رہا ہوں جیسے کسی عزیز قریب کے ہجرت کر جانے پر ہو جاتا ہے۔ اب زندگی بھر ملاقات کی صورت ہی کیا۔ بمبئی میں ایک اطمینان رہتا تھا۔ گھر میں طبیعت مسلسل خراب اور زیادہ رہنے لگی ہے اور چھوٹی لڑکی زاہدہ خاتون عرصے سے بیمار چلی آتی ہے دونوں کے لیے ضرور دعا کرتے رہیں۔ خانگی سکون بھی دماغی کام کرنے والوں کے لیے ایک نعمت ہوتا ہے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) یہ مکتوب الیہ کا آخری خط تھا کیونکہ اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

مکاتیب بنام مولانا عبدالباری صاحب ندوی لکھنؤ[۱]

بسم اللہ

دریاباد

۱۳ جولائی

برادرم!

السلام علیکم

ابھی تک تو یہی علم ہے کہ حضرت گیلانی[۲] تشریف لائے ہیں اور دوشنبہ کی شام کو دبہ سے لکھنؤ پہنچیں گے میں ان کو آپ ہی کے بھروسے پر فوراً لکھنؤ جانے دے رہا ہوں یعنی جس طرح گیلانی سے لانے کے ذمہ دار میاں مکارم[۳] تھے اسی طرح انھیں واپسی میں دریاباد پہنچانے کے ذمہ دار جناب والا ہیں ڈر یہی لگا ہوا ہے کہ انھیں لکھنؤ میں دیر لگے گی اور پھر اکر آخر میں وہ سیدھے وطن ہی کا رُخ کریں گے ــــ تشبیہ ناقص و گستاخانہ سہی لیکن بہرحال بے لگتی ہوئی کہ بن یامین کی بہ حفاظت واپسی کے لیے یعقوب[۴] پیمبر ہودا سے عہد لے رہے ہیں۔

آپ کے جواب میں ایک لمبا چوڑا مراسلہ جامعہ سے آیا کیا بتاؤں کس کا ــــ بہرحال ناقابل اشاعت۔ وہاں سے ذمہ دارانہ جواب آنے کا منتظر ہوں[۵]۔ صوفی صاحب[۶] کے تازہ مراسلے میں ایک اصولی بحث ہے۔ آئندہ کسی نمبر میں نکل سکے گا۔ جامع المجددین[۷] کی اسپیٹ پر گرفت ہے۔ حضرت گیلانی کا قیام بہ سلسلۂ علاج طویل ہوا تو انشاء اللہ ضرور لکھنؤ آؤں گا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا کے قدیم ترین بے تکلف دوستوں میں تھے ان سے تعلقات کا سلسلہ ۹۸ء میں قائم ہوا اور مکتوب الیہ کے انتقال تک قائم رہا۔ بہت ہی

عزیزانہ اور مخلصانہ تعلقات کے باوجود کبھی کبھی بے لطفی بھی ہوتی رہی جس کا تدارک جوابی ہر بار ہوتا رہا۔ سب سے زیادہ خطوط انہی کے نام ذخیرہ مکتوبات میں نکلے۔

(۲) مولانا مناظر احسن گیلانی۔

(۳) مولانا گیلانی کے چھوٹے بھائی بڑے کارگزار اور منتظم تھے۔ دونوں بھائیوں میں بے انتہا محبت تھی۔

(۴) مکتوب الیہ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں اسلامیت کے فقدان پر صدق میں لکھا تھا۔

(۵) مراد صوفی نذیر احمد صاحب جن کے مراسلے صدق میں نکلتے رہتے تھے۔

(۶) مکتوب الیہ کی مشہور تصنیف جامع المجددین مولانا اشرف علی تھانوی کو بہ طور جامع مجددین کے پیش کیا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۵ر فروری سنہ ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

بحمداللہ کھانسی اب برائے نام باقی رہ گئی ہے۔[۱]

آپ نے یہ فقرہ لکھ کر کہ اولین آخرین سب ایک طرف ہوں الخ میری بہترین وکالت و ترجمانی فرمادی۔ جزاک اللہ۔

باقی میں بزدل و بدہمت بہت واقع ہوا ہوں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ حریف کے مقابلے میں اپنے کو دلیر اور پیش قدمی کرنے والا نہیں پاتا بس جب ایسا ہی مجبور ہو جاتا ہوں جب ہی جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ کرتا ہوں۔[۲]

جی نہیں شناخت نامہ اب تک کہیں سے وصول ہوا نہیں[۳] میاں غوثو[۴] کے چھوٹے

بھائی بدر رزاقی نے لکھا کہ میں تو خزانۂ عامرہ تک دوڑ لگا آیا جواب ملا کہ کوئی فارم موجود نہیں۔ پریس میں چھپنے کو گیا ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ کسی ایک کی شکل ہی دکھا دیجئے میں نقل کرلوں گا جواب ملا ایک بھی موجود نہیں اب فرمائیے ایسے ظالم کا کیا کرے کوئی۔

تیسرے مہینے یعنی جنوری کی رسید بھی بھیج چکا ہوں۔ بینک سرے سے جواب ہی نہیں دے رہا ہے۔ یہ اندھیر انگریزوں کے زمانے میں ناقابل تصور تھا کہ خود ہی فارم روک لیں اور خود ہی یہ حکم دیں کہ فارم کی خانہ پری کرکے واپس کرو۔

ہاں حضرت فقہیات ہوں یا کلامیات محض نقل پر اکتفا رتو اس ناکسار نے وہاں کی ہے جہاں دل کو شبہ یا تردد پیدا ہوا یا اصل مسئلہ ذہن کے سامنے نا صاف یا دھندلا رہا مثلاً مسئلہ رضاعت یا غلامی یا کفارہ وغیرہ کے جزئیات اور جہاں سرے سے کوئی تردد ہی نہیں وہاں اللہ کا نام لے کر اپنی ہی بصیرت کو مستول سمجھا ہے۔

اس خاص چیز میں اب کیا عرض کروں کیا کچھ اپنی ہی تفسیروں میں صیغۂ مجہول میں نہیں زور شور کے ساتھ پڑھ چکا ہوں کہ فلاں فلاں صحابہ کا مذہب فلاں فلاں تابعین کا مسلک فلاں فلاں مفسر کا رجحان یہ تھا

اب رہا مسلک جمہور تو اسے کیا کروں کہ خود اس بارے میں کیسے کیسے اقوال ملتے ہیں حضرت خضر کی نبوت کے سلسلے میں روح میں ہے فالجمہور علی انہ علیہ السلام نبی۔ اور اسی قطعیت کے ساتھ معالم میں ہے ولم یکن الخضر نبیاً عند اکثر اہل العلم

اور الفاظ الجمہور تو یہ حضرات اس بے احتیاطی کے ساتھ استعمال کر جاتے ہیں کہ حیرت ہی ہوتی ہے۔ جہاں اپنے دو چار ہم خیال مل گئے بس وہیں اتباع اور اتفاق چاہا ہے۔ بڑی طویل داستان ہے کئی نمبروں کے مقالے بن سکتی ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا بہت تیز بخار میں مبتلا ہو کر بغرض علاج لکھنؤ آئے تھے۔

(۲) اپنے ذاتی معاملات میں مولانا کا یہی رویہ رہتا۔ مقابلے سے بالکل گریز کرتے ہاں جب اسلام اور اسلامی شعائر پر حملہ ہوتا تو پوری طرح سے میدان میں آجاتے تھے۔

(۳) حیدرآباد سے اس وقت اور اس کے کئی برس بعد تک مولانا کی لٹریری پنشن آتی تھی اسی کے شناخت نامہ کی ضرورت تھی۔

(۴) مولانا کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی کے چھوٹے صاحبزادے غوث محی الدین حسن قادری رزاقی۔

(۵) مراد مشہور تفسیر روح المعانی۔

(۶) ایک دوسری مشہور اور معتبر تفسیر۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۲ فروری ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

میں نے مولانا کی تصانیف نہیں مولانا پر تصانیف دریافت کی تھیں مولانا کی صدہا تصانیف کے نام اس مختصر آرٹیکل میں کیسے آسکتے ہیں صرف ان کی تعداد اور دو چار مشہور ترین کتابوں کے نام دیے جا سکتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا میں ذکر صرف ماخذوں کا ہوتا ہے میں ان کتابوں کے نام و نشان انھیں لکھے بھیجتا ہوں۔

(۱) اشرف السوانح (۲) خاتمہ (۳) آپ کی تینوں کتابیں (۴) حکیم الامت۔

میں نے درمیان میں ایک اور خط آپ کو لکھا تھا اس میں اور کوئی بات جواب طلب نہ تھی جس میں کسی ایسے اشارے کا منتظر تھا جس سے اس خط کی رسید سمجھ جاتا۔

مختصراً اور خلاصۃً کچھ اس طرح لکھا تھا کہ آپ نے یہ فقرہ لکھ کر اولین و آخرین ملا کر بھی میری واقعی بہترین ترجمانی و وکالت کر دی۔ جزاک اللہ۔

اجماع و اتفاق رائے کی حجیت سے قطع نظر بڑا سوال تو ثبوت اجماع کا ہے میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ جہاں ان حضرات[1] کو اپنے چند ہم خیال مل گئے بس فیصلہ اجماع کا کر دیا جاتا ہے۔ 'اجمعوا' اور 'اتفقوا' کے استعمال میں بڑی ہی بے احتیاطی ان حضرات کے ہاں ملتی ہے، اور اس کا کھلا ہوا نتیجہ تناقض و تضاد ہے یعنی ایک ہی بات بہ قول فلاں صاحب کے اجماعی و متفق ہے اور بہ قول فلاں صاحب کے غیر اجماعی اور اختلافی ہے۔ مثلاً نبوت خضر روح المعانی میں ہے فالجمہور علی انہ علیہ السلام نبی لیکن معالم میں ہے ولم یکن الخضر نبیاً عند اکثر اہل علم اور یہ مثال میں نے تلاش کر کے نہیں پیش کی ہے کثرت سے ایسی مثالیں ملتی ہیں اور امام رازی وغیرہ تو عموماً دو دو قول قال الاکثرون کہہ کر بے تکلف نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔

یہ عریضہ جواب طلب نہیں صرف رسید طلب ہے۔ ہاں صاحب ایک ندوی نے مجھے حال ہی میں لکھا ہے کہ سید صاحب مرحوم نے ان سے فرمایا تھا کہ میرے خلیفہ عبدالباری ہونگے مگر حضرت کی خلافت کے بارہ میں یہ بات دل کو کچھ زیادہ لگتی نہیں ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔

(۲) غالباً انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے لیے حضرت مولانا تھانوی پر آرٹیکل لکھنے والے ان معلومات کے طالب تھے۔

(۳) مصنف خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوب۔

(۴) مکتوب الیہ کی تصانیف جس میں مشہور ترین جامع المجددین تھی۔

(۵) مولانا کی تصنیف حضرت مولانا تھانوی پر۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۲ مارچ ۱۹۵۲ء

برادرم! وعلیکم السلام

میں آپ کے اس فلسفے کا قائل نہیں کہ اصل اور مقدم شے دعا ہے دعا کا بھی ایک درجہ ہے۔ عالم الاسباب کا اہم درجہ ہمارا آپ کا نہیں خود مسبب الاسباب ہی کا قائم کیا ہوا ہے قرآن مجید میں کتنا زور آنکھ، کان عقل و فکر وغیرہ سے کام لینے پر ہے۔ تدابیر سے پورا کام نہ لینا ایک کھلی ہوئی صورت کفران نعمت کی ہے[1]۔ ان تدابیر پر تکیہ کر لینا اور فاعل حقیقی کی طرف سے غافل ہو جانا ایک بالکل دوسری شے ہے اور وہ خدانخواستہ آپ کے لیے یا کسی معمولی سے مسلمان کے لیے بھی کیوں ہونے لگی۔ سیرت نبوی سے بھی مجھے ایک خاص سبق اب بھی مل رہا ہے۔ دعوی توکل و تسلیم و رضا ظاہر ہے کہ آپ[2] کے مقابلے میں کون کر سکتا ہے لیکن دوسری طرف امن و جنگ کسی حال میں کوئی درجہ آپ سعی و حسن تدبیر کا بھی اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ آپ پر یہ جو "حال" طاری ہے یہ گو کتنا ہی باعث اجر ہو یہ حال ہے حال ہی۔

جی ہاں مکارم میاں[3] کا خط یہاں بھی آیا تھا۔ خدا شفا دے۔

نذیر[4] بار جنگ لکھنؤ میں مستقل قیام کی غرض سے آ گئے تھے مگر چند روز کے اندر کوئی مکان ان کی پسند کا نہ ملا۔ اور چور بے چارے کی قیمتی سامان کی چوری بھی زبردست ہوئی۔ گھبرا کر کل واپس چلے گئے ہوں گے۔ میں نے آپ کا پتہ بتا دیا تھا۔ وہ خود بھی پوچھ رہے تھے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

[1] مولانا مرحوم کا اسی پر عمل تھا اور ہم سب ہی کو اپنے زیر تربیت اور تعلق رکھنے والوں کو برابر اس کی تلقین کیا کرتے تھے۔

(۲) مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی

(۳) مولانا کے بڑے ہی پرانے مخلص جو حیدرآباد کی ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد لکھنؤ آئے ہوئے تھے۔

(۴) ہوش یار جنگ صاحب کی مکتوب الیہ سے بھی ملاقات تھی کیونکہ وہ برسہا برس جامعہ عثمانیہ میں استاد رہے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۳ اپریل ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

والدہ ماجدہ خدا کرے اسپتال سے بخیریت واپس آگئی ہوں مجھے کچھ علم ان کے آپریشن وغیرہ کا نہ تھا۔

مولانا گیسانی میں برابر دل لگا ہوا ہے۔ مکارم میاں کا آخری خط تو اچھا خاصا تشویش انگیز تھا۔ اللہ امت پر رحم فرمائے۔ پٹنہ جانے کا دل میرا بھی بے اختیار چاہ رہا ہے[۱] اور گیلانی کے مقابلے میں پٹنہ کی منزل کہیں آسان ہے لیکن سفر بھی آسان نہیں۔

ہوش صاحب کے بان نہیں نے چوری کی اس کا نام جمال معلوم ہوا اب فرمایئے یہ عنوان کیسا رہے گا۔

نگار خانۂ[۲] لکھنؤ میں تازہ واردات۔

ہوش پہ جمال کا ڈاکہ

آپ کے اس ارشاد سے مجھے قطعی اختلاف ہے کہ تدابیر پر اعتماد کا چور قلب میں دعویٰ کی حد تک چھپا رہا الخ۔

تدبیر پر خاص حد تک اعتماد تو طبعی چیز ہے اللہ ہی کی چیز کی ہوئی۔ اپنی ہی بنائی ہوئی کیفیت پر ہر گز اتنی سخت جرح نہ کریں گے اعتماد علی اللہ محض عقلی حد تک بالکل کافی ہے۔ یہ تو اللہ میاں سے خواہ مخواہ بدگمانی ہے کہ انھیں احیاء العلوم کی کتاب الریا کی موشگافیوں کا پابند سمجھ لیا ہے۔ ماقدروا اللہ حق قدرہ ——— بندوں نے اللہ کی عظمت وغیرہ کے علاوہ اللہ کی رحمت کی بھی ذرا قدر نہ کی۔ ہاں میاں سعید الباری پاکستان میں کیا کرتے ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) بغرض عیادت مولانا گیلانی۔

(۲) جوش صاحب کا قیام نیاز فتحپوری مدیر نگار کے یہاں تھا۔

(۳) امام غزالی کی مشہور کتاب۔

(۴) مکتوب الیہ کے صاحب زادے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ مئی ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

وہ نیدرآبادی وکیل صاحب شاید اور دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح طنز کو مطلقاً ممنوع و مذموم سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ طنز کی مثالیں کثرت کے ساتھ خود قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اور معاندین و مشرکین کی جو ہجو آنحضرتؐ نے کہلائی وہ بھی طنز کے حکم میں آجاتی ہے۔ غرض طنز غیبت کی طرح وہ مذموم ہے جو بے محل اور اپنے جاہ و ترفع کے لیے ہو ورنہ

کہیں تو طنز جائز اور کہیں عین واجب ہوگا۔ کوئی صاحب صدق میں طنز بے محل کی مثالیں اگر متعین طور سے بتادیں تو میں دل سے ان کا ممنون ہوں گا اور بہ حلف یقین دلاتا ہوں کہ ضرور ان پر غور اور نظر ثانی کرونگا۔[1]

شاہ صاحب[2] کا آخر وہی جواب آیا جس کا مجھے پہلے ہی سے اندیشہ تھا یعنی مولانا[3] کے تراجم و تصانیف قبول کرنے میں مجھے کیا عذر و تامل ہو سکتا ہے لیکن معاملہ میرے اختیار کا نہیں جن کے اختیار کا ہے آپ اُن سے خود واقف[4] ہیں۔ عدم گنجائش کا عذر ایسا مسکت ہے کہ اس کے بعد کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا کا اس پر عمل تھا کہ اگر اپنی غلطی کسی کے توجہ دلانے سے نظر آجاتی تو اسے فوراً مان لیتے تھے۔

(۲) شاہ معین الدین احمد ندوی ایڈیٹر معارف۔

(۳) مراد مکتوب الیہ۔

(۴) اس زمانے میں مکتوب الیہ کا شدید اختلاف دارالمصنفین کے منیجر جناب مولوی مسعود علی صاحب سے تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ مئی ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

ڈاکٹر قریشی[1] کی "اسلام اور سود" دفتر صدق پہنچا دی ہے[2]۔

آپ کے مسودات کے لیے ابھی منیجر صاحب کو میں نے لکھا کہاں تھا۔ صرف شاہ صاحب سے مشورہ کیا تھا اور شاہ صاحب نے جواب دیا کہ مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے باقی اختیار میرا نہیں جن صاحب کا ہے ان سے آپ واقف ہیں[3]۔ بس اتنی سی بات صرف اب تک ہوئی ہے۔

ایک پمفلٹ اور ایک پوسٹر بسلسلہ سرائے میر آپ کو بھیج چکا ہوں[4]۔

طنزیات قرآن پر جو میں آتا ہے کہ ایک مستقبل مقالہ معارف یا صدق کے لیے لکھ دوں۔ منافقوں اور کافروں کے حق میں عذاب الیم کی بشارت کم از کم دس بار آیتوں میں تو ضرور آئی ہے۔ اور پھر اور آیتیں ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ قسم کی یا آخرت میں منافقین کے لیے خطاب قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ الخ۔ کل آیات تیس سے کم تو بہر حال نہیں اور اگر مَكَرَ اللّٰهُ ـــــ خَادِعُهُمْ ـــــ اَكِيْدُ كَيْدًا وغیرہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو میزان کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ بدھ ازم وغیرہ سے متاثر ہو کر جس طرح غصہ اور جذبہ جنس دونوں کو معیوب سمجھ لیا گیا ہے اور بزرگ کی تصویر ذہنوں میں یہ جم گئی ہے کہ وہ کسی حال میں نہ اشتعال قبول کریں نہ ان کی قوتِ مردانہ کبھی حرکت میں آئے اسی طرح طنز کو یکسر ایک غیر اسلامی فعل سمجھ لیا گیا ہے اسے صاف کرنے کی اور اس کے حدود و قیود بتانے کی بڑی ضرورت ہے۔

ہاں صاحب سورۂ مائدہ آیت وضو کی تفسیر میں قول جمہور کی تصدیق مزید میں، میں نے ۳، ۴ سطریں تاج کمپنی کو لکھ کر بھیجی تھیں کہ بڑھا دیں جواب آیا کہ اب کوئی صورت نہیں۔ میں نے پھر لکھا کہ جلد کے خاتمہ پر بہ طور ضمیمہ سہی جواب آیا کہ یہ بھی ممکن نہیں مجبوراً طبع ثانی

کا انتظار ہے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مراد ڈاکٹر انور افضال قریشی جو قیام پاکستان سے پہلے عثمانیہ یونیورسٹی میں صدر شعبۂ معاشیات تھے۔

(۲) ڈاکٹر صاحب کی کتاب اسلام اور سود کے عنوان سے بڑی کتاب جس میں انھوں نے دکھایا تھا کہ بغیر سود کے سارے کاروبار ممکن ہیں یہ کتاب مکتوب الیہ دیکھنا چاہتے تھے یہ ریویو کے لیے مولانا کے پاس آئی تھی۔

(۳) مراد دارالمصنفین کے منیجر صاحب۔

(۴) بسلسلۂ ردعقائد جماعت اسلامی۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ر جون ۱۹۵۶ء

برادرم! السلام علیکم

صدق کے ایک تازہ نوٹ 'خارجیت کی جارحیت' کو دیوبند والوں نے اپنی تائید میں اشتہار بنا کر آب و تاب سے شائع کیا۔ اور ایک اصلاحی مودودی کا استخانہ میرے پاس آیا ہے کہ یہ کیا جذبات جو ٹھنڈے پڑے تھے آپ کے اس نوٹ نے انھیں پھر بھڑکا دیا۔ اب کیا لکھوں سوائے اس کے از مذہب من گبرد مسلمان گلہ دارد۔ اب خیال آیا کہ آپ نے کسی خط میں سوال بیدی مثنوی کے متعلق کیا تھا۔ اوّل و ششم ان دونوں دفتروں کی شرح خود حضرتؒ کے قلم سے ہے اور میرے پاس موجود ہے۔ باقی دفتروں کی حضرت کی زبان سے سُنی

ہوئی حبیبی اور شبیری کے نام سے[1] ولوی حبیب احمد کیرانوی اور مولوی شبیر علی صاحب کے قلم ہے۔ ان کا ایک معقول حصہ میرے پاس ہے۔ مکمل تو شاید شائع ہوا بھی نہیں۔

مقرب قادیان سے بھی عتاب نامہ آتا ہوگا۔ ادھر وہ لوگ بہت مہربان ہو گئے تھے الفضل[2] وغیرہ جاری کر دیا تھا۔

بھائی صاحب بے چارے[3] ادھر بیمار رہنے لگے ہیں۔ بیماری بڑی نہ سہی پھر بھی برابر چلے جانا اندیشہ سے خالی نہیں۔

یہاں کے کاروباری لوگ جو کلکتہ میں مقیم ہیں[4] ان بے چاروں کی عرصے سے فرمائش چلی آرہی تھی۔ اب آئندہ ہفتہ اس کا پروگرام بنا رہا ہوں۔ ہاشم سلیمہ وغیرہ کی ایک چھوٹی سی پارٹی ساتھ ہوگی۔ پورے دو دن تو آمد و رفت کے ہوئے۔ ۶ دن قیام انشاء اللہ بڑی کشش نیشنل لائبریری (سابق امپیریل) کی ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) جماعت اسلامی کے بارے میں۔

(۲) مراد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔

(۳) قادیانی حضرات کی کتاب پر مخالفانہ ریویو کی وجہ سے۔

(۴) قادیانی جماعت کا ترجمان۔

(۵) مولانا کے برادر بزرگ مولوی ڈپٹی عبدالمجید صاحب مکتوب الیہ سے ان کے بڑے ہی مخلصانہ تعلقات تھے۔

(۶) حاجی عبدالقیوم صاحب انصاری محمد امین اور اُن کے چچازاد بھائی احمد ترمان صاحب یہ لوگ ہوٹل کا کاروبار کرتے تھے۔

(۷) خاکسار مترجم۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۲ر جون ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

اکبرنامہ شائع ہوگیا۔[1] اب کی بھی وہی صورت نذر کی ہے یعنی آپ کے اور ڈاکٹر صاحب[2] کے لیے ایک مشترک پیش کش۔ آپ کے نام کا نسخہ دفتر صدق میں رکھا ہوا ہے۔ جب اور جس وقت جی چاہے منگوا لیجئے۔ اور ڈاکٹر صاحب کو بھی آپ ہی مطلع کریں۔ کلکتہ کا پتہ بذریعہ اسلامیہ ہوٹل زکریا اسٹریٹ رہے گا۔[3] اکبرنامہ کی رسید ممکن ہے آپ جلد لکھنا چاہیں اس لیے یہ گذارش ہے۔

کل یہ ناتمام خط یہاں تک پہنچا تھا کہ ڈاک کا وقت ہوگیا۔ شام کو عنایت نامہ مل گیا تھا۔ اس میں آپ نے خوب یاد دلایا۔ اس کی ضرورت تو اپنے لیے بھی تھی۔ مولانا گیلانی کا خط ابھی نہیں آیا اب انشاء اللہ وطن پہ خیریت پہونچ گئے ہوں گے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مولانا کی اکبرالہ آبادی پر کتاب شائع کردہ فروغ اردو لکھنؤ۔

(۲) مراد ڈاکٹر حکیم عبدالعلی صاحب۔ مولانا علی میاں صاحب کے برادر مولانا اکبر۔

(۳) کلکتہ کے دوران قیام میں جہاں مولانا ایک دو روز میں جانے والے تھے۔ یہ ہوٹل حافظ عبدالجبار صاحب دریابادی نے قائم کیا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۵ جون ۱۹۵۴ء

برادرم! السلام علیکم

سفر عین وقت پر ملتوی کرنا پڑا۔ کچھ ایسی ہی خانگی قسم کی مجبوریاں پیش آگئیں[1]۔ کل تین تار معذرت کے روانہ کیے۔ بہرحال ارادہ رب ارادہ عبد پر غالب رہا۔ آپ کی فرمائش کی سعادت کی تعمیل بھی ہاتھ سے نکل گئی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) اس کی تفصیل مولانا نے اگلے خط میں خود بیان کی ہے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲ جولائی ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

کلکتہ والا کارڈ بھی یہاں آگیا[1]۔ دونوں ساتھ ہی پہنچے۔

التوا سفر کا ماجرا سنیے۔ پہلے تو گھر میں طبیعت خراب ہوئی[2]۔ کچھ ایسی زیادہ تو نہیں لیکن بہرحال ارادہ سفر میں حائل۔ پھر ہاشم کا بچہ عبدالرب سلمہٗ[3] بہت ہی شدید تپ میں دفعتہً مبتلا ہوگیا۔ ہذیانی کیفیت۔ صحت کامل اب بھی نہیں ہوئی۔ معًا اس کے بعد اس کی ماں زچگی کی عین حالت میں لرزہ و تپ اس کا سلسلہ اب تک قائم ہے اور خاصا تشویش ناک دعا ضرور فرمائیں اور نوزائیدہ بچی[4] کی جان کا تو اللہ حافظ ہے یہ سب لوگ لکھنؤ

ہیں ہیں ۔

التوا کو موقوفی ہی کے معنی میں سمجھئے ۔ ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ میاں ہاشم جن کی رفاقت لازمی ہے ان کی کوئی بڑی چھٹی جس میں ہفتہ عشرہ کا وقت کلکتہ کے لیے نکال سکیں زمانہ قریب میں نہیں ۔

ماہنامہ Voice of Islam کراچی میں حضرتؒ کا ترجمہ نکلنا شروع ہوا ہے کسی صغیر احمد بی اے ایل ایل بی کے قلم سے ۔ انگریزی میں مضمون بے جان سا ہو گیا ہے ۔ پھر بھی بعض انگریزی دانوں کے حق میں غنیمت ہے ۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کو اس وقت التوا سفر کا علم نہیں ہوا تھا اس لیے پہلی اطلاع پر انھوں نے مولانا کو کلکتے کے پتے پر خط لکھا کہ وہاں پہنچ گئے ہوں گے ۔

(۲) یعنی چچی صاحبہ مرحومہ ۔

(۳) اب ڈاکٹر عبدالرب محمد سلیم قدوائی لکچرر شعبۂ سیاست کشمیر ۔

(۴) ماشاءاللہ بچی خالدہ سلمہا راقم مرتب کی منجھلی لڑکی جس سے مولانا مرحوم کو بڑا تعلق تھا اب نو دو صاحب اولاد ہے ۔ امیٹھی ضلع لکھنؤ کے سابق تعلق دار خاندان کے عزیز حبیب الدین حیدر عرف طارق سے شادی ہوئی ۔

(۵) مراد حضرت اشرف علی تھانوی ۔

بسم اللہ

دریاباد
۵ر اگست ۱۹۵۲ء

برادرم! السلام علیکم

مضمون میں تو یقیناً آپ نے احتیاط رکھ لی ہوگی لیکن مکاتیب سلیمانی وہاں بھیج دینا تو خطرہ سے ہرگز خالی نہیں۔ کم سے کم سردست تو التوا ہی مناسب ہوگا ہاں ایسے خطوط ہوں جو ان جھگڑوں سے خالی ہوں تو ان کے بھیج دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور اپنے خطوط تو میں ہرگز کہیں چھپوانا نہیں چاہتا خدا معلوم کس وقت کس عالم میں کس کس کو کیا کیا لکھا۔ اندھا دھند سارے خط چھاپ دینے کا فتنہ بڑا سخت ہے[۲]۔ ان کی مدد سے جس فرشتے کو چاہیئے خبیث ثابت کیا جا سکتا ہے۔ محمد علی اور تھانوی[۳] کی ہر چیز میں پبلک میں لانے کا قائل نہیں چہ جائیکہ ہمہ شما کی تصوفی صدی کھلی ہوئی زندگی تو صرف رسولؐ کی تھی۔

آپ نے عرصہ ہوا دعائے قنوت پر سوال کیا تھا میں تو کوئی خاص نکتہ اس سے سمجھا نہیں۔ جو ظاہری معنی ہیں وہی لیتا ہوں۔ رہا عمل و عقیدہ میں غیر مطابقت تو وہ جیسی ساری زندگی میں ہے اس میں بھی ہے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا سے اس بارے میں مشورے چاہا تھا کہ ان کے نام جو مولانا سلیمان ندوی اور خود مولانا کے خطوط ہیں وہ چھپوالیں۔

(۲) یہی مولانا کا اصلی مذاق تھا۔

(۳) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی۔

بسم اللہ

دریاباد

۳۱ر اگست ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

کارڈ تو ۳، ۴ دن ہوئے مل گیا تھا۔ لفافہ عین انتظار میں اب وصول ہوا۔

ایک دن کے لیے الٰہ آباد گیا تھا۔ بھارتی اکیڈمی (سابق ہندوستانی اکیڈمی سے) اردو کے اخراج پر اپنی بھی مہر ثبت کرنے۔ ۸ مسلمان ممبروں میں سے کل تین آئے نئے نظام میں ۳۴، ۳۵ ممبروں میں اردو کے ½ ممبر کے لیے گنجائش باقی رہ گئی یعنی ایک نمائندہ دارالمصنفین کا رہنے گا اب تک دو تھے۔ اور صوبہ کی ہر یونیورسٹی سے ایک ایک نمائندہ آئے گا اس میں ممکن ہے کہ علی گڑھ سے کوئی نمائندہ کبھی اردو کا آجائے۔ نمائندے ضابطے سے اب صرف ہندی کے لیے آیا کریں گے لیکن خود ہندی کی تعریف میں اتنی لچک رکھ دی گئی ہے کہ برج بھاشا، کھڑی بولی اودھی کے ساتھ اردو بھی اس میں آجاتی ہے۔ خیر صفر محض کے مقابلے میں ½ ہی غنیمت معلوم ہوا۔

محمد علی[1] تو پہنچ گئی ہوگی (میری ملکیت اس لیے زائد کا پیار بدیتاً بھیج دینا آسان ہے)۔ بقیہ تفسیر وغیرہ تو دوسروں کی ملک ہو چکی اصل دشواری اس میں پڑتی ہے۔ بہرحال تفسیر کے سلسلے میں پھر عرض کروں گا۔ ابھی تو خود میری ہی کاپی نہیں آئی ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مولانا کی تصنیف مولانا محمد علی۔ ذاتی ڈائری۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۸ ستمبر ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

تفسیر کو محض نذر رہنے دیجئے۔ اس کی نیت کر چکا تھا اور آپ کی جو مالی حالت ہے ظاہر ہی ہے۔ بس زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے کہ اپنے حلقے میں آپ ذرا اشارہ کر دیں تو ممکن ہے کہ ایک آدھ خریدار نکل آئیں۔

دعاگو

عبدالماجد

۱۱ مکتوب الیہ نے تفسیر ماجدی کی قیمت پیش کرنا چاہی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۲ اکتوبر ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

۲۱ کی شام کو بنک ۵۰ روپے کا ڈرافٹ پچھلے مہینے کی رسید واپس ہے۔ منصب ہم نہ وصول کر سکیں گے۔ اس کی بنا رسید MEMO سے معلوم ہوگی جو ہمیں موصول ہوا ہے اور ہم ملفوف کرتے ہیں اس سلسلہ میں بجٹ غیر معمولی مورخہ ۵ اگست کے بموجب سارے منصبوں کا اجرا ہمارے لیے بند ہو گیا ہے۔ کمال درکمال محافظہ ہوگا اگر آپ تو بنک اس اطلاع دینے میں ۱½ مہینے سے زیادہ کا وقت صرف ہو گیا اور یہ MEMO لفافے کے اندر سے ندارد گویا وجہ بندش سرے سے نامعلوم۔

بہرحال الٹی سیدھی تحریر اکاؤنٹنٹ جنرل کو لکھ بھیجی ہے اور دو ایک صاحبان کو بھی لکھ دیا ہے۔ مہینوں سے قبل تو کسی تصفیہ کی صورت نہیں۔ صدق کی آمدنی پر عین اسی وقت زوال نہ آگیا ہوتا تو اس بندش کو بہ آسانی نباہے لیے جاتا اب بھی انشاءاللہ کچھ زیادہ دقت نہ ہوگی۔

کئی دن ہوئے کراچی کے ایک روزنامے میں ایک مراسلہ اردو زبان کی ترقی حیثیت پر تجدید تبلیغ سے ماخوذ دیکھا لکھنے والے سید نجمی، یہ نجمی یقیناً ندوی کی خرابی ہوگی۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) حیدرآباد اسٹیٹ بینک اس وقت تک اور اس کے بعد بھی کئی برس تک مولانا کی ماہوار پنشن منظور کردہ نظام حیدرآباد اسی بینک سے آتی رہی۔

(۲) ایجنٹوں کی نادہندگی اور پاکستان سے اخبار کی قیمت نہ وصول ہونے کی وجہ سے تنگ مدت کے لیے صدق کی اشاعت بند کر دی گئی تھی۔

(۳) مکتوب الیہ کی تصنیف۔

بسم اللہ

دریابار

۱۱ اکتوبر ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

آپ نے ایک کام کی بات خوب یاد دلائی یعنی دعا۔ اپنے لیے تو ہر کوئی گویا خود ہی کرتا ہے جائے کہ آپ کے حق میں آپ کا خط ملنے کے بعد رات کو پہلی بار دونوں کے حق میں گو برائے نام اور بے دلی سے۔

آپ پر سایہ فضل ہے، آپ کا معاملہ آسان ہے۔ میرا معاملہ اس سے کہیں زیادہ سخت

اصل حکم یا اس کی نقل تو اب تک آنکھوں کو لگانے کی بھی نہ ملی (بینک والوں کے اس ظلم صریح کی فریاد کس سے کی جائے) صرف ناظر یار جنگ اور میاں غوث کے خطوں سے استنباط کر کے یہ سمجھا ہوں کہ منصب دار سب الفط کر دیے گئے ہیں اور ان ہی کے پیٹ میں پنشن خوار بھی آگیا (میرے کاغذات میں سرکاری لفظ پنشن استعمال ہوتا رہا نہ کہ منصب) ۔ منصب داروں میں بھی ۶۰ سے اوپر عمر والوں کے لیے استثنا موجود ہے اور میں استثنا میں بھی بہ خوبی آجاتا ہوں میں ۶۲ کا ہوں۔

آپ نے اس تفسیری حاشیے کی طرف بھی خوب توجہ دلادی میں نے نکال کر دیکھا تو واقعی میری عبارت کی کئی سطریں غائب تھیں۔ میں نے مطبوعہ عبارت لکھنے کے بعد لکھا تھا کہ اگرچہ مذہب صحیح و برحق یہی پیر دھونے کا ہے لیکن جن لوگوں نے دوسری قرأت جر کے ساتھ پڑھ کر مسح کو کافی سمجھا ہے۔ گنجائش ان کے لیے بھی ہے۔ چنانچہ آئمہ تفسیر میں سے ابن جریر طبری اسی طرف گئے ہیں اور صحابہ و تابعین میں سے ابن عباس رضؓ، انس بن مالک رضؓ اور عکرمہ اور شعبی کا بھی یہی مذہب منقول ہے آگے مسلسل عبارتیں درج تھیں پھر یہ تھا کہ عملاً دونوں مذہبوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں اس لیے کہ جو مسح کے قائل ہیں وہ مسح جرابی کے نہیں مسح کلی کے قائل ہیں چنانچہ ابن جریر نے الخ ۔

یہ ساری عبارت ۱۵ - ۲۰ سطروں کی یکسر غائب۔

بعد کو شروع سال میں آپ کے توجہ دلانے پر میں نے چند سطریں اور لکھ بھیجی تھیں یوں جمہور کے اس مذہب ضعیف کے جواب میں امور ذیل پیش کیے جا سکتے ہیں اس سے مذہب جمہور کی تقویت مزید ہو گئی تھی اور تاج صاحب نے مجھے جواب میں لکھ بھیجا تھا کہ کتابت بلکہ طباعت ہو چکی اب کسی ترمیم کی گنجائش نہیں۔ یہ راز تو اب جا کر کھلا سورۂ نساء کی آیت وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا کے حاشیے میں حذف و اسقاط ہے بلکہ صریح ترمیم کی مثال جلد اول میں پیش آچکی تھی یہ دوسری ہوئی اور کیا عجب کہ اور بھی جا بجا ہو۔ میں لفظ بہ لفظ تو مسودے سے

ملانے سے رہا۔ یہ ساری کارگزاری مصلح صاحب کی معلوم ہوتی ہے۔ متشدد دیوبندی ہیں۔ ایک خط میں مجھے لکھا تھا کہ میں محمد ق اور آپ کی تفسیر دونوں کا معتقد تھا لیکن صدق میں قادیانیت نوازی دیکھ کر میں نے خریداری بند کر دی۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) مراد مولانا فضل اللہ صاحب استاد شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد جن سے مکتوب الیہ کے بڑے تعلقات تھے۔

(۲) یہ معاملہ وہی پنشن کی بندش کا۔

(۳) حیدرآباد ہائی کورٹ کے جج اور مولانا کے ہم زلف۔

(۴) مولانا کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی کے صاحبزادے محی الدین حسن قادری رزاقی۔

(۵) یہ حاشیہ سورۃ مائدہ میں۔

(۶) شیخ عنایت اللہ صاحب تاج کمپنی لاہور۔

بسم اللہ

دریاباد
۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

سوال میرے طرف کا نہیں معذوری و بے بسی کا ہے۔ تحریف کا علم تو چھپنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ پھر اب مصنف غریب کے پاس چارہ بھی کیا رہ جاتا ہے سوائے اس کے ایک شکایت نامہ لکھ بھیجے اور اس کے بعد اپنے اخبار میں اس کا اعلان کر دے یہی دونوں صورتیں اختیار کروں گا۔

میرا وہ "سابق شاہی وظیفہ" تو اکتوبر ۱۹۵۰ء میں یک لخت بند ہو گیا تھا۔ آٹھ مہینے کی لکھا پڑھی دوڑ دھوپ کے بعد وزیر تعلیم کی موکد و مسلسل سفارشوں اور خود وزیر اعظم ہند کی تحریک پر جون ۱۹۵۱ء سے بجائے دو سو کے ایک سو پچیس کی پنشن غیر مشروط جاری ہوئی۔ فنانس کے مراسلے میں لفظ پنشن تین بار صراحتاً آیا ہے اور خزانہ اس وقت سے ایصال رقم بھی پنشن ہی کی رسید پر کرتا رہا ہے۔ رہی عمر تو اس کا کیا ثبوت پیش کروں ہائی اسکول کا سرٹیفکٹ اب کہاں محفوظ انٹرمیڈیٹ میں عمر کا خانہ ہوتا نہیں۔ لے دے کر وہی صدق دیہ کی کاپیاں جس میں بارہا اپنی عمر کا اعلان کر چکا ہوں۔ اس ثبوت کو کوئی سرکاری دفتر مانے گا؟ بہر حال ایک خط اس مضمون کا فنانس کو بھیج دینا ہے خط کا مسودہ ٹائپ کے لیے لکھنؤ بھیجا ہے اور اب دیکھیے جب ٹائپ ہو کر لوٹے۔

۱۹ اکتوبر۔

کل شام کو دوسرا عنایت نامہ ملا آپ اپنے ہی معاملے کو دیکھ لیجئے۔ انگریزی دور میں بعلایہ "گم ہو جانے" کا عذر کسی کے خیال میں بھی آ سکتا تھا۔ اب بے تکلف یہ عذر ہر دفتر میں ایک مستقل عذر ہو گیا ہے۔ ایک مہینہ گویا آپ کا بالکل ضائع ہی ہو گیا کیسے کیسے ظالموں سے سابقہ نبا بنا پڑا ہے۔

باندہ میں ہمارے مسعود میاں بے چارے سخت علیل ہو گئے ہیں ان کی ہمشیر کل مضطرب روانہ ہوئی ہیں حالانکہ ایسے میں سفر کا بیتا بالکل نہ تھا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) تفسیر ماجدی میں طباعت کے وقت مصلح صاحب نے جو بھی عبارتیں بدل دی تھیں؛ ان پر مولانا کی خاموشی کو مکتوب الیہ نے مولانا کے طرف سے محمول کیا تھا۔

(۲) مراد مولانا ابوالکلام آزاد جنھوں نے اس معاملے میں بڑی دلچسپی لی۔ یہ دوڑ دھوپ

راقم مرتب نے کی۔ رفیع احمد قدوائی صاحب مرحوم نے بھی بڑی دلچسپی لی۔

(۳) صدق جدید کا نقش اوّل ہفتہ وار۔

(۴) صدق کا پیش رو پیچ۔

(۵) مکتوب الیہ کی پنشن حیدرآباد کی بند ہوگئی تھی۔

(۶) مولانا کی بیگم کے بڑے بھائی۔

(۷) چچی صاحبہ مرحومہ۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ دسمبر ۱۹۵۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

جی ہاں حیدرآباد والے معاملے کا طے ہو جانا اس دور میں تمام تر ایک تائید غیبی ہے۔

سوانح قاسمی کمال اشتیاق کے باوجود کہیں آٹھ دس دن میں ختم کر پایا وقت آخر کہاں سے لاتا ——— ہمارے مولانا گیلانی پر جذب تو معمول سے کچھ زیادہ ہی نظر آیا اور دماغ تو خاص یورپین طرز کا ہے ہی۔ کہاں کہاں سے قیاس آرائی اور استنباط کر کے بات کہاں سے کہاں پہنچادی ہے۔ مولانا طیب کے حاشیے سوائے ایک دو مقامات کے عموماً بہت سنبھلے ہوئے اور متوازن ہیں۔ حضرت قاسم کے سارے کمالات اور کرامات کو تسلیم کرنے کے بعد دعوی بائے حکیم الامت!

ریویو کے جلد نکلنے کا کیا امکان ——— ایک دو نہیں بیسیوں کتابیں ہیں بعض ۶،۶ ماہ قبل کی آئی ہوئی پڑی ہیں اور بعض اہمیت میں بھی کم نہیں۔

۲۹ر دسمبر کو انشاء اللہ لکھنؤ میں ہوں گا اور سہ پہر کو خالی ۴ بجے کے بعد۔ آپکی تشریف آوری کا منتظر رہوں گا بشرط بلا زحمت۔ انتقال وظیفہ پر بھی زبانی گفتگو ہوگی۔ آپ نے اپنے لیے جو تحریک کی تھی اس کی نقل پڑی رہ گئی ہو تو اس سے بھی مستفید ہوں گا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی پنشن کا اجراء ہو جانا۔

(۲) یعنی کہ مولانا کی پنشن بھی حیدرآباد سے لکھنؤ منتقل ہو جائے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۱ر فروری ۱۹۵۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

آپ کی کتاب کے لیے پرسوں سے وقت نکالا۔ دونوں دن ۶۰ - ۶۰ صفحے دیکھ گیا اب کوئی نصف باقی رہ گئی ہے انشاء اللہ آج اور کل میں پوری ہو جائے گی اور دفتر صدق میں انشاء اللہ دوشنبہ کی صبح پہنچ جائے گی یہ کارڈ آپ کے اطمینان اور اطلاع کے لیے ہے۔

اب تک کوئی بات کہنے کے قابل نہیں ہے۔

آپ کے اصل دعوے ۱۹۵۵ء سے میں ستّر فی صدی تو نہیں البتہ ۷۰ - ۷۵ فی صدی متفق ہوں یعنی قرآن نے اصل زور اتفاق پر دیا ہے نہ کہ کسب مال پر۔ باقی ایک ثانوی درجے میں قرآن مطلق مال کو بھی محل انعام میں لایا ہے تو کسی بامعنی و بین وغیرہ متعدد آیات ہیں نیز قصہ سلیمانی و ایوب، ذوالقرنین وغیرہ ہیں۔ بہرحال جو اس وقت مال پرستی کا فتنہ چلا ہوا ہے اس کے مقابلے میں یہ تھوڑی سی زیادتی ہر طرح گوارا ہے۔ یہ کارڈ لکھ چکا تھا کہ والا نامہ ملا۔

کوئی بات فوری جواب طلب نظر نہ آئی۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ
عبدالماجد

(۱) یعنی تجدید معاشیات۔

بسم اللہ

دریاباد
۱۰ مارچ ۱۹۵۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

مُفرّ آپ نے بنکی میں بہت خوب تلاش کر لیا[1]۔ دریاباد سے قریب تر ہو گئے۔ لکھنؤ سے بھی دور نہ ہونے پائے۔ میں ڈر رہا تھا کہ خدا معلوم کہاں آپ چلے جائیں۔

اب انشاء اللہ کسی دن کھڑی سوارق بنکی آؤں گا۔ اہل و عیال بدستور لکھنؤ میں ہیں؟ آمد و رفت لکھنؤ کا کوئی دن ہفتے میں یا کچھ تاریخیں مہینے میں متعین ہو جائیں تو شاید اور زیادہ سہولت رہے۔

آپ نے مولانا گیلانی کو وہ خط خوب لکھ دیا تھا۔ یہ بڑا بوجھ ہلکا ہو گیا اس کے بعد پھر میں نے بھی کچھ لکھ دینے کی ہمت کی آپ کو شکریہ کا کارڈ کئی دن ہوئے لکھ چکا ہوں۔

میرے پاس دو ذمہ دار شخصیتوں کے خط تسلی کے آ گئے۔ مولانا بے چارے کی بے اطمینانی طبعی کیفیت کا نتیجہ ہے۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ اس زمانے میں بعض خانگی الجھنوں کی وجہ سے بنکی نواح شہر بارہ بنکی منتقل ہو گئے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ مارچ ۱۹۵۵ء

برادرم! السلام علیکم

۱۸،۱۷ کے کارڈ کل شام ایک ساتھ ملے خدا کرے اب بالکل صحت ہوگئی ہو کل ہی صبح ایک کارڈ آپ کو لکھ چکا تھا۔

دیوہ[1] کو سفر پاکستان سے تعلق ذرہ برابر نہ تھا۔ آپ میرے پروگرام وغیرہ کے بارے میں روایت صرف میری ہی بیان کی ہوئی قبول فرمایا کریں۔ میرا پروگرام جنکی کایا دیوہ کا قطعی ہوتا تو میں خود ہی آپ کو مطلع کرتا۔

اس وقت تک تو سفر پاکستان بالکل فسخ کر چکا تھا۔ دو دو خط معذرت کے لکھ چکا تھا۔ ایک دہلی میں بائی کمشنر، دوسرا براہ راست کراچی ارادہ از سر نو ابھی پرسوں قائم کیا۔ کراچی سے دو، دو لمبے تار آنے کے بعد[2]۔

اب چھوٹے سے چھوٹے سفر ہی سے طبیعت اکتانے لگی ہے چہ جائیکہ اتنا لمبا سفر۔ بس دعا ہی فرمائیں۔ ۲½ دن کا قیام لاہور اور ۸ دن کا کراچی میں واپسی بحری راستے سے[3]۔

منٹو[4] کے سلسلے میں جو کچھ عرض کیا تھا اس کے جواب میں گرما گرم مضمون پاکستان میں نکل رہے ہیں کہ یہ لکھنے والا وہی ہے جس نے رات کو چھپ کر سنیما دیکھا تھا[5] یہ وہی ہے جس نے دوست کی بیوی کو سبز باغ دکھا کر پھر طلاق دے دی تھی[6] وغیرہا۔

سیدھی سے سیدھی بات ذرا زبان سے نکال کر دیکھیے تو اکبر مرحوم کا کلام اور مولانا محمد علی مرحوم کی زندگی قدم قدم پر یاد آتی ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) ویوہ ضلع بارہ بنکی میں کی شہرت حاجی وارث علی شاہ کے مزار کے باعث ہے۔

(۲) یہ سفر اس وقت کے گورنر جنرل پاکستان ملک غلام محمد کی دعوت پر مولانا نے اپریل ۵۵ء میں کیا تھا۔ "خاکسار مرتب بھی ان کے ہمراہ تھا"۔

(۳) لیکن واپسی دہلی ٹرین سے ہوئی براہ امرتسر

(۴) اردو کے ترقی پسند اور فحاش افسانہ نگار سعادت حسن منٹو مولانا مرحوم نے اس کے بارہ میں صدق میں لکھا تھا۔

(۵) مولانا نے لمبے لمبے وقفے کے بعد دو ایک فلمیں دیکھیں تھی اور ایک کا ذکر صدق میں بھی کیا تھا اور اپنے مضمون میں اس کی برائی ناظرین کے ذہن نشین کی تھی۔

(۶) مولانا مرحوم نے عقد ثانی کیا تھا اور پھر طبیعت کی عدم مناسبت کی وجہ سے طلاق دے دی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۸ مارچ ۱۹۵۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

کئی دن ہوئے آپ کو دو خط لکھے تھے ایک لکھنؤ کے پتے پر ایک بنکی کے پتے پر۔ ایک کارڈ میں عرض کیا تھا کہ میرے متعلق روایتیں میری ہی زبان سے سن کر یقین کیا کیجیے نہ کہ کسی عزیز وغیرہ کی زبان سے سن کر۔ نیز یہ کہ سفر ویوہ نہ سفر پاکستان کی پہلی منزل تھی نہ دوسری منزل۔ دونوں میں کسی قسم کا کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ آپ کے خط میں کوئی ذکر نہیں۔ خیال یہی ہوتا ہے کہ دونوں کارڈ نہیں پہنچے۔ انا للہ۔

جی ہاں کوشش تو یہی ہے کہ صدق اپنے وقت پر کسی طرح نکلے جائے آگے اللہ مالک ہے۔

غلام محمد سلمہ حیدرآبادی[۱] خدا معلوم آپ کے ورود کے بھی کس بنا پر متوقع ہیں۔

لکھنؤ انشاء اللہ ۳۱ر (جمعرات) کی دوپہر کو پہنچ جاؤں گا اور جی یہ چاہتا ہے کہ سہ پہر کو آپ کی عیادت کو پہنچ جاؤں لیکن دیکھیے۔ باقی آپ کی نقل و حرکت کا کوئی سوال ہی نہیں لکھنؤ سے روانگی جمعہ کو پونے تین پر ہے لاہور قیام ۳، ۴، ۵ کو ۶ کو صبح روانگی، کراچی میں قیام ۷ تا ۱۵ اپریل خیال یہ تھا کہ واپسی براہ بمبئی سمندری جہاز سے رکھوں اب معلوم ہوا کہ ۱۵ بلکہ ۱۶ کو بھی جہاز نہ مل سکے گا اس لیے اب مجبوراً دہلی لاہور کا راستہ رکھ رہا ہوں۔ ایک دن قیام لاہور کا اور مل جائے گا۔ لاہور میں اپنا ارادہ تو ڈاکٹر میجر خلیل الرحمن صدیقی کے ہاں ٹھہرنے کا ہے گو بائی کمشنر کے ہاں سے اجمالی اطلاع ملی ہے کہ شاید سرکاری انتظام ڈپٹی کمشنر کے ذریعے ہو بہرصورت ڈاک کا پتہ بذریعہ پوسٹ ماسٹر لاہور کینٹ رہے گا۔

ایک خاصا قافلہ آدمیوں کا ہوگا۔ میاں بیوی اور میاں ہاشم سلمہ بطور سکریٹری کے۔ بیسیوں کیا معنی پچاسوں سیکڑوں ملنے والوں سے وقت مقرر کرانے اور ساری دیکھ بھال کے لیے ان کا ساتھ لازمی ہے اور میاں درگاہی کا۔

لکھنؤ واپسی کی آخری تاریخ ۲۰ اپریل رکھی ہے تاکہ دریاباد ۲۷ شعبان کی شام تک ضرور پہنچ جاؤں۔ کام کا وہ انبار کے دن میں صاف کرنا ہوگا اس کے تصور سے سہما جاتا ہوں۔

لیجیے ایک ضروری بات رہی جاتی ہے۔ یہ آپ خلیفۃ اللہ کے تعطل رائے و ارادے پر جو اتنا زور دیا کرتے ہیں اس پر قرآن اور سنت سے کیا دلیل ہے؟ استفادہ کے لیے سوال کر رہا ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

[۱] حضرت سید صاحب کے مسترشد اور مولانا مرحوم اور مکتوب الیہ دونوں کے معتقد۔

(۲) مولانا مرحوم کی بیوی کے ایک بڑے مخلص عزیز۔
(۳) یہ محمد معین کارکن صدق کا عزف ہے۔ یہ بھی بڑے مخلص اور کارگزار شخص ہیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۹ اپریل ۱۹۵۵ء

برادرم! السلام علیکم

گھر[۱] پہنچ کر بہت چاہا کہ مراسلت میں سبقت میں ہی کروں کسی طرح ممکن نہ ہوا۔ اخبار کا ڈھیر ۵، ۶ سو سے کیا کم ہوگا۔ رسالے بھی ۲۵، ۳۰ کی تعداد میں اور کتابیں چھوٹی بڑی میرے ساتھ آنے والی تعداد میں ۸۵ پہلے کی رکھی ہوئی اور ہر دوسرے تیسرے ڈاک سے آتی رہتی ہیں۔

سفر دو ایک تکلیفوں کو چھوڑ کر بحیثیت مجموعی آرام دہ، دلچسپ اور بڑا سبق آموز رہا۔ روداد صدق کے ۵ نمبروں سے کم میں نہ آئے گی[۲]۔ اور پھر بھی بہت سی گفتنی ناگفتنی ہی رہ جائے گی۔ الحمدللہ کہ پروگرام کی پابندی دن و تاریخ کیا معنی گاڑی کی بھی رہی۔

لاہور میں مولانا محمد حسن کی زیارت کو گیا اور بہت دیر تک باریاب رہا آپ ہی کا ذکر خیر رہا۔ حافظ جلیل احمد علی گڑھی[۳] سے بھی خوب ملاقاتیں ہوگئیں۔ دو کتابیں بھی ساتھ کر دی ہیں ایک حضرت کی مجددیت خاص آپ کے رنگ کی۔ لاہور میں مولانا طیب صاحب سے بھی سرسری ملاقات ہوگئی تھی اور کراچی میں مولانا ظفر احمد تھانوی[۴] سے۔ مولوی احتشام الحق صاحب کی زیارت پہلی بار ہوئی۔ بڑا اکرم کرتے رہے۔ سرکاری مہمانی لاہور اسٹیشن ہی سے شروع ہوگئی تھی پھر کراچی میں تو اس کا پورا زور رہا۔ سید صاحب[۵] کی قبر پر جاکر بڑا اثر پڑا۔ دارالمصنفین کی خدمت تھوڑی بہت بن پڑ گئی مولوی صباح الدین ٹھہرے ہی ہوئے تھے۔

سیاسیات سے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ الگ رکھا۔ لوگوں کو ناخوش

لرکے۔ ملاقاتیوں کی کوئی حد ہی نہ تھی اور دعوتیں کھاتے کھاتے تو تھک گیا ہاشم سلمہ کو سکریٹری بنا کر لے جانا بہت کام آیا۔ دن بھر فون آتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی آدھی رات کو بھی۔ ملک کی عام کیفیت بالکل حیدر آباد کی سی نظر آئی ہر شخص دوسروں پر لعن وطعن اور غیبتوں میں غرق بس اللہ ہی رحم کرے۔

ہاں خلیفہ عبدالحکیم آپ کو پوچھ رہے تھے۔ اب آپ سے جلد ملنے کی ظاہر ہے کیا صورت ہے۔ وہاں تک پہنچنے کی بھی صورت نہیں ہے۔ ایک دفعہ مولوی سراج الحق نے پتہ بتایا تھا تفصیل تو ذہن سے اس وقت نکل گئی اتنا یاد ہے کہ ہمت جواب دے گئی تھی۔

محتاج دعا

عبدالماجد

(۱) یعنی سفر پاکستان سے دریاباد واپسی پر۔

(۲) لیکن بعد میں یہ روداد اس سے کہیں زیادہ نمبروں میں آئی کم سے کم اس کی تگنی یا چوگنی تعداد میں۔ اور پھر یہ ڈھائی ہفتہ پاکستان میں کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئی۔

(۳) مولانا مفتی محمد حسن امرتسری حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک ممتاز خلیفہ۔

(۴) یہ بھی حضرت تھانوی کے خاص مرید تھے پہلے مستقل تھانہ بھون ہی میں رہتے تھے۔

(۵) حضرت مولانا تھانوی کے بھانجے اور ایک ممتاز عالم دین ان کا ۱۹۸۰ء میں انتقال ہوا۔

(۶) کراچی میں ہم لوگوں کا قیام گورنر ہاؤس میں رہا

(۷) اسمبلی میجر دارالمصنفین اور موجودہ ناظم دارالمصنفین ومدیر معارف۔

(۸) پاکستان منتقل ہونے سے پہلے یہ عثمانیہ یونیورسٹی میں فلسفہ کے استاد تھے۔

(۹) حضرت مولانا تھانوی کے مسترشدانھوں نے مولانا سے انگریزی ترجمۂ قرآن کا بے حد اصرار کیا تھا۔ گویا وہی اس کے اصل محرک تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۵ر جون ۱۹۵۵ء

برادرم! السلام علیکم

پارسال کا ملتوی شدہ سفر کلکتہ انشاء اللہ اب پورا کرلینا ہے۔ پرسوں صبح روانہ ہوکر دس قیام کلکتہ اور چند گھنٹوں کا قیام جھاجھیں کرکے ۲۵ کی شب پر کو انشاء اللہ دریاباد واپس آجاؤں گا۔ پروگرام بنے ہوئے تو عرصہ ہوچکا تھا اب خیال آیا کہ آپ نے پارسال چوڑے متھ کے تھماس کی فرمائش کی تھی اگر ضرورت اب بھی باقی ہو یا تو خط مجھے امینیہ ہوٹل زکریا اسٹریٹ کلکتہ کے پتے پر ڈال دیجئے یا پھر لکھنؤ ہی میں ہاشم سلمہ سے مل کر کہہ دیجئے وہ حسب معمول ساتھ ہولیں گے۔ مولانا گیلانی کا مکتوب اس ہفتے آیا تھا بہ خیریت ہی سمجھنا چاہیے۔ دہلی ریڈیو نے سید صاحب کی کتابوں پر مجھ سے تبصرہ کرایا مگر افسوس ہے کہ ان کی کمزور ترین کتاب "حیات شبلی" ہے۔ داد تو دی لیکن یہ بھی کہنا پڑا کہ بہرحال کتاب ایک نوشتۂ سلیمانی ہے کوئی صحیفۂ سلیمانی تو ہے نہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) یہ سفر مولانا کے ہم وطن اور صاحب حیثیت تاجروں یعنی عبدالقیوم صاحب ان کے بھائی امین صاحب اور ان کے چچازاد بھائی احمد زماں صاحب کی دعوت پر تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ اگست ۵۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

اردو کا مختصر کارآمد لغت ذرا مشکل ہی سے ملے گا میرے پیش نظر نور اللغات (۴ ضخیم جلدوں میں) رہتی ہے۔ فرہنگ آصفیہ اب نایاب ہے ایک چھوٹا لغت طلبہ کے کام کا عزیز لکھنوی نے تیار کیا تھا غالباً، نیز اللغات میں نے دیکھا نہیں لیکن قیاساً کہتا ہوں کہ وہ آپ کے کام کا ہوگا آفتاب سلمہ کے ذریعے غالباً مل سکے۔

ایسی کون سی بات ہو سکتی ہے جس کا لکھنا آپ جیسے صاحب قلم کے لیے دشوار ہو بہرحال میری حاضری لکھنؤ ۲۰ سے قبل تو ہونا مشکل ہے اغلب ہے کہ ۲۳ کو ہو۔ آپ کو اطلاع کر دوں گا۔

میں کیا عرض کروں بڑی گستاخی ہوتی ہے لیکن آپ کے عفو و کرم پر اعتماد کر کے عرض کرتا ہوں کہ آپ کا نقطۂ آغاز (Starting point) ہی اس معاملے میں کچھ نظر آتا ہے اور اس سے نتائج غلط در غلط نکلتے چلے آتے ہیں۔ کوئی معرکہ رام یا راون سے کا یا حسینؓ و یزید کا پیش ہی نہ تھا جیسا کہ آپ کی تحریروں سے برابر مترشح ہوتا رہتا ہے۔ بلکہ کشمکش علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ نہ سہی معاویہؓ کے درمیان تھی میں اگر سیرت نگار سلیمان ہوتا تو یہ بات اس رنگ میں لکھتا کہ حالات تکوینی و تقدیری جب اجل صحابہ کی آویزش بلکہ مقاتلہ کو نہ روک سکے تو ندوئین بے چارے کس شمار میں ہیں۔ آخر زمانہ میں سید صاحب کو اختلاف اور شدید ترین اختلاف ایک ایسے رفیق کار کے ساتھ پیش آگیا جن کی رفاقت ضرب المثل تھی جو سید صاحب کے زمانے ہی کے ایک جونیر ندوی تھے اور اب ایک شیخ کے دونوں مرید بلکہ بڑے اور چھوٹے خلیفہ بھی تھے۔ خانگی پیچیدگیاں (مثلاً دونوں کے حرم محترم کی یکجائی)

اس آگ کو اور ہوا دینی۔ درمیان میں مصالحت اور مفاہمت کی صورتیں نکلیں باہم بڑے موکد عہد و پیماں ہوتے لیکن اس اتحاد کی عمر بھی بہت ناپائدار ثابت ہوتی۔ سید صاحب بددل ہو کر باہر رہنے کے بہانے ڈھونڈنے لگے اور آخر میں ایک دوسرے ملک میں جہاں صاحبزادی، داماد اور دوسرے اعزہ پہلے ہی سے موجود تھے اور دوسرے احباب کی بھی شرکت سے پناہ گزیں ہو کر دارالمصنفین سے یکسر قطع تعلق پر مجبور ہو گئے۔ اس ناخوش گوار واقعہ کی تفصیلات میں جانا نہ سیرت نگار کے لیے خوش گوار اور نہ اس سے ناظرین کو کسی نفع کی توقع۔ (آپ کے مضمون کہفی کی اشاعت انشاء اللہ اس نمبر سے شروع ہو جائیگی)

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) حکیم عبدالقوی کا گمراہ نام

(۲) مدیہ معارف کے سلیمان نمبر والے مکتوب الیہ کے مضمون کی اشاعت کے سلسلے میں

(۳) مکتوب الیہ نے رمضان حضرت شاہ وصی اللہ کے ساتھ اعظم گڑھ کے ایک غیر معروف گاؤں میں گزارا تھا اور اس کے بارے میں تاثرات چند روز ناف میں کے عنوان سے صدق میں بغرض اشاعت بھیجے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۵ ستمبر ۱۹۵۵ء

السلام علیکم

آپ کو ذرا مفصل لکھنے ہی کو تھا کہ آپ سبقت کر گئے۔

پہلے مشورہ کا شکریہ آپ دعا کرتے رہیں کچھ تھوڑی بہت کوشش تو صدق

اس پہلو کی بھی کرتا ہے۔ مزید توفیق اللہ عطا کرے اہلیت اور طبعی مناسبت بہرحال اپنا اثر رکھتی ہی ہیں۔

۲ - دوسرا مشورہ بھی یقیناً قابل غور اور توجہ ہے۔ آپ کی طرح ایک اور گروہ کا بھی خیال ہے۔ بہرحال میں نے اسے خوشی اور شکرگزاری کے ساتھ سُن لیا۔

اب اس خاکسار کی بھی سنئے:

پانی پتی مرید کے چندہ پیش کرنے کا جو واقعہ آپ نے لکھا ہے میں اس کی تہ تک نہ پہنچا اس کی پیش کش میں آخری منافی اخلاص کیا چیز تھی؟ اپنے مرشد کی رضا تو رسول کی رضا اور ہر بزرگ کی رضا کی طرح بین رضائے الٰہی میں داخل اور اس کے ماتحت ہے اس میں ریا کا پہلو کون سا ہے؟

سنیچر ۱۰ ستمبر کو صبح سویرے سے انشاء اللہ لکھنؤ میں موجود ہونا ہے اور آپ کے لیے اس سے ذرا کچھ منٹ اور ہٹ کر یعنی پونے آٹھ اور آٹھ کے درمیان آدھ گھنٹہ آپ کے لیے نکال رکھا ہے۔ جب کئی کئی کام اکٹھا ہو جاتے ہیں تو لکھنؤ کے لیے وقت نکال لیتا ہوں۔

معارف ۱۹۴۷ء کی جلد انشاء اللہ ساتھ لاؤں گا یہ کارڈ آپ کو ۱۰ کی دوپہر تک ملے گا اس میں جواب طلب باتیں صرف دو ہیں ان کا جواب اگر آپ سہ پہر کو ڈال دیں تو مجھے یہیں مل سکتا ہے۔

دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۱ ستمبر ۱۹۵۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

خط لکھنے ہی کو تھا کہ آپ سبقت کر گئے۔ اتوار ۲۵ ستمبر کو موجود ہوں گا۔ دوپہر کو پہنچوں گا بے تکلف فارغ وقت تو وہی سہ پہر کا ہے لیکن احتمال قوی اس وقت دوسرے صاحبوں کے آجانے کا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ذرا قبل تکلیف کریں۔ میرے اندازہ میں ۵ سے قبل تو کوئی آئے گا نہیں۔ آپ براہ کرم ۲۵، ۳۰ منٹ قبل تشریف لے آئیں۔ انشاءاللہ رہوں گا ۲۶ کی صبح کو بھی لیکن اتنی دیر میں متعدد کام اندرونی و بیرونی دونوں قسم کے ہیں۔

گھر میں علیل زیادہ رہنے لگی ہیں۔ علاوہ اور شکایتوں کے بائی بلڈ پریشر بے مسلسل احتیاط اور دواؤں کے استعمال سے مرض دبا رہتا ہے ذرا بے احتیاطی ہوئی یا دواؤں کے استعمال میں غفلت ہوئی کہ پھر مرض نے دبا لیا۔ دعا میں ضرور یاد رکھیں۔ صدیق کے اس نمبر اور حکیم الامت دونوں کا تعلق دفتر ہی سے ہے۔ میاں آفتاب سے سب کہہ دیا تھا اب پرسوں سہ پہر کو ان کے آنے پر دریافت کروں گا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ اپنے تمام متعلقین کے لیے خاص طور اپنے تمام دوستوں اور ان کے عزیزوں کے لیے دعا کرتے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ نومبر ۱۹۵۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

جس درخواست کی تمہید پچھلے خط میں تھی وہ اس وقت پیش ہے۔

آپ کے اور غازی صاحب کے تعلقات اب جس نوبت کو پہنچ چکے ہیں وہ ہم نیازمندوں کے لیے بڑی ہی کوفت کے باعث ہیں اس لیے اب ہم مخلصوں (بہ صیغہ جمع اس لیے کہ میرے ساتھ کم سے کم دو صاحب اور بھی شریک ہیں) کی یہ متفقہ درخواست ہے کہ پچھلے واقعات پر خاک ڈال کر بس آپ دونوں صاحب اس طرح ہو جائیں کہ جیسے اچھے پڑوسی ہوتے ہیں۔ اور بدگمانیوں کو اللہ واسطے اور کچھ ہم نیازمندوں کی خاطر نکال ڈالیں۔ آپ کے ایک پچھلے خط میں بھیارہ کا اشارہ جس طرح تھا اس سے اندازہ ہوا کہ بات کتنی دور تک جا پہنچی ہے۔ معاذ اللہ۔

ہم وطنی، اشتراک مذہب اور اشتراک شیخ وغیرہ بے شمار اشتراکوں کے بعد مابہ الاختلاف کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

ایک طویل عریضہ لکھ کر ادھر سے امید افزا جواب منگا لیا ہے جب ہی یہ لکھنے کی ہمت ہوئی۔ اب معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اخلاص کامل پیدا ہونا ہرگز ضروری نہیں لیکن اتنی رنجشیں اور بدگمانیاں تو بہرحال ناقابل برداشت ہیں۔

ہمیشہ کا تجربہ ہے اور وہی اب بھی ہو رہا ہے کہ ہر فریق اپنے کو بے قصور اور دوسرے ہی کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ غازی صاحب کا بیان ہے کہ آپ ہی کے طرف سے انھیں ترک تعلق کا نوٹس پہنچا اور اس کے بعد جب انھوں نے اپنے حسب معمول آپ کے ہاں آنے اور ٹھہرنے کو لکھا تو آپ کے ہاں سے کوئی جواب نہ گیا۔ بہرحال آپ اس بحث میں

پڑے بغیر کہ کس کی طرف سے کیا ہوا ضرورت اس رنجش کو ختم کرنے کی ہے اور اس خوشگوار نتیجہ پر ڈاکٹر صاحب اور علی میاں جیسے صالحین کی دعائیں ملنی تو یقینی ہیں۔

مقدمہ کی خبر سے بڑی تکلیف ہوئی۔ اللہ ہر بھلے آدمی کو اس مصیبت سے بچائے مجھے تو صرف گواہ کی حیثیت سے دو چار تجربے ہوئے ہیں بس رو رو دیا ہوں۔ ہارنے والے کا ذکر نہیں جیتنے والے کا فشار ہو جاتا ہے ہر طرح کی پریشانی وزیر باری کے علاوہ جھوٹ تو قدم قدم پر چلتا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مولانا مسعود علی ندوی کا وطن۔

(۲) مولانا ہمیشہ اس پہلو پر زور دیتے تھے خواہ وہ افراد کا معاملہ ہو یا اسلامی فرقوں کا۔
ڈاکٹر عبدالعلی ندوی۔

بسم اللہ

دریاباد
۲۸ نومبر ۱۹۵۵ء

برادرم! السلام علیکم

آپ کا جواب میری درخواست پر بحمداللہ میری مرضی کے موافق آیا۔ خدا کرے اب عملی صورت میں بھی اس کا ظہور جلد سے جلد ہو۔

"تجدید نفسیات" بھی خوب نکلی۔ گو ابھی صرف چند ورق الٹ پلٹ کر دیکھ سکا ہوں ریویو کی نوبت کہیں مہینوں بعد آئے گی۔ خلاصہ تبصرہ ابھی اور پیشگی عرض کیے دیتا ہوں

مولانا گیلانی کی بہترین کتاب "اسلامی معاشیات"[۱] کا بہترین جواب، مہذب، شائستہ لیکن بہرحال جواب۔ ایک ہی حقیقت کے دو مختلف پہلو تبصرہ نگار کو دونوں سے بڑی حد تک اتفاق۔

میرے محسن اور آپ کے بھی دوست اور مداح ہوش بجارے[۲] دفعتہً چل بسے۔ ایک خط میں یہ لکھ کر آیا ہے کہ سبب موت ان کی تازہ کتاب مشاہدات بنی۔ جس میں رضا کار پارٹی پر شدید تلے تھے۔ واللہ اعلم یہ کیا راز ہے اور کچھ تفصیل نہ تھی۔ کتاب پر ریویو کئی ہفتے ہوئے لکھ چکا ہوں چھپنے کی گنجائش دیکھئے کب نکلتی ہے۔

حیات شبلی پر دہلی ریڈیو کی فرمائش پر ایک تقریر عرصہ ہوا لکھی تھی۔ سید صاحب[۳] کی خدمت میں کچھ گستاخیاں تھیں۔ اس لیے صدق میں چھاپنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اب اخبارات نے ریڈیو سے بالا بالا حاصل کر کے شائع کر دی۔ علی میاں نے خلاف توقع پسند کیا تو ذرا تامل کے بعد آپ کی خدمت میں بھیجنے کی ہمت کر رہا ہوں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مولوی مسعود صاحب سے مصالحت کرنے کے بارے میں۔

(۲) مکتوب الیہ کی ایک تصنیف۔

(۳) مراد ہوش یار جنگ جو مولانا کے بڑے مخلص دوستوں میں سے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۵ جنوری ۱۹۵۶ء

کرم گستر! وعلیکم السلام

مضمون پہنچ گیا۔ انشاء اللہ ۱/۱۰ میں جگہ نکالی جائے گی۔ ۹ مرتب ہو چکا تھا بر نمبر کے لیے ایک انبار مضامین کا نگار رہتا ہے۔

میں نے اس پمفلٹ کو گویا پڑھا ہی نہ تھا اس کے مضمون کا حال تو آپ کے جواب سے کھلا۔ مولوی حکیم محمد اسحٰق ندوی[۲] کا ایک بڑا طویل مضمون اس مسئلہ اسلام و حکومت کے سلسلے میں آیا ہے کم سے کم ۶، ۵ نمبروں میں آئے گا۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ ہو سکے تو اسے مختصر کیجئے تاکہ ۳ نمبروں میں آجائے۔ اختصار اگر کریں گے تو مناظرانہ رنگ خود بخود حذف ہو جائے گا۔

مولانا گیلانی کا تازہ مضمون "سید الملت" آپ کے پڑھنے کے قابل اسی ڈاک سے لفافے میں روانہ ہے خاکسار کے بحفاظت پہنچ جائے واپس فرما دیجئے گا۔

سوال ۔ خشیت اور تواضع میں کیا مبالغہ جائز ہے؟

ابن فارسی صاحب کا خط ملا آپ نے متعلق انھوں نے بھی ایسے ہی مخلصانہ اور دوستانہ جذبات کا اظہار کیا ہے جیسے آپ نے ان کے لیے کیے تھے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کی ایک تفسیر یہ بھی ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) صدق کا شمارہ نمبر ۱۰۔

(۲) دارالعلوم ندوہ کے ایک صاحب نظر استاد۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۵ر فروری ۱۹۵۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

القدیر صاحب کا والا نامہ مع میرے جواب کے حاضر ہے اصل خط واپس فرما دیجئے گا۔ چور کی ڈانٹ کوتوال پر پڑنے کی مثال اس سے زیادہ دلچسپ اور کیا ہوگی۔

"تجدید حاشیات" پر ریویو[1] خدا کے فضل سے لکھ توڑا لا ہے اب دیکھئے چھپنے کی نوبت کب آتی ہے بہر حال اب انتظار کی مدت مہینوں سے اتر کر ہفتوں تک تو آ ہی گئی ہے ہفتوں دنوں نہیں۔

میری منتقلی پنشن[2] کی درخواست کو ایک سال ہوگیا مہینوں جواب نہ ملا پھر اس دفتر سے اس دفتر کا چکر آخر ڈاکٹر ولی الدین کو درمیان میں ڈالا مہینوں ان بے چارے کو بھی ہاتھ پیر مارتے ہو گئے آخر میں انھوں نے لکھا کہ سب مرحلے طے ہو گئے ۳۱ر جنوری کو کاغذات روانہ ہو جائیں اب کل ۱۵ر فروری کو یہ خط ملا کہ آپ کا دستیقہ خزانہ عامرہ سے صدر محاسب جاتے میں کہیں غائب ہوگیا ہے اور باوجود تلاش اب تک نہیں مل سکا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) ایڈیٹر الرسالہ القدیر حیدرآباد۔ یہ رسالہ بریلوی خیال والوں کا تھا۔

(۲) استاد فلسفہ جامعہ عثمانیہ۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۹ فروری ۱۹۵۶ء برادرم! وعلیکم السلام

القدیر صاحب[1] کا دوسرا خط پہلے سے دو ڈھائی گنے ضخامت کا اور غیظ و غضب سے لبریز۔ میں تو خوب عادی ہو چکا ہوں۔ تکلیف اس سے ہوئی کہ وہ آپ پر بھی بہت برسے ہیں[2] اور پھر آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ یہ نجی خط ہے۔

۳ جنوری کا معارف ابھی نکال کر پھر دیکھا جی ہاں تعلیم محمدی سے تو یہ درس کچھ الگ سا ضرور[3] رہے لیکن اب اس کا کیا علاج کہ بڑے بڑے بھی یہی کہہ گئے ہیں نام کس کس کے لوں سارا صوفیانہ لٹریچر بھرا اسی تعلیم سے ہے۔

بہرحال عنقریب ہی انھیں خط میں توجہ دلاؤں گا۔

ہاں صاحب cross division کے لیے اردو اصطلاح کیا ہے کئی دن سے خیال کر رہا ہوں لفظ یاد نہیں پڑ رہا ہے اس کا جواب یاد کر کے ضرور لکھ دیجئے گا۔

جلسۂ تبلیغ سے متعلق آپ نے اشارۃً بھی اپنے ذکر سے روک دیا حالانکہ مجھے آسانی اسی میں رہتی خیر اب خود ہی ہلکا سا نوٹ نمبر[15] میں دے رہا ہوں۔

یہ خط لکھ ہی رہا تھا کہ حیدرآباد سے ایک صاحب کا خط خوب گرما گرم و بدزبانی میں ان کے پہلے خط سے بڑھا ہوا وصول ہوا۔ مجھ پر آپ پر دونوں پر خوب برسے ہیں۔ میاں نسیم کا بھی خط آپ کے حوالے سے وصول ہوا بے چارے نے تفصیلات دریافت کی ہیں۔

منتقلی کا کام الگ رہا پنشن ہی دو ماہ سے رکی ہوئی ہے یعنی دسمبر و جنوری کی۔

آج تاریخ تیسرے مہینے کی رسید بھیجنے کی ہے۔

'جغرافیہ قرآنی' تو آپ کو ضرور مل چکی ہوگی۔ آپ کے خط میں کچھ ذکر نہ تھا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) ایڈیٹر رسالہ القدیر حیدرآباد۔
(۲) معارف میں کوئی مضمون تصوف پر نکلا تھا۔
(۳) یعنی شاہ معین الدین صاحب ایڈیٹر معارف۔

بسم اللہ

دریاباد
۹ مارچ سنہ ۱۹۵۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

جی ہاں خدا خدا کر کے منتقلی وظیفہ کی منظوری تو آگئی۔ بے چارے ڈاکٹر ولی الدین کی مسلسل سعی و پیروی کے بعد۔ اب دیکھئے لکھنؤ کے مرحلے کب تک طے پاتے ہیں۔ پہلی بار تو اچھا خاصا بار طبیعت پر پڑے گا۔ فوٹو وغیرہ خدا معلوم کیا کیا لغویات اختیار کرنے پڑیں۔

جواہر لال کی ڈاک کے انبار کا بابہ والے اندازہ ہی نہیں کر سکتے اور پھر ملنے ملانے والوں کا بے پناہ ہجوم ــــ پرائیوٹ سکریٹری ایک نہیں تین تین ہیں جب بھی مشکل سے کام چل پاتا ہے بہرحال ڈاک سے تراشہ بھیجنے میں کوئی مضائقہ تو ہے نہیں گو قطعاً بے نتیجہ ہے۔

نمازی صاحب اس سے پہلے دہلی جا کر پنڈت جی سے دارالمصنفین کے کام اور امداد کے سلسلے میں ملنے والے ہیں لیکن جہاں اتنے کام آپڑیں وہاں اس قسم کی غیر ذاتی گزارشات کا بھلا کیا موقع رہ جاتا ہے میرا اپنا بھی یہی حال ہے۔ خدا معلوم کن کن موقعوں پر لحنا پڑتا ہے۔ مستثنیٰ اپنے تجربے میں صرف ایک محمد علی کو پایا ہے۔ ہاں آپ کو یہ لفظ خیر خواہی خوب ہاتھ لگا ہے۔ اجی حضرت دنیا اس کو اپنی عین بدخواہی اور توہین سمجھے ہوئے ہے۔

ہوئے۔

ادھر فیض آباد کے ایک بہت متقی بزرگ شاہ عبدالرحیم نقش بندی کی تعریف سننے میں آئی تھی ایک دن جاکر حاضری دے آیا۔ بیچارے اچھے خاصے ہیں لیکن حضرت تھانوی کے بعد اب کیا کیجئے کہ کوئی دل میں جمتا ہی نہیں۔ آپ نے بھی ان کو ضرور دیکھا ہوگا۔ مولانا حسین احمد کے ساتھ اکثر لکھنؤ کا سفر کیا ہے اور ڈاکٹر صاحب کے ہاں مقیم رہے ہیں۔[۳]

ادھر اپنے کچھ حالات لکھنے شروع کر دیے ہیں۔ زندگی میں تو اس آپ بیتی کے شائع کرنے کی ہمت ہو نہیں رہی ہے انشاءاللہ وارثوں کے ہاتھ میں مسودہ چھوڑ جاؤں گا آگے اللہ کو جو کچھ منظور ہے۔[۴]

والسلام

عبدالماجد

(۱) یعنی حیدرآباد کی پنشن لکھنؤ منتقل ہو گئی۔

(۲) مکتوب الیہ کی رائے تھی کہ صدق کے ایسے نوٹ جن کا تعلق حکومت ہند سے ہو پنڈت نہرو وزیراعظم کے پاس خط کے ساتھ مولانا بھیجا کریں۔

(۳) ڈاکٹر صاحب سے مراد ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء ہیں جنکے دولت خانے پر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمت اللہ علیہ لکھنؤ میں قیام فرماتے تھے۔

(۴) مولانا جو چاہتے تھے وہی بات ہوئی یعنی آپ بیتی ان کے انتقال کے بعد ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۸ مئی ۱۹۵۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

دونوں کارڈ مل گئے تھے۔ خانگی پریشانیاں ان کا جتنا بھی اندازہ بھائی صاحب کے خط سے ہو سکا واقعی بڑی قلق انگیز ہیں اور جسمانی بیماریوں سے بڑھ کر کوفت کا باعث۔ آپ ہی کا ظرف ہے جو اتنا بھی جھیل رہے ہیں میں تو برداشت ہی نہ کر سکتا بہت سوچتا رہا کہ میں کس طرح آپ کی خدمت کر سکتا ہوں سمجھ میں نہیں آیا بجز دعا کرنے کے اللہ ہر طرح آپ کو سکون خاطر عطا فرمائے۔

لکھنؤ انشاء اللہ ۳۱ کی شام کو پہنچوں گا بہت روز سے نہیں گیا ہوں بہت سے کام اکٹھے ہو گئے ہیں۔ تاہم آپ کی عیادت بھی ضروری ہے یکم جون کو (صبح یا سہ پہر) کسی وقت ضرور آپ کے ہاں کا وقت نکالنا ہے۔

شاہ وصی اللہ[1] کی ہجرت گورکھپور کی تفصیل تو لکھیے اتنا بھی آپ ہی کے خط سے معلوم ہوا۔

میں نے ایک لفافے میں مولوی محمد حنیف ندوی[2] کا مضمون سید صاحب پر رکھ دیا تھا محفوظ رہ گیا ہو تو اس کو واپس فرما دیجیے گا۔ اللہ آپ پر کامل و عاجل فضل فرمائے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) حضرت حکیم الامت کے خلیفہ اور مشہور شیخ طریقت۔

(۲) رکن ثقافت اسلامیہ لاہور۔

بسم اللہ

دریاباد
۳ جولائی ۱۹۵۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

پرسوں جمعرات کو لکھنؤ میں ہوں گا۔ انشاء اللہ ممکن ہے صبح ۸ بجے کے لگ بھگ آپ کے ہاں کھڑی سواری حاضری دے سکوں۔ دوپہر ہی کو واپسی ہے۔ ناشتہ ڈٹ کر کھائے ہوئے ہوں گا اس لیے آپ چائے وائے کا انتظام نہ کریں۔

حفیظ صاحب[1] کے بیان سے تو میں سمجھا تھا کہ وہ ۵۰ فی صد کامیاب واپس گئے[2] اب آپ نے تو کچھ اور ہی لکھا۔

حضرت گیلانی[3] سے شبانہ ملاقاتوں کی کچھ تفصیل آپ نے لکھی ہوتی تو مستفید ہوتا اس صورت میں تو میرے لیے معمہ ہی رہا۔

حضرت گیلانی پر مضمون آپ سے ضرور لکھواتا (معارف یا صدق کے لیے) لیکن آپ کی مسلسل علالت و انتشار طبع دیکھ کر کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں پاتا۔

شاہ وصی اللہ صاحب کیا اب گورکھپور مستقل طور پر منتقل ہو گئے ہیں۔ گورکھپور پہنچ جانا ہم لوگوں کے لیے آسان تر ہے اس کہف[4] کے مقابلے میں۔ گورکھپور کا پتہ تحریر فرمائیے گا۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) مولانا کے پرانے کلاس فیلو اور بے تکلف دوست اور مکتوب الیہ کے بھی دوست ڈاکٹر حفیظ سید جو الہ آباد یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے ریڈر شپ سے ریٹائر ہوئے۔

(۲) مکتوب الیہ کی خانگی پریشانیوں کو دور کرنے کے سلسلے میں۔

(۳) حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کا جون ۱۹۵۶ء میں انتقال ہوا تھا۔

(۴) فتح پور تال خیرآباد اعظم گڑھ کا ایک غیر معروف گاؤں جہاں گورکھپور منتقل ہونے سے پہلے مولانا شاہ وصی اللہ کا قیام تھا اور جہاں مکتوب الیہ کئی ہفتہ قیام کر چکے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۰ جولائی ۱۹۵۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

علی میاں سلمہ سے ملنے آنے کا خیال میں یوں بھی کر رہا تھا اب آپ کے فرمانے سے وہ ارادہ اور قوی ہو گیا انشاء اللہ اس وقت وہ لکھنؤ آ ہی گئے ہوں گے اور خدا کرے ابھی کچھ روز تک باہر نہ جائیں ان کے پروگرام کی خبر پاتے ہی لکھنؤ کا ارادہ کروں گا۔ آپ سے وہ گفتگو انھیں کے سامنے ٹھیک رہے گی۔

آپ کا سن ون تو غیر اصلی کوفت اور جسم کو گھلا دینے والی چیز آپ کی فانگی فکرمندیاں ہیں میں تو انکا خیال کر کے لرز جاتا ہوں۔ یہ ممکن کوشش ان کے دور ہونے کی ہونا چاہیے جس دن یہ کوفت دور ہو جائے آپ انشاء اللہ اپنی صحت جسمانی اور سکون خاطر دونوں میں نمایاں فرق پائیں گے۔ استعمال میں حتی الامکان مقعرات مثلاً ما واللام مصطفائی اور متفرقات مثلاً خمیرہ گاؤزبان عنبری جواہر والا بھی رکھیے ہاں خوب یاد پڑا لیکیم محمد مصطفےٰ مرحوم نے نیبو اور برہ ترشی کا استعمال کان کے لیے مضر بتایا ہے۔

آپ ماشاء اللہ مومن ہونے کے ساتھ ساتھ اہل کتاب ہیں اس دفعہ آپ کے ہاں حاضر ہو کر بڑی للچائی ہوئی نظر آپ کی کتابوں پر پڑی خصوصاً A Dictionary of Greek and Roman biography کی جلدوں پر وقت بالکل نہ تھا ورنہ دل بے اختیار یہ چاہ رہا تھا کہ گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے آپ کے کتب خانے میں بیٹھ جاؤں۔

والسلام
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۱۳ اگست ۱۹۵۶ء

برادرم! السلام علیکم

مضمون پڑھ لیا اور نمبر ۳۶ کے لفافہ مضامین میں رکھ دیا۔ البتہ دو نمبروں سے کم میں کسی طرح نہیں آسکتا۔

ہاں صاحب وہ آپ نے انگریزی کی دو جلدیں (یونانی و رومی تواریخ عمریاں) چند روز کے لیے عنایت کرنے کو فرمایا تھا اس کے بعد مجھے اس کا خیال نہ آیا اور آپ کے ذہن سے تو یقیناً اتر گیا اب آسان صورت یہ خیال میں آتی ہے کہ بھائی صاحب[2] جس روز آپ کے ہاں رکشے پر جائیں بس وہ کتابیں ان کے رکشے پر رکھا دیجیے اور اس کو کہیں خوب نوٹ کر لیجیے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) صدق کا نمبر ۳۶۔
(۲) مولانا کے برادر بزرگ مولوی عبدالمجید مرحوم ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر۔

دریاباد
۱۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

آپ کی والدہ ماجدہ مرحومہ و مغفورہ[1] کی تعزیت میں آپ کو کچھ لکھنا کسی نالقمان کو حکمت پڑھانا ہے ــــ بہرحال آپ خوش قسمت اور قابل رشک ہیں کہ اب تک آپ کو ان کی خدمت کا موقع ملتا رہا ــــ اور آپ کی مغفوریت کے لیے تنہا یہی عمل کافی ہو سکتا ہے۔
انشاءاللہ ۱۴ (اتوار) کو دوپہر سے ذرا قبل خاتون منزل پہنچ کر ظہر اور کھانے

سے فراغت کرنا ہے ۲ بجے انشاء اللہ نکلوں گا اور پہلے ڈالی گنج کے قبرستان میں مرحومہ کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر آپ کے ہاں حاضر ہو جاؤں گا۔ ۳½ بجے اجازت چاہوں گا ۴ بجے تک کونسل ہاؤس صوبہ حج کمیٹی کے لیے پہنچنا ہے۔ ابھی حاجی اصطفیٰ خاں[۳] کا خط پہنچا۔ کراچی سے آئے ہوئے ہیں کچھ نہ کچھ وقت انھیں دینا ہے قبل واپسی دریاباد۔

گھر میں علالت بڑھ گئی ہے آثار خدانخواستہ ضعف معدہ کے معلوم ہو رہے ہیں علاج لکھنؤ میں ہو رہا ہے دعا فرمائیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) یہ مرحومہ بڑی ہی مومنہ صالحہ تھیں حج میں مولانا کے ساتھ مکتوب الیہ اور ان کے والد کے ساتھ گئی تھیں۔

(۲) مالک فرم اصغر علی محمد علی مولانا کے مخلصین خصوصی میں سے۔

بسم اللہ

دریاباد۔

۲۵ دسمبر ۱۹۵۶ء

برادرم وعلیکم السلام

اس مضمون کی اگر گنجائش ہوتی تو میں خود ہی نہ لکھ دیتا۔ نہ لکھنے کے کھلے ہوئے معنی یہ تھے کہ گنجائش نہیں[۱]۔ جب آپ کا سا ذہین اور ذی فہم ایسے سوالات کر بیٹھتا ہے تو سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔

صدق ایک تو روزانہ نہیں ہفتہ وار پھر کتنی قلیل گنجائش اور کتنا ہجوم مضامین اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کشتی در چیدہ لاح در فرنگ[۲] یوم اشاعت سے پورا ایک ہفتے پہلے

مضامین وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ احباب سے توقع مجھے یہ رہتی ہے کہ خط بھیجنے کے کم از کم دس دن تک تو صدق کا انتظار کرلیں۔

ہر ہفتے ایسے تقاضے دو تین دن آتے رہتے ہیں کہ ابھی ہمارا مراسلہ یا اس سے متعلق کوئی نوٹ نہیں نکلا اور نہ ہی آپ نے کوئی جواب دیا ـــــ گویا دھمکا لیہ کہ ایک مرتبہ اخبار میں لکھوں اور اس سے قبل مراسلہ نگار کو اس کا یقین اور اطمینان بھی دلا دوں ـــــ اب کیا عرض کروں کہ اپنے دوستوں، مخلصوں قدر افزاؤں کے ہاتھ سے بھی کتنا تنگ رہتا ہوں اور کتابوں کے بارے میں تو کچھ پوچھیے نہیں ـــــ یہ فقرہ تو گویا تکیہ کلام ہو گیا کہ "صدق میں رائے تو حسب فرصت لکھتے رہیے گا"۔

آپ کے بھرا سلے پر یقین کریں سب سے پہلے توجہ دیتا ہوں۔ مولوی مکارم[1] بے چارے کی شکایت تو میں نے اشارۃً بھی نہیں کی تھی خدا معلوم آپکا ذہن ان کی طرف کیسے گیا۔ وہ خود ہی اتنے کثیر العیال ہیں کہ بساط سے زیادہ کیا کر سکتے ہیں میرے پاس تو بیوہ[2] کے ایک اور عزیز کا خط آیا تھا کہ ان بے چاری کی بڑی تنگی سے بسر ہو رہی ہے جو مولانا کی کتابوں کے ذریعے سے انتظام کرا دیتے اور میں نے بس اسی کا مشورہ آپ سے اور مولانا منظور سے چاہا تھا (وہ بھی آپ ہی کے ذریعے)۔

گھر میں ۲۳ دسمبر کو صبح میرے سامنے شدید دورہ کھانسی کا پڑ گیا تھا دس منٹ کے لیے ہم سب بدحواس ہو گئے تھے حکیم امین اور ڈاکٹر صاحب کو جلد سے جلد بلوایا خیر پھر افاقہ تو ہو گیا تھا اور جب ہی میں دریا بادؔ آ سکا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا مناظر احسن گیلانی کے منجھلے بھائی۔

(۲) مولانا مناظر احسن کی بیوہ۔

(۱) مولانا کے بھانجے۔
(۲) مراد ڈاکٹر عبدالعلی صاحب جو سارے گھر بھر کے معالج تھے۔

بسم اللہ
دریاباد
۱۵ر جولائی ۱۹۵۷ء

برادرم! وعلیکم السلام

خدا کرے اب آپ کے ہاں دونوں مریضوں کو شفا ہو رہی ہو۔
بھائی صاحب بیچارے کا ہر افاقہ وقتی اور عارضی ہی ثابت ہوتا ہے بس اللہ ہی فضل فرمائے۔
الحق کا وہ نوٹ بالکل ذہن میں نہیں اور پرچہ تلاش کرنا زحمت سے خالی نہیں۔
اب کی اتوار ۲۱ر جولائی کو نسبتہً فرصت ہے انشاءاللہ سب خیریت رہی تو سوچتا ہوں کہ بھیا رہ کی زیارت کر آؤں۔ پنجشنبہ دن کے دس بجے کے بعد پہنچوں گا اور ۶ بجے شام کو واپس روانہ ہو جاؤں۔ اسی ڈاک سے نازکی صاحب کو لکھے دیتا ہوں۔ کیا اچھا ہوتا اگر آپ کو بھی اسی دن فرصت و فراغ خاطر حاصل ہوتی۔
منشی صاحب متانی نے آپ کے طویل نوٹ کی نقل مجھے بھی مرحمت کی ہے۔ آپ کے فحوائے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی دوسری تحریریں اپنے مخالفین اور معترضین کے جواب میں اس سے مختلف ہی لب و لہجہ رکھتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو مجھ کو ان کی نشاندہی کیجیے ـــــ نئی اور پرانی کی بھی قید نہیں کسی زمانہ کی بھی ہوں اور زیادہ نہیں دو چار ہی سہی۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

۱۱۔ منشی عبدالرحمٰن خان ملتان نے مولانا تھانوی کی تصانیف پاکستان میں بڑے سلیقے سے شائع کی تھیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۲ اگست ۱۹۵۷ء

برادرم! السلام علیکم

۱۹ کا لکھا ہوا اور ۲۰ کا چلا ہوا کارڈ کل ملا۔ خدا کرے اب مزید افاقہ ہو گیا ہو۔ سفرنامہ پٹنہ و ملحقات ایک ہفتے کے بعد نکلنا شروع ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب کے نام کا تعزیت نامہ بھی انشاء اللہ صدق میں نکلے گا۔ میرا کارڈ مل گیا ہوگا۔

لاہور میں ایک عظیم الشان اسلامی، علمی و دینی کانفرنس آخر دسمبر اور شروع جنوری میں ایک عشرہ تک ہو رہی ہے ایران، انڈونیشیا، شام وغیرہ کے علاوہ ۷، ۸ آدمی ہندستان سے بھی مدعو ہیں۔ علی میاں، ڈاکٹر ولی الدین، یہ خاکسار، ڈاکٹر عبدالحق مدراس وغیرہم سرکاری دعوت نامہ ابھی نہیں آیا ہے۔ یہ نجی اطلاعیں ہیں۔

یہ عجیب لطیفہ ہے کہ جو شکایت منشی صاحب کے مکتوب سے پیدا ہوئی وہی بجنسہ آپ کے مراسلہ کی اشاعت سے انظر شاہ وغیرہ کو ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس سے اصل مقصد کو نقصان پہنچے گا۔ اور یہی خیال دیوبند والوں کا بھی ہے کہ اشاعت سے قبل خود ان کا بیان لینا تھا۔ ایسے ناقابل عمل مشورے ہر ہفتے ہی سننے پڑتے ہیں۔ جواب کا حق مولوی جمیل صاحب وغیرہ کو ظاہر ہے کہ اسی طرح ہے جیسے دیوبند والوں کو تھا۔

پھر یہ سنا ہے کہ منشی صاحب کے مکتوب کی زد اصل میں مولوی جمیل صاحب پر ہے نہ کہ مفتی صاحب پر۔

منشی صاحب نے یادِ آخرت کے پروف کے کچھ اوراق بھیجے ہیں آپ کے لیے انھیں انشاءاللہ پرسوں لکھنؤ لے جاؤں گا۔ شام کو آپ کے ہاں اگر آسکا تو لیتا آؤں گا ورنہ میاں آفتاب کے پاس چھوڑ آؤں گا۔

گھر میں علیل بہت زیادہ رہیں۔ اب افاقہ ہے۔ لکھنؤ میں زیرِ علاج ہیں۔ ۱۱ راتیں مسلسل لیٹنے سے محروم بیٹھے بیٹھے سو لیتی تھیں۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا نے ڈاکٹر ذاکر حسین گورنر بہار کی دعوت پر پٹنہ کا سفر کیا تھا اور انھی کے مہمان رہے تھے۔ اس کے علاوہ گیلانی، پھلواری شریف، نالندہ اور بہار شریف بھی گئے تھے۔

(۲) ڈاکٹر عبدالعلی کی بیگم صاحبہ کے انتقال پر۔

(۳) صدر پبلک سروس کمیشن مدراس، سابق پرووائس چانسلر مسلم یونیورسٹی یہ مولانا کے بڑے ہی مخلص تھے۔

مولانا تھانوی کا وعظ۔

بسم اللہ

دریاباد

۷ فروری ۵۸ء

برادرم! السلام علیکم

آپ سے دل بڑا شرمندہ ہے کہ مدتوں سے نیاز کا موقع ہی نہ ملا اور اس دن جو ملا بھی تو برائے نام تھا۔ لاہور جاتے ہی مولانا محمد حسن صاحب سے مل لیا تھا

ملاقات بحمداللہ بڑی تفصیلی رہی آپ کا بھی ذکر خیر رہا۔ دوبارہ حاضری کی نوبت تو نہ آئی اصل وجہ سواری کی تھی۔ البتہ مولانا ہی کے بھیجے ہوئے موٹر پر ان کے دونوں صاحبزادوں اور ایک صاحب فن معتقد کے ہمراہ جدید زیر تعمیر مدرسہ اشرف المدارس وغیرہ کی خوب سیر رہی ماشاءاللہ بڑا ہی وسیع رقبہ بے لوث و دق عالیشان مسجد، مدرسہ اور ساری عمارات متعلقہ ایک سے بڑھ کر ایک میں تو دنگ اور متحیر ہی رہ گیا کسی کا معاملہ ہے ریا نہ کیا بلکہ شاہانہ پیمانہ پر مدراس سے بہت ہی خوش آیا۔ ذاتی اور ملی دونوں حیثیتوں سے تفصیل رفتہ رفتہ صدق میں آئے گی اور ڈاکٹر عبدالحق صاحب تو ایک مثالی انسان نکلے۔

فاران کے یہ اوراق مجھے خاص طور سے مرحمت ہوئے ہیں ہر ایسے موقع پر مرحمت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ سرسری نظر جابجا سے کرلی ہے مقصد آپ کو صرف یہ دکھانا ہے کہ یہ وہی ملہر صاحب ہیں جو بنج کے خطوط میں میرے ساتھ اپنا کس درجے اخلاص ظاہر فرماتے رہتے ہیں۔ آپ کا بھی ذکر خیر مختصراً آگیا ہے۔

صوفی صاحب کا مضمون مولانا پر ملفوف ہے اسے واپس فرما دیجیے گا۔

انشاءاللہ ہفتے عشرہ کے اندر آپ ہی لوگوں سے ملنے سفر لکھنؤ کا وقت نکالوں گا۔ گھر میں ابھی باندے ہی میں ہیں۔ مرحوم کی والدہ کا حال بس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ خط ختم کرچکا تھا کہ قومی آواز میں تازہ مضمون نظر سے گزرا۔ ماشاءاللہ و بارک اللہ یہ تو پہلے سے بھی بڑھ کر رہا۔ مفہوم، انداز بیاں ہر پہلو اور ہر اعتبار سے نافع، قاطع، جامع۔

لاہور کے مذاکرہ میں جن صاحب نے آپ کو خاص طور پر پوچھا تھا ان کا نام اب یاد پڑا مولوی عادل گنگوہی سابق رکن دائرۃ المعارف۔

یوں آپ کا ذکر مولوی فضل قدیر ندوی، مولوی نورالحق ندوی، مولانا شفیع دیوبندی وغیرہ کئی صاحبوں سے رہا اور مدراس میں مولوی ابوالجلال سے۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) یہ سفر سیرت نبوی قرآن کی روشنی میں پر لکچر دینے کے لیے ہوا تھا وہاں بلانے میں ڈاکٹر عبدالحق پیش پیش تھے۔

(۲) جب فاران میں ماہر صاحب کا کوئی مضمون مولانا کے خلاف ہوتا۔

(۳) صوفی نذیر احمد صاحب کشمیری۔ صدیقی کے مراسلہ نگار۔

(۴) خان بہادر شیخ مسعود الزماں صاحب بار ایٹ لا جن کا انتقال جنوری میں ہوا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۳ مارچ ۵۸ء

برادرم! وعلیکم السلام

اس روز کی بابت آپ کو اطلاع ادھوری ملی۔ میں باندے جا رہا تھا ڈھائی بجے گھنٹے ریل میں مل رہے تھے۔ نظر باغ ایمن آباد خالون منزل وغیرہ میں شرف کرکے ۱½ بجے روانہ ہو گیا وہاں تین گھنٹے قیام کرکے پھر اسی طرح گھڑی سواری لکھنؤ آتا ہوا رات کو یہاں پہنچ گیا تھا۔ کل اتوار منائی ڈاک کا انبار عظیم جو دو ہی دن میں لگ جاتا ہے اس کا تعلق بس دیکھنے سے ہے۔ بہر حال یہ خط پہلی ڈاک سے لکھ رہا ہوں۔

فیس کا معاملہ پیشہ ور حضرات کے لیے خاصا نازک ہوتا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن کو عجب نہیں جو یہی وقت پیش ہو۔

اور پھر تعلقات کی نوعیت کے بارے میں بھی باہر والوں کو بڑی ہی غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں اندازے بڑے مبالغہ آمیز ہوتے ہیں۔ سنہا صاحب سے میری ملاقات ایک بار کی بھی نہیں۔ مراسلت بھی بس ایک دو بار ہوئی ہے۔ اردو لکھنے کی انھیں مشق ہی نہیں انگریزی

ے مرد میداں ہیں لیڈر وغیرہ میں لکھتے رہتے ہیں۔ عموماً تصوف ہی کے کسی موضوع پر۔ ان کے کسی انگریزی مضمون کا ذکر خیر میں صدق میں لے آیا تھا بس جب سے وہ صدق پر مہربان ہو گئے اور اسے خریدنے لگے واللہ اعلم زیادہ پڑھنے کے بعد ان کا حسن ظن قائم رہا یا نہیں مجھے اس کا بھی علم نہیں کہ وہ کسٹوڈین جنرل کے ہاں جاتے بھی ہیں۔ مجھے اب تک صرف ان کی سپریم کورٹ کی پریکٹس کا علم تھا۔

بہرحال لکھ دینے کی حد تک تو ہے مجھے غلط فہمی کیا ہو سکتی۔ نہ پتہ میرے پاس نہیں دفتر سے دریافت کر رہا ہوں ہی وکیل کی شام تک جواب آجائے گا اور ان شاء اللہ بدھ کی ڈاک کو خط ڈال دوں گا۔

زلیخا والے معاملے میں میرے دل میں آپ کی بات بالکل ہی نہیں اتری تھی بلکہ سرتاسر حیرت ہی رہی تھی محض آپ کی شخصیت کے احترام میں وہ سطریں لکھ دی تھیں صحیح عنوان تھا ایک توضیح۔ ایک ترمیم جیسا غلط ہو کر۔

لیجئے جو بات سب سے پہلے لکھنے کی تھی اس کی نوبت سب سے آخر میں آرہی ہے۔ حسن عاقبت کی دعا تو ہر حال اور ہر سن میں ہونا چاہیے اور اس میں لگتا ہی کیا ہے خط پڑھتے ہی کر دی تھی اس کے بعد بھی جب جب یاد آگیا لیکن اس کے ساتھ حصول صحت کی دعا کو بھی نہیں چھوڑا۔ بلکہ اسے مقدم رکھا ——— ——— دین کی خدمت اور مرنے سے آپ کا قلم انجام دینے لگا ہے وہ اپنے رنگ میں ہرگز کسی سے کم نہیں نئے نئے قوی آواز والے تازہ مضامین۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) نظر باغ جہاں مولانا کی بڑی محبت کرنے والی بالکل سگی بہن کی طرح سگی چچازاد بہن رہتی تھیں۔

(۲) غالباً مکتوب الیہ نے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو اس بارے میں لکھا تھا کہ کسٹوڈین جنرل کے ہاں ان کے مقدمے کی پیروی کے لیے شیو پرشاد سنہا سابق جج ہائی کورٹ وحال ایڈووکیٹ سپریم کورٹ کو طے کرادیں۔

(۳) شیو پرشاد سنہا صاحب جو مسلمانوں کے بڑے ہم درد تھے اور اردو اور دوسرے مسئلوں پر بڑی بے باکی کے ساتھ مسلمانوں کی حمایت کرتے تھے اور انگریزی اخباروں میں برابر لکھتے رہتے تھے۔

(۴) الٰہ آباد کا پرانا انگریزی روزنامہ تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۱ مارچ ۱۹۵۸ء

برادرم! وعلیکم السلام

جی ہاں خود مجھے بھی حیرت ہے کہ اللہ میاں اتنا کام کیسے پورا کرا دیتے ہیں خصوصاً جب کہ رات میں لکھنے پڑھنے کا کام مطلقاً بند رہتا ہے اور پوری مصروفیت کا آپکو بھی علم نہیں۔

ہاں صاحب خدا کے لیے مقدمہ کے کاغذات تو سنہا[1] صاحب تک پہنچا دیجئے وہ پہلے ہی لکھ چکے ہیں اب پھر لکھا ہے (اس کے آگے ان کے خط کی انگریزی عبارت درج ہے۔

بین السطور سے انتظار کی شکایت اور الجھن نمایاں ہے۔ یہ جانتا تو آپ سے کاغذات لے کر رجسٹرڈ بھجوا دیتا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مراد شیو پرشاد سنہا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۳ر اپریل ۱۹۵۸ء

برادرم! وعلیکم السلام

۲۹ر کا کارڈ اور ۳۱ر کا لفافہ دونوں کل ہی شام ایک ساتھ ملے۔ سنہا صاحب کا انگریزی خط چلا نا واقعی مشکل ہے لیکن خیر میں تو چلا ہی لیتا ہوں۔ وہ لفظ Candid نہیں نہ وہاں اسکا کوئی تک تھا Candid ہے صاف صاف بے لاگ کے معنی میں یعنی میں اپنی رائے بے لاگ پیش کردوں گا۔ دوسرا لفظ تھا یعنی آپ کا مقدمہ کمزور نہ ہی جس حالت میں ہو۔ چوتھا Saturday تھا یعنی بشرطیکہ پیشی سنیچر کے دن ہو۔ پانچواں لفظ بھی اسی مفہوم میں تھا۔

مخاطب کی مزاج شناسی ہونا بہت ضروری چیز ہوتی ہے اور ہر شخص کی طبیعت و استعداد دوسرے سے جداگانہ ہی ہوتی ہے۔ جو چیز ہم آپ کو دو اور دو چار کی طرح بدیہی معلوم ہوتی ہے دوسروں کو اس سے انکار ہوتا ہے۔ سنہا صاحب میں شرافت بہت ہے۔ باقی اور ان کی زندگی بالکل دوسرے قسم کی ہے نازک مزاج اور حساس بہت ہیں۔ اور کھوئے ہوئے رہنے کی روایت بھی صحیح ہے اب اس کھوج میں کیوں پڑیے یہ کھویا ہوا رہنا نتیجہ کس چیز کا ہو سکتا ہے۔

جب الہ آباد ہائی کورٹ کے جج تھے تو سردار پٹیل اور پنت جی کو ان کے خوف بہت گرفت میں لگئی تھیں۔ جواہر لال جی بھی سخت ناخوش ہو گئے تھے۔ رفیع صاحب مرحوم نے درمیان میں پڑکر صفائی کرادی۔

کتاب افیس بھیجنے کا مشورہ میں آپ کو نہ دیتا۔ مولانا کی کتابیں تو صرف ان کو دکھانا ہوتی ہیں جو کم سے کم مبادی و مقدمات کی حد تک تو ان کے ہم خیال ہوں ورنہ الٹا اثر پڑتا ہے بالکل

قدرتی ہے۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے باب میں صحیح اور صائب رائے یہی ہے کہ اس کا نفع اس کے نقصان سے اس کا خیر اس کے شر سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ مولانا نعمانی کے مضمون میں کچھ جزئیات و تفصیلات زیادہ معلوم ہوئے۔ باقی جو کلی رائے ہے میں کوئی زیادہ فرق نہیں۔

جی ہاں کمپاؤنڈر صاحب مرحوم بڑے نیک آدمی تھے۔ اللہ میاں نے موت قابل رشک دی۔

ملتان کے حوالہ سے جن صاحب کی خبر وفات تھی ان کا نام نہ چل سکا۔

یہ حسن ظن صحیح نہیں کہ حضرت تھانوی کی کتابیں ہر ایک پر اچھا اثر ڈالتی ہیں جب چاہے نیاز فتح پوری یا حیات اللہ انصاری صاحب کو بھیج کر تجربہ کر لیجئے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) سنہا صاحب کا انگریزی خط پڑھنا آسان نہ تھا۔

(۲) مکتوب الیہ نے اپنی کوئی تصنیف سنہا صاحب کو بھیجی تھی۔

(۳) مولانا منظور نعمانی جن کا مضمون جماعت اسلامی سے متعلق الفرقان میں شائع ہوا تھا۔

(۴) ڈاکٹر عبدالعلی صاحب مرحوم کے کمپاؤنڈر جن کا نام بھی عبدالعلی تھا وفات رمضان میں ہوئی۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۰ مئی ۱۹۵۸ء

برادرم! وعلیکم السلام

وہ خط ہے تو آپ کا بہت خوب لیکن سوچ میں پڑ گیا ہوں کہ اتنے کھلے ہوئے ذکر کے بعد اسے کام میں کیسے لاؤں۔ خیر ابھی تو سوچنے کا موقع ہے۔ انشاء اللہ آئندہ ہفتہ تک کوئی صورت سمجھ میں آ ہی جائے گی۔

اعظم گڑھ میں دونوں مجلسیں ۱۶ کو ہیں۔ یوں تو ارادہ ہے ۱۵ کو جا کر ۱۷ کی صبح دریا باد واپس آجانے کا۔ (ابھی شاہ صاحب کا تار ملا کہ جلسہ بجائے ۱۶ کے ۱۷ کو ہوگا آپ نے اس روز گفتگو میں اپنے لیے دارالمصنفین کی کمیٹیوں سے خارج کیے جانے کا لفظ استعمال کیا تھا۔ خارج کرنے کا تو کوئی ہمارے ہاں قاعدہ ہی نہیں ——— یقیناً جس کی بھی علیحدگی ہوتی ہے اس کے استعفےٰ پر ہوتی ہے وہ لفظ شاید یوں ہی آپ کے زبان سے نکل گیا تھا۔

قرآن اور علم جا بجا بجائے مجھے واپس کرنے کے علی میاں کو دے دیجیے گا۔

منشی عبدالرحمٰن خاں سے ناخوش کیوں ہونے لگا۔ اور کتاب کی واپسی خوب ہی رہی۔ اس کا تو کوئی امکان ہی نہ تھا۔ خود وہی شاید ناخوش ہیں امید اس کی لگائے ہوئے تھے کہ لاہور پہنچ کر میں خود انھیں اپنی آمد اور قیام سے مطلع کرونگا۔

حفیظ صاحب نے اپنے روپئے کے لیے ایک لمبی اسکیم مجھ سے بیان کی تھی۔ خلاصہ یہ تھا کہ اس کے ایجنٹ ہیں اور وہ دونوں مشترک رہیں گے اسے دو برس سے اوپر ہو گئے۔ پھر اپنی طرف سے یاد دہانی مجھے کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتی۔

ابھی نذر صاحب کا خط ملا۔ مکان بدل دیا ہے اسی فیض آباد روڈ پر محلہ ماڈل گنج میں پنگی کی نئی چوکی اور بادشاہ نگر اسٹیشن کے درمیان۔ انھیں کی اطلاع ہے کہ

مجھ سے دو فرلانگ قریب ہو گئے ہیں اور آپ سے دو فرلانگ دور۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

(۱) ڈاکٹر رفیع الدین صاحب، کراچی کی فکر انگیز تصنیف۔ مولانا ان کے مفکر ہونے کے بہت زیادہ قائل تھے۔

(۲) جہاں مولانا آخر دسمبر میں بسلسلہ شرکت مذاکرہ اسلامی تشریف لے گئے تھے۔

(۳) مولانا کے کالج فیلو اور بے تکلف دوست اور مکتوب الیہ کے بھی پرانے دوست

(۴) خان بہادر ظفر حسن خاں سابق پرنسپل شیعہ کالج۔ مولانا مرحوم کے کالج کے زمانے کے مخلص دوست ان کے مکتوب الیہ سے بھی خصوصی تعلقات تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۲ مئی ۱۹۵۸ء

برادرم! وعلیکم السلام

میرا یہ اندازہ نہ تھا کہ جواب میں آپکو اتنا زیادہ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔ ۱۰ بجے دو کالم بہر حال اس کے لیے نکالنے ہوں گے۔ مولانا نعمانی کا مراسلہ میں نے پورا ایک ثلث حذف کر کے چھاپا تھا۔ لیکن اس سے قطع نظر اصل سوال تھا کہ یہ چھپے کس نام سے؟ اصولی حیثیت سے ظاہر ہے کہ وہی نام ہونا چاہئے جو پہلے مراسلے میں تھا لیکن اس پر آپ کی ناخوشی ذہن میں ہے اس لیے اب کی آپ کی اجازت بہ صراحت ضروری ہے۔

مصر و شام وغیرہ کی ترقیوں کو اسوہ قرار دینا تو میرے ذہن کے آس پاس بھی نہ تھا۔ البتہ میں علم و فضل کو اپنے ہاں کے چند علما کے اندر محدود نہیں سمجھتا اور جس مسئلہ پر عالم اسلامی

کے علماء اس شدت سے متفق ہوں اس کے خلاف حرمت کے اعلان کی جرأت نہیں کر سکتا۔

لکھنو حاضری کا زیادہ خیال ابھی تک ۲۷ کا ہے اور بعد عصر نشست کا۔ لیکن احتمال بجائے ۲۷ کے ۲۸ کا بھی ہے صحیح اطلاع میاں آفتاب آپ کو انشاء اللہ دوشنبہ کو کارڈ سے کر دیں گے۔

والسلام
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۳۰ جون ۱۹۵۸ء

بھائی صاحب وعلیکم السلام

مولانا گیلانی کے سارے مکتوبات اس قسم کے میں چھاپ دیا کرتا تھا۔
صدق میں نکل گیا ہوگا میاں آفتاب سے میں نے ڈھونڈوایا تو کوئی مضمون مولانا مرحوم کے موضوع پر ۱۹۵۰ء پندرہ سال کے اندر نہ ملا۔

مولانا کے خطوط کا جو انبار میرے ہاں ہے اس میں سے بھی خط ڈھونڈ نکالنا آسان نہیں ہے۔ اندر پھر اس میں رہا ہی کیوں ہوگا۔ ایسے مکتوبات تو سب کاتب صدق کی نذر ہو چکے ہیں دفتر سے واپس کہاں ملے۔

ادھر بھائی صاحب بہت زیادہ علیل ہو گئے تھے۔ پروگرام توڑ کر انہیں دیکھنے گیا۔ بحمداللہ افاقہ تو ہو چکا تھا لیکن کمزوری بس دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور مرض پوری طرح گیا نہیں۔
ہاں صاحب اس خط کے سلسلے میں ذرا سمع خراشی کی اجازت چاہتا ہوں۔ اپنی ہر چند

تحریر میں اس کا التزام رکھتا ہوں کہ تنقید سخت کتنی ہو بہر حال نفس مسئلہ پر ہو نہ کہ شخصیت پر یا غیر مسائل پر۔ شخصی تعریف سے کام صرف جواب میں لیتا ہوں اور وہ بھی پہلی منزل سے گزر جانے کے بعد۔

آپ کا وہ دوسرا مراسلہ میرے لیے شدید حیرت اور شدید کوفت دونوں کا باعث تھا۔ حضرت اپنی یہ تنقید یا مناظرانہ تحریر میں دو چیزوں کی شدت سے پابندی کرتے تھے۔ ایک یہ کہ بالکل To the point رہیں اور کوئی بات ذرا بھی غیر متعلق نہ آنے پائے دوسرے یہ کہ مخالف کا نقطۂ نظر بالکل صحیح نقل ہو۔

وہ مراسلہ اب کیا عرض کروں ان دونوں چیزوں سے میں نے بالکل خالی پایا۔ جواب آپ صرف یہ دے سکتے تھے کہ فوٹو کے مسئلہ کو آپ غیر اہم کیسے قرار دے رہے ہیں حدیث میں فلاں فلاں صراحتیں موجود ہیں۔ شرم دان وغیرہ کی بحث مجھے بالکل ہی غیر متعلق معلوم ہوتی اور ریاء الناس میں ان لوگوں کے نہ صرف عمل بلکہ نیت پر بھی پورا حملہ ہو گیا میں اگر لکھتا بھی تو وعید شدید جو منکروں کے لیے ہے بہ گزان لوگوں کے لیے نہ لکھتا صرف اتنا لکھ دیتا کہ عمل میں بھی حتی الامکان اخلاص کامل ہونا چاہیے اور اپنے امکان بھر نمود و نمائش سے بچتے رہنا چاہیے۔ اور بچہ صدق کے نقطۂ نظر کی ترجمانی تو سراسر مبالغہ آمیز تھی۔ ان سب کے علاوہ تفضیح مسلم کا پہلو نمایاں۔

حواشی اللہ جانتا ہے کہ اس غرض سے تھے کہ آپ کو تلافی کا پورا موقع مل جائے ان حواشی کی داد تحریری و زبانی جن جن بزرگوں اور خردوں سے وصول ہوئی ہے اس کی تفصیل اب کیا دہراؤں۔ آپ کا کارڈ جو اس کے بعد وصول ہوا بالکل دوسرے رنگ کا نکلا۔

جوابی گستاخیوں میں اگر چہ مجھ سے زیادتی ہو گئی ہو تو آپ سے بھی معافی مانگتا ہوں اور اللہ کے سامنے تو استغفار کر ہی چکا ہوں۔ شخصی تعریف کا جواب پبلک میں علی العموم محض خاموشی سے دیتا ہوں۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا مراسلہ صدق میں شائع ہوا تھا جس میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ اور طلباء کے اس فعل پر گرفت کی گئی تھی کہ انھوں نے ہوسٹل کی تعمیر میں حصہ لیتے وقت اپنا فوٹو اخبار میں شائع کروایا تھا۔

(۲) مکتوب الیہ کو اس پر شدید اعتراض تھا کہ ندوہ والوں نے تعمیر کے سلسلے میں شرم دان کا لفظ کیوں استعمال کیا۔

بسم اللہ

دریاباد
۱۹ر جولائی ۱۹۵۸ء

برادرم! السلام علیکم

۲۰ر جولائی (سنیچر) کو ۴ بجے ریڈیو کمیٹی کی میٹنگ لکھنؤ میں ہے انشاء اللہ دوپہر کو لکھنؤ پہنچوں گا میٹنگ اگر حسب توقع ۶ بجے سے قبل ختم ہو گئی اور بارش بھی غیر معمولی نہ ہوئی تو ارادہ ہے کہ عیادت کے لیے سیدھے وہیں سے حاضر ہو جاؤں۔

آپ انتظار زیادہ نہ کیجئے گا، دانع کا احتمال بھی اچھا خاصا ہے۔ حضرت کے دو مکتوبات جولائی اگست ۳۶ء کے خدا معلوم کہاں پڑے رہ گئے تھے اب جا کر ملے ہیں انشاء اللہ دو ہفتے کے بعد یہ طویر ضمیمہ حکیم الامت صدق میں دے دوں گا اس کے سوا اور صورت ہی کیا ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبد الماجد

(۱) مولانا کی مقبول عام تصنیف حضرت تھانوی کے بارے میں تاثرات۔

بسم اللہ

دریاباد

۲ اگست ۱۹۵۸ء

بھائی صاحب! السلام علیکم

مکاتیب کا پلندہ پہنچا ـــــ کام گو دلچسپ اور میرے لیے باعث سعادت ہے لیکن میرے اندازے سے کہیں زائد نکلا۔

سوالات جو ان پر قائم کیے گئے ہیں ان کے جوابات وقت طلب ہیں۔ اور پھر اکثر کے جوابات تو صرف مکتوب الیہ دے سکتے ہیں۔ گو اب اس مدت کے بعد آپ کو بھی وہ چیزیں یاد کیوں رہی ہونگی۔ بہرحال کچھ وقت تو انشاء اللہ ضرور ہی صرف کروں گا۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۳ اگست ۱۹۵۸ء

بھائی صاحب! السلام علیکم

صبح ڈاک سے کارڈ بھیج چکا ہوں۔ یہ کارڈ (میاں آفتاب کے ساتھ) لکھنؤ میں آج شام کو پڑے گا آپ کو دو تین تک مل سکتا ہے

بڑی ہمت کرکے پہلی قسط ۳۲ صفحے والی اٹھائی بالاستیعاب مطالعہ اتنے کا بھی مشکل ہوگیا۔ حواشی صرف ۲۲، ۲۳ صفحے تک دے سکا۔

اب میری قطعی رائے ہے کہ ان مکاتیب میں بڑے سخت انتخاب کی ضرورت ہے تب

جاکر قابل اشاعت ہو سکیں گے۔ میرے نام کے خطوط ان سے مختلف ہیں۔ مگر آپ کے نام تو ذاتی و خانگی معاملات سے لبریز ہیں۔ بیماری، رخصت، قرض داری گریڈ کی ترقی یہ حصے ہرگز چھپنے کے قابل نہیں۔ صرف علمی، دینی غرضیکہ پبلک دلچسپی کے اجزا ان سے چھانٹ کر الگ کر لیے جائیں کل اوراق واپس ہیں (آفتاب سلمہ کے ذریعے)۔ آئندہ اگر میری خدمت کی ضرورت ہو تو حاضر ہوں۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ر اگست ۱۹۵۸ء

بھائی صاحب السلام علیکم

مکان کا فیصلہ مبارک ہو۔ بڑی نعمت اللہ واقعی بڑے شریف انسانوں میں ہیں۔ مجھے ہر طبقہ اور فرقہ میں ایسے ایسے فرشتہ انسان ملے ہیں کہ کسی طبقہ اور کسی فرقہ کو بُرا سمجھنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی۔

مکتوبات گیلانی کے لیے اب کیا عرض کروں بہتر صورت تو یہی تھی کہ کوئی اور صاحب اس خدمت کو انجام دیتے اور میں اس کے بعد نظر ثانی کر لیتا۔ یا شروع ہی میں کچھ مشورہ دے سکتا۔ یہ صورت ناممکن ہو تو خیر پھر غوطہ زن ہوں تو کل کام کر ڈالنے کی کوشش کروں سارا سوال وقت کا ہے۔

اتوار ۲۴ کو ایک میٹنگ الہ آباد میں ہے قیام صرف دس گھنٹہ کروں گا ۵ بجے شام کو بانڈے پہنچنا ہے گھر میں وہیں ہیں اور اس وقت علیل ہیں وہاں کا قیام ایک دن رات کا

اس بھاگ دوڑ کے باوجود کام کا ہرج پورے پانچ دن کا ہو جائے گا۔ دریابادسے بنیجر کو جاکر کہیں بدھ کو مغرب بعد واپس پہونچنا ہے۔ جمعرات کو سارا دن ۳۴ دن کی جمع شدہ ڈاک کے نپٹانے میں گذرے گا۔

اعلام القرآن قرآنی شخصیات کا مسودہ بحمداللہ مکمل ہوگیا ہے۔ اب چھپنے کی نوبت جب آئے۔ پبلشر کا مسئلہ بھی آسان نہیں۔

الاعداد فی القرآن (قرآنی شمار و اعداد) کا مسودہ اب شروع کیا ہے۔ ایک اور موضوع عدت سے پیش نظر ہے انبیاء کی بشریت قرآن مجید سے، دیکھئے کب اس کے لکھنے کی توفیق ہوتی ہے اور ہوتی بھی ہے یا نہیں۔ بلاوا آجانے کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا ہے۔

اپنی آپ بیتی بھی الٹی سیدھی لکھ ڈالی ہے چھپنے پر دو ڈھائی سو صفحہ میں آئے گی یہ اپنے سامنے نہیں بعد کو چھپے گی۔

ایک خیال سوہم عصر لکھ جانے کا بھی تھا۔ ۱۰۔ ۲۰ صفحہ لکھ کر رک گیا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے ایک مکان کا مقدمہ کسٹوڈین کے پاس تھا۔ اس میں انھیں کامیابی ہوئی

(۲) مشہور نامور وکیل اور الہ آباد ہائی کورٹ کے سابق جج قانونی قابلیت کے وجہ سے ان کا شمار پوری کے وکیلوں میں تھا۔

(۳) الحمدللہ یہ کتاب بھی مولانا کی زندگی ہی میں شائع ہوگئی۔ اپنی تصانیف میں بعد تفسیر وہ اسی کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔

(۴) اپنے آخری وقت کا استحضار ہمیشہ مولانا کو رہا۔

(۵) یہ کتاب اس سے کہیں زیادہ ضخامت کی ہوئی۔

(۶) یہ تصنیف معاصرین کے نام سے مولانا کے انتقال کے بعد شائع ہوئی

بسم اللہ

دریاباد

۱۵ ستمبر ۱۹۵۸ء

بھائی صاحب! السلام علیکم

جزاک اللہ! قومی آواز[1] کے صفحات میں تبلیغ دین کرنا بتکدے میں جاکر اذان دینے ہے۔ صدق والفرقان دونوں سے کہیں بڑھی ہوئی خدمت! بورا جہاد۔ ماشاء اللہ بارک اللہ۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا مضمون ایک مسلمان کے نام سے قومی آواز میں شائع ہوا تھا جس میں عقیدۂ آخرت کی اہمیت کو نمایاں کیا گیا تھا اور ایڈیٹر حیات اللہ انصاری صاحب کے اس نقطۂ نظر سے اختلاف ظاہر کیا گیا تھا کہ ساری کوششوں کا حاصل صرف یہ دینا ہے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ ستمبر ۱۹۵۸ء بھائی صاحب! السلام علیکم

ایک نہیں میرے دو دو خط خود آپ پر چڑھے ہوئے ہیں اس طرف میرے کئی خط ڈاک سے ضائع ہو چکے ہیں۔ کہیں آپ کے خط بھی تو اس کی نذر نہیں ہو گئے۔

قرآن مجید کا مطالعہ ابھی کل ۱۱ پارے تک ہوا ہے۔ اتنے میں بشریت انبیاء وعبدیت پر روشنی ڈالنے والی کوئی دو سو آیتیں مل چکی ہیں۔ اتنے بڑے ذخیرہ کو مرتب کرنا کارے دارد۔

اتوار ۲۸ دسمبر کی سہ پہر کو انشاء اللہ خاتون منزل میں موجود ہوں گا۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء

بھائی صاحب! وعلیکم السلام

بس اللہ نے زہیر اسلمہا کو دوبارہ زندگی دی[1] سات بجے شام کا وقت کھلا میان آدمیوں کی آمد و رفت۔ ہم لوگ چند قدم کے فاصلے پر دالان پر بیٹھے ہوئے واقعہ کا وقوع عملاً ناممکن سا تھا لیکن آنکھوں دیکھے ہو کر رہا۔

ناگن سخت زہریلی ہوتی ہی ہے منٹوں بلکہ سکنڈوں میں پورے اثرات ظاہر ہونے لگے پھر اللہ نے جان بچانے کے سامان بھی ہر طرح پیدا کر دیے۔ تفصیل کہاں تک لکھوں خاصا وقت اس کے لیے چاہیے۔

ایک طرف اپنی بندگی و بے چارگی اور دوسری طرف مولا کی ربوبیت اور کریمی کے سبق چند در چند مل کر رہے ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مولانا کی سنجھلی صاحب زادی اور خاکسار مرتب کی شریک حیات کو دریاباد میں بعد مغرب ایک ناگن نے کاٹ لیا تھا بس اللہ نے فضل فرمایا کہ جان بچ گئی۔

بسم اللہ

دریاباد

۳۰ مئی ۱۹۶۱ء برادرم! وعلیکم السلام

ابھی صبح صادق[1] کا قرآن نمبر نکال کر دیکھ لیا۔ ضرور وہ مضمون اس قابل ہے کہ الگ کتابی صورت میں چھپے مع اس کے متعلقات کے۔ ایسے مضامین سے لفظ بہ لفظ متفق ہونا

ضروری ہے بھی نہیں۔ بہرحال پریس والے صاحب کو ضرور اس کے چھاپنے کو لکھ دیجئے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) یہ رسالہ لکھنؤ سے نکلتا تھا اور اس میں یہ مضمون مکتوب الیہ کا نکلا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ اکتوبر ۱۹۶۱ء

برادرم! وعلیکم السلام

جی ہاں ہوں تو لکھنؤ میں مگر حکماً دریاباد ہی میں حدیہ ہے کہ مولانا اویس سلمہ سے آج تک نہیں ملا ہوں اور ظہر کی جماعت بھی گھر ہی پر کر لیتا ہوں کہ مسجد کے آتے جاتے کہیں پکڑ نہ لیا جاؤں۔ جمعہ میں خاص اہتمام اخفا کے ساتھ گیا سے کہ ہو تو ہو ما کہیں باہر نکل جاتا ہوں کبھی قیصر باغ کبھی حضرت گنج (انگریزی کتابوں کی دکانیں وہاں کئی ایک ہیں)

چھوٹی لڑکی کی زندگی عنقریب ہونے والی ہے ڈاکٹر نے ضعف قلب وغیرہ بتا کر زچگی کے وقت کے لیے ذرا خطرہ بتا دیا ہے لکھنؤ اس کا آنا ناگزیر ہو گیا اور اس کی ماں بہنوں کا ساتھ آنا لازمی تھا۔ پھر سب کے منتقل ہو جانے کے بعد یہاں رہ جانے میں سخت عملی دشواریاں تھیں اس لیے مجبوراً مجھے بھی آنا پڑا اگر ایک خاص نظام بنانے کے بعد۔

میاں قدیر کی لڑکی کا عقیقہ بھی اس ہفتہ ہو جانے والا ہے۔ سادگی و خاموشی کے ساتھ۔ دعا یہ فرمائیے کہ سب کی صحت و عافیت کے ساتھ دریاباد واپس جاؤں۔ آپ اگر بلا زحمت سکے یہاں کو آسکتے ہوں تو میں دن لکھ بھیجوں۔ ورنہ خود ہی بلا تکلف کسی سکے یہاں حاضر خدمت ہو سکتا ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) اس سے مراد معتقدین کی یورش ہے۔
(۲) جہاں مولانا سلیمہ بہت سے عزیز رہتے تھے۔
(۳) راقم مرتب کے چھوٹے بھائی عبدالعلیم قدوائی سلمہ کی اہلیہ۔
(۴) راقم مرتب کے حقیقی بہنوئی۔

بسم اللہ

لکھنؤ

۴ر نومبر ۱۹۶۱ء

برادرم! وعلیکم السلام

جی ہاں کل انشاء اللہ واپس جا رہا ہوں یہاں گو مادی آسائش کے سامان دیاباد سے کہیں زائد تھے۔ لیکن وقت کا نظم و انضباط خاطر خواہ نہ بن پایا۔ ۵ ہفتے کی طویل مدت میں خدمت قرآن مجید مطلق نہ کر سکا۔ بڑا قلق اس کا ہے۔

مشورت کی اہمیت تو بالکل ظاہر اور مسلم ہے۔ لیکن بہ مشورہ کی نوعیت الگ ہوتی ہے میں مشورہ دینے میں بخیل نہیں بلکہ مسرف ہوں مشوروں والے کالم میں صدق میں مشورے کس کثرت سے دیتا رہتا ہوں۔[1] نج کے خطوط میں ان کے علاوہ لیکن آپ نے اس روز دکایت اپنے کرایہ دار صاحب کی بیان کی وہ بالکل میرے لئے نئی بس بدقسمتی ہوا گم صم اسے سنتا ہی رہا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) صدق میں ایک مستقل مضمون "مشورے اور گزارشیں" کے عنوان کا وقتاً فوقتاً نکلتا رہتا تھا اس میں مولانا کے بڑے زریں اور حکیمانہ مشورے نکلتے رہتے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۳۰ نومبر ۱۹۶۱ء

برادرم! وعلیکم السلام

پہلا خط مل گیا تھا۔ اپنی نافہمی سے کوئی بات قابل جواب اس میں نظر نہیں آئی تھی۔ جواب بہ غرض جواب کا وقت کہاں سے لاؤں۔ لکھنؤ کے قیام میں جتنے ہرجے ڈر رہا تھا اتنا تو نہیں ہوا لیکن بہرحال کچھ نہ کچھ قرضہ کام کی حد تک تو چڑھ ہی گیا۔ ڈاک خانہ کا کچھ حال نہ پوچھئے خصوصاً منی آرڈر اور وی پی کے باب میں۔ ایک منی آرڈر پر صاف ایک سو دس لکھا ہوا تھا مجھے وصول کل سو ہوئے۔ بقیہ غذا کے لیے مہینوں لگ گئے ایک منی آرڈر علی گڑھ سے ساٹھ کا ۲ فروری کو چلا تھا آج تک وصول نہیں ہوا۔ لکھا پڑھی برابر جاری رہی۔ میں نے اسٹیٹسمین[1] میں مراسلہ بھی دیا سب لاحاصل۔ پہلے خط[2] تسکین اور دلاسے کے آئے اب وہ بھی غائب۔ غرض یہ کہ

آغندلیب کریں مل کے آہ و زاریاں

لکھنؤ حاضری کے سلسلے میں تعمیل ارشاد کی امکانی کوشش کروں گا لیکن توقع سو فیصدی کی نہ رکھئے حکیم امین[3] میاں خواجہ[4] وغیرہ جو قریب کے عزیز ہیں اُن کے ہاں تک پہونچنے کی نوبت سال میں دو ایک بار آتی ہے۔ علی میاں، مولوی اویس شہید فرنگی محلی وغیرہ سب کے لیے نوبت یا باری مقرر کر لی ہے۔

سب کے ساتھ یہی معاملہ ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) دہلی اور کلکتہ کا پرانا انگریزی روزنامہ۔

(۲) یعنی ڈاک خانہ کے اونچے حکام کے۔
(۳) مولانا کے بھانجے اور لکھنؤ کے نامور طبیب۔
(۴) مولانا کے پھوپھی زاد بھائی کے بڑے صاحب زادے

بسم اللہ

ندریاباد
۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء

برادرم! السلام علیکم

لیجئے آخر حفیظ صاحب بھی رخصت ہو گئے۔ اللہ اغفرلہ وارحمہ۔ سیتاپور آنکھ کا علاج کرانے گئے تھے وہیں داعی اجل کو لبیک کہا۔ یہ تو مخلص ترین دوست تھے اور آپ کے بھی قدیم ترین رفیقوں میں۔

اپنے نہ صرف مسلمان ہونے بلکہ سنی حنفی مسلمان ہونے کا بالتفصیل اقرار ڈاکٹر محمد احمد صدر شعبۂ عربی کے سامنے کر چکے تھے جو خود ایک پختہ قسم کے مولوی ہیں۔

قومی آواز کا اتنا ضخیم مضمون پڑھنے کے لیے وقت کہاں سے لاتا بس جا بجا سے نظر ڈال لی تھی اور نوعیت کا اندازہ ہو گیا تھا اب وہ پرچے محفوظ ہیں جو دوبارہ دیکھوں۔

دارالمصنفین کی سالانہ مجلس ۳۱ دسمبر کو ہے اگر اس سردی نے زندہ چھوڑا لکھنؤ کا پروگرام ۶ جنوری ۱۹۶۲ء سنیچہ کا ایک عزیز قریب کی شادی کے سلسلے میں ہے اگر تشریف آوری بہ آسانی ممکن ہو تو ایسے وقت آیئے کہ مغرب اپنے ہاں ہی پہنچ کر پڑھیئے۔

ابھی علی گڑھ ایک دینیاتی میٹنگ میں گیا تھا ڈاکٹر یوسف حسین خاں آپ کا ذکر کرتے رہے۔ انھیں کے ہاں ٹھہرا تھا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) مراد ڈاکٹر محمد حفیظ سید ریڈر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی۔
(۲) اس سال غیر معمولی سردی پڑی تھی۔
(۳) مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کی میٹنگ میں شرکت کرنے۔
(۴) یہ اس وقت مسلم یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ جنوری ۱۹۶۲ء

برادرم! وعلیکم السلام

خواب میں حضرت گیلانیؒ کو آپ نے جو مقام امامت میں دیکھا بالکل ٹھیک ہی دیکھا اُن کا مرتبہ امامت کا تھا ہی۔ باقی ایک بے علمے کو آپ نے جو لقمہ دیتے ہوئے دیکھا یہ اسی پرانی محبت جس فن کا ہے جو آپ کے لاشعور میں اب تک باقی ہے۔ یوں حالت نماز کا خواب مبارک تو ہر طرح ہی ہے اصل تعبیر تو کبھی ہو۔

الٰہ آباد کا حال میں نے قصداً نہیں لکھا لکھنے میں مجھے تکلیف ہوتی اور پڑھنے میں آپ کو اور حاصل اب کچھ بھی نہیں۔ میں نفریں سب سے زیادہ اپنی حماقت پر کرتا ہوں کہ مجھے تو سب موقع حاصل تھے ان سے ہر پیر کو کھول کر پوچھ لیتا۔ اصل تجویز کو پڑھ لیتا یا طرح کی ترمیم کا مشورہ دے سکتا محض بدھو بنا بیٹھا رہا اور سارے موقعے اپنے ہاتھ سے کھو دیے۔

وصیت نامہ نہیں وقف نامہ کلاں نقد کل ۶۰ ہزار۔ اسلامی اور یتیم اسلامی ادارہ دارالمصنفین ۳۰۰۰، مجیدیہ کالج ۳۰۰۰، فلاں یتیم خانہ فلاں طبی ادارہ فلاں ادبی ادارہ وغیرہ کے ۵ ہزار۔ تخمیناً ۲۰ ہزار اور باقی ۴۰ ہزار اغیار کے لیے۔

اپنے تجہیز و تکفین Burial according to Muslim rules کے لیے ایک ہزار اپنے مخلص وفادار خادم کے لیے ½ ۲ ہزار۔

چیف ٹرسٹی (ان کے لیے ۲ ہزار) سے ملا انھوں نے تیجا اور تیرھویں دھوم سے منائی اب چالیسویں کے لیے مجھ سے اور ڈاکٹر صدیقی[3] سے پوچھ رہے تھے آدمی معقول نظر آئے کہنے لگے اس روز مسلم یتیم خانہ والوں کو کھلا دوں گا۔

مجھ سے یہ تبصرہ فرمایا تھا کہ تمہیں ٹرسٹی رکھوں گا پھر خدا معلوم بھول گئے؟ یا کیا ہوا میں نے الٹ کر کبھی دریافت بھی نہ کیا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) ڈاکٹر حفیظ سیدہ رقم کا حال۔
(۲) یہ کالج الہ آباد میں ہے۔
(۳) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی سابق صدر شعبۂ عربی الہ آباد یونیورسٹی۔

بسم اللہ

دریاباد
۳ فروری سنہ ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

میرے سابق خط کی نقل اوپر ملاحظہ فرمالیجئے۔ یہ ۲۰ کو روانہ ہوا تھا۔ طبیعت بس جل کر رہ جاتی ہے جب خط کے ضائع جانے کی خبر لگتی ہے انا للہ۔

عزیزی الدین صدیق کے واسطے سے میرے بھی کرم فرماؤں ملاقات بھی دو ایک بار کی ہے لیکن یہ فرمائش سخت ہی ہے۔ باہر کے حضرات کو یہ اندازہ ہی نہیں کہ کتنی فرمائشیں اس قسم کی ہر ہفتہ وصول ہوتی رہتی ہیں۔

جس طرح پیشہ ور سائلوں کی کثرت نے مستحق اور سچے سائلوں کی طرف سے بدگمان کر دیا ہے اور پھر ہر سائل کی صورت دیکھتے ہی ڈرنے لگتا ہے یہی حال میرا ان فرمائش کرنے

والوں کے لیے ہوگیا ہے بہرحال ابھی تو وہ بلند کہنے کی ہمت نہیں ہوئی ہے۔ اللہ ایسا کرے کہ آپ سے اور محجوب نہ ہونا پڑے۔

ضلع ناندیڑ کے ایک بڑے مخلص صدیق نواز عرصے سے بلا رہے تھے میں غرض محض ملاقات سمجھ کر نیم راضی ہوگیا تھا کہ اتنے میں خط ان کا آیا کہ ایک عالیشان مسجد کا سنگ بنیاد میرے ہاتھوں سے رکھ کر اسے مسجد ماجدی کا نام دینے والے ہیں! معاذ اللہ میں کانپ اٹھا اور قطعی معذرت لکھ بھیجی۔

اب ایک عرصے کے بعد انھوں نے دوسرا حربہ اختیار کیا ہے۔ ایک اردو کانفرنس بہت بڑے پیمانہ پر منعقد کر رہے ہیں اور اس کا افتتاح مجھ سے کرانا چاہتے ہیں اور اب کی اپنی کمک پر سید ہاشمی[۳] کو لے لیا ہے یہ حضرت خوب خوب مزہ دار خط لکھ رہے ہیں اور طرح طرح کے دلائل میرے زیر کرنے کے لیے فراہم کر رہے ہیں اب پرسوں انھیں بھی قطعی معذرت لکھ بھیجی ہے۔

لیجئے یہ خط بھی بلا ارادہ طویل ہوگیا اور اب رخصت۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) حیدرآباد کے ایک ریٹائرڈ جج۔

(۲) اپنی کتاب پہ پیش لفظ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔

(۳) اردو کے مشہور ادیب و مورخ اور بابائے اردو کے اسسٹنٹ مولانا کے دوست۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۲ر فروری ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

جی ہاں چل چلاؤ کا زمانہ اب تو ہم سب کا ہی ہے اور دعاؤں کے سب ہی محتاج۔ دعائے خیر کے لیے تو ادنیٰ حق بھی کافی ہے پھر رفاقت قدیم کا حق بڑا حق ہے!

اپنا حال تو یہ دیکھتا ہوں کہ اتنا سن آجانے پر دنیا کی ہوس بجائے گھٹنے کے کچھ بڑھ ہی گئی۔ بس مغفرت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

بلڈ پریشر کے علاج میں تو سمبی بہت مفید ہے اور تریاق زہر کے بیج بھی۔ انگریزی دوا Sarpine کی گولیاں بڑی مجرب بھی سمجھی جاتی ہیں اور یونانی میں تریاق فشار کا نام لیا جاتا ہے۔

اللہ دنیا و آخرت دونوں عافیت کامل کے ساتھ گزرے ہماری آپ کی دونوں۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ر فروری ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

حب حیات یا تحفظ نفس ایک امر طبعی ہے خواہ سن کچھ بھی ہو جائے اور طول حیات تو ہر مومن کے حق میں مبارک ہی ہوتا ہے حسنات کی ذخیرہ اندوزی کے لحاظ سے اس میں دینی یا اخلاقی قباحت کا کوئی پہلو سمجھ میں نہ آیا۔ باقی عملاً تو ہر مومن کی طرح آپ بھی

لقائے رب کے منتظر و مشتاق ہر وقت ہوں ہی گے۔

اپنا حال البتہ ابتر پاتا ہوں اور کچھ روز سے بعض مخلصوں اور حسن ظن رکھنے والوں نے طرح طرح سے مالی ہدیے پیش کرنے شروع کر دیے ہیں اور کتابوں کی مد میں آمدنی اپنی بساط اور حیثیت سے کچھ بڑھ ہی کر پانے لگا ہوں اس سے طبیعت میں قناعت پیدا ہونے کے بجائے طلب کچھ اور بڑھ گئی ہے دعا فرمائیے کہ اللہ حرص و ہوس کے فتنے سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اپنی صحت سے جب بھی فرصت ہو اور طبیعت پر بار نہ پڑے جائیے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ مارچ ۶۲ء

وعلیکم السلام

اپنے ایمان کی طرف سے اندیشہ کی آپ نے خوب کہی میری محرومی بصیرت میں دخل ثمرۂ خشیت سے نہیں بلکہ افراط خشیت کا ثمرہ خشیت تو نعمت الٰہی ہے لیکن اعتدال اس میں بھی ملحوظ رہے بزرگوں سے یہی سنا ہے۔

اپنے لیے کیا کہوں۔ یوں بحمداللہ کچھ ایسی بدحواسی مال اپنے اندر محسوس نہیں کرتا لیکن اشراف نفس کا پوری طرح مریض ہوں جہاں کہیں سے توقع قائم ہو جاتی ہے یا وعدہ ہو جاتا ہے اور مقدار چاہے کثیر ہو یا قلیل بلکہ اقل قلیل بس اس میں دھیان لگ جاتا ہے اور گو لاحول پڑھے جاتا ہوں لیکن بہرحال اس کے لیے دن گنتا رہتا ہوں۔

۲۴ر - ۲۵ر مارچ دو دن ایک سرکاری کمیٹی بسلسلۂ انعامی کتب اردو کے لیے

لکھنؤ میں بسر کرتے ہیں صبحیں دونوں بھری ہوتی ہیں دوپہروں میں کسی ایک میں تو ضرور مشغولیت رہے گی دوسرے میں وقت نکل سکا تو ان شاء اللہ ضرور حاضری کی سعی کروں گا۔ گو کچھ ہی دیر کے لیے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۱ اپریل ۱۹۶۲ء

برادرم! وعلیکم السلام

جی نہیں میں اس کلیہ کا قائل نہیں کہ خشیت کا راز تقویٰ ہے خشیت کا تعلق جذبات سے ہے اور تقویٰ کا عمل سے دونوں میں تلازم کی نسبت نہیں بہرحال میں تو مکرر غور کے بعد بھی آپ کے ایمان میں ذرا بھی ضعف نہیں پاتا بلکہ کچھ افراط ہی پاتا ہوں عمل کا سوال الگ ہے اس پر کچھ نہیں کہنا انابت و استغفار توبہ حال میں کام کی چیز ہے عزم کی کمی عدم استحضار وغیرہ متعدد موانع عمل میں حائل ہو سکتے ہیں حدیث میں صراحت تو آپ کی نظر سے گذر چکی ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ بجز محبت خدا اور رسول کے اور کوئی عمل نہیں رکھتا آپ نے فرمایا کہ بس انسان تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہے۔

جی ہاں میاں غلام محمد سلمہٗ کی خلافت کے اعلان کا ارادہ نہیں البتہ خوش ہوا کہ خطوط میں لوگوں کو مشورہ دینے کا ایک اچھا ذریعہ مل گیا۔

خدا کرے اب تندرستی ٹھیک ہو۔ اب کی جواب عرصہ دراز کے بعد دے رہا ہوں۔ کیا عرض کروں بعض اوقات اتنے ضبط و نظم کے باوجود بھی بالکل بے بس ہو جاتا ہوں نئی کتابیں چھوٹی بڑی جو آتی ہیں ان کا اوسط اب بھی ۳۰-۳۲ یا نہ سے کم نہیں۔

مکتوبات سلیمانی کا کام اب خود شروع کیا ہے خاصا وقت اس کی نذر ہوگا حواشی کا کام آسان نہیں اتنے لمبے وقفۂ زندگی میں تذکرے میرے آپ کے سب ہی کے آگئے ہیں اور ذکر ہر جگہ ذکر خیر نہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۶ جون ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

آپ جھنا کارہ اور بہت سے خدا جانے کیا کیا توقعات قائم کئے ہوئے ہیں۔ مجھے تو آج تک آپ کے استفتاؤں ہی کے بجز دو چار سطروں کے چٹھے ڈالنے ہی کی توفیق نہ ہوئی چہ جائیکہ جب ادھر سے لمبا چوڑا جواب دعویٰ آئے گا اور اس کا جواب الجواب آپ کی طرف سے۔

اس سارے تصور ہی سے میری ہمت کے اوسان خطا ہو رہے ہیں اپنے قویٰ عزیز کے بھی آپ کسی معاملات میں نہیں پڑتا دقیکہ وہ فیصلہ اور آنکھ بند کر کے میرے فیصلہ کو ناطق نہ سمجھ لیں اور اس شرط پر ظاہر ہے کہ کون آمادہ ہو سکتا ہے۔ جب جب کسی معاملے میں پڑا اور آخر میں کوفت ہی ہاتھ آئی۔ اس لیے سمجھ لیا کہ اپنے میں اس کی اہلیت ہی نہیں۔ صرف دو مردوں کے نام پیش کر سکتا ہوں چنانچہ اس معاملے میں بھی عباسی مرزوں نظر آئے تھے۔

اسلامی اقامت خانہ[1] کا مسئلہ اللہ ایسا کرے کہ خاطر خواہ عملی صورت اختیار کر لے مکتوبات سلیمانی[2] میں آپ کا ذکر کثرت سے مل رہا ہے گو ہر جگہ ذکر خیر ہی نہیں۔ ایسے سب موقعے حذف طلب ہیں۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا ارادہ تھا کہ اپنی وسیع کوٹھی میں اسلامی اقامت خانہ قائم کریں۔

(۲) مولانا حضرت سید صاحب کے اپنے نام کے خطوط میں نواشی کے ساتھ مرتب کر رہے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ ستمبر ۱۹۶۲ء

برادرم! وعلیکم السلام

غذائی معمول یہ ہے کہ صبح چائے کے ساتھ اچھا خاصا ناشتہ مکھن نان پاؤ انڈا بھنے چنے وغیرہ اول بدل کر بعد ظہر دودھ دھوبارے یا موسمی پھل بعد مغرب پورا کھانا پیاز اور ادرک کا التزام رکھتا ہوں قبض کا پرانا مریض ہوں اس لیے رافع قبض غذائیں کچھ نہ کچھ ضرور استعمال میں رکھتا ہوں۔ غلے میں چھوٹی جوار یا بڑی جوار یا ساگ جیسے پالک، خرفہ، ہتھوا چولائی یا ترکاریاں جیسے لوکی، تلبلم، چقندر، کریلا، پرول یا پھل جیسے آم، خربوزہ، امرود، کیلا، آڑو پپیتا، انناس، گوشت کو سید الطعام سمجھتا ہوں۔ دودھ اور شہد کا بھی شائق ہوں حسب موسم طبعی مقویات و مفرحات بھی مثلاً ماء اللحم شربت روح افزا وغیرہ۔ نیبو اپنے تجربے میں مفید نہ پایا ثقل سماعت پیدا ہو جاتا ہے۔ حکیم مسطفےٰ مرحوم نے کہا بھی تھا۔ گنا اپنے تجربے میں بہت مفید پایا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ نومبر ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

مجھے خیال بھی نہ تھا کہ آپ کو جواب کا انتظار ہوگا ورنہ اسی وقت لکھ دیتا۔ میں نے اپنے اوپر قیاس کیا تھا مجھے خط کے جواب کا انتظار نہیں رہتا خیر اب سہی سمجھئے کہ بحمد اللہ اچھا ہوں۔ تفصیل موجب تطویل۔ دل آپ کی طبیعت میں البتہ لگا ہوا ہے۔ اللہ شفائے کلی جلد نصیب کرے۔

آپ کے ایک سابق خط سے جو تھوڑی سی دقتی گرانی پیدا ہوئی تھی وہ یوں بھی جاتی رہی اب جب آپ نے تلافی کر دی تو ظاہر ہے کہ اس کا کوئی شائبہ بھی باقی نہیں رہ سکتا۔

ایک اور مسئلہ پر آپ کی توجہ آپ ہی کی ہوا خواہی میں عرصے سے دلانا چاہتا تھا وقت نہ ملا مگر اب لکھے ہی ڈالتا ہوں گو بڑے ہی اختصار سے۔

آپ نے کئی بار مولانا کے قول "افراط خیر خواہی" سے متعلق اپنے حق میں اس طرح پیش کیا ہے گویا آپ اسے اپنے حق میں کوئی بڑا ٹرمپ کیٹ سمجھ رہے ہیں۔ اگر میرا یہ اندازہ صحیح ہے تو اس پر غور کر لیجیے۔

(۱) مفتی فتوی تو اکثر حالات پر دے گا جو مستفتی نے اسے لکھ کر بھیجے ہیں اس لیے ایسے فتووں کی ذمہ داری مفتی سے کہیں زائد خود مستفتی پر عائد ہوتی ہے۔

(۲) لفظ "افراط" سیاق میں بہت ہی اہم ہے اگر افراط غیرت کے معنی بے جا غصہ کے ہوتے ہیں اور افراط احتیاط کے معنی بزدلی کے اور افراط فیاضی کے معنی اسراف کے تو افراط خیر خواہی کو بجائے عیب کے ہنر کیسے فرض کیا جا سکتا ہے۔

(۳) سب سے بڑھ کر خود حضرت مولانا کا طرز عمل تھا حضرت تو پوچھنے پر بھی کسی کے

معاملے میں کس مشکل سے دخل دیتے تھے چہ جائیکہ آپ ہی آپ کسی کے معاملے میں روک ٹوک حسنِ نیت کا اجر آخرت میں بے شک ملے گا لیکن ظاہر میں دنیا تو احوال و الفاظ ہی دیکھ کر دخل در معقولات کا حکم لگانے میں حق بجانب ہوگی۔

یہ معروضات اگر کسی درجہ میں قابل قبول ہوں تو سبحان اللہ ورنہ اس خط کو ردی کی ٹوکری کے حوالے فرمایئے میں اس کے جواب کا انتظار ہرگز نہ کروں گا۔ زیادہ سے زیادہ بس اتنا لکھ بھیجئے گا (وہ بھی فوراً بھیجنا نہیں) کہ خط پہنچ گیا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۸ دسمبر ۱۹۶۲ء

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ جی ہاں نام اور قرینہ سے تو ڈاکٹر Saleem لبنانی عیسائی ہی معلوم ہوتے ہیں

۲۔ سوء مزاج کی کچھ تفصیل نہ لکھی جی لگا ہوا ہے۔

۳۔ میں یوں تو اچھا خاصا ہو گیا تھا لیکن حرارت نما کیفیت دن میں کئی گھنٹے کے لیے بدستور معاودت ہوتی رہی۔ اطبا کے نزدیک تخیر معدہ بہ شرکت جگر تھی بہرحال اب تو اچھا معلوم ہوتا ہوں جوارش جالینوس اور دعوب میں لیٹنا اور گنے کا رس یہ تین چیزیں میں نے اپنی تجویز سے رکھیں۔

۴۔ کتابوں کے باب میں بزرگوں دوستوں سب سے شرمندگی اٹھانی پڑی ہے لیکن مرض سے لاعلاج صورت یہ ہے کہ جب ۷۰۔۸۰ کتابیں چھوٹی بڑی جمع ہو جاتی ہیں تب تعارف لکھنا شروع کرتا ہوں۔ چھپنے میں اوسط پر چہ چار کتابوں کا رہتا ہے گویا کچھ کتابیں ضرور

ایسی آ رہی ہیں جن کے لیے تعارف کا انتظار ۲۰ پرچوں یا ۵ مہینے تک کا کرنا ہوگا۔ آپ کی کتاب کا نمبر شروع جنوری میں آ رہا ہے (لکھ تو اسی وقت ڈالا تھا) اور تعارف ہی کیا دے گئی جتنی چند سطریں اجمالی تعارف کی اس کی شرمندگی مزید اور بہتوں کے لیے تو صرف نام اور پتے پر کفایت کرنی پڑتی ہے۔

۵ — آپ کی کتاب کے نافع ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں آپ خود اپنے بعض تعلق والوں کی نظر میں رہے ہوں بہرحال آپ کی کتابیں ہمیشہ نافع ہوتی ہیں اور اس کتاب کا نمبر تو کچھ اور ہی بڑھا ہوا ہے۔

۶ — آپ کے بیان دعوت کا وقت دیکھنے نہ کرسکے جلد ہی نکل آئے۔ اس طرف مجھے سفر مسلسل کرنے ہیں۔ الہ آباد، علی گڑھ، پھر لکھنؤ (جلسہ ندوہ) اور آخر میں اعظم گڑھ۔ بس اسی تین ہفتہ کے اندر طبیعت کو بہت ہی کھلا رہا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ دسمبر ۱۹۶۲ء

برادرم ! وعلیکم السلام

۱ — دریاباد پہنچتے ہی پہلی ڈاک سے تحفہ جمیل میاں کے نام روانہ کردیا گیا۔ بہت اور بھی دفعہ کو بھی ٹٹول رہا ہوں شاید کہ کوئی اسٹاک دستہ کو معذرت کے ہمراہ بہ آسانی مل جائے کوئی توقع ذرا بھی نہیں۔ اب تک تو یہی ہوتا رہا ہے کہ کوئی ساتھی مفت میں حاصل شدہ نہیں ہوتا۔ ہر ایک بچیدہ دریچیدہ بجا دیتا ہے۔

۲ — لیکن آپ کو لیک وزیر باتدبیر کو درمیان میں ڈالنے کی کیا سوجھی تھی۔ منشیوں کا

کا طبقہ ہی دوسرا ہوتا ہے۔ این زمین را آسمانے دیگر است۔ میری اس طبقے تک بہرحال کچھ نہ کچھ رسائی ہوئی ہے اور بعض ان میں سے میرے مخلصوں میں شامل ہیں۔ (نواب صاحب چھتاری، ڈاکٹر ذاکر حسین خان، ڈاکٹر سید محمود وغیرہ) تاہم جب ۔۔۔ اتفاق سے کوئی اپنا کام ان لوگوں سے لینا چاہا تو بعد کو پچھتانا پڑا ـــــ خودداری اور استغنا کا خون تو پہلے ہی قدم پر کرنا ہوتا ہے۔

۳ ۔ آپ نے زبانی گفتگو میں بھی اور اپنے تازہ خط میں بھی اس نفسانی کیفیت کو 'مرض' سے تعبیر کیا تھا اور بجائے اس کو اپنا ہنر سمجھنے کے (جیسا کہ پہلے خطوط سے برابر ظاہر ہو رہا تھا) اسے ایک عیب قرار دیا ہے۔ للہ اپنی اسی تشخیص پر قائم رہئے۔ اور محض رسماً لفظاً ہی نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے بھی اسے مرض ہی سمجھئے اور شعور سے گذر کر اسکو لاشعور میں بھی اتار لیجئے۔ یہی اس کا بہترین علاج ہے۔ اب تک جو آپ کو شفا نہیں ہوئی تو بس اس لیے کہ آپ نے اسکو مٹانا چاہا ہی نہیں بلکہ حضرت کے سرٹیفکیٹ کی بنا پر اسے ایک کارِ خیر اور توشہ آخرت سمجھتے رہے۔ (یہی مرض ہمارے مرحوم دوست ظفر الملک بے چارہ کو بھی تھا۔ اپنے آپ کو مستثنیٰ کر کے ساری دنیا کو اپنے درۂ احتساب کی زد میں لیے ہوئے تھے اور اس کو کمال حق گوئی سمجھتے تھے اور یہی دعویٰ اپنے متعلق جوش ملیح آبادی کی ایک تحریر میں نظر سے ابھی گذرا فخر کے ساتھ لکھا ہے کہ شخصیت کیسی ہی بلند ہو مجھ سے اس کی لفظی یا معنوی غلطی پر ٹوکے بغیر رہا ہی نہیں جاتا) بزرگوں کو اپنے نفس پر نکتہ چینی سے کب چھٹی ملتی ہے کہ دوسروں کی طرف نظر کریں اور خصوصاً ہمارے حضرت تھانویؒ تو ترک فرائض تک پر چشم پوشی برت جاتے تھے تاوقتیکہ ان سے براہ راست سوال ہی نہ کیا جائے۔

۴ ۔ میں نے اپنے ظرف اور اپنی تن آسانی کے لحاظ سے حضرت کی زندگی سے بجائے عبادت و ریاضت کے سبق صرف زندگی بہ عافیت گزارنے کا حاصل کیا۔ حضرتؒ کی باوجود سارے دنیوی علائق کے پرسکون و پراطمینان کی زندگی مجھے بہت ہی بھائی اور اس میں بڑا دخل حضرتؒ کی اس روشن رواداری کا پایا "وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا" پر پورا پورا عمل۔ بڑی سے بڑی گندگی کا ڈھیر سڑک پر لگا ہوا ہے اور وہ ہیں کہ آنکھیں نیچی کیے سلامت روی سے چلے جا رہے ہیں

اور یہ حضرت ہی کا صدقہ ہے کہ باوجود طبعاً بہت ہی غصہ ور ہونے کے بھائی، بہن، بیوی لڑکیاں، بھتیجے، بھانجے، داماد اور رشتہ کے بھائیوں، پڑوسیوں، برادری والوں، کاشت کاروں سے عموماً بالکل کہنا چاہیئے کہ ۹۵ فیصدی سے اوپر نہایت ہی صلح و آشتی سے اتنی زندگی گزر گئی۔ غصہ آتا فوراً ہے لیکن اگر اتفاق سے دو چار منٹ کا وقفہ مل گیا تو بحمداللہ اتر بھی فوراً جاتا ہے۔ بلکہ قصوروار کی طرف سے کوئی معقول توجیہ و تاویل بھی ذہن میں آجاتی ہے۔

۵ ۔ اتنا لمبا خط لکھنے کا اتفاق مدت ہی کے بعد ہوا ہے آخر بچا اس سارے رفاقت کے حق بھی بہت کچھ ہوتے ہیں۔ ایک بار پھر اپنا ذاتی تجربہ عرض کردوں۔ سکون قلب کے لیے بارہا مالی قربانیاں دینا اور اپنے حق سے دست برداری کرنا پڑی۔

ابھی خیال آیا کہ میرے قریب کے بعض اعزہ کنہنی پور متصل رسولی کے ہیں اور ان کی شادیاں بنکی میں ہوئی ہیں آج ہی کل میں انشاء اللہ انھیں بھی خط لکھ کر دیکھتا ہوں۔

۶ ۔ اس کے بعد آپ کا دوسرا کارڈ مل گیا کتاب کا تعارف تو (جیسا کہ عرض کرچکا ہوں) اسی وقت لکھ ڈالا تھا اس کے چھپنے کی گنجائش شروع جنوری میں نکلے گی۔

غلام محمد سلمہ کا خط بھی اسی ہفتہ آگیا بہت ہی سلجھا ہوا۔ اُن کے اور آپ کے پہلے کارڈ کے اقتباسات اسی تعارف والے پرچے میں درج ہوں گے۔

۷ ۔ ختم کررہا تھا کہ ایک ضروری بات یاد پڑگئی مستغیث اور استغاثہ کی حد تک بے شک پوری آزادی بیان حاصل ہے لیکن اس رنڈی دوران گفتگو میں بعض ایسے فقرے بھی سُننے میں آگئے جو مجھ کم فہم کی فہم میں مصنف 'نظام صلاح و اصلاح' کے مرتبہ سے فروتر تھے۔

سکون و راحت قلب کے لیے زبان کی احتیاط بھی بڑی ہی ضروری چیز ہے۔

(۲۵ دسمبر) یہ خط ۲۳ دسمبر کو ختم ہوا اور کل ۲۴ کو صبح سویرے مسولی ایک شادی میں جانا ہوا۔ معلوم ہوا کہ جمیل میاں بے چارہ بیمار پڑے ہیں اور لکھنؤ میں داخل اسپتال ہوچکے ہیں۔ مگر تین صاحب بنکی التعلق مل گئے اور میں نے تینوں سے فرداً فرداً ذکر کردیا۔ ان میں دو

صاحب صاحب اثر ہیں دونوں نے ..... کی شکایت بلکہ ایک صاحب سے تو اُن کے الوبان سے اسٹیشن والی مسجد کے سلسلے میں مقدمہ بازی بھی ہو چکی ہے۔ مقدمہ کا دلچسپ عنوان تھا۔

"حکیم..... صاحب بہ نام پروردگار عالم"

اس درازنفسی کے جواب میں آپ کسی لمبے چوڑے خط کی زحمت ہرگز نہ گوارا فرمائیں۔ محض مختصر رسید تک مضائقہ نہیں۔

خطوط کے معاملے میں اپنے اچھے مخلص دوستوں کی طرف سے تنگ دل رہتا ہوں۔

خوشگوار خوشی آئندہ مستثنیات میں کہنا چاہیئے کہ نمبر اوّل میاں غلام محمد سلمہٗ کا ہے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مراد بڑا گاؤں ضلع بارہ بنکی کے نامور کانگریسی لیڈر اور ممبر اسمبلی شیخ جمیل الرحمٰن قدوائی۔

(۲) چھوٹا سا قصبہ جہاں شاہ عبدالرزاق رحمہ کا مزار ہے۔

(۳) پیسار شہر بارہ بنکی کا ایک محلہ۔

(۴) یہی مولانا کی طبیعت تھی۔

(۵) مراد شہر بارہ بنکی کا ایک محلہ۔

(۶) حیدرآباد ثم کراچی حضرت سید سلیمان ندوی کے مسترشد خصوصی۔

(۷) مکتوب الیہ کی ایک تصنیف۔

بسم اللہ

دریاباد

۹ فروری سنہ ۱۹۶۳ء برادرم! سلام علیکم

انشاء ... حالت بہتر ہوگی ـــــ حکیم شفاء الملک کے خلاب کا نچوڑ پندرہ دن تو بہرحال ہو لیا تھا۔

یہ کارڈ ایک قرآنی ضرورت سے ہے۔ یہ فرمایئے آپ کو سلوک اور تصوف کے ٹیکنیکل پہلوؤں سے بھی واقفیت ہے؟ اگر ہے تو نقشبندی طریق کے مطابق قلب بھی جاری ہوگیا؟ جواب میں تکلف یا انکسار کو ہرگز کام میں نہ لایئے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۳۰ مارچ سنہ ۱۹۶۳ء برادرم! وعلیکم السلام

دونوں مضمون بڑے ہی قابل قدر ہیں۔ استفتا صدق میں دوں گا۔ جب بھی جگہ نکلے۔

دوسرا سوال نامہ علی گڑھ بھجوانے کی فکر میں ہوں۔

بیماری جب تو اس درست ہونے دے[1]

علالت کا استمرار اپنی جگہ اس کے اشتداد سے کم نہیں ہوتا وہی حال اسوقت اپنا ہو رہا ہے۔ بخار کی روزانہ کی آمد کو اب تفتوں کی مدت ہو چکی ہے۔ اب آج خیال لکھنؤ منتقل ہو جانے کا کر رہا ہوں۔ یہ غلی دشواری بھی کچھ کم نہیں ہوتی بہرحال اب جو اللہ کو منظور ہو۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) اس زمانے میں مولانا کو کئی ہفتہ بخار آتا رہا تھا۔

بسم اللہ

لکھنؤ

۲۶ مارچ ۱۹۶۳ء　　برادرم!　　السلام علیکم

اپنا حال آپ کے سامنے خود ہی عرض کر سکتا ہوں۔ میاں آفتاب یا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ وہ وہ بصیرتیں اور معرفتیں الحمد للہ اس بیماری میں نصیب ہو جاتی ہیں کہ متنوی کے دفتر چاٹ جانے سے بھی نہیں ہوتیں۔ حالاً بعض کچھ گذرتی ہے عقلاً تو اپنے اوپر رشک آ جاتا ہے۔ ضعف کا یہ حال کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کی سکت نہ وضو کرنے کی ہمت۔ عبدیت کا مظاہرہ اس سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا۔ دن میں ڈھائی گھنٹے شدید کرب کے گزرتے ہیں۔ رات کو کھانسی وغیرہ کے علاوہ۔ یہ راز جا کے اب کھلا ہے کہ میری بیماری طبی قسم کی ہے ہی نہیں۔ سراسر مکافاتی قسم کی ہے۔ دنیا کو کیا اندازہ کہ میاں لوگ کے خاندان کے فرد کی حیثیت سے لڑکپن سے ادھیڑ سن تک کیسی کیسی زیادتیوں کا مرتکب رہ چکا ہوں خصوصاً نوکروں چاکروں پر ــــ شفقت اور رحمت ہی کی بنا پر جسمانی تعب و کرب کی ایک ایک منزل سے گذارا جا رہا ہے تا آنکہ مکافات کا کورس پورا ہو جائے اس حقیقت حال کو کسی طبیب یا ڈاکٹر سے کیا بیان کروں باقی لڑکیوں سے اسے کھل کر کہہ دیا ہے اور ہزاروں مستغیثوں کے مقابلے میں سیکڑوں سفارشیوں سے دعا کی طلب میں دن رات رہتا ہوں سفارشیوں سے مراد فلاں بزرگ اور فلاں قطب نہیں بلکہ صرف گھر کے پروردہ لڑکے اور لڑکیاں اور فلاں پرچے ہیں۔

یہ خط صبح لکھنا شروع کیا تھا پھر کمپیرے آئے اور تیمارداروں کا تانتا لگا رہا اب دو بجے جا کر ذرا موقع مل رہا ہے۔

دعاؤں سے استحانت فرمائیں۔

نبض قارورہ وغیرہ کی علامتیں بہتر ہیں لیکن رنجش از حد فزاز است سود انکند۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

لکھنؤ

۳۰ مارچ برادرم! السلام علیکم

مکافاتی کورس کے تقاضے اب تو معلوم ہوتا ہے اختتام کے قریب آ گئے نزلہ اور کھانسی تو خیر اسی طرح البتہ بخار کے شدائد غائب ہیں اور کل اتنے دنوں میں پہلی بار ہے کہ بخار نہیں آیا۔ علاج اصلاً حکیم امین سلمہ کا رہا کچھ تھوڑی بہت شرکت آفتاب کی بھی رہی۔

نزلہ کھانسی ضعف وغیرہ کے علاج کی منزل اب وہی ہے۔ تجربے خوب خوب حاصل ہوئے اللہ میاں نے مہلت دی تو انھیں قلمبند کر ڈالوں گا۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

لکھنؤ

۳۰ مارچ برادرم! السلام علیکم

بسلسلۂ تواشی مکتوبات سلیمانی ان پرزوں کا جواب حسب فرصت لکھ بھیجئے گا۔

(۱) جامعہ عثمانیہ میں آپ کب پہونچے اور کب تک رہے۔

(۲) اس سے معاً قبل آپ کہاں تھے بمبئی۔ احمد آباد، پونہ اعظم گڑھ ان مقامات میں آپ کب رہے۔

اب اصل شکایت کھانسی نزلے کی بے خصوصاً رات میں ـــــ دو راتیں بڑی بے چینی سے گذریں کھانستے کھانستے معلوم ہوتا ہے حلق چھل گیا ہے۔

اس کے بعد آپ کا دستی رقعہ آفتاب سلمہ کے واسطے سے پہنچا جزاک اللہ۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۹ اپریل ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

(۱) علی گڑھ سے جواب آگیا۔ یوسف حسین خاں صاحب نے بڑا خیال میرا اور آپ کا دونوں کا کیا۔ آج لکھنؤ دو گھنٹہ کے لیے جانا پڑ رہا ہے۔ وہ لفافہ محمود (فرزند قدیر الزماں سلمہ) کے سپرد کیے آؤں گا وہیں، سوئٹ دفتر صدق کے انچارج ہیں یہ کارڈ آپ کو منگل کی دوپہر کو ملے گا آپ وہ لفافہ دو ایک دن کے بعد منگوا لیجیے گا اس وقت تک میرے لیے اس مضمون کی خواہش شدید نقص ہو جائے گی۔

(۲) میں اتوار کو دریاباد آیا دوشنبہ کو انفارمیشن ڈائرکٹر لکھنؤ کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر لیے ہوئے دفتر صدق پہونچے کہ ڈائرکٹر صاحب مدیر صدق سے ملنا چاہتے ہیں۔ میری روانگی کا حال سن کر ہونے کہ خیر فوراً تو نہیں لیکن ایک ہفتہ میں آکر مل لیں تو اچھا ہے ——— تو میں آج کا سفر اس نیت میں بنا رہا ہے کہ کتنا کھس رہا ہے ——— تو بجے گاڑی پہونچتی ہے میں نے بھیجا ہے کہ براہ کرم دس بجے مل لیں تاکہ ساڑھے گیارہ بجے کی گاڑی سے واپس آؤں۔

معالجۂ نفس کے لیے یہ مضمون سنا لیا ہے کہ اپنی زندگی کے ہر دور کے واقعات کو سامنے لاتا رہتا ہوں اور ان جن صاحبوں کے حق میں نمایاں ظلم و زیادتی یاد آجاتی ہے اور ان میں کئی دفعہ ہوئی ہیں ان سے استغفار کرتا رہتا ہوں۔ اپنی آپ بیتی بھی لکھ ڈالی ہے اس کا ایک مستقل عنوان چنا مظلوم شخصیتیں ہیں۔ پہلی شخصیت میں نام صاحب زادہ آفتاب محمد خاں اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی وغیرہ کے لکھ دیے ہیں اور باقی بھی ملازمین کے لحاظ سے مظلوم ترین وہی رہے ہیں ——— ایک زیادتی خاص آپ کے ساتھ مہینوں مدتوں روا رکھی تھی آپ کی کوتاہی کے سلسلے میں۔ دوسروں کی نقاہت میں خواہ مخواہ آپ کو چھیڑتا رہا جب اس کی یاد آتی

بے ندامت ہی ہوتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ بھوپال کے بڑے میاں کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے کیا کیا سبق دے گئے ۔

عین وقت پر روانگی ملتوی ہوگئی آپ کا لفافہ بہرحال لکھنؤ روانہ بھیجے دیتا ہوں ۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ مئی ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

(۱) اللہ آپ کو جلد شفائے کامل بخشے اور پوری قوت عطا کرے ۔

(۲) علی گڑھ سے جوابات دو مسلمان پروفیسروں نے دیے تھے ـــــ گل صاحب[۱] ہندوستان سے باہر گئے ہوئے ہیں ۔

(۳) اس لکھنؤ یونیورسٹی سے کتابوں کے نام میں نے اپنے عزیز ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی (شعبۂ اردو کے واسطے سے) حاصل کئے تھے انہیں کو لکھے بھیجتا ہوں کہ آپ کی ملاقات کا انتظام ان صاحب سے کرا دیں ۔ لکھنؤ میں اس کا ذمہ دار حبیب سلمہٗ[۲] کو کئے دیتا ہوں ۔

(۴) حاجی آفتاب سلمہٗ[۳] انشاء اللہ ۳۰ مئی کو صبح بمبئی سے لکھنؤ پہونچیں گے ۔

(۵) میں سائنس والوں کے بیانات محض پڑھ لیتا ہوں اور ان پر رائے کوئی ہو کوئی بھی تمام کرتا ہوں ۔ ان لوگوں پر جرح منطقی یا فلسفیانہ نظر سے بالکل نہیں کرتا ۔

(۶) لکھنؤ کے وہ مسلمان سائنس داں یونیورسٹی میں نہیں کسی اور محکمہ میں ہیں ان سے ملاقات میں زیادہ وقت نہ ہوگی کوشش تو اس کی کروں گا کہ وہ خود ہی آکر آپ سے مل لیں ۔ خیر علالت آپ کی طرف سے کافی ہے ۔

میرا پروگرام لکھنؤ کا ہے، جون کا ہے انشاء اللہ ضرور ملنے کی کوشش کروں گا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد پروفیسر پی لیس گل جو اس زمانے میں مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ فزکس کے صدر تھے

(۲) مولانا کے منجھلے بھتیجے اور داماد۔

(۳) حج سے واپسی پر۔

بسم اللہ

دریاباد

۸ اگست ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

اللہ تقریب سعید سے فراغت بہ طرح مبارک کرے ـــــ مجھے انتظار بھی تھا خط خوب وقت سے مل گیا۔

یہ میں نہیں سمجھا کہ آپ سائنس والوں سے اور کیا چاہتے ہیں؟ جو کچھ انہیں معلوم تھا وہ انھوں نے آپ کو بتا دیا پورا Data آپ کو مل گیا آپ اس پر جرح و تنقید کر فلاں نظریہ ان کا تشنہ ہے فلاں دعوے سے تناقض کلام لازم آتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان کا کام نہیں یہ کام تو فلسفہ و کلام والوں کا ہے آپ کی تشفی کامل سائنس والے کیسے کر سکتے ہیں۔

ادھر تو ایک عرصے تک مجھے کئی کئی سفر درپیش ہیں اور بعض خاصے لمبے ہیں۔ تاہم الہ آباد کے سفر سے غافل نہیں ہوں۔ چلوں گا تو آپ ہی کے ساتھ باقی ۲۴ گھنٹے کے بعد اجازت چاہوں گا۔ پہلی بار اسی قدر کافی ہے۔

خدا کرے اب آپ کی صحت بالکل اچھی ہو۔

ڈاکٹر محمود کی بیعت یا دلی ارادت کی روایت معتبر ہے یا؟ میں نے خود انھیں سے

اس کی تصدیق چاہی تھی انھوں نے خط کے اس جزو کا جواب ہی نہ دیا۔ دہلی سے ایک صاحب نے انہی کے حوالے سے لکھا ہے کہ روایت بے اصل ہے۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے صاحب زادے کے عقیقہ کی تقریب۔

(۲) مکتوب الیہ اپنی کتاب کے سلسلے میں سائنس والوں سے مواد حاصل کرنا چاہتے تھے۔

(۳) شاہ وصی اللہ صاحب سے۔

بسم اللہ

دریاباد

۳ ستمبر ۶۳ء

برادرم! السلام علیکم

دہلی اور لکھنؤ کے سفر سے تو فارغ ہوا یا لکھنؤ ایک بار پھر آنا ہے اب کی جمعہ ۷ ستمبر کو۔ آپ سہ پہر کے وقت بے تکلف تشریف لا سکتے ہیں۔ اگر زیادہ بارش ہوگئی تو آپ کو معذور سمجھ لوں گا۔ یہاں بھیجنے کا وقت تو بہرحال نہیں ہے۔ آسانی سے ممکن ہو تو وہیں جمعرات کو شام یا جمعہ کی صبح جواب لکھ دیجیے گا۔

والدہ رانت ۲۵ سال بعد حیدرآباد جانے کا ارادہ کر رہی ہیں۔ صحت یوں بھی خراب ہو رہی ہے عین اسی وقت اور زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ بلڈ پریشر وغیرہ دیکھیے جو سفر کے قابل بھی ہوں۔ دُعا صحت بھی ضرور کیجیے علیم سلمہٗ کی ڈیوٹی حیدرآباد کی بارہ ہفتہ کے لیے لگی ہے انھیں کیسا تھ ۷ ستمبر کو صبح روانگی کا پروگرام ہے میں جمعہ کو انہی کو رخصت کرنے آرہا ہوں۔ خود میرے پندرہ روزہ سفر حیدرآباد کا تخمینی پروگرام چار ہفتے بعد کا ہے۔

راجستھان کا سفر ۴ اکتوبر میں کرنا ہے اور علی گڑھ و اعظم گڑھ کا نومبر میں۔ تاریخیں تینوں

کمیٹیوں میں سے کسی کی بھی ابھی متعین نہیں۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) یعنی مولانا کی بیگم صاحب

(۲) اپنی بڑی بہن بیگم نواب ناظر یار جنگ سے ملنے تو حیدرآباد میں مستقل رہتی تھیں۔ ان کا انتقال جنوری ۱۹۵۳ء میں ہوا۔

(۳) اردو کتابوں کی انعامی کمیٹی کے جلسے میں شرکت کرتے اس کمیٹی کے جلسے ڈاکٹر سمپورنانند گورنر راجستھان کی صدارت میں جے پور میں ہوئے تھے۔

بسم اللہ

دریابادہ

۲۷ نومبر ۱۹۶۳ء

برادرم! السلام علیکم

آپ نے بھی توقعات کو گول اور مجمل رکھ کر تشنگی کا جواب تشنگی ہی سے دیا۔ میرے لیے تو مولانا کا یہ مختصر فقرہ سہ پہر کی نشست میں بڑا ہی سبق آموز رہا کہ میں نے علماء کو دیکھا ہے کہ تفریحی مسائل پر شب کو گھنٹوں گفتگو کر لیتے ہیں لیکن تلاوت قرآن نہیں کرتے۔

نسبت کا ترجمہ میں تو تعلق یا استحضار سے کرتا ہوں قوی النسبت وہ ہے جس کا تعلق بیدار اور استحضار قوی رہتا ہے۔ غفلت و ذہول اس پر بہت کم طاری ہوتی ہے اس لیے قدرۃً اس سے معاصی کا صدور بھی کم ہی ہوتا ہے۔

ہاں مولانا علی میاں کا وہ مضمون پڑھا تھا آئندہ شمارہ میں تو تائیدی نوٹ کی گنجائش نکلے گی اب انشاء اللہ ۲ میں (اگر تب تو چکا ہے) میں ضرور کچھ عرض کروں گا لیکن ظاہر ہے کہ دونوں ہی اپنے اپنے کاموں سے گھرے ہوئے ہیں اور علی میاں کی اس ہمہ جہتی مصروفیت تو بس

ان کی کرامت ہی ہے آپ کی اسکیم کے لیے زیادہ وقت کہاں سے نکال سکتے ہیں آپ کی اسکیم کی اصل کمزوری یہی ہے کہ اس کا داعی مرحوم العمل ہے یہی حال مولانا گیلانی کا تھا۔

تحریک کوئی سی بھی ہو بس جب ہی چل سکتی ہے کہ جب اس کا داعی اپنی زندگی اسی کے لیے وقف کر دے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) یعنی مسلمان طالب علموں کے لیے دارالاقامہ کی۔

بسم اللہ

دریاباد

۹ جنوری ۱۹۶۴ء برادرم! السلام علیکم

خدا کرے مزاج بہ طرح بہ عافیت ہو۔

صدیق کے پرانے مخلص خاں صاحب نیاز علی خاں (بجوبہ آباد ضلع گورکھپور) میں ہ
سال صدیق کے ایک پچھلے نوٹ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ "اسے پڑھ کر دارالاسلام پٹھان کوٹ
احیاء کی تحریک تازہ ہو گئی۔ تعمیرات کا کام شروع کر دیا ہے چیدہ و ڈھونڈھ کر طلبہ
کی نیت سے۔ ایسے ادارے کے لیے ایک پورا ضابطہ بھی آپ ہی کو تیار کرنا ہو
یہ کام تو آپ ہی کا کام نکلا۔ ضابطے کی فرمائش کو بھی آپ کی طرف منتقل
ہاں صاحب ایک دینی علمی مسئلے میں آپ کی رائے و مشورہ کا محتاج
میں بار بار پھنسا رہتا ہے کہ فلاں مقام پر ایک ۴۔ ۵ سال کے بچے کو اسے پچھلے
ہیں وہ ایک ایک پتہ بتاتا ہے اور ہر پتہ کی تصدیق ہو گئی ہے وغیرہ۔ آپ ایسے
ثبوت کیا توجیہ و تاویل فرماتے ہیں۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی ایک بہت پرانی اسکیم یہ تھی کہ مسلمان طالب علموں کے لیے دارالاقامے قائم کیے جائیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۵ فروری ۱۹۶۴ء

برادرم! السلام علیکم

پچھلے خط کے سلسلے میں ایک تراشا اور ملاحظہ ہو۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں۔ ایک مسئلہ اور بتلایئے دو شخص ہیں۔ ایک کو ذات رسالت سے عشق کی کیفیت ہے نام سنتے ہی وجد میں آجاتا ہے یا آب دیدہ ہو جاتا ہے اور درود شریف بڑی کثرت سے پڑھتا ہے شاید خواب میں زیارت بھی کر چکا ہے۔ وقس علیٰ ھٰذا لیکن ساتھ ہی اتباع سنت کا کیا ذکر ہے کھلے ہوئے فرائض کی طرف سے بھی بے پروا ہے اور تعمیل احکام شریعت میں نہایت درجہ تساہل برتتا ہے۔

دوسرا شخص اس کے برعکس بڑا اہتمام اتباع سنت کا رکھتا ہے۔ ادائے فرائض میں بڑا مستعد لیکن ساتھ ہی درجۂ محبت میں صفر محض۔ کوئی جذبہ و ولولہ اپنے اندر پاتا ہی نہیں آپ ان دونوں میں سے بہتر حالت کس کی قرار دیں گے؟

فرمایئے صحت کا حال تو بہتر ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ فروری ۱۹۶۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

خدا کرے آپ اچھے اور تندرست ہوں۔

مضمون "ایک اور صرف ایک حل" پڑھ لیا۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس سے سو فیصدی متفق ہوں لیکن اس کے بیشتر حصے سے ضرور متفق ہوں اور مضمون اس قابل تو بہرحال ہے کہ اسے ملت کے سامنے لایا جائے۔

گمنام یا نام کے ساتھ جس طرح کہئے صدق میں دے دوں۔ گنجائش جب بھی نکل پائے۔ یہ بڑا ٹیڑھا سوال رہتا ہے اور نہ معلوم کتنے کرم فرماؤں کو اس سے شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسلامی اقامت خانوں سے متعلق ایک مراسلہ لاہور سے آیا ہوا ہے اور پُر اثر تائید چغتائی دریابادی[1] نے اپنے مکتوب پیرس میں کی ہے اُن کے نکلنے کی بھی نوبت دیکھئے کب آتی ہے۔

بس میں اتنی ہی خدمت کا اہل ہوں باقی ظاہر ہے کہ دو چار مضمونوں سے کہیں یہ بگاڑ بند ہو سکتا ہے۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مراد سعید النظر چغتائی صاحب حال ریڈر فزکس مسلم یونیورسٹی جو اس زمانے میں پیرس ڈاکٹریٹ کرنے گئے ہوئے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۸ فروری ۱۹۶۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

عربی کتاب دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ بارک اللہ مقدمہ بھی ضرور قابل دید ہوگا۔

غریب صاحب[1] کو تعارف نامہ بڑی مسرت سے لکھ دوں گا اب ان کا وہاں پہلا سا اثر باقی نہیں۔ یہ تو اپنا ہی کام ہے یوپی گورنمنٹ نے اس سال مجھے اسٹیٹ حج کمیٹی کا ممبر بنادیا ہے اس لیے انشاء اللہ بمبئی پورٹ حج کمیٹی کو بھی لکھ سکتا ہوں بس ذکر کرے یاد رہ جائے۔ کہیں وقت پر بھول نہ جاؤں۔

مضمون واپس خدمت ہے کوئی خاص اور نمایاں اضافہ تو اس سے کہیں بھی نہیں بس یہی ہے کہ بعض مقامات کو میں ہلکا رکھتا اور بعض کو زوردار بنادیتا۔ ایسے فرق تو رہ ہی جاتے ہیں

والسلام

عبدالماجد

(۱) مولانا کے مخلص خصوصی محمد احمد غریب صاحب۔

بسم اللہ

دریاباد

۹ مارچ ۱۹۶۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

یہ پچھلا دستی خط اتنی دیر کو ملا۔ جانتا تو ڈاک ہی سے نہ بھیجتا اب اسی ڈاک سے منیری[1] صاحب کو لکھے دیتا ہوں۔ یہ غریب صاحب سے بھی بڑھ کر کارآمد ثابت ہوں گے جواب کے لیے پتہ آپ کا لکھ دیا ہے ایسی ضرورتوں کے لیے وہیں میاں آفتاب بالکل کافی ہیں۔ وقت

کی کفایت اسی میں رہے گی۔

لکھنؤ یوں تو کل ہی آمد ہے یعنی اسی کارڈ کے ساتھ ساتھ۔ جج کمیٹی کی پہلی میٹنگ ۱۰ بجے ڈیڑھ دو گھنٹے میں فراغت انشاء اللہ ہو جائے گی۔ سہ پہر کو حاضر خدمت ہو سکتا تھا لیکن دوسرے پروگرام پہلے سے ہی رکھ دئے ہیں ان پروگراموں سے اگر وقت بچ گیا تو انشاء اللہ ضرور حاضر ہو جاؤں گا ورنہ پھر آئندہ آمد پر۔ Mental کے لیے اردو میں 'دماغی' اچھا خاصا چلا ہوا تھا۔ دماغی کام دماغی محنت وغیرہ Physical/جسمانی کے مقابلے میں۔ ذہن کا لفظ تو انگریزی میں Intellectual کے لیے تھا تو میں نے اس قاعدے سے Mentalism کے لیے دماغیت رکھا لیکن انگریزی میں اب دماغ کے Association دوسرے ہو گئے ہیں۔

میں تو مسلمانوں کی طرف[2] سے بالکل ہی مایوس ہو چکا ہوں۔ فرنگی تہذیب سے کامل مقاطعہ ممکن نہیں (کم سے کم ہم پست ہمتوں کے لیے) اور اگر اشتراک رکھئے تو کس حد تک۔ عملاً کوئی بھی حد قائم نہیں رہنے پاتی۔ سو فی صدی اس میں ضم ہو جانا پڑتا ہے۔ ملک اور زمانے کا تجربہ یہی ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) بمبئی کے اور دینی ماہنامہ البلاغ کے ایڈیٹر مولانا کے مخلصوں میں

(۲) یہ مولانا کا مستقل خیال تھا مسلمانوں کی حرکتوں کی وجہ سے۔ اور اسی وجہ سے بہت زیادہ کڑھتے رہتے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۱ ستمبر ۱۹۶۴ء

برادرم! السلام علیکم

حضرت کا مختارانہ مذاق سفارش کے معاملے میں تو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہی ہونگے میں اس کے اتباع کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا لیکن اپنی کم ہمتی کو کیا کروں کہ اب سالہا سال سے کسی عزیز قریب کے لیے بھی لکھا ہی نہیں جاتا اور رشید صاحب[1] سے میرے تعلقات جس درجے کے ہیں ویسے تعلقات ان سے بیسیوں کیا پچاسوں کے ہونگے۔ بہرحال ایوب سلمہٗ[2] کے پورے تعارف کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ اللہ ایسا کرتا کہ آپ کے ضمیر پر دباؤ پڑے بغیر اور آپ کے دل پر میل آئے بغیر قرعۂ انتخاب ان کے نام نکل آئے اور آج ایک خط میں بطور ضمیمہ یہ بھی لکھ بھیجا کہ اگر ان بیچارے کی قسمت کسی طرح یاوری نہ کرے تو ان کا نام کسی آئندہ موقع کے لیے نوٹ کر رکھیے علی گڑھ میں ایسی صورتیں نکلتی رہتی ہیں۔

یہ سارا ٹنٹنا میاں ایوب کے لیے بھی ہے۔

ہاں صاحب ناظر یار جنگ بے چارے بہت سخت علیل ہیں دوائیں ہر طرح کی ہو چکیں بس دعا کا وقت ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مراد پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب ہیں جو اس وقت جامعہ اردو علی گڑھ کے نائب شیخ الجامعہ تھے۔

(۲) مکتوب الیہ کے داماد جنہوں نے جامعہ اردو کی رجسٹراری کے لیے درخواست دی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲ر اکتوبر ۱۹۶۳ء

برادرم! ... وعلیکم السلام

لکھنؤ مع قافلہ کل ۳ر اکتوبر کو ۳ بجے کے بعد انشاء اللہ پہونچنا ہے اور ۴ بجے کے بعد قبرستان عیش باغ روانہ ہو جاؤں گا۔ ایسی مستعدی سے کام نہ لوں تو پروگرام پورے نہ ہو سکیں۔ یہ خط اسی لحاظ سے عملاً آپ کے لیے بے کار ہی ہے۔ انشاء اللہ ۴½ ہفتے والے قیام میں اگر دوبارہ موقعہ ملا تو ضرور ہم رکابی کی سعادت حاصل کروں گا۔ عیش باغ تو گویا ہمارا خاندانی قبرستان ہو گیا ہے۔ بھائی، بھاوج، ہمشیرہ اور چھوٹے بڑے ملا کر خدا معلوم کتنے عزیز وہاں دفن ہیں۔

علماء سے آپ کا سوال ہے بڑا دلچسپ[1]۔ ۶۴ء آج مرتب ہو گیا اور اب ۶۷ء میں انشاء اللہ اس کے لیے ضرور جگہ نکال لونگا سائل کے چہرے پر ایک ہلکا سا نقاب ڈال کر۔

بیگم انیس قدوائی ولایت میاں مرحوم کی لڑکی ہیں اور رفیع قدوائی کی بیوہ بھاوج۔ شوہر شفیع مرحوم مسوری میں ۱۹۴۷ء میں ایک رفیوجی کی گولی کا نشانہ بنے۔ دہلی میں رہتی ہیں۔ قومی خدمت کے لیے وقف۔ غالباً پارلیمنٹ کی ممبر ہیں۔ بے پردہ ہونے کے باوجود ہیں مشرقی قسم کی بڑی سادہ مزاج اور خاصی مذہبی۔

ناظر یار جنگ بے چارے کا مرض تو تشخیص ہوا ہے البتہ بحمد اللہ سر دست افاقہ ہے علاج مسکنات سے ہو رہا ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) یعنی خواتین کا مسلمانوں کے جلسے میں شرکت کا۔ مجلس مشاورت کا ابتدائی اجلاس

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اگست ۱۹۶۴ء میں منعقد ہوا تھا۔ مسلمانوں کے مسائل پر غور کرنے اور ان کا کوئی حل نکالنے کے لیے خاص طور سے فسادات سے محفوظ رکھنے کے لیے۔ اس میں بیگم انیس قدوائی اور بعض دوسری مسلم خواتین بھی شریک ہوئی تھیں۔ مکتوب الیہ نے اس بارہ میں سوال کیا تھا۔

(۲) اب یہ بھی ہوائی ۱۹۶۲ء میں منعقد ہو گئیں۔

(۳) منعقد مسوری میں ہوئی تھیں جہاں کے ایگزیکیوٹو ممبر تھے۔

(۴) منعقد کی تائید ایک کمیٹی میں پڑی ہوئی ہی تھی اور انھیں رفیع احمد جی نے شہید کیا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ نومبر ۱۹۶۴ء برادرم! السلام علیکم

آپکا کارڈ لکھنؤ ہوتا ہوا یہاں ملا اور کیا بتاؤں کہ کس درجہ شرمندہ کیا۔ میں تو کل ایک مہینے کے پروگرام سے شروع اکتوبر میں گیا تھا اور آپ کے کارڈ میں بھی درج کر دیا تھا۔ میں ۲ نومبر کو پہنچ گیا۔

دریاباد پہنچ کر عموماً اپنے کتب خانے کے اکثر بڑی دولت یہاں کے سکون و خاموشی کی ہاتھ آجاتی ہے۔ اپنے اوپر فخر تک کرنے لگتا ہوں خصوصاً لکھنؤ وغیرہ سے آنے کے بعد۔ آپ کو تو بھی اپنے شبستان سعادت میں یہ سعادت حاصل ہے۔ لکھنؤ میں رہ کر گویا لکھنؤ سے باہر رہا ہوا ہونے کے مستحق ہو گئے۔

عیش باغ کا جب بھی قصد فرمائیں یہاں قدیمی قائم مقامی پوری طرح کر سکتے ہیں بلا تکلف تشریف لائیے اور ان کے یہاں پہونچ جائیں۔

میاں خلوم سے پڑھنے تو بیچارے سے الگ ہو گئے۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی لکھنؤ کی کوٹھی کا نام

(۲) لکھنؤ کا سب سے بڑا قبرستان جہاں مولانا کے قریبی اعزہ یعنی بھائی، بہن اور بھاوج وغیرہ مدفون ہیں۔

(۳) کراچی کا ایک دینی ماہنامہ

بسم اللہ

دریاباد
۱۹ر نومبر ۱۹۶۲ء

برادرم! وعلیکم السلام

دوسرا والا نامہ بھی لکھنؤ ہوتا ہوا مل گیا تھا اور اس نے شرمندگی میں اور اضافہ کیا۔ میں نے پہلا ہی کارڈ پاکر خاتون منزل لکھ دیا تھا کہ فون سے اطلاع دے بھی دی جائے اور معذرت بھی کرلی جائے۔

جی نہیں علی گڑھ سے پھر کوئی اطلاع نہیں آئی اور میرے پاس کیوں آتی۔ مجھے تو وہ اپنے ذاتی معاملے کچھ اس سے ملتے جلتے آخر کبھی کبھی پیش آتے رہتے ہیں اپنے قصد و ارادے کی حد تک کبھی جواب کے انتظار میں نہیں رہتا۔ تجربے سے معلوم ہوا کہ سکون و عافیت اسی میں ہے۔ سارا فیض انھیں بڑے میاں کا ہے۔ بڑے لوگوں نے ان سے بزرگی و درویشی کے سبق لیے ہوں گے میں نے تو اپنے ظرف کے لحاظ سے صرف یہ سیکھا کہ زندگی زیادہ سے زیادہ عافیت و سہولت کے ساتھ کیوں کر بسر کی جاسکتی ہے۔

اب سب سے زیادہ فکرمند اردو تفسیر کی طبع ثانی کے بارہ میں رہتا ہوں، دہلی وغیرہ سب کہیں سے مایوسی ہوگئی ہے۔ ۵۰۰۰ ہزار کا سرمایہ اکبارگی لگانے کا دم کس میں ہے۔ یہ ظاہر تو یہ حسرت لے کر ہی دنیا سے جانا ہے۔

یہ خط کل ڈاک میں نہیں ڈالا خیال ہوا کہ شاید میرے پہلے خط کے جواب میں شام کو

آپ کا خط آتا ہو حالانکہ اس خط میں جواب طلب کوئی بات تھی ہی نہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) افسوس ہے کہ مولانا مرحوم یہی حسرت لیے ہوئے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے انکی زندگی میں اردو تفسیر کی طبع ثانی صرف گیارہویں ہی پارے تک ہو پائی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۵ نومبر ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

۲۰ کا لکھا ہوا خط کل ۲۴ کی شام کو ملا

ایک آسان صورت تو یہ ہے کہ آپ پرسوں جمعہ کو دہرہ ایکسپریس سے دریاباد آجائیں میاں آفتاب آپکو لکھنؤ اسٹیشن پر مل جائیں گے ان کا معمول اسی سے آنے کا ہے واپسی میں دہرہ ہی ۵ بجے آپ کو مل سکتا ہے اور اس طرح کھانے، نماز، قیلولہ کے علاوہ بھی ڈھائی تین گھنٹے آپ کو مل جائیں گے۔ لیکن اتنی جلدی آپ کا بستیانہ ہو سکے۔

دوسرے اور تیسرے ہفتے میاں آفتاب نہ ہوں گے دو ہفتے کے لیے پاکستان جا رہے ہیں میرا خود بھی دسمبر میں دوبارہ لکھنؤ کا پروگرام ہے۔ ایک ۱۹ دسمبر کو (اردو کی ایک سرکاری کمیٹی میں) ایک علی گڑھ کی مجلس دینیات کے لیے۔ اس کی تاریخ ابھی تک نامعلوم ہے اندازہ ہے کہ شاید پہلے ہفتے میں ہو۔

ادارہ جامعہ اردو (علی گڑھ) کے ایک صاحب دریاباد آئے ہوئے ہیں جامعہ کے امتحانوں کا ایک سنٹر دریاباد میں اب کی سال ہو گیا۔ وہ کہتے تھے کہ رجسٹرار کا تقرر

ابھی تک معلق[۲] ہے درخواستیں ستراسی کی تعداد میں پہونچ چکی ہیں ڈگریوں، سفارشوں تجربوں سب کے لحاظ سے ایک سے بڑھ کر ایک۔ جس کسی کا بھی تقرر ہوگا جواری کی طرح محض قسمت سے ہوگا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) امتحان کے سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت۔

(۲) اس رجسٹراری کے لیے مکتوب الیہ کے داماد نے درخواست دی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۹ نومبر ۱۹۶۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

تیسرا کارڈ کل شام کو وصول ہوا جواب پہلی ڈاک سے جارہا ہے لیکن اب اسے کیا کروں کہ آج اتوار ہے ظاہر ہے کہ یہ کارڈ آپ کو پرسوں منگل سے پہلے وصول نہیں ہوسکتا ہے۔

علی گڑھ میں میری ٹینگ[۱] ۸ دسمبر کو ہے یعنی ۷ کو لکھنؤ کچھ قبل پہونچ کر رات کی گاڑی سے روانہ ہوجانا ہے علی گڑھ گاڑی ۴½ بجے جتنا تی وقت پہونچتی ہے آپ اس سردی کے وقت کا اندازہ کرکے فیصلہ کیجئے میں خود بھی یہی محض وقت بچانے کی دھن میں اس مجاہدے کو گوارا کر رہا ہوں ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب ہوں یا کوئی صاحب ہوں تجربات پیہم کے بعد میں ہر ایک سے توقعات قائم کرنے میں بڑا ہی محتاط ہوگیا ہوں ہر ایک کو اپنی مرضی، مذاق کے مطابق کیسے لے آؤں اور کس کس سے لڑتا پھروں اس لیے

بحمداللہ کسی سے ناخوشی کے موقع بھی بہت ہی گھٹ گئے ہیں۔ یہ بھی فیض انہیں بڑے میاں کا ہے[۳]۔

دوپہر کی پسنجر کے بجائے دہرہ کا وقت تو محض میں نے میاں آفتاب کی رفاقت کے خیال سے رکھ دیا تھا۔ خیر اب سردست تو کوئی سوال ہی نہیں۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد۔

(۱) شعبہ سنی دینیات مسلم یونیورسٹی کی سالانہ ٹیٹنگ

(۲) یعنی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح

بسم اللہ

ڈریاباد

۲۵ دسمبر ۱۹۶۴ء

برادرم! وعلیکم السلام

آپ نے میرے حافظے کا بڑا سخت امتحان[۱] لیا اور میں اس میں بالکل ہی فیل نکلا الفاظ بیعت اور تخصیص سلسلہ صابریہ اب کچھ ذہن میں نہیں ایک دُھندلا سا خیال تو ہے مگر کوئی بات بھی جزم و وثوق سے نہیں کہہ سکتا استخارہ کیا تو ضرور ہوگا لیکن اس کے یا تلقین توبہ کی بابت کوئی بات اب حافظے میں نہیں۔

شرمندہ ہوں کہ آپ کی خدمت اس سلسلے میں کرنے سے یوں معذور رہا۔

ہمارے شہید[۲] صاحب فرنگی محلی بھی آخر چل بسے۔ میرے بڑے بے تکلف دوست ۳۷۔۳۸ سال کے تھے اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ اور مولانا دونوں حضرت مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ مکتوب الیہ نے اس بیعت کے الفاظ کے بارے میں مولانا سے پوچھا تھا۔

(۲) یعنی مولوی صبغۃ اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محلی۔

بسم اللہ

دریاباد

یکم مئی ۱۹۶۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

آپ نے سوال جس نقطۂ نظر سے کیا ہے بالکل صحیح ہے لیکن وہاں کی دنیا ہی بالکل دوسری تھی۔ وہاں ایسے سوالات کا کیا گذر۔ بہرحال آپ کا سوال مع میرے نوٹ کے اس نمبر میں انشاء اللہ نکلے گا۔

زاہدہ[1] کی طبیعت پہلے سے تو بحمداللہ بہت بہتر ہے پھر بھی ابھی علاج جاری ہے اور دعاؤں کی ضرورت بھی۔ وہ تو خیر ہی ہے باقی ان کی والدہ مجموعہ امراض ہو رہی ہیں۔ وجع المفاصل اختلاج وغیرہ تو مستقل ہیں اور بلڈ پریشر بھی وقتاً فوقتاً۔ اب لکھنؤ انھیں پہونچا آیا ہوں۔ ڈاکٹر قریشی[2] کا علاج شروع ہوا ہے دعاؤں کی ضرورت تو ان کے لیے ہے۔ پیروں سے معذور ہوتی جا رہی ہیں اسی وجع مفاصل سے۔

جے پور میں اردو کی سرکاری کمیٹی کی میٹنگ ۱۴ مارچ کو ہے ادھر سے لکھنؤ ہوتا سیدھا گذر جاؤں گا واپسی میں ۱۶ کو انشاء اللہ ۲۴ گھنٹے ٹھہروں گا۔ ملاقاتیں بعد دوپہر بھی رہیں گی لیکن یقین ہے کہ ۵-½۵ بجے تک سب ختم ہو جائیں۔ ۴۵-۴۰ منٹ کا وقت مغرب تک فارغ رہے گا۔ بے تکلف اسی وقت کرم فرما سکتے ہیں۔

مولوی مسعود[3] بے چارہ پیروں سے بالکل ہی معذور ہو گئے ہیں قدم دو قدم بھی نہیں چل سکتے بلکہ سہارے کے لیے ایک آدمی بھی کافی نہیں دو آدمی گود میں

اٹھا کر کرسی یا رکشے پر بٹھا دیتے ہیں شدید تشنج وغیرہ کی بھی شکایتیں ہیں البتہ دماغ پر ا
ماشاء اللہ کوئی اثر نہیں۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) مولانا کی چھوٹی صاحب زادی۔
(۲) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی۔
(۳) مولوی مسعود علی ندوی صاحب نیچر دارالمصنفین۔

بسم اللہ

دریاباد
۹ مارچ ۱۹۶۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

Happening کے لیے ذوق ٹھیک رہے گا۔ Mentalism کے لیے ذہنیت ہی رکھیے۔ بطور اصطلاح ایسے لفظ پہلے سے موجود ہی ہیں جو عام بول چال کے بھی اور ساتھ ہی ساتھ کسی نہ کسی فن کی اصطلاح بھی۔ بخار، شعور، حرارت مزاج وغیرہ

۱۶ منگل کو انشاء اللہ لکھنؤ میں ہوں گا اور ۵ بجے تک دوسری مصروفیتوں سے فارغ ہو چکا ہوں گا۔ آپ اس وقت بے تکلف کرم فرمائیں اور ہاں اب کی بے تکلف ایک درخواست بھی ہے لمبی تقریر نہیں چند منٹ کی گفتگو بھی لڑکیوں کی اسکول کالجی تعلیم پر بھی ذرا کر دیں۔ لڑکیاں پس پردہ مستفید ہوں گی۔

زاہدہ اور ان کی والدہ لکھنؤ میں زیر علاج ہیں اور محتاج دعا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ ایک کتاب لکھ رہے تھے غالباً سائنس اور مذہب کے بارے میں اسی ــــ کے لیے اصطلاحات کے اردو مترادف کے بارے میں مولانا ــــ سے استفسار کیا تھا۔

(۲) مولانا کی چھوٹی صاحبزادی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۸ مارچ ۶۵ء

برادرم! السلام علیکم

اب کیا بتاؤں کہ آپ سے کس درجہ شرمندہ ہوں آپ خود ہی اندازہ لگا لیجئے کانکا میل تین گھنٹے لیٹ دہلی پہنچا جس سے اُدھر کی گاڑی ملنا ناممکن ہوگئی دہلی ۱۲½ بجے رات کو پہونچا سب استقبالی واپس جا چکے تھے خراب خستہ میزبان کے ہاں پہونچا۔ میں تو اسی وقت یعنی ۱½ بجے رات کو ٹیکسی کر کے سفر پر مستعد ہو گیا مگر میزبان صاحب نے کسی طرح نہ مانا بوائی جہاز صرف سہ پہر کو جاتا تھا خیر پھر جے پور صدر صاحب کو ٹرنک کال کر دیا جواب ملا کہ میٹنگ ایک دن کے لیے بڑھائے دیتا ہوں دوپہر تک جے پور اطمینان پہونچئے۔

واپسی میں ۱۶ کو چند گھنٹے کے لیے علی گڑھ میں اترا دو بجے آپ کے لیے خاتون منزل فون کرنا چاہا سوا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا اور بکنگ نہ ہو پائی بار کر اسے منسوخ کر دیا ادھر میاں قدیر کو بھی خیال نہ آیا اور آپ سے خواہ مخواہ شرمندگی اٹھانی پڑی۔

مریضہ نمبر ۱ کو یعنی گھر میں افاقہ مطلق نہیں بلکہ اچھی خاصی زیادتی علاج مجبوراً بدلنا پڑا۔ کل سہ پہر کو انھیں چھوڑ کر چلا تو آیا لیکن دل برابر وہیں اٹکا ہوا ہے اور سوچ رہا ہوں کہ لکھنؤ کچھ دن کے لیے منتقل ہو جاؤں اہم ترشکایت بلڈ پریشر ہی کی ہے ضعف بہت

زیادہ بڑھ گیا ہے۔

زاہدہ کی بھی کھانسی کی شدت بدستور بخار ادھر کئی دن سے نہیں آیا تھا پرسوں سے پھر تراوت ہوئی ہے عام صحت ماشاء اللہ اچھی ہے یعنی چلنا پھرنا ہنسنا بولنا حسب معمول۔ اس لئے دیکھنے والوں پر اثر اتنا برا نہیں پڑتا جتنا ان کی والدہ کا۔

بہرحال اللہ ہی فضل فرمائے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) یعنی جے پور جانے والی ٹرین

(۲) مراد ڈاکٹر سمپورنانند گورنر راجستھان

(۳) مولانا کو اس بارہ میں بڑا اہتمام رہتا تھا کہ طے شدہ پروگرام میں کوئی فرق نہ پڑے اور اگر کسی مجبوری سے ایسا ہو جائے تو جن صاحب سے یہ پروگرام طے ہوا ہو انھیں بروقت اطلاع ہو جائے۔

بسم اللہ

دریاباد
۱۶ اپریل ۱۹۶۵ء

برادرم! السلام علیکم

میں نے ۱۰ اپریل (سنیچر) کو آپ کو خاتون منزل کے لئے زحمت دی تھی) مولانا الہ آبادی ورود کی خبر جب کو ملی آپ خاتون منزل وہیں چلنے کے ارادے سے اگر آسکیں تو کیسا ہے؟

نماز ظہر ہمارے یہاں پڑھ کر معاً وہاں چلے چلیں۔ عیادت کی ملاقات تو بس چند ہی منٹ ہوتی ہے اگر محاجے اتنے کی بھی اجازت دیں۔

اس منظوری کی اطلاع یا تو جمعہ کو آفتاب سلمہ کے ذریعے بھجوادیں اور یا پھر سنیچر کو فون سے کرادیں۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ
عبدالماجد

(۱) حضرت شاہ وصی اللہ صاحب خلیفہ مجاز حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مراد ہیں جو بغرض علاج لکھنؤ تشریف لائے تھے۔

دریاباد
۲ جون ۶۵ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

بحمداللہ اب تو کہنا چاہیئے کہ اچھا ہوں۔ کھانسی البتہ ابھی خاصی آئے جا رہی ہے۔ آج سے انشاءاللہ نیبو کا غارہ شروع کر دوں گا۔ آپ کو خط لکھنے کی برکت ہے کہ ابھی یہ یاد پڑ گیا کھانسی سینہ نہیں حلق کی ہے۔

ریڈیو والی تقریر ایک مہینہ قبل ۳۰ اپریل ہی کو ریکارڈ کر لی گئی تھی۔ ۳۰ مئی کو وہ تقریر ایک مختصر سے مجمع کے سامنے خود سنانا تھا وعدہ کئی ہفتہ قبل ہو چکا تھا اسی کو سنانے کے لیے باوجود شدت ضعف سفر کرنا پڑا پھر وہاں پہونچ کر حکیم امین سلمہ کو دکھلا لیا نسخہ انھیں کا رہا اس وقت دوا کی آخری خوراک پی رہا ہوں۔

لکھنؤ جا کر اب کیا عرض کروں کیا گذرتی رہتی ہے عزیزوں مخلصوں کا ازدحام کہ سب کو شکایتیں باقی ہی رہ جاتی ہیں اپنی والی کو کشمکش یہی رہتی ہے کہ بارہا بار ہر موقع پر فلاں فلاں کے لیے وقت نکال لیا جائے۔

آپ دُعا اور مسرت دُعا دونوں میں بہ حال ماجور۔

دُعاگو و دُعاخواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ر جون ۶۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

جی ہاں بحمداللہ اچھا ہوں سوا اس کے کھانسی نے ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ اور دن میں کئی بار پیر بالکل ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ صدق کی ہر تحریر کم سے کم ہفتہ قبل لکھی جاتی ہے مجھے خود ہی خیال تھا کہ اس قسم کے نوٹوں سے ایک جماعت کو ضرور گرانی پیدا ہوگی اچھا کیا کہ آپ نے بھی لکھ دیا اور مجھے ذرا تفصیل سے عرض خیال کا موقع مل گیا اب کی جمعہ کو انشاء اللہ "از مذہب من گبر و مسلماں گلہ دارد" کے عنوان سے ملاحظہ فرمایئے گا۔

علی یاور جنگ سے جن صاحبوں کو شکایتیں ہوں وہ ان کی پبلک تحریروں اور تقریروں کے حوالے سے ضرور مجھے لکھ کر بھیجیں۔ جھاگلہ پر اپنی گرفتیں تو ان پبلک تحریروں اور تقریروں کی بنا پر کر رہا ہوں۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کا جلسہ یکم جولائی کو ہے اطلاع کل شام کو پہونچی اتنی جلد میرا سفر کہاں بن پڑتا ہے مجبوراً معذرت لکھ رہا ہوں۔

ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر سید محمود، سید علی ظہیر وغیرہ کسی کے بھی پاس صدق نہیں جاتا میری کتابیں البتہ ڈاکٹر ذاکر خریدتے رہتے ہیں۔

نکتہ چینی ہلکی سے ہلکی ہو اور نرم سے نرم لفظوں میں اس کی تاب بہت ہی کم لوگ لاتے ہیں اس لیے ناخوش ہی ہو جاتے ہیں سالہا سال کا تجربہ یہی ہے۔ کتابوں پر تنقید تک سے لوگ ناخوش ہو جاتے ہیں عمر بھر میں کل تین مثالیں اس سے مستثنیٰ اس وقت یاد پڑ رہی ہیں۔ ایک شیخ الحدیث مولانا زکریا۔ ایک باران کی کتاب پر کچھ نکلا جب ملاقات

ہوئی تو الگ بلا کر مجھے لے جانے لگے میں ڈرا کہ اب شکوہ شکایت کا دفتر کھلے گا اس کے برعکس تنقیدی حصہ کا شکریہ ادا کیا۔ دوسری مثال غلام محمد کراچوی کی ہے سیرت سلیمان کی داد کے ساتھ ساتھ اچھی کڑی تنقید بھی میں نے لکھ کر خط میں بھیجی جواب میں شکریہ کا خط آیا اور تنقید کے بڑے حصہ کو قبول کر لیا۔ ان دونوں سے بھی بڑھ کر عالی ظرفی مثال خود آپ کی ہے یہ سلسلۂ مکتوبات سلیمانی۔

ہاں صاحب مولنا وصی اللہ صاحب کے مرتاض اور مقبول الٰہی ہونے میں ذرا بھی شک نہیں۔ معرفت حق[۳] اردو کا ایک ہی رسالہ ہے جسے خرید کر پڑھتا ہوں لیکن مضامین کے علمی پہلو سے متعلق کیا لکھوں۔ مور اپنے پیر دیکھ کر شرمندہ ہو جاتا ہے۔ تحقیق میں حوالہ اصرار کے ساتھ سکندر نامہ کا پیش کرنا یا کسی بنیادی عقیدے کے لیے سند قرآن یا حدیث صحیح کے کسی متن فقہ بلکہ اس کی بھی کسی شرح یا حاشیہ کی پیش کر دینا وقس علیٰ ہذا یہ چیزیں پڑھ کر دل کچھ بیٹھ سا جاتا ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) جو مارچ ۱۹۶۵ء میں مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہو کر آئے تھے اور چارج لینے کے چند ہی ہفتہ بعد ۲۵ اپریل ۱۹۶۵ء کو یہ افسوسناک واقعہ پیش آیا ایگزیکٹیو کونسل اور کورٹ معطل کر دی گئیں اور مرکزی حکومت نے آرڈیننس جاری کر دیا۔ مسلمانوں کے ایک طبقے میں نواب صاحب بہت زیادہ غیر مقبول ہو گئے اور اس کا سلسلہ ان کے وائس چانسلری چھوڑنے تک قائم رہا۔

(۲) یہ حضرت اس وقت وزیر تعلیم تھے اور اپنی مسلم بیزار اور مسلم دشمن تقریروں اور تحریروں کی وجہ سے مسلمانوں میں انتہائی بدنام رہے۔

(۳) یہ دینی اور مذہبی رسالہ حضرت شاہ صاحب کے ملفوظات اور اقوال پر مشتمل ہوتا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ ربیع الثانی ۶۵ھ

برادرم! السلام علیکم

خوب ہوا کہ جو میں نے آپ کو دوسرا خط لکھ دیا یہ ہے اس گم شدہ پوسٹ کارڈ کی نقل اب تو وہ مضمون آپکے ذہن سے نکل ہی گئے ہوں گے کئی کئی خط مجھے اس گمشدگی کے بعد جلدی بھیجنے پڑے۔

علی گڑھ کے معاملے میں انشاء اللہ کامیابی کی امید تو پڑتی ہے بشرطیکہ مسلمان یک جہتی کے ساتھ اور اسی مسئلہ کو مرکز بنانے میں قائم رہیں اور یہ شرطیں ہی مشکل ہیں۔ رٹ کے معاملے کو خواہ مخواہ فراخیں نے صد شخصی و ذاتی بنالیا خالص فنی مسئلہ تھا اسے تمام تر قانون دانوں ہی پر چھوڑ دینا تھا انھیں کہ ایک گروہ فلاں فلاں اسباب سے سپریم کورٹ کو بہتر سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ فلاں فلاں دلائل سے ہائی کورٹ الہ آباد کو۔ ذاتیات کا کوئی سوال ہی نہیں

جی ہاں یہ ندوی مقدمہ آپ کے وہی شاگرد رشید ہیں۔ مد کے نشے کے بعد وہ جوش و خروش کہاں قائم رہ سکتے ہیں۔ افضل مرحوم کی زبان سے ایک ٹھمری امیر خسرو کی سنی تھی ؎

بہت کٹھن ہے ڈگر پنگھٹ کی
جو آوت ہے سو جات ہے بھٹکی

تصدیق قدم قدم پہ ہو رہی ہے

یہ اسمٰعیل وہی ہیں جو وہاں جاکر ہندوستان بھر میں بس ایک میرے معتقد رہ گئے تھے اور نہایت ہی مبالغے کے ساتھ میری مدح میں مضمون لکھ دیا

تھا جسے میں نے تردیدی نوٹوں کے ساتھ چھاپ دیا تھا۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مسلم یونیورسٹی میں آرڈیننس کے نفاذ کے بعد یہ رٹ دائر کیا گیا تھا۔

(۲) محمد اسمٰعیل صاحب مدراسی جو ندوہ سے فارغ ہونے کے بعد مزید تحصیل علم کے لئے جامعہ ازہر گئے تھے۔

(۳) مولانا کے ایک مخلص ہم نشیں اور اپنے زمانے کے نامور قوال۔ جب مولانا مذہب کی طرف آئے تو کچھ عرصے تک تصوف کا غلبہ رہا اور اسی میں قوالی سنتے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ ستمبر ۱۹۶۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

مجھے مسٹر وغیرہ کے جانے والوں پر اب حیرت ذرا بھی نہیں ہوتی[1] معیت کے اسباب اس شدت سے اور کثرت کے ساتھ کہ کسی کا بچ نکلنا نہایت دشوار ہے خاص دہلی کا حال کیا آپ نے معتبر حاجیوں سے سنا نہیں۔ ہر قسم کے فواحش و منکرات کی وہ شدت کہ معاذ اللہ اوپر سے نیچے تک سب کا ایک ہی رنگ۔ حیرت اس پر ہے کہ علی میاں ایسے نیک نفس لوگوں کی وہاں جاکر حرکت قلب کیوں نہیں بند ہو جاتی۔

امکان ہے ایک ہفتہ میں لیتھ یا کو ملاقات ہو سکے۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

(۱) یہ لوگ وہاں سے تجدد زدہ ہو کر آتے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ ستمبر ۱۹۶۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

وہ مقالہ عقلیات اور اسلام پر زیر تحریر تھا وہ اب کس منزل میں ہے۔ اردو تفسیر کے دوسرے ایڈیشن کے پہلے پارے کا صاف ایڈیشن ہندوستان سے مایوس ہوکر لاہور بھیج دیا تھا۔ مہر صاحب[1] کی امید دلانے پر بالآخر وہاں بھی ناکامی ہوئی واپسی[2] کے لیے انہیں ہفتوں سے نہیں بلکہ مہینوں سے لکھ رہا تھا یہاں تک کہ اب ڈاک ہی ادھر کی بند ہوگئی۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مشہور صحافی مولوی غلام رسول مہر سابق ایڈیٹر روزنامہ انقلاب لاہور۔

(۲) بوجہ ہند پاک جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

دریاباد

۱۰ دسمبر ۱۹۶۵ء

برادرم! وعلیکم السلام

ماشاء اللہ خود صحت مبارک ہو۔

ان خطوط سلیمانی پر میرا حق مقدم ہے[1]۔ سید صاحب سے میرے تعلقات شاہ صاحب کے تعلقات سے کہیں زائد ہے۔ یہ تو نجی بات ہوئی اور ضابطہ کی بات یہ ہے کہ ادارہ کے صدر کا حق ادارہ کے سکریٹری سے کچھ زائد ہی ہوتا ہے۔

۵ ارکو انشاء اللہ لکھنؤ ہوں گا۔ خطوط تو میاں آفتاب کو پہونچ جائیں یا خود مجھی کو بشکریہ تمام۔

خود میرا وقت تو ابھی تک سارا گھرا ہوا ہے اگر خدانخواستہ مجلس، تحقیقات شرعیہ کا جلسہ علی میاں سلمہ اللہ کی معذوری کے باعث ملتوی ہوگیا تو ضرور انشاء اللہ وقت نکالنے کی کوشش کروں گا اور آپ کو مطلع کر دینے کی بھی۔

ایک احتمال تو ۲۳ر کی شب پھر اور ۲۴ر کو صبح بھی لکھنؤ میں موجود ہونے کا ہے آپ کے لیے ۲۴ر کا خیال کر رہا ہوں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے نام حضرت سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کے خطوط۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۹ر دسمبر ۶۵ء

برادرم!

السلام علیکم

اس روز آپ کی ملاقات وصول ہوگئی ایک تو آپ کو خلاف توقع چاق دیکھ کر بھی بڑا خوش ہوا پھر کام کی باتیں بہت سی ہوگئیں۔

یہاں آتے ہی خط علی گڑھ اور اعظم گڑھ دونوں جگہ لکھ دیا ہے۔ تاریخ اور فلسفہ اصول اخلاق کے سلسلے میں جواب انشاء اللہ آتے ہی ہوں گے

اب آپ زحمت کر کے اپنی تلخیص بیان القرآن سے متعلق ایک مختصر نوٹ مجھے کچھ بھیجیں انتخاب و تسہیل وغیرہ کی کیا نوعیت ہوگی۔ شاید کہ (گو یہ ذرا بعید ہی ہے) کہ کسی پبلشر کی نظر پڑ جائے اور اجر کا کچھ جزو میرے حصہ میں بھی آجائے۔

دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۸ فروری ۱۹۶۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

خیریت نامہ کیا عالیت نامہ کہئے کئی دن ہوئے مل گیا تھا۔

خدا کرے اب طبیعت بہتر ہوگئی ہو۔

پاکستان سے ڈاک کھل تو گئی ہے لیکن ضابطے سے اور مل سے کم خط بس اکا دکا آجاتے ہیں اور اخبارات تو اور بھی کم۔

جی ہاں جماعت تبلیغ کی یہ کمی تو بار بار کھٹکی[1]۔ آج سے نہیں مولانا الیاس رح کے زمانے سے لیکن پھر کیا کیا جائے ہر پہلو سے کامل لوگوں کی جماعت کہاں سے لائی جائے۔

اس خط میں کوئی بات لکھنے کی تھی نہیں آپ کے انتظار کے خیال سے لکھ دیا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) یہ نہ معلوم ہو سکا کہ جماعت کے کس کمزور پہلو یا کمی کے بارے میں مکتوب الیہ نے لکھا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

جزاک اللہ لیکن بس مشورہ دینے تک تو ٹھیک تھا۔ دوا خرید کر بھیجنے کے تکلف کا میں قائل نہ ہو سکا ابھی تو بھرپور ڈاکٹری علاج چل رہا ہے۔ یہ ختم ہو جائے تو

انشاء اللہ یہ دواخیرہ گاؤزبان کی طرح مستقل استعمال میں رہے گی۔[1]

منگل ۲۲ کی دوپہر کو دریاباد چلے جانے کا ارادہ ہے گو جی ابھی مریضہ کو چھوڑ کر باہر نکل جانے کو نہیں چاہتا ڈاکٹر نے ابھی پلنگ چھوڑنے کی اجازت نہیں دی ہے چلتا پھرتا دیکھ لیتا تو دل کو ڈھارس زیادہ رہتی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) اس زمانے میں مولانا کی اہلیہ زیادہ علیل ہو گئی تھیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۱ مئی سنہ ۶۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

آپ کے تازہ مکتوبات نے تو عجب ماجرا سنایا مگر یہ بہت ہی تشنہ رکھا کچھ تفصیل تو ضرور فرمایئے۔ ڈاکٹر رفیع الدین پی ایچ ڈی ڈی لٹ میرے مخلص کرم فرما بھی ہیں بڑے ہی صاحب فکر و نظر (خشکی کی حد تک پہونچے ہوئے) ضرور غش رہا ہوں آپ کے کلام کو اپنا کام سمجھ کر اس کے لیے وقت نکالیں گے بے تکلف میرا حوالہ دے کر رجسٹرڈ پیکٹ اضافی بھیج دیجئے۔ ریٹائر ہو کر اب گجرانوالہ میں رہتے ہیں بس یہی پتہ کافی ہوگا بلا ضرورت انتظار کی طوالت کیوں ہو۔ کل ہی انشاء اللہ انھیں خط لکھ کر آپ کا تعارف کرا دوں گا۔

آپ ماشاء اللہ بڑا گہرا کام کر رہے ہیں موقع مل سکے تو ذرا خلاصہ میرے پاس بھی بھیج دیجئے گا۔ چغتائی کا خط ابھی تین دن ہوئے میرے پاس آیا ہے آپ کے کام کی داد دی ہے ایسے موضوع پر محض اردو میں لکھنا کچھ زیادہ مؤثر نہ ہوگا۔ ضرور انگریزی اور فرنچ میں انشاء اللہ ترجمہ کا انتظام ہو ہی جائے گا۔

گھر میں بحمداللہ جتنا سکون ہے غنیمت ہے اپنی مجوزہ دوا فوراً لکھ دیجئے۔ کارڈ اگر کل جمعرات کی دوپہر تک مل جائے تو جمعہ کی صبح کو آٹھ بجے سے قبل دستی خط میاں آفتاب کو پہونچ سکتا ہے۔

میاں غلام محمد اور چودھری نیاز علی خاں کو ضمناً آپ کی خیریت لکھ دی دونوں نے شکریہ لکھا ہے۔

پوسٹ کارڈ اور دس پیسے والے لفافے[۳] دونوں کا یہاں قحط ہے۔ لیجئے ابھی ابھی یہ علم ہوا کہ ٹکٹ بھی غائب انا للہ۔ خط کا آج روانہ ہونا ضروری ہے اب سوا اس کے کہ آپ ڈاک خانہ کے نام ۱۲ پیسے کا خون کریں اور کوئی صورت نہیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) ڈائرکٹر اقبال اکیڈمی۔ مولانا ان کی اسلامیت اور اُن کی تصانیف کے فکر انگیز ہونے کے بڑے قائل تھے۔

(۲) مکتوب الیہ کی تصنیف مذہب اور سائنس کے بارہ میں۔

(۳) مراد Inland letter and Card

بسم اللہ

دریاباد

یکم جولائی ۶۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

رسالہ ترجمان القرآن کا ایک نمبر ۵ جلد ۶۵ء آپ کے پاس میاں آفتاب کے ذریعے سے انشاء اللہ پہونچ جائے گا اسے امانت سمجھئے مولانا تقی امینی سلمہٗ کے لیے ہے وہ جب لکھنؤ آئیں گے آپ کے پاس تو بہرحال آئیں گے انھیں دکھا کر اپنے پاس رکھ لیجئے گا میاں آفتاب ہی واپس بھی لے لیں گے۔

میری ملک نہیں ہے ایک صاحب سے عاریتہً حاصل ہوا تھا۔

یہ خط جا ہی رہا تھا کہ والا نامہ موصول ہوگیا جی ہاں علاج بدستور ڈاکٹر فریدی کا جاری ہے[۲]۔ اور طبیعت افاقہ کے ایک خاص درجہ پر پہونچ کر ٹھہر گئی ہے۔ یہی غنیمت ہے کہ دالان میں چل پھر لیتی ہیں نیا علاج شروع کرانا عملاً آسان نہیں۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) استاد و ناظم شعبۂ نباتات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

بسم اللہ

دریاباد

۸ر جولائی سنہ ۶۶ء

برادرم! السلام علیکم

ناظر یار جنگ[۱] بھی بالآخر مرحوم ہو گئے کل جمعرات کو صبح انتقال ہوا تھا تار کے پہر کو آیا۔ انا للہ۔ آدمی مسلمان تھے اور ہر دور میں مسلمان رہے۔ جب ولایت سے لوٹ کر آئے ہیں سنہ ۱۱ء میں میرے الحاد کا شباب تھا یہ اس وقت بھی مسلمان ہی تھے۔

خدا کرے آپ کی آنکھ اب ٹھیک ہو گئی ہو۔ میڈیکل کالج کے ماہر چشم سیتاپوری مابہ چشم کے لڑکے ہیں۔ پسر تمام کند۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولٰنا کے ہم زلف اور سابق جج حیدرآباد ہائی کورٹ۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۲ جولائی ۱۹۶۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

ناظر یار جنگ مرحوم کی وفات کا تار ۷ جولائی کی شام کو آیا ۸ کی صبح ہی میں نے سب سے پہلے آپ ہی کو لکھا اور اس وقت سے کئی دن تک آپ کے تعزیت نامہ کا منتظر رہا۔ یہاں تک کہ آپ کا تازہ کارڈ مل گیا جس پر آپ کے قلم کی کوئی تاریخ ہے نہیں ڈاک خانے کی مہر ۲۰ جولائی کی ہے میرا کارڈ یقیناً آپ کو نہیں ملا۔

مرحوم نے موت بڑی اچھی پائی تفصیل صدق کے آئندہ نمبر میں دیکھئے گا چغتائی رات کی کسی گاڑی سے آگئے ہوں گے۔ یہ خط صبح سویرے ہی لکھ رہا ہوں ابھی ملاقات نہیں ہوئی قیام غالباً چند ہفتے سے زیادہ نہ رہے۔

اب تو آپ کی آنکھیں دور از حال میری ہی سی ہو گئیں ہم چشمی کا تقاضا بھی یہی تھا۔ میڈیکل کالج کے ماہر چشم ڈاکٹر مہرہ سیتاپور کے مشہور ماہر چشم کے لڑکے ہیں اور عجب نہیں کہ پسر تمام کند کے مصداق ہوں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۹ جولائی ۱۹۶۶ء برادرم! السلام علیکم

چغتائی آئندہ ہفتہ لکھنؤ کا ارادہ رکھتے ہیں ملاقات میں سرسری نظر تو آپ کے کاغذات پر ڈال لیں گے پھر اس میں جتنا حصہ مناسب سمجھیں گے آپ اپنے ساتھ لیتے آئیں گے۔

غلام محمد کا ارمغان[۲] پہونچ گیا بیچارے وہی ایسے ہیں جو سید صاحب[۳] کا کام کسی نہ کسی طرح کئے جاتے ہیں بہ حیثیت مجموعی ترتیب حواشی وغیرہ سب اچھے ہیں۔

لیکن آخری نظر ثانی پریس جاتے وقت خود مصنف ہی اپنے کلام کی کر سکتا ہے عقیدت میں غرق شاگرد یا مستر شد قلم لگانے کی جرأت کہاں سے لا سکتے ہیں۔ اتفاق سے زبان کی ایک فاش لغزش پہلے ہی صفحہ پر موجود ہے۔

اللہ کے فضل و کرم سے اب کچھ آثار تفسیر[۴] کے نئے ایڈیشن کی چھپائی کے نظر آرہے ہیں میاں سید حسین[۵] کا کچھ حال مدت سے نہ معلوم ہوا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی تصنیف کا وہ حصہ جو مادے کے بارہ میں تھا۔

(۲) حضرت سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ کے کلام کا مجموعہ۔

(۳) مراد حضرت علامہ سلیمان ندوی رح

(۴) تفسیر اردو ماجدی

(۵) حضرت سید صاحب کے داماد جو اس وقت ایڈیشنل کمشنر تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۲ اگست ۶۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

چند ماہی سے ملاقات روز ہی ہوتی ہے کل سہ پہر جب ڈاک[۱] آگئی تو بس چند منٹ بعد وہ بھی آگئے اور آپ کا خط ان کو پڑھوا دیا۔

ضرور تشریف لائیں بس اتنا ہے کہ آپ کی صحت کی طرف سے ذرا ڈر معلوم

ہوتا ہے اپنے مجربات ضرور ساتھ لائیے گا اور ہاں نیبو یہاں مل تو جاتا ہے لیکن ہر روز ملت یقینی نہیں۔

۲۲ر کو لکھنؤ میں اسٹیٹ حج کمیٹی کی مجلس[4] ہے اور لکھنؤ یونیورسٹی کی لائبریری میں بھی کام ہے اس لیے پروگرام یہ ہے کہ انشاء اللہ ۲۱ر کی شب پہر کو پہونچوں گا اور ۲۳ر کی دوپہر کو واپسی مع زنانہ اس لیے آپ جلد سے جلد ۲۴ر کا قصد فرمائیں۔

رقم تفسیر[5] کا معاملہ بالکل متعین ہو جاتا تو میں خود ہی آپ کو لکھتا[6] اس وقت تک صورت یہ ہے کہ بڑی رقم ایک بڑی شخصیت کی تحریک پر وصول ہونے والی تو ابھی موہوم ہی ہے موعود ہی ہے صرف اُمید دہانی ہوئی ہے[7]۔ البتہ ایک معقول رقم ایک مخلص[8] نے صدق کا مضمون پڑھتے ہی (اپنے نام کے اِخفا کی تاکید کے ساتھ) بیرون ہند[9] سے نقد ادا کر دی ہے اس سے اتنا ہے کہ چاروں جلدوں میں سے پہلی جلد (۲½ پارہ تک) انشاء اللہ چھپ جائے گی[10]۔ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اس میں[11] پوری دلچسپی لے رہے ہیں اُمید تو پڑ رہی ہے کہ انشاء اللہ چند ہی روز کے بعد مسودہ ان کے حوالے کر دوں گا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مولانا کی ڈاک ان کے گھر شب پہر کو نکل جاتی تھی۔

(۲) دریاباد

(۳) مکتوب الیہ کو نیبو بہت موافق آتا ہے اور اس کا استعمال بڑی پابندی سے کرتے تھے۔

(۴) مولانا یوپی حج کمیٹی کے برسہا برس ممبر رہے۔

(۵) یعنی تفسیر ماجدی کی طباعت کے سلسلہ میں جو دینے کا وعدہ ہوا تھا۔

(۶) مکتوب الیہ تفسیر ماجدی کے بے انتہا قدر داں تھے اور اس کی اشاعت کے بارہ میں نہ صرف پوچھتے رہتے تھے بلکہ برابر مشورے دیتے رہتے تھے۔

(۷) یہ مخلص ڈاکٹر خان عبداللطیف صاحب تھے۔

(۸) یعنی کویت سے۔

(۹) چنانچہ انھیں ڈاکٹر صاحب کے عطیات خصوصی سے مولانا کی زندگی میں نہ صرف پہلی جلد شائع ہوئی بلکہ دوسری بھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۳۱ اگست ۶۶ء

برادرم! السلام علیکم

سب سے پہلے تو اپنی بے تمیزیوں کی معافی چاہتا ہوں خصوصاً اس بڑی بے تمیزی کی کہ میں نے شرکت ایک بار بھی نہ کی عذر اپنی طرف سے صرف ایک اور وہ بھی عذر لنگ سالہا سال سے عادت بالکل اکیلے کھانے کی پڑ گئی ہے لڑکے وڑکے کوئی بھی شریک دسترخوان نہیں ہوتے جہاں کہیں بھی مہمان ہو کر جاتا ہوں تو ان سے بھی حتی الامکان اس کی فرمائش کر دیتا ہوں بہرحال اپنی اس عادت پر سخت شرمندہ ہوں۔

وقف نامہ یا وصیت نامہ سارا پڑھ ڈالا ماشاء اللہ بہت اچھا ہے اچھا خاصا اس سے مستفید ہوا بعض حصے تو بڑے ہی مؤثر ہیں صدق میں چھپنے کے قابل بارک اللہ۔

وہ مقدمات کی ڈگریوں والی سطریں پڑھ کر تو کچھ نہ سمجھ پایا۔

یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ انسان سب کو خوش نہیں رکھ سکتا کسی نہ کسی کی ناخوشی ناگزیر ہے لیکن کوشش اس کی تو بہرحال کی ہی جا سکتی ہے کہ دوست زیادہ سے زیادہ رہیں اور دشمن کم سے کم جیسا کہ معاملہ حضرت تھانویؒ کا تھا کہ سابقے والوں میں اُن کا

کوئی مخالف شاذ و نادر رہی تھا۔

مولانا محمد علیؒ میرے محبوب تھے لیکن یہ بد قسمتی[۲] ان کے ساتھ بھی لگی ہوئی تھی بہت عرصہ کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ مولانا کو زبان پر قابو نہ تھا۔ شدید طیش کے علاوہ ابھی ایسی باتیں زبان سے نکل جاتی تھیں جو دوسروں کے دل میں لگ جاتی تھیں۔

ان دونوں کتابوں[۳] کے دیکھنے کا وقت اگر نکل آئے تو اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ مختصر اظہار رائے کے لیے اصرار بلکہ فرمائش بھی ہرگز نہیں لیکن اگر ہو جائے تو مزید خوبیش قسمتی۔

ان کتابوں کو اگر رکھنا چاہیں تو بہ خوشی۔ نہ رکھنا چاہیں تو وہیں حکیم آفتاب[۴] کے حوالے فرما دی جائیں۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا وقف نامہ یا وصیت نامہ۔

(۲) یعنی یہ کہ سابقے والوں کو ان سے شکایتیں رہتی تھیں۔

(۳) مولانا کی دو تصانیف۔

(۴) حکیم عبدالقوی کا عرف۔

بسم اللہ

دریاباد

۳ر دسمبر ۵۹ء

برادرم

وعلیکم السلام

شہد[۱] کی پہلی عنایت اشرفی[۲] رنگ کی تھی یہ مکرر عنایت بے شان و گمان (بلکہ خلاف گمان) ٹھیک حسین احمدی[۳] رنگ کی ہوتی۔ مسرت و شکر گذاری کے احساس پر شرمندگی غالب رہی۔ قند مکرر تو سنا تھا۔ عسل مکرر، کا مزہ خود چکھنے میں آگیا۔

مولانا امین احسن نے اپنے استاد[۴] کا رنگ خاصا اپنے میں رچالیا ہے۔ انھیں کی طرح ادبی نکتے[۵] انھیں خوب سوجھ جاتے ہیں تازہ نمونہ ان کی یہی تفسیر ظلوم وجہول ہے امام رازیؒ نے بھی کچھ اس سے ملتی ہوتی چیز مختصراً لکھی ہے۔

حیرت ہے کہ ائمہ لغت جوہری فیروز آبادی وغیرہ نے سرے سے صیغۂ ظلوم کو چھیڑا ہی دیا ہے۔

اپنی ان عزیزہ کا حال آپ نے خوب لکھ بھیجا انشاء اللہ صدق نوازوں کے کام آئے گا۔

گھر میں آپ کا خط سُنا دیا ان کے حق میں دُعا ضرور جاری رکھئے۔

مولوی اشرف خاں کا مفصل خط آیا ہے۔ میں لکھ رہا ہوں اگر قسمت سے راستہ کھل جائے تو جماعت تبلیغی کے ساتھ ایک پروگرام شمالی ہند کا رکھیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مولانا کو شہد بہت مرغوب تھا۔

(۲) مولانا اشرف علی تھانوی۔

(۳) مولانا حسین احمدؒ۔

(۴) مولانا حمید الدین فراہیؒ۔

(۵) تفسیر قرآن میں۔

بسم اللہ

دریاباد
۲۰ ستمبر ۶۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ والا نامہ جب پہونچا تو چغتائی دو دن قبل روانہ ہو چکے تھے بہرحال یہ کہہ کر گئے تھے کہ آپ کے سوالات وہ ماہرین کو بھیج چکے تھے۔[۱]

۲۔ آپ نے اتنے طویل خط لکھنے کا تعب خواہ مخواہ اٹھایا اب میں اس پر شرمندہ ہو رہا ہوں کہ اس کا سبب کیوں بنا استغفر اللہ۔

۳۔ جماعت مسجد کی افضلیت تو بالکل ظاہر ہے[۲] کسی بحث و اختلاف کی اس میں گنجائش نہیں۔ لیکن آپ کی طرح نوافل و مستحبات کا اہتمام میرے نصیب میں کہاں ہے خدا معلوم کتنی ہی چیزوں میں افضل کو چھوڑ کر غیر افضل پر عمل ہے بس معصیت صریح سے جس حد تک بھی بچا رہوں بھی اپنے لیے بہت سمجھتا ہوں۔

اس خاص جزیہ میں بڑا دخل مقامی و انتظامی دشواریوں کا ہے۔ تفصیل موجب تطویل ذنگی محل کی شاخ مولوی اسلم صاحب[۶] مرحوم کا کئی پشتوں سے تعامل تو آپ کے علم میں ہو ہی گا یعنی مسجد دو قدم پر لیکن شر و فساد کی بنا پر نماز یہ سب لوگ گھروں ہی میں پڑھتے ہیں یہاں تک کہ نماز عیدین بھی۔ یہ بات میں نے الگ سے لکھ دی حجت و سند کے طور پر نہیں۔

بحمد اللہ لڑکیوں ہی کی طرح بھتیجوں اور دامادوں کی طرف سے بھی اطمینان[۳] ہے باقی دنیا تو بہرحال دنیا ہے جنت تو ہے نہیں۔

تفسیر کبیر کی عبارت احتیاطاً دوبارہ نقل کیے دیتا ہوں۔

اپنی ان دونوں کتابوں کے لیے میں نے عرض کر دیا تھا اگر رکھنا چاہیں تو بہ مسرت تمام رکھ سکتے ہیں ورنہ میاں آفتاب کو واپس فرما سکتے ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے سوالات مادّے اور سائنس کے مختلف مسئلوں کے بارے میں۔

(۲) دریاباد میں کچھ عرصے سے مولانا مرحوم مغرب کے سوا اور وقتوں کی نمازیں جماعت کے ساتھ گھر پر ادا کرتے تھے مکتوب الیہ نے اسی پر سوال کیا تھا۔

(۳) مذہبیت کی طرف سے (ہم چاروں بھائی مراد ہیں) اللہ اس کو قائم رکھے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے۔

بسم اللہ

دریاباد
۳۰ اکتوبر سنہ ۶۶ء

برادرم! السلام علیکم

۱½ دن رہ کر اعظم گڑھ سے واپس آگیا ہوں جلسہ عامہ تھا۔[۱]

مولوی مسعود غریب[۲] کی حالت پہلے سے بدتر پائی اب نقل و حرکت دو آدمیوں کی مدد سے بھی ممکن نہیں۔

چوبیس گھنٹے چارپائی پر گذرتے ہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہ گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھا دیئے جاتے ہیں جسم کی لاغری بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

حواس یوں تو درست ہیں لیکن بعض وقت مختل ہو جاتے ہیں قریب بیٹھے ہوئے ہوئے کو بھی نہیں پہچان پاتے۔ بیوہ لڑکی قبل ختم عدت ہی باپ کی خدمت کے لیے آ گئی ہے بس وہی اور نواسی تیمارداری کے لیے وقف ہیں۔

دو بار پردہ کرا کے اندر گیا اور آنسوؤں کے ساتھ باہر نکلا۔ اجنبی یقین ہی نہیں کر سکتا کہ یہ زندہ لاش غازی مسعود کا ہے۔ سب ہے نام اللہ کا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) دارالمصنفین کی مجلس عاملہ کے جلسے میں شرکت کرنے۔

(۲) مولوی مسعود علی صاحب بڑی ہی اچھی صحت کے مالک تھے اور جسم کے لحاظ سے بھی بڑے اچھے تھے لیکن طویل علالت کے بعد اس حالت کو پہونچ گئے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد
۲ر مارچ ۶۷ء

برادرم! وعلیکم السلام

آپ اس تصنیف[۱] کے لیے اپنی دانی کوشش و کاوش کا حق ادا کر چکے اب اس کے آگے آپ کے بس میں نہیں پھر فکر کاہے کی۔ لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا بس جس ناتمام حالت میں ہو اس پر تمام کر دیجئے اور دیباچہ میں اس ناتمامی کا اظہار کر دیجئے

مجھے خود تفسیر کے سلسلہ میں ایسے ہی تجربات ہوتے رہے ہیں متعدد تاریخی و جغرافیائی مسائل کی جو تحقیق و تفتیش مدنظر تھی اس کا کوئی انتظام نہ ہو سکا اور بڑی حسرت ہی حسرت کے ساتھ ناتمام چھوڑ دینا پڑا۔

ہاں آپ کا یہ فقرہ میں نہ سمجھا کہ جو کچھ لکھا ہے اب اسے از سر نو لکھنا ہوگا، بس جو کچھ آپ کے امکان میں تھا وہ کر چکے معاملہ اسی پر ختم ہو جاتا ہے۔

جی ہاں گھر میں اب صحت بہت غنیمت ہے دوا کچھ عرصے سے گویا بالکل چھوڑ دی ہے اب مخلصین کی دعاؤں کا سہارا ہے۔

گدیہ کے حماد میاں[۲] کی لڑکی کا عقد دوشنبہ کو ہے ۳۲-۳۳ سال کے بعد کھڑی سواری جانے کا ارادہ کر رہا ہوں آخر بار میاں احمد[۳] کے عقد میں گیا تھا بہت سے مرحومین[۴] کی قبر پہ فاتحہ پڑھنا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی تصنیف جو مذہب عقلیت اور سائنس پر تھی۔

(۲) گدیہ گے رئیس علی حماد صاحب قدوائی۔

(۳) ٹینس میں عالمی شہرت کے مالک کھلاڑی احد حسین صاحب خلافت کی تحریک اور اس کے بعد قومی تحریکوں میں پیش پیش رہے اب کئی برس ہوئے کہ مرحوم ہو چکے۔

(۴) مثلاً مشہور اتحاد اسلامی کے علمبردار اور انگریزی میں اسلامی موضوع پر لکھنے والے شیخ مشیر حسین قدوائی ان کے بڑے بھائی شیخ مقبول حسین قدوائی، شیخ شاہد حسین قدوائی اور مشیر حسین قدوائی جج الہ آباد ہائی کورٹ لکھنؤ بنچ۔

بسم اللہ

دریاباد

۹ مارچ ۶۷ء

برادرم! السلام علیکم

یہ اب کی رضوان میں آپ مسلمان، تو خوب اور بہت خوب نظر آیا۔ ماشاء اللہ جو اک اللہ میں اس کے پڑھنے کا پابند نہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ پرچے پر نظر پڑ گئی اور آپ کے نام پہنچ گئی ہ بلکہ ڈبل ہ کرتا ہوں۔ یہ کسی کتاب کا حصہ ہے کیا؟ اگر نہ ہو تو اب ہو جائے۔

گدیہ گیا تھا اور رو آیا۔

شاہد میاں مرحوم کی کوٹھی تو غنیمت ہے باقی وہ دونوں کوٹھیاں عبرت کدہ۔ دونوں چمن یالان خشک کھیت بنے ہوئے۔ شہریت دہقانیت میں اور باغ جنگل میں تبدیل۔

پریدہ رنگ رمیدہ بو

آپ کا گھر اور نواز حسین میاں کا گھر دونوں دور سے دیکھے۔

سب سے بڑھ کر عبرت زا ان لوگوں کا قبرستان نظر آیا۔

البتہ مسجد بحمداللہ اچھی حالت میں نکلی۔

مرا پہلا خط تو مل چکا ہوگا۔

ہاں میاں احمد نے آپ کو پوچھا حالانکہ اب کسی سے بات کرتے ہی نہیں۔

والسلام دُعاگو دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) یہ خواتین کے لیے لکھنؤ سے مولانا محمد ثانی مرحوم کی ادارت میں شائع ہونے والا بڑا قابل قدر دینی پرچہ۔

(۲) مولانا پرانی چیزوں سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ خاص کران کے زوال سے۔ عائد گدیہ کی اجڑی ہوئی کوٹھیاں دیکھ کر بہت متاثر ہوئے تھے۔

(۳) شیخ شاہد حسین بار ایٹ لا جو یوپی کونسل کے ممبر بھی رہے اور مسلم لیگ کے کاموں سے خاص طور سے دلچسپی لیتے تھے۔ لکھنؤ کا مشہور روزنامہ ہمدم انھوں ہی نے جاری کیا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ر مارچ ۶۷ء

برادرم! السلام علیکم

عرصہ ہوا کہ آپ کے مقالے مندرجہ رضوان کی بڑی داد آپ کو لکھ بھیجی تھی۔

خط پہونچ جانا چاہئے تھا لیکن احتمال ہر خط کے نہ پہونچنے کا بھی اچھا خاصا رہتا ہے اپنے ہر جاننے والے مسلمان کے لیے (وہ کتنا فاسق کیوں نہ ہو) اللہ کے فضل سے اپنے دل میں یہ اطمینان رکھتا ہوں کہ اس کی مغفرت ہوگی۔ بس اپنے اور آپ کے ایک دوست کے لیے دل میں بار بار کھٹک ہوتی رہتی ہے کہ خدا معلوم ان کا شمار مسلمانوں میں ہوا۔ اب جی

میں آتا ہے کہ کسی صاحب کشف بزرگ سے رجوع کر کے دیکھوں گو ظاہر ہے کہ یہ علم بھی ظنی ہی رہے گا۔
آپ کی رائے و مشورے کا منتظر رہوں گا۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۳۰ اپریل ۶۷ء

برادرم! وعلیکم السلام

رشید مرحوم کا واقعہ تو آپ نے خوب لکھ بھیجا۔ جزاک اللہ۔ اسی ڈاک سے میاں غوثو کو لکھ کر پوچھتا ہوں تعجب ہی ہے کہ انھوں نے از خود اب تک نہ لکھا۔

اللہ آپ کی آنکھوں کو شفا دے آنکھیں بڑی نعمت ہیں میں بھی رو ہوں کا مریض رہ چکا ہوں ایک حد تک اب بھی ہوں۔ میرا تجربہ ہے کہ بواسیر، سوزاک وغیرہ کی تلخ رو سے بھی جڑ سے نہیں جاتے البتہ اتنے ہلکے ہو جاتے ہیں کہ بہ منزلہ معدوم کے ہو جاتے ہیں۔

حکیم مصطفیٰ مرحوم تو آنکھوں کے ماہر خصوصی تھے ان کے دارالشفاء مصطفائی کریم علی اسٹریٹ میرٹھ سے تین ماشہ چھ ماشہ کل منگا لیجئے اب میرے پاس موجود نہیں ہے۔ ورنہ ضرور ہی حاضر خدمت کرتا۔ اور یہاں محض سرمہ کافی نہیں کوئی اطریفل، معجون وغیرہ کھانے کو بھی بتاتے ہیں۔ لڑکپن میں میرا علاج حکیم عبدالحسیب مرحوم نے کیا تھا تو سبب وقتی جس نزلہ تشخیص کیا تھا۔ اس شادی کے سلسلے میں تاریخ وقت وغیرہ جزئیات و تفصیلات کی تو بھنک بھی میرے کان میں نہیں پڑی آپ ہی کے خط سے اتنی خبر بھی ہوئی۔

ہاں صاحب ابھی میرے ایک سوال کا جواب آپ کے ذمہ باقی ہے اپنے اور آپ کے

انھیں مرحوم دوست کی بابت جی چاہتا ہے کہ کسی صاحب کشف سے اجمالاً ان کا خاتمہ بہ خیر دریافت ہو جاتا[۶] ۔ یہ علم ظنی سہی تاہم کچھ تو دل کا سہارا مل جاتا۔ آپ جواب میں اگر ہاں لکھ بھیجیں تو دوسرا قدم بھی آپ کے مشورے سے اٹھاؤں۔

گھر میں تو بحمداللہ اب بہت غنیمت ہیں البتہ چھوٹی لڑکی (علیم کے گھر میں) زیادہ بیمار رہنے لگی ہے ہر چند روز کے بعد بخار اور تکلیفیں۔ علاج وہی ڈاکٹر فریدی کا ہو رہا ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا کسی بھی مسلمان کے حسن خاتمے کی جب تفصیل سنتے تھے تو بہت خوش اور متاثر ہوتے تھے۔

(۲) مولانا کے پھوپھی زاد بھائی کے چھوٹے صاحب زادے جناب غوث محی الدین صاحب قادری عرف غوثو میاں۔

(۳) حکیم مصطفےٰ بجنوری ثم میرٹھی۔ بڑے ہی حاذق طبیب اور حضرت مولانا کے خلیفہ۔

(۴) کحل الجواہر۔

(۵) مولانا یہ سرمہ روزآنہ سوتے وقت لگاتے تھے۔

(۶) ان مرحوم دوست کا معاملہ عقائد کے باب میں بڑا ہی کمزور تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

یکم جون ۶۷ء

برادرم!

وعلیکم السلام

نبی اق کے امتی کے لیے یہ اضطراری امیت (لکھنے پڑھنے سے دست برداری) اگر فخر و تمنیت ہے۔ لیکن ہم لوگوں کا ظرف اتنا کہاں بہرحال یہ لکھنے پڑھنے کا پرہیز ہے

بڑا ہی سخت پرہیز۔ اللہ برداشت کرنے کی قوت اور ہمت دے۔ مجھے تو اپنے لیے ہر وقت اسی کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔[۲]

ہمارے ڈاکٹر صاحب یوں آدمی عالی ظرف ہیں لیکن ظرف بھی ایک اضافی لفظ ہے اس بڑے اور غیر معمولی اعزاز[۳] کو ہضم نہ کر سکے۔ مجھے تو آئندہ کے لیے بڑے بڑے اندیشے ہیں۔

فطرت بشری بھی کیسی عجیب ہے ہر روز ایک نیا تجربہ دنیا کا انکشاف ہوتا رہتا ہے۔ ادھر خانگی علالتوں سے طبیعت زیادہ فکرمند رہی آپ کو دعا کے لیے لکھنے کا بار بار ارادہ کیا بس رہ ہی گیا ایک نواسہ جو سب سے زیادہ مانوس و عزیز ہے[۴] سخت تپ میعادی میں مبتلا ہو گیا تھا بخار اترا اب بھی نہیں ہے۔ صرف شدائد میں کمی ہو گئی ہے۔ چھوٹی لڑکی میاں علیم کی بیوی (جو مستقل طور پر لکھنؤ میں رہتی ہے) مسلسل اور زیادہ بیمار چلی آ رہی ہے وضع حمل کا زمانہ جولائی میں ہوگا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) اس کا مشورہ ان کے معالج نے دیا تھا۔

(۲) فالج کے حملے کے بعد تقریباً ۲ سال مولانا پر اسی قسم کے حالات گزرے اور لکھنے پڑھنے سے ان کی طبیعت بالکل اچاٹ ہو گئی۔

(۳) مراد ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب ہیں۔ اعزاز سے مراد صدارت جمہوریہ ہند ہے۔

(۴) مراد محمد شافع قدوائی بھائی حبیب احمد قدوائی کے منجھلے لڑکے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ر اگست ۶۷ء

برادرم!

وعلیکم السلام

آنکھ کے آپریشن عموماً تو کامیاب ہی رہتے ہیں علی میاں بے چارے کی جو صورت پیش آئی وہ تو مستثنیات میں ہے[1]۔ دل مضبوط کر کے اللہ کا نام لے کر آپریشن ہی کے لیے تیار رہیئے جب بھی اس کا وقت آجائے اور اس مشورے میں میں خود بھی قدم بہ قدم ہوں میری آنکھ کا بھی بعینہٖ یہی حال زبوں ہے بصارت روز بروز کمزور ہوتی چلی جاتی ہے[2] البتہ اپنے ہاں کی چیزیں (سرمہ وغیرہ) بھی برابر استعمال میں رکھتا ہوں اسی لیے نابینائی کی رفتار ذرا دھیمی ہے۔

حضرت گنج کے مشہور عینک ساز امریکہ کے سند یافتہ محمد یوسف صاحب (لکھنؤ کے مشہور قدیم خاندانی عینک سازی کے رکن) آپ سے واقف ہیں؟ بڑے مسلمان آدمی ہیں ان سے بھی مشورہ ہو جائے تو بہتر ہے سیتاپور کے ڈاکٹر ہر ہفتہ انھیں کے ہاں آکر بیٹھتے ہیں۔

سچ کی وہ جلدیں تو اب نایاب ہیں میرے پاس ایک ایک کاپی ہے۔ محمد شاہ قادری صاحب (اخباری نام عبداللہ شاہ قادری) کا مضمون کئی مہینے نہیں کئی سال تک نکلتا رہا تھا ایک ایک جلد باری باری میاں آفتاب کے ہمراہ روانہ خدمت کر سکتا ہوں چنانچہ پہلی جلد انشاء اللہ آج شام تک ان کے پاس پہونچ جائے گی۔

جی ہاں اردو والوں کا اقدام خودکشی مجھے کھٹکتا رہتا ہے۔ لکھنا رہ گیا[3] دراصل اتنی زیادہ چیزیں لکھنے کی ہوتی ہیں کہ کچھ نہ کچھ ہمیشہ چھوٹ ہی جاتی ہیں۔

چھوٹی لڑکی زچگی کے بعد بدستور علیل ہے اور محتاج دعا۔

باقی ان کی والدہ تو مستقل مریض ہیں یہی غنیمت ہے کہ اس وقت کوئی زیارتی نہیں۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا علی میاں صاحب کی آنکھ کا پہلا آپریشن کامیاب نہیں ہوا تھا۔

(۲) یہ مضمون یورپ اور اسلام کے عنوان سے نکلا تھا۔

(۳) بعض حامیانِ اُردو نے اُردو کو یوپی کی سرکاری زبان کا درجہ دلوانے کے مطالبے کو منوانے کے لیے مرن برت رکھنے کا اعلان کیا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۸ ستمبر ۶۷ء

برادرم!

وعلیکم السلام

آپ کے مولانا دجال صاحب[1] نے اس موضوع پر دفتر کا دفتر تیار کر دیا ہے آپ نے تو اس جلد میں چند ہی مضمون پڑھے۔ ہمارے حضرت تھانویؒ ان مضامین سے اچھے خاصے ناخوش تھے بلکہ سچ[2] سے بھی اس جرم میں ناخوش ہو گئے تھے کہ بے تحقیق باتوں کی اشاعت کرنا خود ایک جرم ہے۔

بعد کو میں نے سوچا کہ اول تو یہ احادیث نبوی خود ہی روایت کے اعلیٰ ترین معیار پر نہیں پھر ان کا انطباق حالات حاضرہ پر تمام تر ظن و تخیل پر مبنی صاف و بے تکلف کسی نتیجے تک پہونچنا مشکل ہے میاں آفتاب سے کہہ دیا ہے کہ مولانا گیلانی کا مضمون نظر پڑے جائے تو مجھ تک پہونچا دیں۔

آپ کی دُعاؤں کے لیے ایک اور موضوع میاں قدیر کی لڑکی اور بھائی صاحب مرحوم کی نواسی تسنیم سلمہا (اہلیہ حمید الزماں) زیادہ بیمار رہنے لگی ہے زمانہ وضع حمل قریب ہے۔

آپ کی آنکھوں کے لیے دُعا اپنی عادت کے خلاف اکثر یاد پڑ جاتی ہے اور زبان ہلا دیتا ہوں۔

اکتوبر کا مہینہ میرے قیام کا لکھنؤ کا ہوتا ہے یعنی اسی کو مستقر بنا کر قریب و بعید کے سفر کرتے ہیں۔ اب کی بھی انشاء اللہ وہی پروگرام ہے جب کہ اب دو تین دن قبل ہی جانا ہے۔

۲۹ کو میٹنگ حج کمیٹی کی ہے ۳۰ کو ایک میٹنگ ندوہ میں ہے وغیرہ۔

دُعاگو

عبد الماجد

(۱) مراد مولانا محمد شاہ قادری بدایونی جنہوں نے عبداللہ شاہ قادری کے نام سے مدتوں سچ میں دجال پر کئی برس تک طویل مضامین لکھے تھے جنہوں کے موضوع کی رعایت سے مکتوب الیہ نے انھیں یہ نام دیا۔

(۲) حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رح

بسم اللہ

لکھنؤ

۱۰ اکتوبر ۶۷ء

برادرم! السلام علیکم

کل ارشاد آمرانہ کے وقت غازی مسعود مرحوم کی تصویر نظر کے سامنے آگئی[۱]۔ اگر ایک بار بھی خطبۂ نکاح پڑھ دوں تو اس کے بعد عمر بھر کے عذاب میں اپنے کو پھنسا دوں اس نظر سے عزیزوں اور دوستوں کے حلقۂ عظیم میں کون فائدہ اٹھانا چھوڑ دے گا۔ اور کیا عذر میرے پاس رہے گا۔

محض لکھ دینے کی فرمائش اتنی دشوار نہ تھی جتنی سر محفل یہ پڑھ کر سنا دینے کی ہے اور خطبہ مرا لکھا ہوا ایک نہیں چار لڑکیوں[۲] کے الگ الگ ہیں عرصہ ہوا ایک بڑی شدید فرمائش کے وقت میاں آفتاب نے چاروں کا انتخاب مرتب کر دیا تھا۔

تو تعمیل ارشاد کی واحد صورت یہ ہے کہ اس انتخاب کو حکیم آفتاب یا کوئی اور صاحب محفل پڑھ کر سنا دیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

---

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا سے شدید اصرار کیا تھا کہ وہ ان کے صاحب زادے کے نکاح کا خطبہ پڑھ دیں۔ غازی مسعود سے مراد مولانا کے قدیم دوست اور رفیق مولوی مسعود علی ندوی مرحوم اپنی فرمائشوں کو دوسروں سے شدید اصرار کر کے منوالیا کرتے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۰ نومبر ۶۷ء

برادرم! السلام علیکم

ڈاک والوں کا خدا بھلا کرے۔ یہاں[1] واپسی کے لیے ۴-۵ دن قبل میں نے اطلاعی کارڈ آپ کو لکھنؤ ہی سے ڈال دیا تھا۔ آخر نہ ملا۔ اس کارڈ میں یہ سب لکھ دیا تھا کہ سفر بھوپال سوارت رہا حضرت شاہ یعقوب[2] سے بہترین تاثرات لے کر میں آیا۔ البتہ بے چارے اب بیمار بہت زیادہ رہنے لگے ہیں (خود بھی طبیب حاذق ہیں) اور عمر ماشاء اللہ ۸۵ سال ہے۔

انڈے کی البتہ ہومیوفرمائی اپنے تجربے و تحقیق کی بنا پر اور گڈی کے پلاؤ کی بڑی تعریف کی خصوصاً بوڑھوں اور کمزوروں کے لیے۔

جسیم پالکل لائق ہے شباہت اچھی خاصی اکبر الہ آبادی کی نظر آئی۔ آپ کے بار بار گر پڑنے کی خبر سے فکر پیدا ہو گئی ہے آپ گڈی کا پلاؤ ضرور استعمال کیجیے یہ بے اور اطبار سے بھی تعریف سنی تھی۔

آج آفتاب کے آنے کا دن ہے۔ دجال[3] کے لیے ان سے ضرور یاد دہانی کراؤں گا انھیں کے سپرد تلاش کی خدمت کی تھی۔ مولانا اصلاحی[4] کے جواب سے مجھے مطلع کیجیے گا سورۂ کہف کے آخری رکوع میں تو اشارے دجال کے متعلق ملتے ہیں اور حدیث میں تو آخر یہ موجود ہی ہے کہ اس کی تلاوت فتنہ دجال سے محفوظ رکھے گی۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) یعنی دریاباد

(۲) بھوپال کے عارف اللہ حضرت شاہ محمد یعقوب۔

(۳) مولانا مناظر احسن گیلانی کا مضمون اس موضوع پر۔

(۴) مولانا امین احسن اصلاحی۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ نومبر ۶۸ء

برادرم! السلام علیکم

دجال پر میری یا فاضل گیلانی[۱] کی تحریر میاں آفتاب کو تلاش سے بھی نہ ملی البتہ میری نظر محمد علی لاہوری[۲] کی کتاب دجال و یاجوج ماجوج پر پڑ گئی وہ آپ ہی کے لیے میں نے حکیم آفتاب کے پاس بھیج دی ہے وہی کبھی آپ کو پہونچا دیں گے کام کی کچھ باتیں انشاء اللہ اس میں مل جائیں گی۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۵ نومبر ۶۸ء

برادرم! وعلیکم السلام

صدق کے شذرات وغیرہ کو کم ہی اللہ کے بندے ایسے ہیں جو اس کے معنی و مضمون کے لحاظ سے پڑھتے ہیں باقی زیادہ تر محض چاشنی اور چٹخارہ کی خاطر ——— ایک نہیں کئی صاحب اور محض نوعمر نہیں خاصے سن رسیدہ میرے سامنے کہہ چکے ہیں کہ "ہمیں تو بس اس کے پڑھنے میں لطف آجاتا ہے۔ اور اس سے کوئی بحث نہیں رہتی کہ آپ کیا لکھتے ہیں اور دعوت کس چیز کی دے رہے ہیں" اور اس داد کے بعد توقع کس اجر کی رکھوں۔

تفسیر سے متعلق بحمداللہ اب تک کوئی تحسین اس قسم کی نہ تحریری موصول ہوئی نہ زبانی۔ جس کسی نے بھی کہا یا لکھا نفس مسائل ہی سے متعلق لکھا۔

مستشرقین نے قرآن ہی کیا تقریباً ہر آیت کو قابلِ بحث بنا دیا ہے۔

بالکل صاف وسادہ مطالب میں وہ شبہے ڈال دیے ہیں کہ ہم لوگوں کا ذہن ہی وہاں تک نہ پہونچ سکتا تھا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ تفسیر کے وقت کن کن چیزوں کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے پرانی تفسیر فقہیات اور صرف نحو کی حد تک کام دیتی ہیں۔

میاں سید حسین[1] کا حال کبھی کبھی لکھ دیا کیجئے۔ کہاں ہیں کس عہدے پر وغیرہ وغیرہ۔ کوئی اور ذریعہ رابطہ کا نہیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے منجھلے داماد۔

بسم اللہ

دریاباد

۲ر فروری ۶۸ء

برادرم!

وعلیکم السلام

تحفہ گرامی[1] جس وقت پہونچا تھا جلد سے جلد وقت نکال کر اسے ایک نشست میں پڑھ ڈالا۔ ماشاء اللہ وجزاک اللہ خوب ہی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ عام فہم نہیں ہے۔ لیکن آخر منطق یا ریاضی یا کلام کے موضوع کو ناول بنایا بھی کیوں کر جا سکتا ہے۔ عبارت میں کسی ترمیم و تبدیلی کی ہرگز ضرورت نہیں۔ بس یوں ہی رہنے دیجئے۔

انشاء اللہ کل صبح مسودہ میاں آفتاب کے ہمراہ لکھنؤ بھیج دوں گا

ادھر علی گڑھ ایک میٹنگ میں شعبۂ دینیات کی گیا تھا پیچش یہیں سے ساتھ لے کر گیا تھا بطور علاج و پرہیز داری کی کثرت سے استعمال کیا لوٹ کر آیا تو بخار و نزلے نے آدبایا۔ یہ خط بھی اسی بیماری کی حالت میں لکھ رہا ہوں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی گرانقدر تصنیف غالباً مذہب اور عقلیات کا مسودہ۔

دریاباد

۱۰ اپریل ۶۸ء

برادرم! وعلیکم السلام

حیات نامے کی تصدیق اب تک ہو چکی ہوگی۔

ٹیلی پیتھی کے ایک پرانے لغت میں تو صرف 'اشراق' دیکھا انجمن ترقی اردو کی لغت مصطلحات میں دور خیالی پایا (امید ہے وزن پر دور ایمانی بھی ہو سکتا ہے) باقی خود ٹیلی پیتھی ہی کو معرّف کر کے کیوں نہ چلایئے۔ عرب آخر بے تکلف تیلیغراف (ٹیلی گراف) تیلیفون (ٹیلی فون) تیلی وژن (ٹیلی وژن) لکھنے ہی لگے ہیں۔

بغیر علی گڑھ میں پڑھے اپنے کو کسی اور بنا پر علیگ لکھنا میں تو مکروہ تحریمی کے درجہ پر رکھوں گا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۳۰ مئی ۶۸ء برادرم! وعلیکم السلام

آپ کی تحریر چنتائی کو موصول ہو گئی اپنے والد کے خط میں انھوں نے رسید لکھی ہے۔

آج کل مشغول بہت زائد ہیں گھر بھی خط کم ہی لکھتے ہیں آپ کے لیے معذرت لکھی ہے کارڈ وٹکٹ کے اس قحط کے زمانے میں آپ کو کارڈ مل گیا عجب ہاتھے ہاتھے مچی ہوئی ہے۔

حکیم الامت کا نیا ایڈیشن خدا خدا کر کے لاہور سے نکل آیا ہے مولوی رئیس احمد جعفری

نے مسودہ کئی سال ہوئے مجھ سے حاصل کیا تھا انھیں کی ملک ہے۔ دیکھئے ہندوستان کتنے نسخے اور کب بھیجتے ہیں اب ادھر سے کتابوں کے آنے میں اور زیادہ دقتیں ہوگئی ہیں۔

تفسیر کی پہلی جلد امید تو ہے کہ انشاء اللہ اس ہفتہ میں نکل آئے لیکن پریس والوں کے جیسے وعدے ہوتے ہیں وہ بھی ظاہر ہیں۔

تاج کمپنی نے بیٹھے بٹھائے ایک نئی فرمائش کر دی انگریزی کے محض ترجمے کی کہ کتاب مختصر ہی رہے اور خوب نکلے میں اس رائے کا ہرگز قائل نہیں بغیر حواشی (یا برائے نام حواشی کے) کتاب اجنبیوں کے لیے بالکل چیستان رہے گی لیکن بہرحال ان کی فرمائش کی تعمیل کرنی ہے۔ بس اللہ ہی وعدے کی لاج رکھ لے۔ اصل سوال وقت کا ہے کہاں سے گنجائش نکال سکتا ہوں۔

اس سن میں بڑا آرام بیوی سے مل سکتا ہے بشرطیکہ وہ خود تندرست ہو اگر اس کو کوئی معذوری ہوگئی ہو تو ایک سخت مجاہدے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ہمارے ہاں علالتوں کا سلسلہ کم و بیش جاری ہے اللہ کا شکر ہے کہ کسی کو زیادہ زیادتی نہیں۔

والسلام
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۷ اکتوبر سنہ ۶۹ برادرم! السلام علیکم

آپ کے حواشی (تعلیقات) قرآن مجید بہت سے پڑھ ڈالے۔ ماشاء اللہ و بارک اللہ۔ اپنے رنگ میں بہت خوب ہیں اور مجھ کم علم کے رنگ سے بالکل الگ۔ میری خدمت جو کچھ بھی ہے وہ مذبذبین اور خام ایمان والوں کے لیے ہے آپ کا کام ماشاء اللہ مومنین صادقین راسخین کے لیے ہے انھیں انشاء اللہ ہر طرح سے نفع ہوگا اس کا شائع نہ ہونا ظلم ہوگا۔

میں نے عرصہ ہوا آپ سے کہا تھا کہ آپ کا مطالعہ قرآنی ایک مومن راسخ کا ہے اور

میرا مطالعہ ایک کتابی کا سا۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۸ر نومبر ۶۸ء

برادرم! السلام علیکم

چغتائی کا پتہ حاضر ہے ان کے حفظ و امان کی دعا خاص طور پر کرتے رہیے بڑی ہی تکلیف دہ خبریں پہونچی ہیں۔

ہاں صاحب آپ نے اپنی تحریر سے 'ندویت کے جراثیم' کی نفی جو مسرت کے ساتھ کی ہے تو اس سیاق میں ندویت سے مراد شبلیت ہے یا کچھ اور اگر شبلیت ہے تو مولانا صاحب شبلی تو آپ کے محسن رہے نہ کہ بجائے آپ کے مغوی ہی ٹھہرے مطلب کچھ اور ہو تو اسے واضح فرما دیجئے۔

ڈاکٹر رفیع الدین آج کل بہترین کام کر رہے ہیں ماشاء اللہ و بارک اللہ اور بڑی بات یہ ہے کہ انگریزی ہیں۔

آپ کا وہ مسودہ اپنی رائے کے ساتھ انشاء اللہ ابھی سنیچر کو میاں آفتاب کے ہمراہ لکھنؤ بھیج دوں گا جب چاہیں ان کے ہاں سے منگا سکتے ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۵ر دسمبر ۶۸ء

برادرم! السلام علیکم

لاحول ولاقوت میں عجب غلط فہمی میں رہا اس پشتارے کو آپ کی ترجمہ کی ہوئی مستقل کتاب سمجھ کر اس پر دیدہ ریزی کرتا رہا اور مستقل تنقید میں لگا رہا بہت دیر کے بعد جا کر طبیعت میں کھٹک پیدا ہوئی اور پورا عقدہ تو آپ کا خط پاکر حل ہوا اس پر محنت بیکار ہی گئی بلکہ سرے سے بے محل ہوگئی۔

بہرحال وہ پلندہ اور تنقیدی سلپ سنیچر کے سکہ پہر تک انشاءاللہ میاں آفتاب کے ساتھ پہونچ جائے گی۔ یہ ذخیرہ بطور خام مواد کے ہے بہت مفید گو صرف خواص بلکہ اخص خواص کیلئے کوئی اور مصرف تو میری سمجھ میں بھی نہ آیا سوا اس کے کہ آئندہ ہفتہ اس کا تعارف ناظرین صدق سے کرادوں ملا کی دوڑ مسجد تک کوئی نہ کوئی کام لینے والا نکل ہی آئے گا۔

ہاں صاحب آپ کے ان قرآنی حواشی کا کیا ہوگا شاہ غلام محمد نے مجھ سے دریافت کیا ہے میں نے انھیں اطلاع دی تھی کام کی چیز ہے خوبش عقیدہ مسلمانوں کے لیے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۱ جنوری ۶۹ء

برادرم!　　وعلیکم السلام

میرے لیے اہم ترین سوال وقت کا ہے آپ تک کو اگر دھوکا ہوتا ہے تو اسی میں۔ سفر علی گڈھ میں اور کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہوئی[1] لیکن وقت کو کیا کرتا دو دن[2] وہاں کے لینے کا سے تھے وہ دو دن پورے سفر باندے کے نذر ہو گئے۔ پھر کام ڈاک کا کئی گنا بڑھ گیا تعزیت نامے اب تک دو سو آچکے ہیں تار بھی دس بارہ سب کے پڑھنے کے لیے وقت نہیں نکل پا رہا ہے جواب کا تو ابھی خیال بھی نہیں کر سکتا۔ تعزیت ناموں میں سب سے ٹھنڈا مرہم آپ ہی کا ہے۔ انشاء اللہ وہ درج ہوگا۔ مزار ناظر بیگ کا ملنا آسان نہیں چار پانچ بار کی کوشش کے بعد کہیں ہاتھ لگتے ہیں۔ آج صبح بھی بعد نماز فجر آدمی بھیج دیا تھا۔ سب دستور واپس آیا پرسوں نرسوں تک امید کامیابی ہے ان کی بیوی تعزیت میں آئی تھیں وہ کہہ گئی تھیں کہ آخری خط سویڈن سے آیا تھا اس میں یہ تھا کہ فرانس جا رہا ہوں وہیں سے لکھوں گا۔ اس نئے پتے کا برابر انتظار ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا مسلم یونیورسٹی شعبۂ سنی دینیات کے سالانہ جلسے میں ہر سال بڑی پابندی سے جاتے تھے۔ لیکن اس دفعہ چچی صاحبہ مرحوم کے جنوری ۶۹ء میں انتقال کی وجہ سے ان کا جانا نہ ہو سکا۔

(۲) چچی صاحبہ مرحومہ کے انتقال کی وجہ سے مولانا کا دریاباد سے لکھنؤ ہوتے ہوئے سب لوگوں کے ساتھ لاری پر باندے جانا ہوا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۹ مارچ ۶۹ء برادرم! وعلیکم السلام

اللہ عام صحت کو بہتر کرے اور آنکھوں کو خصوصاً۔

بحری ڈاک کی طرف سے ابھی تک تو بہت زیادہ فکرمند ہونے کی وجہ نہیں۔ دو ڈھائی مہینے کی مدت تو بالکل نارمل ہے۔ میرا تجربہ تو تین تین کا بھی ہے۔

میاں سید حسین سلمہٗ تو آتے ملاقات ہوتی رہتی ہے؟

تفسیری خدمت سے دلچسپی تو بحمداللہ قائم ہے بلکہ ماشاء اللہ کچھ بڑھ گئی ہے باقی عام مطالعہ تو اب بار ہونے لگا ہے خصوصاً ڈاک کا انبار کہ اس میں زیادہ تر ناول، افسانہ شاعری الم غلم ہی ہوتا ہے۔

منسی تین مہینے سے ایک بار بھی نہیں آئی ہے۔

چھوٹی لڑکی اب زیادہ بیمار رہنے لگی ہے۔

فتنے اس رفتار سے اور ان اطراف میں بڑھ رہے ہیں کہ بس حیرت ہی ہو جاتی ہے۔ احفظ گدھ جامعہ انگریزی اخبارات یونیورسٹیاں کوئی گوشہ خالی نہیں۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ر اپریل ۶۹ء

برادرم!　　وعلیکم السلام

نسیان وغیرہ تو امور طبعی سب ہی کو پیش آتے ہیں بہ ظاہر بہت افسوسناک لیکن اس سے ذہنی ضرر آپ کو کیا؟ ضرر کیسا یہ تو سب سامان اجر مزید کا ہو رہا ہے[1]۔

بسم اللہ ہمت کر کے ضرور تکمیل کر ڈالیے جتنا بھی بن پڑے اسے دیکھ لینا تو اپنے لیے باعث سعادت سمجھوں گا[2]۔ چغتائی اب اسے کیا دیکھیں گے[3]؟ واقعہ بڑا ہی عبرت انگیز و سبق آموز ہے اور ساتھ ہی اشتعال انگیز بھی۔

بصارت کی کمزوری اب تیمم نابینائی کی حد سے بھی متجاوز ہو چکی ہے۔

لکھنؤ میں میرا آنا مہینوں سے نہیں ہوا بہرحال اب خیال یکم مئی جمعرات کے لیے ہو رہا ہے صبح گاڑی سے سہ پہر کو اگر آپ بے تکلف زحمت کر سکتے ہوں تو گوارا کر لیجئے۔ زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے بڑے تاسف کے ساتھ اپنے نسیان کے بارے میں لکھا تھا کہ بہت زیادہ چیزوں کو بھولنے لگے ہیں اسی پر مولانا نے یہ تسلی و تشفی کی باتیں لکھیں۔

(۲) مکتوب الیہ کی کتاب مذہب اور عقلیت کے مسودے کو۔

(۳) یعنی مرزا سعید الظفر چغتائی جن کے مذہبی خیالات میں انقلاب ہوا۔ اسی کے بارے میں مولانا نے اپنا تاثر لکھا ہے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۱ مئی ۶۹ء

برادرم! وعلیکم السلام

کارڈ ملا اس سے قبل والا بھی مل گیا تھا۔

انشاء اللہ ۲ جون کو لکھنؤ کا خیال ہے۔ اس دن تو اور مصروفیتیں رہیں گی۔ ۳ جون منگل کو صبح ۶ بجے چائے پی کر آپ کی عیادت کے لیے آنے کا پروگرام ہے۔ آپ کو بلانا اس حالت میں آپ پر ظلم صریح[1] کرنا ہے۔ ۱۱ بجے کی گاڑی سے واپسی ہے۔ تاثیر قرآن حاضر[2] خدمت ہے صدق میں مدت ہوئی اس کا ذکر آچکا ہے۔ مولانا فراہی کے مخصوص رنگ کی پوری ترجمانی ہے۔ قرآن کا یہ ایک اعجاز ہی ہے کہ مفسرین کے کتنے مذاق اس میں کس خوش اسلوبی سے کھپ جاتے ہیں۔

سید حسین سلمہٗ سے تو کبھی ملنا رہتا ہوگا؟ سلمان میاں[3] سلمہٗ تو گویا اب امریکہ ہی کے ہو گئے جی ہاں کحل الجواہر ادھر تو سالہا سال سے استعمال میں ہے نزول الماء کا جو پورا زور ابھی تک نہیں ہو رہا ہے یہ شاید اسی کے اثر سے ہے۔ عینک بار بار بدلوانے کی بات آپ نے خوب بتائی۔ دیکھئے اب اس پر ہمارے ڈاکٹر یوسف کیا فرماتے ہیں میں تو یہ سمجھے ہوئے تھا کہ آخری نمبر کی عینک دے چکے ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی شدید علالت کی وجہ سے۔

(۲) مصنفہ مولانا امین احسن اصلاحی۔

(۳) حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے صاحب زادے۔

بسم اللہ

دریاباد
۱۱ر اگست ۶۹ء

برادرم! وعلیکم السلام

۱ ــ ضرور اپنا مسودہ نشریات وتحقیقات والوں کے حوالے کیجئے۔ یہ تو بڑی خوشخبری سنائی آپ نے۔ جتنا بھی حصہ کل سکے اسے نکل جانے دیجئے دوسرے حصوں کے انتظار میں اسے کیوں روکے رکھیئے۔

۲ ــ خاں صاحب سے ضرور کام لیجئے وہ تو خوب آپ کو ہاتھ آگئے ہیں ایک عطیہ غیبی کے حیثیت سے۔

۳ ــ چغتائی نے اپنے والد کو لکھا ہے کہ اکتوبر میں آئیں گے علی گڈھ میں اپنے تقرر کو لکھا ہے۔

۴ ــ ہاں صاحب عصمت انبیاء پر آپ کے قرآن سے کوئی دلیل مل سکی ہو تو ضرور مطلع فرمائیں۔

۵ ــ ۱۶ر اگست کو لکھنؤ کا پروگرام کئی کئی وجوہ سے ہے۔ انشاء اللہ سہ پہر کو آپ کی طرف کا ارادہ ہے بشرطیکہ پانی زیادہ نہ آگیا۔

۶ ــ سید حسین صاحب سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

۷ ــ ڈاکٹر رضی الدین مدنی آخری اطلاع کے مطابق تو پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے لیکن خود مدنی اطلاع پرانی ہو چکی ہے آپ مولوی اشرف خان سے تحقیق کرلیں۔

۸ ــ پاکستان کا تازہ ترین حکم صدق و معارف کے حق میں زخم کاری بن کر رہا۔ صدق کی ایک تہائی خریداری پاکستان ہی کی تھی۔ گویا اب آمدنی ۱۰۰ سے گھٹ کر ۶۶ رہ گئی اور دار المصنفین والوں کی کتابیں کی اصل منڈیاں تو پاکستان ہی تھیں۔ اللہ ہی ہے جو اس بڑے دھچکے کو یہ دونوں سنبھال لے جائیں۔

والسلام
عبد الماجد

(۱) کتابوں اور رسالوں کے بارے میں نبذ شش ۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ راگست سنہ ۶۹ء

برادرم! وعلیکم السلام

۱ ۔ کراچی سے آتے ہوئے ایک عزیز نے بتایا کہ ڈاکٹر رضی الدین اب اسلام آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔

۲ ۔ ڈاکٹر رفیع الدین کی ڈاکٹریٹ اور ڈی لٹ دونوں ڈگریاں فلسفہ کی ہیں سائنس کی نہیں ۔

۳ ۔ مولوی عمران خان صاحب بے شان وگمان کل یہاں وارد ہوگئے بسلسلہ تعزیت۔ مفصل گفتگو ان سے ہوگئی مہتمم کا عہدہ قبول کرنے پر آمادہ ہیں بشرطیکہ اختیارات انھیں سو فیصدی دے دیئے جائیں ۔ اور کوئی صاحب ان کے کسی فیصلے میں دخل نہ دے سکیں ۔ ایک صورت یہ ہے کہ علی میاں سرپرست بنا دیے جائیں بہ حال اتوار کی شام کو فیصلہ ہو جائیگا ۔

۴ ۔ میں اپنے سوال کے جواب کا منتظر تھا اور ہوں یعنی عصمت انبیاء پر قرآنی دلیل ۔

والسلام

عبدالماجد

دریاباد

۲ ستمبر ۶۹ء

برادرم! وعلیکم السلام

۱ ۔ برٹانیکا کا آخری مکمل ایڈیشن (پورہ واں ایڈیشن) ۱۹۵۴ء میں نکلا تھا اور مکمل میرے پاس موجود ہے جب جس جلد کی ضرورت ہو اکرے بے تکلف مجھے حکم دے دیا کیجئے انشاء اللہ بہ مسرت تمام بھیج دیا کروں گا یا پہونچا دیا کروں گا۔

۲ ۔ اس کے بعد سے کوئی نیا مکمل ایڈیشن نہ نکلا Reprint خفیف تغیرات کے ساتھ نکلا کرتا ہے اور ہاں اس کا سب سے نیا شاید نکل رہا ہے میرے پاس دو سب سے نئے ۱۹۵۲ء کے موجود ہیں۔

دو اور مستند گو اور مختصر انسائیکلوپیڈیا موجود ہیں ایک پندرہ جلدوں کی اور دوسری Chambers Encyclopaedia ۱۳ جلدوں میں۔

۳ ۔ جی ہاں میں نے اپنی مشاقی کے زمانے میں ایک ہندو ساتھی کو معمول بنانا چاہا ناکام رہا اور میری کوشش ناکام گئی۔

۴ ۔ آپ نے ایک جگہ بزرگوں کی توجہ دینے کا ذکر کیا ہے۔ یہ کیا چیز ہے جو اب کتابی قسم کا نہیں عملی چاہتا ہوں آپ توجہ دینے کے لیے تیار ہوں تو سب قریشی حاضر خدمت ہو جاؤں۔

میرا بچہ انشاء اللہ پکا ہوگا اس میں اپنا سوال عصمت انبیاء (تحفظ وحی کی بابت نہیں) سے متعلق دے آیا تھا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) اپنی طالب علمی کے بعد والے زمانے میں مولانا نے کچھ عرصے تک مسمریزم کی مشق کی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۵ نومبر ۶۹ء

برادرم!

السلام علیکم

ایک عزیزہ کے شدید اصرار سے ان کے لڑکے کی شادی کے لیے ایک روز اورنگ جانا پڑا اب کل جمعرات کو انشاء اللہ ۱۱ بجے کی گاڑی سے روانگی ہے۔

آپ چھوٹی بڑی زیادہ کے لیے تو دعا کرتے ہی رہتے تھے اب منجھلی لڑکی حمیرا بھی کئی ہفتے سے اسی نوبت کو پہونچ گئی میری سب سے زیادہ مزاح داں اور راحت رساں یہی ہے مرض بہ ظاہر ضعف اعصاب معلوم ہوتا ہے معمولی سی بات میں ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اور شدت تاثر بہت بڑھ گیا ہے، ہومیوپیتھی سے کچھ زیادہ نفع نہیں ہوا اب دریاباد پہونچ کر انشاء اللہ یونانی شروع کراؤں گا۔

پختائی وغیرہ واپس آگئے اور علی گڈھ میں ذکس کے لکچر مقرر ہو گئے۔ پیر سے سیاسیات علی گڈھ تک اور دریاباد جانے سے قبل مجھ سے علیحدہ نہ ہوں گے۔ ملاقاتیں رہیں بحمداللہ ہو خبر ہی ان کے لحاظ و غیرہ کی نہیں مبالغہ آمیز ضرور ہو گئیں۔ گفتگو میں بہ ارشاء اللہ بحمداللہ استحکام کرتے رہے۔ اب وہ علی گڈھ چلے گئے انشاء اللہ کبھی مفصل گفتگو کے اطمینان حاصل کروں گا۔ دعا کی یاد دہانی کے لیے آپ کا تذکرہ بھی میں نے کر دیا تھا۔ وہ دکیب تھے کہ وہ بہت میں آپ سے ملیں گے۔

ہاں صاحب سید حسین سلمہ سے تین ملاقاتیں ہوئیں تینوں بار میں آپ کا تذکرہ لایا مگر ان کے جوابات میں کوئی شکایت کنایۃ بھی آپ کی طرف سے نہیں تھی بس یہی کہتے رہے کہ فاصلہ اتنا ہے اور سواری میرے پاس کوئی نہیں ہے (بجز سائیکل کے) اس سے آنا نہیں ہوتا۔

اور لیجیے خود میاں آفتاب کی کمر میں بھی درد شدید ہو گیا ہے۔ بلکہ ڈگڈگ ذہبی کو دشبہ آغاز ضیق النفس کا ہو رہا ہے ــــ دعا کے لیے بھی فرمائیں۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

محمد اسلم

بسم اللہ

دریاباد

یکم دسمبر ۶۹ء

برادرم! وعلیکم السلام

دُعا کی فرمائش اور مجھ سے۔ یہ اس کی توہین کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔

بہرحال خانہ پری کی حد تک تعمیل کر دینے میں عذر ہی کیا ہو سکتا ہے" اے اللہ ہمارے فلاں بھائی کو اخلاص میں مزید ترقی اور برکت سے سرفراز فرمائے" زبان ہلا کر یہ کہنا تو خود اپنے اجر کا موجب ہے۔

آپ کا خواب تو بظاہر اچھا اور مبارک معلوم ہوتا ہے یعنی فتنے کے چوطرف سیل سے آپ کی محفوظیت کی بشارت نکلتی ہے۔

ہاں صاحب وہ اپنے دمے کا مؤثر اور شافی علاج آپ نے بتایا تھا مگر ذہن سے نکل گیا اور پھر کبھی تکلیف فرمایئے گا۔ حمیرا کو افاقہ تو اچھا خاصا ہو گیا تھا مگر روزے کے ڈر کے میں روزے رکھنے شروع کر دیئے (میرے اور حکیم صاحب دونوں کے مشورے کے خلاف پھر زیادتی ہو گئی اور مجبوراً روزے قضا کے رکھنے پڑے ہیں۔ شریعت نے مرض و ضعف و سفر میں جو کھلی ہوئی اجازت قضا کی دے رکھی ہے اس کی پروا نہ کرنا در پردہ شریعت پر اعتراض کرنا ہے۔

والسلام دعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۹ر دسمبر ۶۹ء

برادرم!　　السلام علیکم

ایک بڑی دردناک خبر سنئے اور دعائے مغفرت کے لیے فوراً تیار ہو جائیے۔ ہمارے آپ کے ممدوح ڈاکٹر رفیع الدین بیچارے ایک رکشا کے حادثے کا شکار ہو کر چٹ پٹ اللہ کے پیارے ہو گئے اور رمضان کا مبارک مہینہ پا گئے اللہ کی مشیت کون سمجھ سکتا ہے۔ دیکھنے میں تو یہ آرہا ہے کہ محمد علی اور بہادر یار جنگ کی طرح جس نے بھی خدمت دین کو اپنا نصب العین بنایا بس وہ فوراً جنت آشیاں کر دیا جاتا ہے۔

علمی میدان میں کتنی امیدیں ان مرحوم سے وابستہ تھیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۳ر جنوری ۷۰ء

برادرم!　　وعلیکم السلام

اخبار میں اس جہاز کی تباہی کی خبر پڑھی ضرور تھی مگر بالکل سرسری ذہن کسی مسلمان افسر کی جانب بھی نہ گیا چہ جائیکہ آپ کے عزیز خاص کی جانب۔ بہرحال اللہ ہر طرح غریق رحمت فرمائے۔ موت بڑی عبرتناک ہوتی بیوی بچوں اور اگر والدین ہوتے تو ان سب بیچاروں پر کیا گذری ہوگی! خاص دینا تو مجھے کو فقط خاص نظر نہ آئی۔ البتہ انسان کی بے بسی کو سوچتا رہا کہ جانا اور مرنے تک چھلانگ لگانے والا آگ

سے بجھانے پہ قادر نہ ہو سکا اور جو کبھی سمندر کے بیچوں بیچ۔

میرا کو ماشاء اللہ اچھا خاصا افاقہ ہے زاہدہ کو البتہ زیادہ نہیں خود میرا مرض بھی گویا جاتا رہا ہے۔ پورے ۱۲ مہینے اس مفارقت کے گذر گئے جو ۱۲ ہفتے کیا ۱۲ دن کے۔ یہ بھی گوارا نہ تھی اور عزیزوں نے خصوصاً بڑی لڑکی رافت نے کثرت سے خواب میں دیکھا اور بہت بری حالتوں میں۔ ایک میں ہی گویا محروم رہا۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء

برادرم! وعلیکم السلام

میں اب کی حج بیت اللہ کو جاتے جاتے رہ گیا ایک سرکاری وفد میں بھیجا جا رہا تھا۔ داستان تفصیل سے سننے کے قابل ہے انشاء اللہ وسط فروری میں سنیئے گا۔

یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں ہیوٹی لکھی کا شہد استعمال نہیں کرتا۔ پابندی کے ساتھ دن میں دو دو بار لگاتا ہوں۔ آپ ہی کا دیا ہوا ٹیلیگرام تو لگاتار پا۔ آپکو سہو ہو گیا۔ مجھے تو یاد ایسا پڑتا ہے کہ میں نے اس کا تعارف آپ سے کرایا تھا۔ بہرحال حالت بدتری کی طرف جا رہی ہے۔ تصنیف مضمون نگاری لگ رہی ہے۔ معمولی مراسلت میں بھی مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔

علی گڈھ گیا تھا تو امینی صاحب آپ کا ذکر خیر کرتے رہے تھے۔

تمیرا تو اب ماشاء اللہ اچھی ہیں۔ زاہدہ کا معاملہ بدستور۔ آنکھ کا افاقہ کا ہے۔ جسمانی و دینوی حیثیت سے بھی خاص پریشانیوں میں ہیں تو مالی توقعات لے کر علی گڈھ گئے تھے وہ

بالکل پوری نہ ہوں۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) اس میں سعادالہاشمی مرحوم ڈپٹی سکریٹری وزارت خارجہ حکومت ہند کی کوشش کو بڑا دخل تھا۔

(۲) مولانا محمد تقی امینی ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۵ فروری ۵۸ء

برادرم!　　وعلیکم السلام

جو اپنے کو دوسروں کے حق میں دعا کے لیے وقف کئے ہوئے ہے دوسرے بھلا کہاں تک اس کی دعاگوئی میں مصروف نہ ہوں گے۔

کل شام کو علالت نامہ پاکر طبیعت بے چین ہوگئی ٹوٹی پھوٹی دعا تو بہرحال کرتا ہی۔ کچھ رکعتیں بھی بطور منت کے مان لیں اور اس میں یہاں رہنے والی تیرا بھی شریک ہے۔

لکھنؤ والی دونوں لڑکیاں بھی انشاء اللہ خبر پاتے ہی ضرور شریک ہونگی۔ رفعت سلمہا کو تو ان معاملات میں حریص ہے۔

انشاء اللہ آپ جلد اچھے ہو جائیں گے۔ آپ کی زندگی و عافیت کی ضرورت اگر اور کچھ نہیں تو دوسروں کی دعاگوئی کے لیے بہرحال ہے۔

رفعت کی اس تشخیص کی تردید بحمداللہ ڈاکٹروں نے پوری طرح کر دی۔ وہ تشخیص ایک طبیبہ کی نہیں نیم طبیبہ کی تھی بہرحال میں تو آپ ہی لوگوں کی دعا کی برکت سمجھ رہا ہوں۔

ایک خیال ہے کہ اتوار یکم مارچ کو رات میں لکھنؤ پہونچوں (دیکھئے جو موسم اجازت دے۔

اور ۲ کی صبح کو ہی ۸ بجے تک حاضر خدمت ہو جاؤں ایسے حال میں چائے وغیرہ کے تکلف میں ہرگز نہ پڑیئے گا میں پی کر آؤں گا۔

میاں غلام محمد کو بھی خط لکھے دیتا ہوں۔

والسلام دُعاگو

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۷ ارمارچ سنہ ۲

برادرم! وعلیکم السلام

خوب اور بہت خوب کیا آپ نے جو خیریت نامہ خود سے لکھ بھیجا۔ دل اچھا خاصا لگا ہوا تھا ہر روز دریافت خیریت کرنا چاہتا تھا پھر یہ خیال کر کے رک جاتا تھا کہ خدا معلوم کوئی خط لکھنے والا آپ کو میسر ہو کہ نہ ہو۔

کلامیات سائنس اور کلامیات قرآن مجید دونوں اپنے موضوع پر انشاء اللہ قابل قدر ہوں گے۔ اللہ ضرور توفیق انجام دے۔

آپ کے کارڈ کی پشت پر جو عبارت تھی وہ پوری طرح چل نہ سکی مہر اُس پر لگ گئی تھی۔ سفر لاہور والی عبارت اچھی طرح سمجھ میں نہ آئی۔

مولوی اشرف پشاوری سے ملاقات لاہور میں شروع ۵۱ء میں ہوئی تھی۔ بیمار اور ٹانگوں سے بالکل معذور ہیں بیساکھی کے سہارے چلتے پھرتے ہیں۔ فنافی التبلیغ ہیں اور تبلیغی سفروں پر یورپ تک ہو آئے ہیں سرتاپا اخلاص بھی ہیں۔

ایک پروگرام یکم اپریل کے لیے لکھنؤ کا ہے۔ خدا کرے سہ پہر کا وقت آپ

کے لیے نکل سکے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۴ مئی ۱۹۳۸ء

برادرم! وعلیکم السلام

پہلے خیریت نامہ اور پھر علالت نامہ دونوں ملے۔ اللہ جلد شفا دے اور عمر و صحت دونوں میں زیادہ سے زیادہ برکت فرمائے۔ اور وہ دونوں کام تو بہرحال آپ ہی کے کرنے کے ہیں۔

آفتاب سلمہٗ خود اپنے نسخے سے بحمداللہ اب اچھے ہو رہے ہیں۔ ۲۵ ۔ ۳۰ سال ہوئے یہ نسخہ انھوں نے کسی مریض کو دیا تھا اور بہت نافع ہوا تھا۔ اب وہ خود اسے بالکل بھول گئے تھے۔ چند روز ہوئے ان کے ایک ہم سن پرنسپل طبیہ کالج پٹنہ نے یاد دلایا جب جا کر انہیں یاد پڑا۔ ماشاءاللہ اچھا خاصا نفع ہو رہا ہے۔ میاں درگاہی (محمد معینؐ) بھی اب گویا بالکل اچھے ہیں۔ ان کے لیے آپ نے جو کچھ لکھا بالکل واقعہ ہے۔ اس اخلاص کی مثالیں اب قریب عزیزوں میں بھی بہت کم ملتی ہیں ان کے پیش رو حاجی محب علی مرحوم بھی ایسے ہی تھے۔

۱۹ مئی منگل کو دس بجے صبح جج کمیٹی کی میٹنگ ہے۔ انشاءاللہ سہ پہر کو حاضری کا وقت رکھتا ہوں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ دوسرے دن چند گھنٹوں کے لیے علی میاں کے ہاں رائے بریلی حاضری دوں تاکہ ان کا کتب خانہ دیکھ سکوں۔

علی گڈھ والے ایک لکچر کے لیے بلا رہے تھے' روی ان کا عصر اور تحیات' علاوہ کرائے کے ایک رقم بطور آنریریم پیش کر رہے تھے معذرت لکھ بھیجی کہ حضرت سے اپنی عقیدت کے باوجود بہرحال

لکچر کے لیے مطالعہ اچھا خاصا کرنا پڑے گا اور بعض قرآنیات کے اب ہر مطالعہ کے لیے وقت نکالتے سے مفر نہیں ہے۔ صدق کے علاوہ اب پورا وقت مدراس لکچروں کے لیے نکال رہا ہوں عنوان میرا ہی تجویز کیا ہوا ہے "اشارات القرآن" ۔۔۔ قرآنی مطالعہ بیسویں صدی میں۔

بڑی لڑکی رانت تو بحمداللہ کہنا چاہیے کہ اب بالکل اچھی ہے۔ زاہدہ بیچاری کا سلسلہ چل رہا ہے بیچ بیچ میں انھیں بھی افاقہ خواہ مخواہ ہو جاتا ہے۔ دونوں آپ کی صحت و عافیت کے لیے بہرحال دعاگو ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) حکیم عبدالواحد صاحب جواب پرنسپل سے ریٹائر ہو گئے ہیں۔

(۲) صدق کے کارگذار کارکن کا عرف۔

(۳) مولانا کے پرانے اور بڑے جاں نثار خدمت گار جن کا یہ سنہ میں انتقال ہوا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ اگست سنہ

برادرم! وعلیکم السلام

حبیب یہاں سے دو شنبہ کو خیر سنوار واپس ہو گئے ہیں نے ان کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ ہمہ سے جلد آپ سے ملاقات مجھے مطلع کریں (مرضی پر خود یہ بار نہیں ڈالا کرتا) ان کے خط کا آج تک انتظار ہی رہا اور ڈاک کا اندیشہ تو کچھ پوچھئے ہی نہیں۔ بہرحال آپ ہی کے کارڈ سے اتنی بات کا اطلاع ملی اللہ پاک کے بھروسہ کارگر ہو گئی ہو اور اسپنان اور آپریشن کے چکر میں پڑنا ہی نہ پڑا ہو۔

دعا کے لیے آپ کو لکھنے کی کیا ضرورت ہے گھر بھر اسی میں لگا ہوا ہے مضطرب اور مضطر ہو کر۔

انشاء اللہ جمعرات ۱۳ مئی کو صبح بعد خدمت ہوگا خدا کرے آپ کو پانی و تندرست پائوں۔ ڈاکٹر ضیاء الدین[1] کو ایک اور ضرورت سے خط لکھ رہا تھا انہیں بھی دعا کے لیے لکھ دیا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) سابق صدر پروفیسر شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی۔

بسم اللہ

درگاباد

۳ فروری ۱۹۴۱ء

برادرم! وعلیکم السلام

۱ — ڈاکٹر فریدی صاحب کے ہاں دو تقریبیں تھیں ایک دوپہر کو عقد کی نسبتہً چھوٹی دوسری شام کو ایٹ ہوم کی اور بہت بڑی۔ علی میاں مجھے دونوں میں دکھائی نہ دیئے۔

۲ — ایٹ ہوم میں ندوہ کے کئی صاحب تھے اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب بھی۔ میں نے دونوں تقریبوں میں ہمت کرکے ڈاکٹر صاحب کو ٹوکا[1]۔ اور عرض کر دیا کہ آپ کے یہاں سے خوشی ہو کر نہیں ناخوشی ہو کر جا رہا ہوں۔ معذرت مسکینیت کے ساتھ یہ کرتے رہے کہ "حضرت میں تو بڑا گنہگار ہوں جہاں سیکڑوں گناہوں میں اور مبتلا ہوں وہاں یہ بھی سہی" مفتی صاحب خاص وکالت ان کی طرف سے فرماتے رہے اور ایک بار تو درمختار کی عبارت سنا دی کہ شادی کی دعوت بیاہ کے دو قدم پر زیادہ تحقی نہ کی جائے۔

۳ — میاں آفتاب کا فروغ اردو کی ادارت میں شریک ہونا فیض برائے نام ہے۔ (آفتاب اور شمس کی مناسبت خوب ہے۔)

۴ ۔ کسی کی تجارتی اور اشتہاری نیت سے مجھے بحث نہیں فکر اور شرمندگی اس کی تھی کہ اپنے نام کا انتساب کیسے گوارا کروں۔ شمس صاحب نے اجازت ایک رابطہ سے طلب کی تو قطعی معذوری ظاہر کردی اور کہلا دیا کہ یہ نمبر تو مشاہیر کے لیے نکالے جاتے ہیں ۔ مجھ کو گمنامی میں پڑا رہنے دیجئے"۔ تو خود آکر مجھ سے ملے اور فرمایا کہ جب حضرت مولانا تھانوی نے پوری سوانح عمری اپنی لکھا دی اور خواجہ صاحب کے سے محتاط شخص نے لکھ دی تو میں کیوں نہ اس نظر سے فائدہ اٹھاؤں۔

۵ ۔ یہ شمس صاحب تو محمد حسن کاکوروی کے لڑکے ہیں یہ شاید آپ کے علم میں ہو۔

۶ ۔ ۱۳ر فروری کو لکھنؤ آکر ۱۵ر فروری کو واپسی کا پروگرام ہے انشاء اللہ وقت اگر نکل سکا تو حاضری کا ارادہ ہے۔

والسلام

عبدالماجد۔

(۱) یعنی مروجہ خلاف شرع رسموں کے کرنے پر۔ باجہ وغیرہ بجنے پر۔

(۲) ادبی ماہ نامہ فروغ اردو ادارہ فروغ اردو کا ترجمان ہے اس کی مجلس ادارت میں برادر محترم حکیم عبدالقوی بھی تھے۔

(۳) شمس صاحب نے فروغ اردو کا ایک بڑا ضخیم نمبر مولانا پر مولانا عبدالماجد دریابادی نمبر نکالنا طے کیا اور بالآخر اگست۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء کے اشاعتوں میں ۳۴۰ صفحے کا شائع ہوا مکتوب الیہ نے اس کے بارہ میں سوال کیا تھا۔

(۴) اشرف السوانح یعنی حضرت تھانوی کی سوانح تھانوی ہی کی زندگی میں شائع ہوئی۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۷ مارچ ۱۹۵۱ء

برادرم!　　وعلیکم السلام

آپ کا کوئی عنایت نامہ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کیا معنی دو ڈھائی ہفتے ہوئے بھی پہونچنا یاد نہیں پڑتا۔

آپ کا یہ قرآنی سوال میں آپ کی عبارت سے تو نہ سمجھ سکا۔ آپ نے تو یہی لکھا ہے کہ قرآن میں قرأت قرآن سے پہلے استعاذہ کا حکم ہے اور لوگ کرتے بھی ہیں تو پھر اس پر سوال کیا ہے؟

آپ نے اب کی کچھ حال اپنی صحت کا نہ لکھا یعنی بحمداللہ آپ کو ٹھے سے اترنے لگے سوالات مجھے بھی آپ سے بہ حیثیت شیخ طریقت کرنا ہیں لوگ جواب تکلف میں ٹال جاتے ہیں آپ سے اس کی توقع نہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ مارچ ۱۹۵۱ء

برادرم!　　وعلیکم السلام

کل صبح آپ کو جواب لکھ چکا تھا کہ شام کو آپ کا کارڈ ۱۷ مارچ والا گیارہویں دن مل گیا۔

استعاذہ قبل قرأت قرآن کا حکم وجوبی نہیں استحبابی اور اس حد تک عملاً عمل درآمد بھی ہے کوئی سوال میرے خیال میں پیدا ہی نہیں ہوتا۔ زندہ اور ہمہ جہتی تعلق سب سے بڑھ کر تو صفت ربوبیت ہی کا بندوں کے ساتھ اللہ کا رہتا ہے۔

ہاں صاحب! اب میرا سوال یہ ہے آخر یہ ہمارے اکابر صوفیہ کا اتنا ذوق و اصرار اشغال و اعمال صوفیہ کہاں سے سند جواز رکھتا ہے؟ اگر یہ ضروری کسی درجے میں بھی ہوتے تو قرآن انھیں تصریح و تاکید سے کیسے چھوڑ دیتا۔

آپ کے سے لوگ جب میری تفسیر کو زیر مطالعہ رکھتے ہیں تو یقین فرمائیے مجھے بڑی ہی شرم آتی ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

بسم اللہ

دریابار

۲۰ مارچ ۱۹۵۰ء

برادرم! وعلیکم السلام

ہمارے خالہ زاد بھائی مبین بھائی[1] (ریلوے بابو) تو شاید آپ کو یاد ہوں عرصے سے بہت بیمار تھے پرسوں شب جمعہ کو وفات پائی کل بعد نماز جمعہ تدفین ہوئی۔

آپ کا تیسرا خط پرسوں مل گیا۔ ہفتے کے اندر تین خط۔

میں نے تو ہدی للمتقین کی شرح یہ کی ہے کہ اس ہدایت نامہ عام و تام سے عملاً مستفید صرف وہ ہوں گے جو خوف خدا اور زندہ ضمیر رکھتے ہیں باقی جو یہ صلاحیت ضائع کر چکے ہیں اُن کے حق میں وہ لاحاصل رہے گا جیسے ضیاء آفتاب سے بے فیض وہ رہ جاتے ہیں جو اپنی بصارت برباد کر چکے ہیں۔

زاہد کا وہی حال گریہ و سرد چلا جا رہا ہے اس مستقل حال پر صبر کر لیا ہے۔ میری ہمشیر[2] تو عجب شخصیت رکھتی تھیں میں نے زندگی بھر معصوم تین ہی دیکھے ایک مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی مرحوم دوسرے ڈاکٹر حکیم عبدالحی مرحوم تیسری میری ہمشیر۔

نماز روزہ بحمداللہ چاروں لڑکیاں بقدر کفاف کرتی رہتی ہیں۔ باقی نمبر اول سب سے بڑی بہن رافت النساء کا ہے۔ یہ آفتاب کے گھر میں لاولد ہیں جو کبھی اپنے پیسے سے کرائے تین۔

تفسیر جلد دوئم کو آپ کیا پوچھتے ہیں اب تو پریس والوں کا تجربہ آپ کو بھی بھرپور ہو چکا ہوگا ہفتہ بھر کا وعدہ مہینے بھر میں پورا ہو جائے تو سمجھئے کہ سستے چھوٹے بہرحال اب تازہ ترین وعدہ تو ڈیڑھ ہفتے کا ہے۔

میاں آفتاب تو ماشاء اللہ عرصے سے اچھے ہیں۔

دُعاگو

عبدالماجد

(۱) شفاء الملک حکیم عبدالحبیب دریابادی کے سب سے چھوٹے بھائی اور مولانا سے سن میں کئی برس بڑے۔ یہ ہم سب لوگوں سے بہت محبت کرتے تھے۔

(۲) یہ سن میں مولانا سے بڑی تھیں بڑی ہی عابدہ اور متقی پرہیزگار۔

بسم اللہ

دریاباد

۳ اپریل ۱۹۵۱ء

برادرم! وعلیکم السلام

باشم سلمہٗ یونس سلیم صاحب کے ساتھ یونیورسٹی کے حدود میں بعد مغرب پیدل چل رہے تھے سڑک خراب تھی ایک گڑھے میں انکا پیر پڑ گیا اور گھٹنے پر چوٹ ایسی زائد تو بحمداللہ نہیں آئی البتہ ایک گھٹنے کی ہڈی میں ضرب آگئی پلاسٹر چڑھا دیا گیا افاقہ کی اطلاعیں آتی رہیں انشاء اللہ ۳۰ مارچ کو پلاسٹر کٹ گیا ہوگا۔

درگاہی اچھے ہیں اور حکیم آفتاب بھی (بجز دانت کے شدید درد کے) آئندہ ہفتے پروگرام ایک طبی کانفرنس میں اورنگ آباد کا چار دن کے لیے رکھتے ہیں۔

میاں غوث تو ماشاء اللہ مدنی ہو گئے چوری چھپے سال بھر سے اوپر رہ رہے تھے اب سُنا

ہے کہ باضابطہ مقرر ہو گئے۔ صحت بھی ماشاء اللہ بہت اچھی رہنے لگی ہے کھانسی وغیرہ کی شکایتیں کافور۔

ہاں صاحب یہ صوفیہ کے ہاں کی علمی تعلیم کچھ بتانے یا سکھانے کا وعدہ کیجئے تو وقت نکال کر حاضر ہونے کو تیار ہوں۔ توجہ کیسے دی جاتی ہے؟ ذکر کیسے جاری ہوتا ہے؟ تنزلات ستہ کیا چیز ہے وغیرہ وغیرہ اور سب سے بڑھ کر یہ کتاب اللہ ان کی صراحت سے کیوں خاموش ہے؟ علی میاں وغیرہ کئی صاحبوں سے پوچھا سب ٹال گئے سب سے بڑھ کر حق آپ ہی پر ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریابار

یکم مئی ۱۹۵۰ء

برادرم! السلام علیکم

کل ہی ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اب وہ ندوہ والی میٹنگ اب کی جمعہ کو نہیں ہو رہی ہے اس لیے جمعہ کو آنے کا کوئی سوال ہی نہیں رہا۔ خیال ہے کہ قریب ہی کوئی دوسری تاریخ مقرر ہو۔

غوثو میاں کے لیے وہ اجازہ مدینہ منورہ والی خبر غلط نکلی بے چارے چھپے ہوئے یوں ہی پڑے ہوئے ہیں حضرت تھانوی ہوتے تو ہرگز اس روپوش زندگی کو پسند نہ کرتے۔ ایک عجیب ناخوشگوار تجربہ برسوں سے ہو رہا ہے۔ ایرادات واعتراضات براہ راست الفاظ قرآنی پر بہت کم وارد ہوتے ہیں۔ عموماً ان کی حدیثی تشریح پر وارد ہوتے ہیں۔ حدیث سے مراد وہ حدیثی روایتیں ہیں جنھیں مفسرین نقل کرتے چلے آتے ہیں بس وہی تشریح ذہنوں میں ایسی راسخ ہو گئی ہے کہ متن قرآن کی کوئی پروا نہیں کرتا اور محض دین داری اس کو سمجھا جاتا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ مئی ۱۹۵۱ء

برادرم! وعلیکم السلام

بڑی خوشخبری آپ نے سنائی کہ جمعہ کے لیے مجد تک جا سکے۔ سنیچر ۱۸ مئی کی ڈرک پہر کو تکلیف فرمائیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وقت بعد عصر کا کوئی ۵½ کا ٹھیک رہے گا یہ نہ ہو تو اس سے قبل کا رکھیئے۔

ندوہ کی ایک میٹنگ کا نوٹس آگیا ۱۵ مئی کو ہوگی لیکن وقت درج نہیں میرا خیال ہے کہ صبح ہوگی اور میں سہ پہر کو فارغ ہوں گا لیکن اگر سہ پہر کو ہوئی تو پھر آپ زحمت ۱۶ اتوار کی صبح کے وقت کیجئے گا دوسرا خط میں انشاء اللہ کل ہی پرسوں آپ کو لکھ دوں گا ندوہ سے وقت کی اطلاع پاکر۔

بھوپال کے دوسرے مجددی کا نام عمران خان ندوی ہے۔ تاج المساجد و تاج المدارس کا کام جس شاہانہ پیمانے پر اٹھایا ہے اُسے میں ان کی کرامت سے کم نہیں سمجھتا۔ تخمینہ نو لاکھ کا ہے سنگ بنیاد سفیر حجاز کے ہاتھ سے رکھوایا۔ دو دن تو خیر کیا رکتا ایک دن کے لیے بہرحال گیا دریاباد سے آمد و رفت میں پورے ۲½ دن صرف ہو گئے۔

ایک تازہ حماقت یا جنون اور سنئے اس ہفتے سے عبرانی زبان سیکھنی شروع کی ہے اس سن میں اور وہ بھی بلا استاد بغیر کتابوں کے سہارے۔

وقت یوں ہی کیا کم گھرا ہوا تھا اور اب اور گھر گیا

اب ایک اور خانگی معاملہ (بالکل غیر متوقع) سنئے اور اس میں دل سے دعا کیجئے۔ منجھلی لڑکی ہیرا جو میری سب سے زیادہ مزاج شناس ہے زاہدہ بی کی طرح اب روز کی بیمار رہنے لگی ہے اعصابی کمزوری اور اس کے دورے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مراد مولانا عمران خاں ندوی سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء۔

(۲) اس سے مولانا کے تحصیل علم کے بے پناہ شوق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲ جون ۱۹۶۰ء

برادرم! وعلیکم السلام

۳۰ مئی کا کارڈ فی الفور کارڈ سپرد ڈاک کرتا ہوں۔

پشاور یونیورسٹی مشہور یونیورسٹی ہے۔ کم سے کم ۲۴-۲۵ سال سے ضرور کام کر رہی ہے ڈاکٹر رضی الدین وہیں کے وائس چانسلر شروع سے ہیں ان کا پتہ علی میاں کا لکھوایا ہوا ہے۔

آپ کا کارڈ تقریباً اردو کی فیاضانہ بلکہ مسرفانہ داد میں چار دن ہوتے وصول ہو گیا تھا۔ عربی ترجمہ کے لیے کسی سے بھی اپنی زبان سے کیسے عرض کر سکتا ہوں۔

مشہور لیڈر ڈاکٹر محمود بے چارے موت و حیات کی شدید کشمکش میں مبتلا دلی کے ایک اسپتال میں پڑے ہوئے ہیں اللہ مشکل آسان فرمائے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۲ جون ۵۱ء

برادرم! وعلیکم السلام

عزت افزائی اور قدر افزائی کی بھی حد کر دی آپ نے۔ تفسیر کے سلسلے میں ایسے ایسے الفاظ لکھ دیتے ہیں کہ میں کٹ کٹ کر رہ گیا۔

عربی ترجمہ تو ایسی اونچی چیز ہے کہ اس کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ بہرحال اب یہ سوچا ہے کہ اس نمبر کے بعد والے صدق میں اس تجویز کا ذکر کر دوں آپ کے حوالے سے گو نام کی پوری تصریح کے ساتھ نہیں۔

آنکھوں کا تو مستقل مریض تھا ہی اب عام صحت بھی خراب رہنے لگی ہے۔ کھانسی حرارت بلکہ کبھی کبھی بخار بھی۔ اس درمیان میں باندے جانا ہوا انور نے کمال کیا کہ مجھے ایک نو تعمیر مکان میں اتارا جو خاندانی قبرستان سے بالکل متصل تھا مرحومہ کا مرقد چوبیسوں گھنٹے پیش نظر۔ اب کیا لکھوں دل پر کیا گزر رہی قبر پہ بیٹھ کر بہت کچھ کہہ ڈالا۔

دو ایک خانگی فکریں بھی آج کل سخت سوار ہو گئی ہیں بس دعا فرمائیں۔

لکھنے بیٹھوں تو بہت کچھ لکھنا پڑے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) یعنی تفسیر ماجدی اردو کا۔

بسم اللہ

دریابار

۱۶ جولائی ۱۹۵۸ء

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کے دن سے آپ کو لکھنے کا ارادہ کر کے رہ گیا آج جا کر نوبت آئی جب آپ کا خط مل گیا۔ لیٹ جانے کی خبر پڑھ کر فکر پیدا ہو گئی۔ اللہ جلد صحت دے۔

تفسیر کے عربی ترجمہ پر جو میرا نوٹ تھا اس میں نقطے لگی ہوئی جگہ پر علی میاں سلمہٗ اپنا نام سمجھے اور مجھے مفصل خط لکھا جس سے میری شرمندگی میں اضافہ ہوا۔ اب ان کی رائے ہے کہ پورے ترجمے کے بجائے صرف خلاصہ عربی میں منتقل کر دینا آسان تر اور زیادہ قابل عمل ہوگا (یعنی صرف ذاتی تحقیق اور نئے معلومات والے حصہ کا) میں نے جواب لکھ دیا کہ بسر و چشم بشرطیکہ انتخاب مولوی شمس تبریز خاں کریں زیر ہدایت و مشورہ مولوی ادریس اور ترجمے کا کام مولوی رابع کریں نگرانی میں۔

چنانچہ آپ سے نا خوشی نہیں کہہ جاب سا محسوس کرنا قدرتی ہے۔ نہ ملنے کا عذر تو یہی کم فرصتی ہی بیان کرتے ہیں۔ چھٹیوں میں آئے ہوئے تھے اب واپس ہو گئے۔ پابندی سے تو نہیں لیکن اکثر آتے رہے اور میں حسب موقع چپکے چپکے حضرت اکبر کے رنگ میں تبلیغ کرتا رہا۔ بحث و مباحثہ نہیں کرتے مذہبی ذکر کو ٹال جاتے ہیں یہی بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ اقبال سے بھی یہی عقیدت ہے بلکہ فارسی کلام کا ترجمہ فرنچ میں کیا ہے UNESCO کے لیے ڈاکٹر حمید اللہ سے بھی ربط ضبط جاری رکھے ہوئے ہیں۔

سانحہ کے بعد پہلی دفعہ باندہ جانے کا اتفاق ہوا اب کی بھی شادی میں (مسعود میاں مرحوم کے چھوٹے لڑکے کی شادی اب جا کر ہوئی ہے) قبرستان پہلے ویران پڑا رہتا تھا بغیر کسی چار دیواری کے اب کی اس کے برعکس خوب تیار ہو گیا ہے اور ایک مکان بھی احاطے کے دروازے پر تعمیر ہو گیا ہے میاں انور نے مجھے اسی مکان میں اتارا۔ دن رات میں جب چاہا قبر کی زیارت کی اور کیا بتاؤں قبر دیکھ کر دل پر کیا کیا اثر پڑے۔ پہونچتے ہی کہا کہ باندے تم سے ملنے تمھیں دیکھنے تمھیں ساتھ لے جانے

آیا کرتا تھا تقدیر نے یہ دن نہ دکھایا کہ اب تمہارے مزار پر فاتحہ کے لیے آیا ہوں۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا نے مکتوب الیہ کی رائے تفسیر کے عربی ترجمے کے متعلق بلا تصریح نام صدق میں نقل کی تھی اور اس پر نوٹ دیا تھا۔

(۲) انگریزی میں اسلامیات کے مشہور فاضل اور متعدد محققانہ کتابوں کی خصوص سیرت نبوی اور اسلام کے مصنف۔

(۳) یعنی مولانا کی بیگم صاحبہ کے سانحۂ انتقال کے بعد۔

بسم اللہ

دریاباد

یکم دسمبر ۱۹۵۱ء

برادرم! وعلیکم السلام

آصف[1] قدوائی کا نام تو سب سے پہلے میرے ذہن میں آیا تھا میرے بڑے مخلص ہیں اور اپنی برادری ہی کے ہیں لیکن وہ بے چارے تنہا جان ایک انار و صد بیمار واقعۃً ہو رہے ہیں ایک اردو ہفتہ وار عزائم کا کام الگ ان کے ذمہ اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ علی میاں سلمہٗ کے کام کے لیے وقف کیے ہوئے۔ غریب کو دم لینے کی فرصت نہیں۔

علی میاں کو اور بھی دوسرے انگریزی مترجم بھی بہت اچھے مل گئے ہیں محی الدین نامی سے سکریٹریٹ میں کسی عہدے پر ہیں اصحاب دعوت عزیمت کا انگریزی ترجمہ انھوں نے تیار کر لیا ہے[2]۔ ایسی خوش قسمتی ہر ایک کے نصیب میں کہاں آ سکتی ہے۔

میری انگریزی تفسیر تو مدت دراز ہوئے شائع ہو چکی ہے اب تو چار سال ہوئے صاحب تاج کمپنی

کی فرمائش ہوئی کہ وہ ضخیم تفسیر تو صرف خال ہی خال پڑھتے ہیں اب کی محض ترجمہ کر دیجیے تو میں اسکی اشاعت خوب کروں گا چنانچہ شتم بشتم تعمیل کر دی گئی اور یہی اس روز میں نے آپ کے ملاحظہ کو پیش کر دیا۔

ہاں سوالات کرنے کو جو آپ نے پوچھا تو یہ کون پوچھنے والی بات تھی؟ سوالات تو بھی چاہیے بے تکلف پیش فرمایئے نام تو سائل کے یوں بھی اس کام میں ظاہر نہیں کیے جاتے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) شدید گٹھیا کی وجہ سے ٹانگوں سے برسہا برس سے معذور ہو گئے ہیں اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں۔ لیکن اس کے باوجود ماشاء اللہ لیٹے لیٹے اسلامیات پر متعدد کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کر ڈالا۔

(۲) اس کے بعد انھوں نے مولانا علی میاں صاحب کی متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا۔

بسم اللہ

دریاباد

۹ دسمبر ۷۱ء

برادرم!

السلام علیکم

ہمارے دست گیر رشید بے چارے کسی ابتلا میں آگئے ہیں میرے پاس دعا کے لیے خط آیا ہے جس سے اضطراب بلکہ انتظار ٹپک رہا ہے لکھا ہے کہ میرے لیے بھی اور بچوں کے لیے بھی دعا صحت کی، عافیت کی کیجئے خیر میری دعا تو ٹوٹی پھوٹی جیسی ہوگی ظاہر ہی ہے باقی آپ کا نام میں نے ان کو بھی لکھ دیا ہے خود آپ کو بھی لکھے بھیجتا ہوں۔

نیا عذاب جو جنگ کی صورت میں نازل ہوا ہے دیکھئے کب ٹلتا ہے اور ٹلتا بھی ہے یا نہیں۔ پاکستانی مخلصوں سے لے دے کر ایک تعلق واسطت کا باقی رہ گیا تھا اب اس کی بھی کیا صورت ہے بیسیوں گونا گوں تکلیفیں جو اٹھانا ہوں گی وہ الگ۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) ریٹائرڈ استاد فارسی نظام کالج حیدرآباد اور مولانا اور مکتوب الیہ دونوں کے مخلص خصوصی اور صاحب تصنیف۔

(۲) ہندو پاک کی جنگ جو بنگلہ دیش کے سلسلے میں ہوئی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۲ دسمبر ۷۱ء

برادرم!

وعلیکم السلام

دونوں خطوں کے جواب بروقت ارسال کر چکا ہوں اب اگر ڈاک کے ڈاکو ظالم نہ پہونچنے دیں تو بجز اپنا سر پیٹنے کے اور کیا کروں۔

ڈاک وغیرہ تو اب جنگ شروع ہو جانے کے بعد سے بند ہونی تھی۔ مولوی اشرف خاں کانپور میں مقدمہ شروع اکتوبر میں آگیب اتھا ٹکڑے کر کر کے تو میعاد دے رہا ہوں۔ وحدۃ الوجود کی تعلیم اب اس میں جا بجا نظر آئی اگر شروع میں نظر پڑتی تو استلافی حاشیے دے دیتا۔

نام سید السوانح کی میں تائید میں نہیں تو اول تو اشرف السوانح مرشد کی سوانح عمری عاشق مست مرشد کے قلم سے اور یہ حیات سلیمانی مولانا و استاد کی سوانح عمری ہے مولانا و شاگرد کے قلم سے۔ دوسرے اس میں نام کی مناسبت ظاہر تھی۔

غلام دست گیر رشید کے لیے دعا کرنے کو دو خطوں میں لکھ چکا ہوں بے چارے سخت پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۲ر فروری ۱۹۴۸ء

برادرم!　　وعلیکم السلام

بڑے ہی شکر کی بات ہے کہ آپ کو مرض بے خوابی سے افاقہ ہوا اللہ شفاء کامل عطا فرمائے ۔ سفر اعظم گڑھ علی میاں اور ڈولوی عمران خان کی معیت میں لطف سے کٹا (حالانکہ) اب کسی سے بھی ملنے جلنے میں لطف سے زیادہ افسردگی ہی رہتی ہے) مختصر سی روداد سفر فوراً نہیں دو ایک ہفتے بعد مطالعہ کیجئے گا ۔

حیات سلیمانی آدھی چھپ کر کاتب صاحب کے پنجہ مغضب میں گرفتار ہے اب دیکھئے کب نکل پاتی ہے ۔ مالی حالت ادارے کی بہت سقیم ہو گئی ہے کام ریزرو فنڈ سے چل رہا ہے اور ظاہر ہے کہ کب تک چل سکتا ہے ۔ راستہ یہ قرار پائی ہے کہ اب کی میٹنگ ایک کانفرنس کے ساتھ بمبئی میں کی جائے ۔ وہاں کے تاجروں سے اچھی خاصی امداد کی توقع ہے ۔ دیکھئے اللہ کو جو منظور ہو ۔ مستقل صدر اب نواب (مکرم جاہ) کے چھوٹے بھائی کو بنایا ہے ۔

جلسے کی تاریخ ۲۶ر ——— ۳۰ر اپریل قرار پائی ہے ۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ر مارچ ۱۹۴۸ء　　برادرم!　　وعلیکم السلام

آپ کی بیماری و معذرت کو پڑھ کر دل بڑا ہی کڑھتا ہے ۔ اور جیسی بھی دعا بن پڑتی ہے اس کی توفیق بھی کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتی ہے ۔

عقلاً تو خوش ہونا چاہیئے کہ ان بہانوں سے گناہ خوب دھلتے جاتے ہیں اور جسمانی آزار کے ذریعے روح کی تطہیر ہوتی جارہی ہے۔ لیکن وقتی تکلیف تو بہرحال ہوتی ہی ہے اور انسان بیچارہ انگلی میں پھانس گڑنے کی بھی تکلیف نہیں برداشت کرسکتا ہے۔

ہاں صاحب یہ آپ کئی بار لکھ چکے ہیں کہ اب دعا و تمنا صرف مغفرت کی ہے یہ صرف مغفرت کیا معنی دنیوی راحت اور عافیت تمام تر بے نیازی کے قابل ہے؟ دعا ایسی رکھیئے جس کی تعلیم شارع نے دی ہے یعنی عافیت دارین کرب والم کا شائبہ بھی نہ آنے پائے نہ یہاں اور نہ وہاں نہ عاجل نہ آجل۔

بہرحال اللہ آپ کو شفا بخشے۔

ہاں صاحب ایک تازہ خبر سنئے جی میں آیا کہ چلتے چلاتے ایک ہلکا پھلکا سہ سری تذکرہ اپنے معاصرین پر لکھ ڈالو تحقیقی قسم کا نہیں محض قلم برداشتہ زیادہ نہیں کوئی ۷۰ ۔ ۵ صفحوں کا عنوان رکھنا ہیں بہ عنوان کے نیچے زیادہ سے زیادہ ڈھائی صفحے۔ رفیقوں میں قدیم ترین آپ ہی ہیں آپ کا تذکرہ ناگزیر ہے۔

بڑا بالوس اپنی تفسیر کی طرف سے ہورہا ہوں۔ تیسری جلد یعنی گیارہویں پارے کی کتابت کی نوبت اب خدا خدا کرکے آرہی ہے[1]۔ ایک خاص مسئلہ میں سارے مفسرین سے اختلاف کی نوبت آرہی ہے اس کا موقع کہیں پارہ ۱۷ میں آئے گا اس وقت تک جیتے رہنے کی امید موہوم سے بھی بڑھ کر موہوم ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) گیارہویں پارہ مولانا کے انتقال سے دو مہینے پہلے شائع ہوا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۳ مئی ۷۲ء

برادرم!

وعلیکم السلام

دریاباد ہی میں بدستور ہوں لکھنؤ میں کیوں ہوتا۔

۲ ۔ لکھ چکا ہوں کہ دارالمصنفین کا حال بہت پتلا ہو چکا ہے۔ تنخواہیں تک نکلنا مشکل ہو گئی ہیں اب کی یہ ٹھہری کہ جلسۂ انتظامیہ بمبئی میں کیا جائے اور صدر پریس مفخم جاہ کو بنایا جائے۔ خیر پریس تو آئے نہیں۔ نہ خط کا جواب آیا اور جلسۂ بمبئی میں ہو گیا اور رقم معقول تو نہیں البتہ تھوڑی بہت یعنی ۲۵۔ ۳۰ ہزار نقد وصول ہو گیا۔

۳ ۔ یوں بھی شاید ایسے نازک وقت مجھے سفر کرنا ہی پڑتا باقی عین وقت پر یعنی لکھنؤ اسٹیشن پہونچ کر شاہ معین الدین صاحب دفعتاً سخت بیمار ہو گئے اور سر سے قطعی معذور رہے اس لیے میرا جانا اور بھی لازمی ہو گیا۔ ایک جلسے میں میرے مقالے کا عنوان تھا "تفسیر قرآن کے جدید تقاضے" اللہ نے حسن قبول عطا فرمایا میں تو چار دن ٹھہر کر چلا آیا۔ باقی حضرات ٹھہر گئے تھے (علی میاں، مولوی عمران خان، مولانا اویس وغیرہم۔

۴ ۔ یہ سورۂ کہف کا آخری رکوع ہمیشہ مدنظر رہا ہے۔ بڑا پُر کیف بڑا جلالی اور اس کی آیت الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا ایک کلیدی آیت ہے۔

۵ ۔ مولانا گیلانیؒ اس پر پوری کتاب لکھ چکے ہیں ۳½ سو صفحے کی تذکیر سورۂ کہف بیس برس اسے چھپے ہوئے ہو گئے۔ علی میاں عربی اور اردو دونوں میں لکھ چکے ہیں اسے بھی دو ایک برس ہو چکے ہیں صدق میں تعارف بھی آ چکا ہے۔

۶ ۔ آپ کا خط مع جواب انشاء اللہ گنجائش نکلنے پر صدق میں درج ہوگا۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ جون ۵۳ء

برادرم!

وعلیکم السلام

شرمندہ ہوں کہ اب کی آپ کو جواب دینے میں بہت دیر پھر ہوگئی کبھی کبھی کام ایسے پڑ جاتے ہیں کہ ضروری خط بھی لاجواب رہ جاتے ہیں۔

'قبض وبسط' تو صوفیہ کے ہاں کی خاص اصطلاحیں ہیں اور ان کا مفہوم بھی بس وہی لوگ جانتے ہیں قرآن وحدیث میں آئے نہیں۔ ہم طالب علم صرف رجا، خوف سکینت وخشیت کو جانتے ہیں باقی اگر خشیت کا غلبہ زیادہ ہو تو احیاء العلوم وکیمیائے سعادت میں باب الرجا مُلاحظہ کر لیجئے اور حدیث میں ابواب الرحمتہ والشفقتہ کو اور خود قرآن مجید میں آیات رحمت وعفو ومغفرت کو۔ یہ تو ایک عامی کا مشورہ ہے اپنے ہی سے عامیوں کے لیے ورنہ لقمان کو حکمت کون سکھاتا ہے۔

تفسیر قرآنی کے سلسلے میں کیا عرض کروں کہ ہر دن کیسے نئے نئے معلومات حاصل ہوتے جاتے ہیں۔ ہر پرانی تحریر چند ہی مہینوں کے بعد باسی اور ناقص نظر آنے لگتی ہے ابھی ایک انگریزی کتاب میں یہ ہندو عقیدہ پڑھا کہ کائنات بھی خدا ہی کی طرح ازلی اور ابدی ہے اور اس کے آغاز وانجام کے کوئی معنی نہیں اور فوراً ذہن منتقل ہوا کہ ھو یبدی الخلق ویعید کے قسم کی جتنی آیتیں ہیں سب اس گمراہی کے رد میں۔ کتنا غصہ اپنے اوپر آتا ہے کہ قرآن کا مطالعہ اب آخر سن میں شروع کیا اسے تو عین جوانی شروع کرنا تھا۔

چھوٹی لڑکی زوجۂ علیم کو صدسکون کے ایک لمبے وقفہ کے بعد پھر زیادتی کا دورہ شروع ہوا اور پھر وہی درخواست دعا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ اگست ۷۲ء

برادرم! السلام علیکم

ایک نہیں تین تین خط تابڑ توڑ وصول ہو گئے گو پہلے دونوں کارڈوں پر پانی کے بڑے بڑے دھبے تھے نامعلوم کہاں سے پڑ گئے خاصے حصے سے محروم ہی رہنا پڑا اپنے طبعی تجربوں سے بھی آپ نے خوب نوازا۔

اکتوبر کا دوسرا ہفتہ قیام لکھنؤ کا ہوتا ہے۔ اب کی رمضان کا بڑا حصہ اکتوبر میں ہی پڑتا ہے۔ اس لیے لکھنؤ کا پروگرام ۶۔ ۷ کو آجانے کا ہو رہا ہے باقی جو کچھ اللہ کو منظور ہو۔

قوا انفسکم واہلیکم میں اہل سے مفسرین نے مراد عزیز قریب سے لی ہے میں سمجھتا ہوں کہ جتنے لوگ بھی رشتے یا کفالت کی بنا پر اپنے بس میں ہوں بس ان پر تاکید احکام کی طرف اشارہ ہے۔

کھانسی کا سلسلہ ابھی چل رہا ہے اور ضعف کے دن تو ہیں ہی۔

انشاء اللہ آداب صاحب زادی وغیرہ کو افاقہ ہو گیا ہو سکون قلب کے لیے یہ بھی ایک بڑی ضروری چیز ہے قومی آواز میں تازہ انشائیہ کا منتظر رہوں گا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۱ اکتوبر ۳۲ء

برادرم!

السلام علیکم

آپ کی پچھلی ملاقات سے بہت ہی متاثر آیا۔ یہاں آکر تین چار بار لڑکیوں سے ذکر کر چکا ہوں کہ اب معلوم نہیں بیچارے کی کیا حالت ہے خیر یہ تو اچھا ہی ہے کہ آپ سب کو بھول جائیں[1] بجز ایک ہی ذات کے جو بھولنے والی نہیں۔ دینداری کی زندگی ایسے ہی وقت کام آتی ہے۔ اپنے دو جاننے والے کو دیکھا کہ بڑے پڑھے لکھے صاحب قلم تھے مگر آخر عمر میں سب کچھ بھول گئے تھے ایک اور صاحب کو دیکھا جو باوجود اعلیٰ مغربی تعلیم کے دیندار اور پابند فرائض تھے انھیں آخر میں صرف قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورت یاد رہ گئی تھی بس اس کا ورد کئے جاتے تھے۔ آپ کو یہ نعمت کچھ کم حاصل ہے کہ آپ بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے ذکر الٰہی کئے جاتے ہیں اور دعا و تسبیح میں لگے لپٹے ہیں۔ بڑی نعمت ہے۔

کبیر میاں[2] باہر گئے ہوئے ہیں آنے پر سلام انشاء اللہ پہونچا دوں گا۔ حاجی محب علی مرحوم تو مدت ہوئی رخصت ہو چکے۔ عالم برزخ ہی میں آپ کا سلام انشاء اللہ پہونچ جائے گا لڑکیاں بھی آپ کے حق میں دعائے خیر کر رہی ہیں۔ آخر آپ تو ان کے حق میں دعائیں برسوں سے کرتے چلے آئے ہیں۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) اس زمانے میں مکتوب الیہ پر سہو و نسیان کا شدید غلبہ تھا ہر چیز بھول جاتے تھے۔

(۲) مولانا کے حقیقی ماموں زاد بھائی ان کا مولانا سے دو مہینے پہلے انتقال ہوا۔

بسم اللہ

دریاباد

۷ نومبر ۴۳ء

برادرم!

وعلیکم السلام

جی ہاں اس ہفتہ میں انشاء اللہ ہے تو لکھنؤ کا ارادہ ایک دن کے لیے۔ دیکھئے جو آپ کے یہاں پہونچ جاؤں۔

پشاور کے مولوی حافظ محمد اشرف خاں کی کتاب پر آپ نے جو مقدمہ یا دیباچہ لکھا وہ ان بیچارے کو نہیں پہونچایا۔ ڈاک کی گڑبڑ کی نذر ہوا یا آپ سرے سے بھیجنا بھول گئے۔ کابل والے پتے سے ان کا خط آیا ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۱ جنوری

برادرم!

وعلیکم السلام

اجتماع تبلیغ تو ۲۷۔۲۸۔۲۹ جنوری کو ہو رہا ہے انشاء اللہ سہ پہر کو لکھنؤ حاضر ہو جاؤں گا اور ۳۰ کو واپسی ہوگی۔

تو آپ ان دنوں میں جس وقت بھی کرم فرمائیں انشاء اللہ ملاقات ہو جائے گی اگر باہر گیا ہوا تب بھی زیادہ دیر تک باہر نہیں رہتا۔

جمعہ کے وقت اگر آپ نے زحمت کی تو میاں آفتاب اس وقت نہ ہوں گے (دریاباد میں ہوتے ہیں) بعض دفعہ ملاقات میں ان کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

پاس انفاس کا پھر زبانی ذکر ہوگا اس پر خود آپ کی رہنمائی کا منتظر تھا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) صدق کے پرانے مضامین اور مولینا کے کتب خانے کی کتابوں کے سلسلہ میں۔

بسم اللہ

دریاباد

یکم اپریل ۵۳ء　　برادرم!　　السلام علیکم

آپ کو توقع تھی کہ انشاء اللہ اپریل تک چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اللہ سے توقع سو فیصدی پوری ہو گئی ہو۔

مقدمہ مکاتیب گیلانی[1] پڑھا خوب ہے اور ماشاء اللہ بہت خوب ہے

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ کے مکاتیب کا مجموعہ جلد اول جو مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار نے مرتب کر کے شائع کیا۔

مولانا صبغۃ اللہ شہید انصاری[1] فرنگی محلی کے نام

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ اگست ۵۴ء　　برادرم!　　وعلیکم السلام

اب کی بقرعید کیسی محسوس ہوئی؟ کتنی پچھلی عیدیں اور بقرعیدیں یاد پڑ گئی ہوں گی؟ اور پھر شادی کے بعد پہلی بقرعید! پرسوں بقرعید کے دن یہ سوچنا شروع کیا تھا کہ محاسبہ یاد پڑ گیا کہ اس وقت مرحومہ جس جنت نعیم میں ہوں گی اس کے سامنے اس دنیا کی سارے

عیدوں اور بقر عیدوں کی مل کر بھی کیا ہستی ! اور وہ منزل خود ہم سے آپ سے کب بہت دور رہے ۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا کے بڑے پرانے بے تکلف مخلص دوست تھے ۔ آخر دم تک مولانا سے ان کے عزیزانہ تعلقات قائم رہے ۔ موصوف مدرسہ نظامیہ فرنگی محل سے فارغ تھے اور بڑے خوش بیان مقرر تھے خوش گو شاعر بھی تھے اور اعلیٰ ادبی ذوق کے مالک تھے ۔ فضلع جگت اور اور رعایت لفظی میں بڑا دخل تھا جس محفل میں ہوتے اپنے جملوں سے مجلس کو لالہ زار بنا دیتے ۔

(۲) مکتوب الیہ کی بیوی کا انتقال عید الاضحیٰ سے پہلے ہوا تھا ۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ اگست ۵۳ء برادرم ! السلام علیکم

مولوی ہاشم سلمہٗ کا خط ملا تعزیت کے مخاطب نمبر اوّل تو آپ ہی ہیں وہ نمبر دوم پر ہیں ۔ بنا بنایا گھر تو آپ کا برباد ہوا بقول حالی ؎

دیر میں یا حرم میں گزرے گی
عمر اب تیرے غم میں گزرے گی

بہر حال ہو سکے تو آپ تو دہی بار تک تکلیف فرمائیں میرے پہونچنے کا اندازہ نہ بیچے کا ہے ۔ ممکن ہے چند منٹ کی دیر ہو جائے برسات کے موسم میں کبھی عین وقت پر شدید بارش بھی حائل راہ ہو جاتی ہے ۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے بڑے صاحب زادے جو خود بھی ماشاء اللہ اچھے مقرر ہیں اور محفل میلاد میں خوب بیان کرتے ہیں۔

(۲) باغ ماما انوار واقع رکاب گنج علما۔ فرنگی محل کا قبرستان۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۲ جون ۵۴ء

برادرم! سلام علیکم

تین دن ہوئے کہ لکھنؤ ریڈیو کا تار آیا تھا۔

"آپ کا مکتوب وصول ہوا۔ آپ نے جو مشورہ دیا ہے اور جو ہمارے شریک ہیں آپ بھی چھپ سے رہتے ہیں ان کے لیے ہم آپ کے ممنون ہیں"۔

اب اس سے جو مطلب بھی اخذ کیا جا سکے۔

والسلام

عبدالباری

(۱) مولانا نے لکھنؤ ریڈیو والوں کو لکھا تھا کہ لکھنؤیات پر مکتوب الیہ کا پروگرام نشر کیا جائے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ ستمبر ۵۴ء برادرم! وعلیکم السلام

بچی کی ناگہانی وفات پر آپ کو جو صدمہ ہوا ہوگا اس کو ہم سب محسوس کر رہے ہیں۔ امتحانات تو سب کے سب ہر صورت قسمت ہی ہیں مگر کسی کو بھی اندازہ ہی نہیں کہ [illegible] کیا کچھ ہونے والا ہے۔ عزیزہ سلمہا کو آپ

مجھ گنہگار کی طرف سے اس کا یقین دلا دیجئے بلکہ عبارت ہی پڑھوا دیجئے۔

آپ نے کمال کیا کہ پاکستانی مہمانوں کی زیست کے بعد ان کی آمد سے مطلع فرمایا! ستم ظریفی کی انتہا! کم از کم حبیب میاں سلمہٗ سے تو فرد ملتا۔ اب حسرت ہی حسرت ہے۔

آئندہ خط لکھئے تو یہ یاد کر کے لکھ دیجئے کہ عزیز والے عرس کی انگریزی تاریخیں کیا ہوں گی۔ جمال میاں تو اس وقت موجود ہوں گے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) غالباً مکتوب الیہ کی خورد سال پوتی یا نواسی کا انتقال ہوا تھا۔

(۲) مکتوب الیہ کے منجھلے صاحبزادے مولوی حبیب انصاری جو پاکستان بننے کے بعد ڈھاکہ اور ستمبر میں کراچی منتقل ہو گئے۔

(۳) فرنگی محل کی اس شاخ کے اکابر کا عرس۔

(۴) مولانا عماد الدین عبدالوہاب فرنگی محلی مراد ہیں جو پاکستان بننے کے کئی سال بعد پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۷ ستمبر ۵۲ء

برادرم!

وعلیکم السلام

۱۔ مولانا گنج مرادآبادی کا سال وفات مجھے ۱۳۱۰ ہجری یا ۱۸۹۵ء یاد پڑتا ہے۔ مزید تحقیق منشی احترام علی سے ہو سکتی ہے یہ لوگ وہیں کے مرید ہیں۔

۲۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء تا ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء کا جب سے انقطاع سفر و ارشاد مرشد وطن میں ہی رہنے لگے خانقاہ عالم وجود میں آ گئی نام اپنے نام پر نہیں بلکہ مرشد کے نام پہ

خانقاہ امدادیہ رکھا۔ مسجد سے متصل اور اسی حلقے کے اندر جنوب میں سڑک کی طرف مولانا کی نشست گاہ تھی۔ اور شمال مشرق میں معتقد و تجرد سے بالاخانے پر بھی ہیں۔ طالبین، زائرین شاغلین آکر قیام کرتے اور بعض تو مہینوں بلکہ برسوں یہیں رہ جاتے کھانے پینے کا انتظام باہر سے رکھتے۔ اس مسجد کے مؤذن بہت قلیل معاوضے پر اپنے گھر سے کھانا لاکر انھیں دیتے۔ غسل خانے۔ پاخانے۔ استنجا خانے وغیرہ بہت قاعدہ اور سادہ لیکن آرام دہ طریقے سے بنے ہوئے۔ ایک ایک وقت میں ۳۰۔ ۴۰ تک طالبین قیام کرسکتے۔ رات کو کوئی ذکر و شغل تہجد گذاری میں مصروف رہتے دن کو درمیان ظہر و عصر مجلس اشرفی میں حاضر رہتے۔ شب میں اپنے حالات و کیفیات سے متعلق پرچہ لکھ کر لیٹر بکس میں ڈال دیتے صبح بعد نماز فجر مولانا ان پرچوں کو پڑھ کر سب کے سب مناسب حال انھیں ہدایت لکھ کر پرچے مسجد کے منبر پر رکھ دیتے ہر شخص اپنا پرچہ اٹھالیتا۔ طالبین دن میں تلاوت قرآن وغیرہ میں لگے رہتے۔ آپس میں زیادہ خلا ملا کی ممانعت تھی تاکید اس کی یہ تھی کہ اپنے کام میں لگے رہیں۔ دوسرے کے معاملات میں دخل دے کر وقت ضائع نہ کریں۔ سارا کام جھاڑو بہارو وغیرہ اپنے ہاتھ سے کرتے رہیں اکل حلال کے لیے کسی بھی پیشے کو حقیر نہ سمجھیں بعض کو تادیباً محض خدمتی کاموں پر متعین کر دیا جاتا بعض بکریاں چراتے بعض دینی علوم الخ کا سبق بھی مدرسہ کے استادوں سے پڑھتے۔ پوری تربیت سب ہی حاصل کرتے۔ یہ سلسلہ کچھ نہ کچھ اب بھی قائم ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) یعنی مشہور عارف باللہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ۔

(۲) قومی اور ملی تحریکوں میں پیش پیش رہنے والے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد مال اور کاکوری کے رئیس۔

(۳) حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۷ر جنوری ۵۵ء

برادرم!

وعلیکم السلام

سید حسین صاحب[1] سے ملاقات کچھ تھوڑی بہت تو شاید بھائی صاحب[2] سے بھی ہے مگر میاں سمیع سندیلوی سلمہٗ[3] سے زیادہ ہے باہر کے لوگوں میں شاہ معین الدین صاحب ندوی اعظم گڑھی[4] بھی ہو سکتے ہیں۔

فرنگی محل حاضری میں میری سب سے بڑی روک خود جناب والا کی ذات والا صفات ہے میری پیہم درخواستوں کو آپ برابر تصنع و تکلف ہی پر محمول کرتے رہے تجربوں کی بھی ایک حد ہوتی ہے وہ حد گزر چکی ہے۔

"تکیہ کلام" تو خاص آپ کے رنگ کا مضمون[6] ہے جو کچھ تحریر فرمائیں اس پر اپنی بساط کے لائق اضافہ کر دوں گا۔

ڈاکٹر عبدالعلی صاحب خاتون منزل سے دو قدم پر ہیں[7]۔ پھر اپنی غرض بھی تقریباً ہمیشہ ہی ان سے وابستہ رہتی ہے اس لیے ان سے ملاقات کی نوبت کہیں تیسرے چوتھے مہینے میں آتی ہے۔ حکیم امین سلمہٗ[8] بیوہ احسان الرحمٰن قدوائی مرحوم[9] و دھری عرفان[10] چودھری شرف الزماں علی میاں سلمہٗ مولانا عبدالباری وغیرہ وغیرہ سب کی باری کہیں اتنے ہی عرصے کے بعد آپاتی ہے قابل ہمدردی ہوں نہ کہ مستحق ملامت۔

تفسیر کے لیے میاں آفتاب سے دو بار کہہ چکا ہوں اب اس وقت تو وہ لاہور میچ دیکھنے گئے ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کے داماد۔

(۲) مولانا کے بڑے بھائی مولوی عبدالمجید صاحب۔

(۳) مولانا کے بھتیجے داماد عبدالسمیع سندیلوی۔

(۴) مکتوب الیہ کے بیجد تکلف اور خاطر داریاں کرنے کی وجہ سے خاص کر کھلانے میں اصرار شدید کرنے کی وجہ سے۔

(۵) ڈاکٹر صاحب سارے گھر کے معالج رہتے تھے۔

(۶) مولانا کے قریبی رشتے کی بھانجی۔

(۷) مولانا کی بیگم صاحبہ کی خالہ زاد بہن کے شوہر جو مولانا کی تحریروں کے بڑے شیدائی تھے۔ ان کا جنوری ۱۹۸۱ء میں انتقال ہوا۔

(۸) مولانا کی بیگم صاحبہ کے حقیقی خالہ زاد بھائی اور سابق جج رام پور بائی کورٹ۔

(۹) مکتوب الیہ کو مولانا سے اس کی شکایت رہتی تھی کہ وہ فرنگی محل بہت کم آتے ہیں۔

(۱۰) تفسیر ماجدی اردو۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۱ر جولائی ۵۵ء

برادرم!

وعلیکم السلام

تعجب ہے کہ آیۂ کریمہ لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا مجھ سے ہر مرتبہ حاضری کی فرمائش کرنے میں ذہن مبارک سے نکل جاتی ہے[۱]۔

ایک نہیں متعدد اہل خصوصیت اور قریبی اعزہ فاصلے کے لحاظ سے آپ سے کہیں قریب تر لکھنؤ میں رہتے ہیں ڈاکٹر عبدالعلی، علی میاں، حکیم امین، بیوہ احسان الرحمٰن قدوائی، چودھری عشرت گڑھی والے چودھری شرف الزماں والدہ[۲] چودھری خلیق الزماں وغیرہا۔ مہینوں ان لوگوں سے ملاقات نہیں ہو پاتی بلکہ بعضوں سے برسوں بھی۔ طریقہ باری باری کا رکھتا ہوں کبھی کسی سے مل لیا اور کبھی کسی سے اس کے سوا

اور کوئی صورت ممکن العمل ہی کیوں کر ہے۔

پرسوں ۱۳ کو انشاء اللہ لکھنؤ میں موجود ہوں گا ۹ بجے شب کو ایک ریڈیائی مباحثے میں شریک ہونا ہے دن میں ایک بار وہاں جانا ہے سہ پہر کو انشاء اللہ گھر پر موجود رہوں گا۔ ۱۵ کی شام کو داستان حرم پر تقریر ہے۔ ۲۱ اگست کو ایک ریڈیو کمیٹی کا اجلاس ہے۔

جی ہاں کلکتہ کے میرے میزبانوں نے بحمداللہ بڑی ہی خاطریں کیں کبھی صدق میں انشاء اللہ لکھوں گا۔ قرآنی سوال کا جواب بھی صدق میں نکلے گا۔

بلڈ پریشر فرمائیے اب طبعی حالت پر آگیا ہو۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) یعنی فرنگی محل جاکر مکتوب الیہ سے ملنے کی۔

(۲) مولوی محمد نسیم ایڈووکیٹ لکھنؤ کے بھتیجے اور مولانا کی سگی چچازاد بہن کی طرح تھیں کی چھوٹی صاحبزادی کے شوہر۔

(۳) یہ مولانا کی ممانی ہوتی تھیں اور مولوی نسیم کی سگی بہن۔

(۴) چنانچہ مشاہدات کلکتہ کے عنوان سے سفرنامہ کئی نمبروں میں شائع ہوا۔

بسم اللہ

دریابد

۱۶ اگست ۳۳ء

برادرم!

وعلیکم السلام

آپ کو بھی کوئی نہ کوئی فیلگرفت کا ملا ہو جاتا ہے ۱۰ بجے مسجد سے نکلا اور ۹ بجے ٹرین سے روانہ ہونا تھا تو دو اس دوام کسی سے بھی ملنے کا موقع اس خس الناس کو کہاں باقی تھا چلئے خس کم جہاں پاک۔

اب انشاء اللہ اب کی دوشنبہ ۲۲ اگست کو لکھنؤ میں موجود ہوں گا لیکن صبح کا وقت مولوی عبدالباری صاحب نے گھیر رکھا ہے اور سہ پہر نالبا ریڈیو گھر کی نذر ہو جائے اگر گنجائش نکل سکی تو ضرور خبر کروں گا۔

فلسفہ میرے زمانہ کا کچھ اور تھا اور اب کچھ اور ہو گیا ہے۔ سائیکالوجی نفسیات تک کا جو میرا خاص موضوع تھا اب حلیہ ہی بدل گیا ہے۔ میری کتابیں اب کسی طالب علم کو کیا کام دے سکتی ہیں۔ تاہم اگر عزیزہ سلمہا[۲] اپنے کورس کی تفصیل لکھ بھیجیں تو شاید کچھ مشورہ دے سکوں۔

خدا کرے مرض میں نمایاں افاقہ ہو گیا ہو۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) اس دفعہ مولانا نے بقرعید لکھنؤ میں کی تھی اور بقرعید کی نماز مسجد ماموں بھانجہ نزد خالون منزل میں ادا کی تھی۔

(۲) مکتوب الیہ کی ایک صاحبزادی جو بی اے کی طالبہ تھیں جنھوں نے اختیاری مضمون میں سے سائیکالوجی لی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۷ فروری ۵۶ء

برادرم!

وعلیکم السلام

والا نامہ پرسوں سہ پہر کو یہاں پہونچتے ہی مل گیا تھا۔ جواب اس سے قبل لکھنا ہی بے کار تھا پہلی ڈاک سے لکھ رہا ہوں۔

مجھے یہ عنوان[۱] ملتا تو میں ادبیات اردو کے جانے پہچانے ہوئے کرداروں کو سامنے رکھ کر انھیں کے اقتباسات فسانۂ آزاد، توبۃ النصوح، تصانیف شرر، مرزا رسوا اور سجاد حسین وغیرہ سے لے کر ایک خاص ترتیب و تمہید کے ساتھ پیش کر دیتا۔ بس اس قسم کی کتابوں کو جمع کر کے ایک سرسری نظر ان پر کر لیتا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) ریڈیو کی طرف کا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۲ر نومبر ۵۵ء

برادرم! السلام علیکم

آج کل فسانۂ آزاد دیکھ رہا ہوں۔ وقت جس دن چھین جھپٹ کر مل جاتا ہے اور خاصا لطف اس سے لے رہا ہوں۔ سرشار کو زبان پر قدرت غیر معمولی حاصل ہے نئے محاورے نئی نئی ترکیبیں خدا معلوم کتنی اس سے سیکھ رہا ہوں۔ پڑھتے پڑھتے خیال آپ کی طرف گیا اور بلا تصنع و تکلف وہ خیال عرض کئے دیتا ہوں۔ آپ خود کیوں نہ ماشاء اللہ اپنی زبان دانی اور طلاقت لسانی سے کام لیں اور ایک افسانہ یا داستان مختصر و قلیل الحجم سی اسی طرز و انداز میں لکھ دیں کچھ زیادہ محنت و دماغ سوزی بھی اس میں کرنا نہ ہوگی۔ پلاٹ وغیرہ کے لئے فکر نہ کیجئے خود سرشار کے ہاں پلاٹ بیحد غیر مربوط رہتا ہے۔ بس محض زبان کے سہارے چند چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لکھ ڈالئے۔

وکٹوریہ پارک کی سیر۔ درگاہ شاہ مینا[1] کی ایک شام، بارہ دری قیصر باغ[2] کی محفل، باغ ملا انور کا ایک منظر، امین آباد میں مراگشت، حسرت موہانی کے ساتھ چند گھنٹے مخدوب[3] کی یاد اس قسم کے بیسیوں عنوانات ہو سکتے ہیں۔ ایک چیز یادگار آپ کے قلم کی رہ جائے گی۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) لکھنؤ کے ایک بہت پرانے بزرگ کا نام۔

(۲) واجد علی شاہ کی تعمیر کردہ سفید بارہ دری۔

(۳) مراد خواجہ عزیز الحسن مجذوب غورکھپوری۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۷ر دسمبر ۵۷ء برادرم! وعلیکم السلام

تعزیت نامہ[1] کی ایک مجھے وصول ہوتے آپ کا خط سب سے بہتر معقول متوازن اور مخلصانہ نکلا۔ صدق نمبر ۲ میں انشاء اللہ جائے گا۔ نمبر ۳ میں گنجائش نہ نکل سکی۔

مدراس کی تاریخیں ۲۰ر جنوری سے شروع ہوتی ہیں کل ملا کر سفر تین ہفتے سے کیا کم رہے گا۔ والدہ رافت یوں تو بحمداللہ اچھی ہیں کوئی شکایت زیادہ تکلیف دہ نہیں لیکن اپنے کو کمزور اور عام صحت کی طرف سے ایسا مایوس محسوس کر رہی ہیں کہ حیدرآباد کا ذکر ہی نہیں لکھنؤ تک کے سفر سے گھبرانے لگی ہیں۔ میاں اشتیاق[2] اپنی دوسری بھتیجی[3] کی شادی اسی دسمبر میں کر رہے ہیں اس تک میں جانے کو کسی طرح تیار نہیں حالانکہ یہ خاص ان کی دلچسپی کی چیز تھی۔

مراجعت کا مرحلہ تو سفر لاہور کا ہے۔ ۳۰ر کو لکھنؤ سے روانہ ہو کر یکم ۲۹ کو پہونچ جانا ہے۔ واپسی دریاباد ۱۱ر جنوری سے پہلے کیا ہو سکتی ہے آتے ہی مدراس روانہ ہو جانا ہے کہ وہاں ۱۹ر کی شام تک پہونچ جاؤں۔ حیدرآباد بھوپال کی منزلیں واپسی میں رکھی ہیں۔

۲۷ر دسمبر کی شام کو تو آپ اشتیاق عباسی کے ہاں انشاء اللہ ہوں گے خدا کرے اب بالکل اچھے ہوں۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا سید حسین احمدؒ کے سانحۂ ارتحال پر۔

(۲) مراد اشتیاق احمد عباسی صاحب بار ایٹ لا لکھنؤ۔

(۳) ان کی بھتیجی کی شادی چودھری عرفان حسین صاحب سابق تعلقہ دار بلیہ کے چھوٹے بھائی چودھری لقمان حسین صاحب ایڈووکیٹ سے ہوئی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ دسمبر ۵۷ء برادرم! وعلیکم السلام

کارڈ کل شام کو ملا۔ کیا بتاؤں اس وقت کتنا زیادہ مشغول ہوں۔ وقت کا ایک ایک منٹ بندھا ہوا ہے۔ سفر لاہور اور اس سے کہیں بڑھ کر سفر مدراس کے لیے جہاں ایک پوری کتاب کا مقالہ چھ دنوں میں سنانا ہے۔ سیرۃ النبی قرآن مجید سے۔

دیوان امانت وغیرہ میاں آفتاب کے ہاتھ انشاء اللہ بھیج دوں گا۔ سال دو سال ہوئے ریڈیو نے یہی فرمائش مجھ سے کی تھی میں نے معذرت کر دی تھی اور نام آپ کا پیش کر دیا تھا۔

جگت دہلی والے ضلع ہی کے معنی میں بولتے ہیں۔ فرہنگ آصفیہ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے البتہ لکھنؤ میں جگت لڑنا مستعمل ہے یعنی ضلع گوئی میں باہم مقابلہ۔ شوق صاحب زہ عشق کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں ؎

چوٹی لپٹی تھی باسی ہاروں سے
لڑ رہی تھی جگت کہاروں سے
میرے پیچھے اس طرح نہ پڑیے
اور جا کر کہیں جگت لڑیے

خواجہ عشرت نے اپنے لغت اردو میں جگت چھانٹنا بھبتی کہنے کے معنی میں دیا ہے۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) لکھنؤ کے زبان داں محقق خواجہ عبدالرؤف عشرت۔

بسم اللہ

کراچی

۱۹ نومبر ۵۰ء

برادرم!

وعلیکم السلام

جی ہاں پاکستان کا یہ نیا حکم خواہ وہ کسی مصلحت و مجبوری سے ہو، ہم ہندی مسلمانوں کے حق میں تو قضائے مبرم سے کم نہیں اور نہ دیکھئے اب تو ہر وقت حالات بد سے بدتر ہوتے ہی جا رہے ہیں بس اللہ جی فضل فرمائے ورنہ آثار تو ہر طرح بہت ہی بُرے نظر آتے ہیں۔

آنریری ڈگری سے متعلق اپنے قلم سے کچھ ہی کیا سکتا ہوں۔ اور آپ سے میں درخواست کروں گا کہ اس پھیر میں نہ پڑیں ہر دنیوی خواہش کے لیے ایک عمر ایک سن بڑھاتے بڑھاتے اب اس منزل سے گذر رہا ہوں۔

یوں ضابطے سے چانسلر وائس چانسلر سنڈیکیٹ (چند ہی اب ہی تحریک کر سکتے ہیں ممبران اکیڈمک کونسل، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ڈاکٹر ذاکر حسین خاں وغیرہ۔

ایسی چیزوں میں میرے ایک پرانے کرم فرما اور ہم سبق ڈاکٹر محمد حنیف ایم، اے، پی، ایچ، ڈی ڈی لٹ سابق استاد الہ آباد یونیورسٹی موجودہ پتہ ۳ چیتھم لائنز الہ آباد پیش پیش رہتے ہیں۔

ایک لطیفہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ ڈگریٹ کے مقدمے کا مستحق کبھی کبھی خود رہتا ہوں اس سے لکھنؤ یونیورسٹی نے کہا تھا دو سال ادھر جاب یونیورسٹی لاہور نے کہا تھا۔

عزیزہ شمیم بانو کا مبارکباد کا تار بروقت پہنچا گو یہ طرز زندگی مرے رنگ کا نہیں۔ گھر میں لکھنؤ کی ہوا کے جھونکے جانے کا ذریعہ ہیں۔

[illegible] لکھنؤ آنا ہوگا۔

جمعۃ الوداع کا نظر بس کا ریزولیوشن میری نظر سے گذرتا رہ گیا۔

والسلام

[illegible]

(۱) مکتوب الیہ نے لکھا تھا کہ مولانا کو مسلم یونیورسٹی ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری ان کے علمی خدمات کے اعتراف میں پیش کرے۔

(۲) مکتوب الیہ کی صاحب زادی کے امتحان میں کامیابی پر۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۰ اکتوبر ۵۸ء

برادرم!

وعلیکم السلام

مولوی ہاشم مسلمہ کی رہائی پر مبارک باد لکھنے کو سوچ ہی رہا تھا کہ آپ کا خط مل گیا۔ میاں حبیب اللہ سے مفصل ملاقات کر کے دریاباد آئے تھے اُن سے مفصل حالات معلوم ہو چکے تھے۔

زہیر اسلمہا کو اللہ نے دوبارہ زندگی دی۔ سخت قسم کا سانپ یعنی ناگن تھی منٹوں بلکہ سکنڈوں میں زہر اثر کر چکا تھا واقعتاً اتفاقیہ، انگیز کہ عقل کے لحاظ سے ناقابلِ یقین یعنی ۷ بجے شام کا وقت کھلا میدان بغیر کسی گھاس پوس خس و خاشاک کے ہم لوگ صرف چند قدم پر دالان میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کی آمد و رفت جاری بس بسم اللہ نے یہ عجوبہ دکھایا اس نے جان بھی بچا دی۔

چکر آیا اور اتنی دیر میں گردن ڈھلک چکی تھی۔ مار گزیدہ کا مجرب عمل طمانچہ والا مجھے معلوم تھا خونہی کس کے دو طمانچہ لگائے اور پھر ہر ممکن طبی تدبیر شروع کر دی شگاف دیتے ہی کالے خون کے قطرے نکلے اور جب اصلی سُرخ خون بہت سا نکلا خود زہیر اثبات و استقلال کا مجسمہ ثابت ہوئی زخم کی تکلیف نے رات بھر ایک منٹ کے لئے بھی نہ سونے دیا اب تک نیچے پر ورم ہے اور گرم سینک جاری ہے۔

اپنی نالائقی و بے چارگی اور مولا کی ربوبیت اور کریمی کے سبق چند روز میں حاصل ہو گئے۔

دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مرتب کی شریک حیات۔

بسم اللہ

دریاباد

۵ نومبر ۸۵ء برادرم! وعلیکم السلام

آپ تو خوب اڑکر وہاں پہونچے۔ اللہ خیریت سے واپس لائے۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ اندازہ کب تک واپسی کا ہے۔

مرحومہ بڑی چھپی رستم نکلیں اس حد تک اندازہ مجھے بھی نہ تھا گو کہ تہجد گزاری کثرت تلاوت و نوافل نیز عابدانہ شان اور انتہائی ملنساری اور انکسار سے خوب واقف تھا۔

ڈاکٹر نے شروع رات ہی میں نبض دیکھ کر کہہ دیا کہ اب دم نہیں ہے اب اس پر بھی بار بار پوچھتی رہیں کہ اب وقت کیا ہے ۳ بجے حسب معمول نماز تہجد تیمم کر کے پڑھی۔ خمیرہ گاؤ زبان مانگا اور تسبیح ہاتھ میں لے کر گئیں۔ معاً جیسے کوئی خاص مشاہدہ ہوا زبان سے نکلا اللہ تیرا صد شکر ہے اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تسبیح ہاتھ سے گری اور روح عالم بالا پہونچ چکی تھی اتنا بہتر انجام مجھ جیسے دنیادار کے لیے نہیں۔ اچھے اچھے بزرگوں کے لیے بھی قابل رشک ہے۔

لڑکے کی جدائی میں تو مہینے جو تڑپ کر کاٹے یہ سارا مجاہدہ اضطراری کسی مخصوص درجہ بلند ہی کے لیے تھا۔ بس اپنی ہی والدہ ہمشیر کو دیندار و عبادت گذار سمجھے ہوا تھا یہ بیوی اُن سے بھی بازی لے گئیں ذالک فضل اللہ۔

والدہ رافت انشاء اللہ بانسے سے لکھنؤ واپس آگئی ہوں گی اور دو چار روز میں یہاں آئیں گی۔

میاں حبیب سلمہٗ کو بہت بہت دعائیں ان کا کارڈ پرسوں مل گیا تھا۔ زیارت جمال کی نوبت دیکھئے کب آئے ان کی منتظر سے سنا لکھنؤ نہیں یہیں سب بیٹھے

محسوس ہو رہا ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) ڈھاکہ بذریعہ ہوائی جہاز

(۲) مولانا کی خوش دامن صاحبہ بوڑھی ہی متقی اور عبادت گذار تھیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ مارچ ۴۶ء

برادرم!

وعلیکم السلام

عیادت بیٹے کی [illegible] بڑی ہی خوشی نیز اجابت پاکر ہوئی۔ یوں ملاقات مہینوں نہ ہو پھر بھی احساس قرب سے دل کو بڑی تقویت و تسلی رہتی ہے۔

[illegible] یا تنگ ہے چار سے زیادہ نہیں ہوتیں یہ ہوتی کھنوآئے ہوئے ہیں۔ قیام بیگم صاحبہ [illegible] کے ہاں کی فوجی اسپتال میں منہ کے چھالے کا آپریشن بے ہوشی سونگھا کر ہونے والا تھا خدا کرے خیریت سے ہو گیا ہو دعائیں بھی دل و جان سے مانگ رہا ہوں۔ والدہ رافت وہیں ہیں اور وہاں دونوں غمزدہ بہنیں مل کر لپٹ کر خوب روئیں۔ اب یہ تازہ تشویش دیکھئے اللہ خیریت سے گذارے۔

جی ہاں رمضان میں سفر میرے لیے ایک مجاہدہ کا حکم رکھتا ہے۔ آفتاب سلمہ وہیں بآسانی شریک ہو سکتے ہیں۔ آج ان کے آنے پر انشاء اللہ ان سے کہہ بھی دوں گا۔

[illegible] سمجھ کر معاہدہ کیا ہے اس کا صدمہ [illegible] کے باوجود اکیلا پڑ گیا دنیا اس سے بڑا انعام کیا ہے۔ دنیا میں رہ کر غریب بے خبر بے ہوتے رہتے ہیں یہی غنیمت ہے کہ کسی سے کھل کر مخالفت نہیں کی۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

مراد مفتی رضا صاحب ریٹائرڈ لکچرر شعبۂ سُنی دینیات مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ مارچ سنہ ۶۰ء

برادرم! وعلیکم السلام

آپ خوب لکھنؤ آگئے ——— جی بڑا ہی خوش ہوا بغیر آپ کے لکھنؤ سونا معلوم ہوتا تھا بلکہ سناٹا دریاباد بیٹھے ہوئے بھی محسوس ہوتا تھا۔

انشاء اللہ ۲ اپریل سنیچر کو لکھنؤ کا پروگرام ہے کہ پہر کو آپ کے ہاں حاضری دوں گا گاڑی دوپہر کو پہونچتی ہے۔ اب دیکھئے اس دن کتنی لیٹ جاتی ہے۔

ایک خوش خبری سُنئے آپ کی بیٹی رافت[1] سلمہا اب کی حج وزیارت کے لیے آمادہ ہوگئی ہیں۔ ٹکٹ وسط مئی کے جہاز کے لیے مل گیا ہے۔ اپنی ممانی جان (والدہ انوار الزماں) کے ساتھ جارہی ہیں۔ حنفیہ کے ہاں تو بغیر محرم کے سفر ناجائز ہے۔ میں نے بعض دوسرے آئمہ کے قول سے گنجائش نکال لی ہے۔ مدینہ منورہ میں ہمارے خان صاحب[2] کی بھی تو اصطفا منزل موجود ہے گو مہمانوں کی کثرت سے چپقلش تو وہاں بھی ہوجاتی ہے۔

ایک غضب سُنئے ابھی پرسوں ہی تو آپ کے نام ڈھاکہ کے پتے پر ایک چھپا ہوا مضمون ایک صاحب کا بک پوسٹ جامعہ قدروانی لکھ کر بھیجا ہے اس کا ایک فقرہ صرف آپ ہی کے پڑھنے اور داد دینے کے قابل تھا۔

والسلام دُعاگو ودُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا کی بڑی صاحبزادی جنہیں مکتوب الیہ نے اپنے بچپن میں بہت کھلایا تھا۔

(۲) حاجی محمد اصطفا خان صاحب مالک فرم اصغر علی محمد علی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۹ ستمبر سنہ ۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

۳ اکتوبر کو لکھنؤ موجود رہنا ہے۔ صبح سے دوپہر تک کا وقت ایک سرکاری کمیٹی (اردو ادبی کمیٹی) کی نذر ہوگا۔ سہ پہر کو اب کی آپ ہی تکلیف فرمائیں۔

بالفرض اس سے کوئی امر مانع ہو تو کارڈ یا کسی اور ذریعہ سے وہیں خاتون منزل یا دفتر صدق کو مطلع فرمادیں۔

جی ہاں مولوی ارادت اللہ[1] کی حکایت میری زبان سے سنئے گا آپ حد تک خدا معلوم کس نے روایت پہونچادی۔

ہاں صاحب مطبع یوسفی[2] اب بھی قائم ہے کتابیں ان کے ہاں سے ملیں گی۔ اور وہ پریس جو مولانا فرنگی محلی کی یادگار میں قائم ہوا اس کا کیا حشر ہوا۔

دکن کے ایک مسلمان[4] وکیل نے ایک عجیب تکلیف دہ مخمصہ میں مبتلا کردیا ہے اللہ ہر شر و فتنے سے محفوظ رکھے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے بھائی جو دریاباد تشریف لے گئے تھے۔

(۲) یہ مطبع فرنگی محل میں عرصے سے قائم تھا۔

(۳) فرنگی محل کے نامور عالم مولینا عبدالباری فرنگی محلی۔

(۴) صدق جدید کے پیش رو صدق کے ایک پرانے نوٹ پر وکیل صاحب نے یہ دعوی کیا تھا کہ اس سے وکیلوں کی توہین ہوتی ہے۔

دریاباد

۸ر جنوری

برادرم! وعلیکم السلام

جی ہاں مشیت ایزدی پوری ہوکر رہی[1] حالات تو تازہ مصدق میں دے چکا ہوں واقعہ اتنا اچانک پیش آیا کہ حیرت رنج والم پر غالب رہی اور کئی دن تک مطلق یقین نہ آیا۔

علیم سلمہٗ کئی دن قبل سے موجود تھے اور عملی خدمت وہی سب سے بڑھ کر کرتے رہے ہاشم بے چارے ٹرنک کال سے اطلاع پاکر پہلی ٹرین سے روانہ ہونے پر بھی وقت سے نہ پہونچ سکے۔

مولوی ہاشم سلمہٗ شروع سے آخر تک برابر شریک رہے حالات قومی آواز وغیرہ میں نکلے ہیں۔ باقی حقیقت تو نمبر بہ نمبر نکال رہا ہے۔ تین نمبر اس وقت تک نکل چکے ہیں۔ میرا بھی ذکر اس کثرت سے لائے ہیں کہ بار بار آنکھیں نیچی ہوجاتی ہیں۔

خدا کرے آپ کی واپسی ہو تو آنکھوں کی صحت اور عام صحت کے ساتھ ہو۔ ہمارے ڈاکٹر عبدالعلی صاحب بے چارے زیادہ بیمار ہیں۔ کوٹھے سے اترنا بالکل بند۔ نماز ترک اکثر بیٹھ کر پڑھتے ہیں کل ہی دیکھنے چلا آرہا ہوں۔ تعزیت نامہ سب سے پہلے انھیں کا آیا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا کے برادر اکبر مولوی عبدالمجید صاحب کا سانحۂ ارتحال۔

بسم اللہ

دریاباد

۷ راگست ۶۱ء

برادرم! وعلیکم السلام

آج دوشنبہ ہے اور آپریشن انشاء اللہ ہو رہا ہوگا۔ اللہ ہر طرح کامیاب کرے اور نور بصارت جلد سے جلد نور بصیرت میں ترقی کے ساتھ واپس ہو۔

ہی ہاں ڈاکٹر ہاشم کی یہ ڈگری[1] آپ کو بھی مبارک ہو۔ دعا ان کی عافیت دارین کی فرمایئے۔ تہنیت نامہ سب سے پہلے آپ ہی کا وصول ہوا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) راقم مرتب کی پی۔ ایچ۔ ڈی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ نومبر ۶۱ء برادرم! وعلیکم السلام

مدت دراز کے بعد آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط ملا الحمد للہ

آپ نے سب سے پہلے اس نیازمند کو یاد فرمایا جزاک اللہ

نور بصارت کا اعادہ مبارک ہو ماشاء اللہ

نور بصیرت بھی بڑھتا گا انشاء اللہ

آپ کی آنکھوں کے نور کے ساتھ ساتھ میرے دل کو سرور ہوا سبحان اللہ

قصد سفر ڈھاکہ مبارک ہو بسم اللہ

کہیں کسی شیطان کی نظر بد نہ لگ جائے لاحول ولا قوت الا باللہ

ایسے میں کیا کہنا چلا جا رہا ہوں استغفر اللہ

وہ پنیر کا عطیہ دنوں نہیں مہینوں چلا خوب جی بھر کر کھایا یوں ہی کیا کم خوش ذائقہ تھا پھر اخلاص کی لذت مستزاد!۔

زاہدہ[1] کی زچگی آپ لوگوں کی دعاؤں سے بحمداللہ بخیریت ہو گئی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مولانا کی چھوٹی صاحب زادی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ فروری ۶۳ء برادرم! اسلام علیکم

آج اجتماعت وطن پر دلی مسرت محسوس ہوئی۔ دو مبارک بادیوں بھی پیش کرتا پنیر[1] کے تحفے نے لازم کو لازم اور واجب کو واجب تر کر دیا۔ جزاک اللہ

وہاں تو انشاء اللہ سب خیریت ہی ہو گی۔

ملاقات آپ سے مہینوں نہ سہی لیکن احساس قرب اور امکان ملاقات تو دکھ ضرور ہے "بازاریت" کی صحت میں شبہ میں اپنے قصور فہم سے نہ سمجھ سکا۔

لاحقہ "یت" تو ہر اردو لفظ میں لگا کر حاصل مصدر بنایا جا سکتا ہے خواہ اصلاً وہ کسی زبان کا بھی لفظ ہو جیسے انگریزیت، عیسائیت وغیرہ۔

عید سے ایک ہفتہ بعد انشاء اللہ لکھنؤ آنے کا پروگرام ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) یعنی پتیر۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۸ جنوری ۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

کہیے آپ سے اور بریلوی والوں کے کسی صاحب علم سے رابطہ ہے؟ ہو تو یہ ذرا دریافت کرا دیجیے کہ اس جماعت نے اردو ترجمہ و تفسیر قرآن کے سلسلے میں اب تک کیا کیا ہے۔

مجھے اپنے ایک مقالے کے سلسلے میں یہ جاننے کی ضرورت ہے۔

اب کی ہنکاری میں وہ بات نہ تھی جو اُس روز تھی ایسی ہنہاری تو ادھر امین آباد میں مل جاتی ہے۔ اس روز والی غیر معمولی طور پر اچھی تھی۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۸ جنوری ۶۳ء برادرم! وعلیکم السلام

خواب دیکھنا عین دلیل محبت و تعلق قلب ہے۔

سفر ڈھاکہ کا حال لکھنؤ میں سن چکا تھا۔

مضمون بھی بعد کو وصول ہو گیا خدا کرے رمضان کے کسی پرچے میں جگہ نکل آئے تین تین چار چار ہفتے قبل مرتب کر لینا ہوتا ہے۔

بحمداللہ خیریت ہے خدا کرے آپ کی واپسی بہ خیریت تمام ہو غالباً مارچ کے اندر واپسی ہو جائے جوار کا ایک لڑکا ایم۔ ایس۔ سی وغیرہ کراچی کے کسی اونچے کارخانے میں اونچے عہدے پر ہے خود اس سے تو واقف نہیں لیکن اس کے باپ مرحوم اور دادا مرحوم دونوں سے خوب واقف تھا دونوں بڑے مذہبی آدمی تھے اور کاکوری یا کمنڈی کے رہنے والے۔ لڑکے کی ماں قصبہ بسنکی کی ہیں انھوں نے لڑکے کی نسبت کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ کیا میں نے خاندان کی دو ایک لڑکیوں کے ساتھ ادیبہ سلمہا کا نام بھی لکھ بھیجا ہے۔

میاں حبیب سلمہٗ کو بہت بہت دعائیں خط کچھ روز ہوئے مل گیا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۳ مئی ۶۳ء

برادرم!

وعلیکم السلام

آپ چندے بہ فرما سکیں تو بہتر ہے۔

جہاں بیٹھا ہوا ہوں کتابیں وہاں سے دور رکھی ہوئی ہیں۔ حاجی آفتاب سلمہٗ کو آئینے دیکھئے وہی انشاء اللہ کتاب ڈھونڈھ کر نکال لائیں گے علی العموم انھیں سے یہ کام لیا کرتا ہوں۔

بحمداللہ اچھا ہوں۔

اس ہفتے ایک لمبا سفر درپیش ہے جس سرکاری اردو انعامی کمیٹی کا میں ممبر ہوں اس کے صدر ڈاکٹر سمپورنانند بہادر ہیں اب وہ گورنر راجستھان ہو گئے اس کی میٹنگ بھی بجائے لکھنؤ کے انھوں نے جے پور طلب کی ہے لکھنؤ سے جے پور کا راستہ ۱۹، ۲۰ گھنٹے کا ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۳۱ اگست ۶۳ء

برادرم ! وعلیکم السلام

میٹھی میٹھی باتیں آپ کے لیے کافی تھیں یہ شکر سازی کی آپ کو کیا سوجھی[1] خیر اللہ شفا دے ذیابیطس کا ایک مجرب نسخہ میاں قدیر کے پاس ہے شفاء الملک حکیم عبدالحمید مرحوم کا لکھا ہوا وہ انشاء اللہ جمعہ سنیچر تک آپ کو پہنچا دیں گے۔

مولوی حبیب سلمہٗ کے نئے مکان کا حال ان کے خط سے معلوم ہو چکا تھا اللہ مکین و مکان دونوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے یہی مبارکباد انھیں لکھ بھیجی تھی۔

ایک بار لکھنؤ پہنچ کر آپ کے ہاں حاضر ہو ہی رہا تھا کہ معلوم ہوا کہ آپ کانپور گئے ہوئے ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کو ذیابیطس کی شکایت ہو گئی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۷ مارچ ۶۴ء برادرم ! وعلیکم السلام

۱ — مسودہ دیکھنے کے لیے انشاء اللہ ضرور ہی وقت نکال لوں گا[1]

۲ — میڈیکل کالج میں داخلے کے لیے واللہ اعلم کیا کیا شرائط ہیں[2] کوئی خاص امتحان ہوتا ہوگا فیس وغیرہ کا بھی کچھ حال معلوم نہیں تفصیل معلوم ہو تو شاید کوئی صورت [illegible] میں آئے۔ زیادہ بڑے لوگوں

سے کام لینے میں احتیاط رکھتا ہوں۔ اپنی ذات یا اپنے لڑکوں کے کسی کام کے لیے اشارۃً بھی نہیں کہتا ہوں یہی صورت مرحوم گورنر جنرل غلام محمد کے ساتھ بھی رکھی تھی آٹھ دن مہمان رہا خاطر داریاں بہ طرح خاطر خواہ رہیں بلکہ کچھ اور زائد لیکن ملاقات اس مدت میں کل دو بار ہوئی اور وہ بھی طویل نہیں۔

اور اس معاملے میں تو مجھ سے کہیں زیادہ کارآمد یا سمفذ والی سلمہٗ ثابت ہو سکتے ہیں۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی کسی تصنیف کا مسودہ۔

(۲) مکتوب الیہ نے اپنے پوتے کے مسلم یونیورسٹی میڈیکل کالج میں داخلے کے لیے مولانا کو لکھا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ مئی ۶۴ء

برادرم! السلام علیکم

جلدی جلدی مسودہ کا بہت سا حصہ پڑھ ڈالا۔

ماشاء اللہ آمد ہی آمد ہے۔

سنہ و تاریخ جا بجا نظر ثانی کے محتاج نظر آئے مولانا شوکت علی کا سالِ وفات تو یقیناً ۳۱ء نہ تھا جہاں سال پیدائش ۹۶ء لکھا ہے وہاں محرم بہت بے جوڑ ہو گیا ہے انگریزی مہینہ لکھنا تھا۔

کہیں کہیں نادراً املا بھی سہو ہو گیا ہے مثلاً اصرار کی جگہ اسرار، شعیب مرحوم اپنے کو قریشی کہتے تھے نہ کہ قرشی۔

آپ نے شعر جا بجا خوب لکھے ہیں قابل داد۔ ان سے میرے علم میں اضافہ ہوا۔ مسودہ انشاء اللہ

سنیچر کو میاں آفتاب کے ہاتھ لکھنؤ پہونچ جائے گا۔
ہاں ایک دو نام ممکن ہے کہ محض سہواً رہ گئے ہوں۔ محض احتیاطاً پھر یاد دلائے دیتا ہوں۔

مرزا محمد عسکری، سید امین الحسن، وصل بلگرامی اور ڈپٹی عبدالمجید۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) غالباً مکتوب الیہ نے اپنے خاص خاص دوستوں اور ملنے والوں کے بارے میں اپنے تاثرات لکھے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد
۱۰ ستمبر ۶۴ء

برادرم!

وعلیکم السلام

ناظر یار جنگ بے چارے بہت زیادہ علیل ہیں بس دعا فرمائیے۔ کئی کئی خانگی مصلحتوں کی بنا پر شدت اکتوبر میں لکھنؤ کا پروگرام ہے۔ طویل مدت کے لیے لیکن قیام یا مکمل اعتکاف کے انداز کا ہوگا۔ نہ بھی دوسروں کو نہیں کر رہا ہوں۔ مسجا تک پانچ وقتوں کے بجائے صرف دو تین وقت جاؤں گا۔ زیارت کا وقت بہ یہ کورکھا ہے۔ پس اسی وقت گھر سے نکلا کروں گا۔ کبھی عیش باغ۔ کبھی ملا الور۔ کبھی کوئی لائبریری اور کبھی آپ کے سے فیوض مخلصین۔ آپ کے ہاں کا جب پروگرام ہوگا اطلاع دے دیا کروں گا خود آپ کو زحمت فرمانے کی ضرورت سرے سے نہیں۔

کتابوں کے لیے انشاء اللہ آفتاب سے کہہ دوں گا۔ یہ کارڈ ظاہر ہے کہ جوابی نہیں محض اطلاعی ہے۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) یہ مکتوب الیہ کے نام کا آخری خط خطوط کے ذخیرہ میں نکلا۔

خطوط بنام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب الٰہ آباد

بسم اللہ

دریاباد

۱۷ اگست ۵۳ء

مخدوم مکرم! السلام علیکم

مدت سے خیر و عافیت و دریافت نہیں ہوئی۔

اکیڈمی کے اس اندرونی انتخاب کا نتیجہ آخر وہی نکلا جس کا ڈر رہا تھا آپ کا وہ لوگ پھر بہت کچھ لحاظ رکھتے تھے تعصب کی حد ہے کہ ظالموں نے ووٹ نہ دیا ؎

اب میکدہ بھی میر کے قابل نہیں رہا

لیکن قصور ان نادانوں کے ساتھ ساتھ کچھ اپنے نادان دوستوں کا بھی ہے خصوصاً ہمارے قاضی صاحب بالقابہ کا جنھوں نے پورے ۶ کے ۶ نام پیش کروائے تھے موحد تو میں ہی اکیلا رہا باقی کوئی صاحب ثنوی نکلے کوئی تثلیثی اور کوئی تو کھلے ہوئے مشرک۔

ہاں صاحب عبدالعلیم سلمہٗ کو آپ کے نمک کی کشش پھر الٰہ آباد لا رہی ہے۔ وسط ستمبر میں ڈپٹی کلکٹر کے امتحان میں پھر اس مرتبہ بیٹھ رہے ہیں گو نتیجہ پہلے ہی سے معلوم ہے۔ آپ کا جذبہ میزبانی کتنا ہی عالی اور اعلیٰ ہو بہرحال اس کا شرمانا اور جھجکنا بالکل قدرتی ہے اور وہ کیا خود مجھے حجاب آرہا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مدتوں الہ آباد یونیورسٹی میں پروفیسر اور صدر شعبہ رہے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ فاضل لسانیات اور تبصرے ہی قابل لوگوں میں۔ مولانا سے اُن سے زمانہ طالب علمی سے مخلصانہ تعلقات تھے الہ آباد میں عام طور سے ان کے ہی مہمان ہوتے تھے۔

(۲) ہندوستانی اکیڈیمی جہاں اس زمانے میں ہندی گردی کا زور ہوا تھا اور اُردو کو بے دخل کیا جا رہا تھا۔

(۳) مراد قاضی عبدالغفار صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند۔

(۴) راقم مرتب کے چھوٹے بھائی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۷ اگست ۵۵ء

مخدوم و مکرم! وعلیکم السلام

آپ کا دعوتی بڑا ہی کمزور اور بالکل بے جان ہے۔ پنچ مقرر کیجئے اور جس عالت میں چاہیے لے جائیے انشاء اللہ وہ خارج ہو کر رہے گا۔ بھلا یہ کہاں کا قصباتی قانون ہے کہ میزبان صاحب تو جائز و مناسب معاوضہ لینے میں بھی شرمائیں اور مہمان ایسا بے غیرت ہو کہ مہینوں مزے میں مفت خوری کرتا رہے غیرت کا اگر سوال ہے تو دونوں طرف سے نہ ایک طرف سے۔ لڑکے والی نظیر بھی کچھ یوں ہی سی ہے بودی پھسپھسی کمزور۔ باپ بے شک لڑکے کو کھلاتا پلاتا ہے لیکن وہ فرزند ارجمند کیسے سعید ہیں کہ نوکری چاکری کے بعد اپنی طرف سے کوئی خدمت باپ کی نہیں کرتے اور بدستور کھائے چلے جاتے ہیں۔

غرض علیم ۳۱ کو صبح سویرے انشاء اللہ حاضر خدمت تو ہو جائیں گے لیکن اپنی سعادت اسی میں سمجھیں گے کہ خود ہی اپنے حسب توفیق و استطاعت اپنے بزرگ کی خدمت کرتے

رہیں اور رامپور سے انھیں محروم رکھنا بالواسطہ انھیں وہاں کے طویل قیام سے محروم رکھنا ہے۔
میری ایک چھوٹی سی تازہ کتاب ہے وہ علیم جی پیش کر دیں گے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) علیم صاحب کا الہ آباد میں اکاؤنٹنٹ جنرل کے آفس اکاؤنٹ سروس میں تقرر ہو گیا تھا اور مولانا نے مکتوب الیہ کو لکھا تھا کہ اپنے مکان میں انھیں بہ طور Paying Guest کے رکھیں لیکن مکتوب الیہ نے اپنے جواب میں کچھ لینے سے انکار کیا اور لکھا کہ وہ میرے لڑکے کی طرح ہیں اور باپ کی غیرت اسے کب گوارا کرے گی کہ کھانے کے دام لڑکے سے لے۔

بسم اللہ

دریاباد

۷ اگست ۵۶ء

مخدوم و مکرم

السلام علیکم

اسے لیجئے میں پھر درِ دولت پر حاضر ہو چلا۔ نمک خواری کا چسکہ ہی بُرا ہوتا ہے اتنی بندہ حاضری آپ جیسے اولوالعزم مہمان نواز کو بھی اگر کھلنے لگے تو کچھ عجب نہ ہوگا۔

اب کی ریڈیو والوں نے بلایا ہے ریڈیو ایڈوائزری کمیٹی کا جلسہ ۱۷ اگست جمعہ کو ۱۱ بجے ہے انشاء اللہ صبح سویرے کی ٹرین سے آؤں گا اور اسٹیشن پر کچھ دیر ٹھہر کر آپ کے ہاں پہونچوں گا واپسی ۴ بجے شام کی گاڑی سے۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ اگست ۵۶ء

مخدوم و مکرم ! وعلیکم السلام

یہ لکھنا پچھلے خط میں رہ گیا کہ آپ کے کتب خانے[1] سے استفادہ بہ دفعہ رہ ہی جاتا ہے۔ لغات کا حصہ خاص طور پر دیکھنے کا مشتاق ہوں۔ اب کی امید ہے کہ انشاء اللہ ڈیڑھ دو گھنٹے کے لیے اس کا موقع آپ ضرور عنایت فرمائیں گے۔

یہ خط لکھ چکا تھا کہ حفیظ صاحب کا والا نامہ ملا۔ اب تک اطلاع یہ تھی کہ وہ ۱۷ کو موجود نہ ہوں گے اب لکھا ہے کہ موجود گی کا امکان ہے اور اس صورت میں دوپہر کا کھانا اپنے ہاں رکھنے کے لیے لکھا ہے۔ اسی ڈاک سے آپ کا حوالہ دے کر جواب لکھے دیتا ہوں کہ یہ معاملہ ان سے طے کرنے کا ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا بڑا اچھا کتب خانہ تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۳ ستمبر ۵۶ء

مخدوم و مکرم ! السلام علیکم

دارالمصنفین میں بلک انتظامی کی تاریخ ۱۷ مئی قرار پائی ہے دفتر سے اطلاع تو آج کل پہونچے گی۔ آپ آئیں گے تو جلا کیا خصوصاً وسط مئی کے سخت موسم میں پھر بھی اپنی والی درخواست تو کہنے ہی دیتا ہوں ؎

ہے یقیں وہ نہ آئیں گے پھر بھی
کب نگہ سوئے در نہیں ہوتی

والسلام دُعاگو
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۴ر اگست ۵۵ء

مخدوم و مکرم!　　السلام علیکم

نامۂ کرم کا شکریہ۔ انشاء اللہ صدق میں دے دیا جائے گا جب گنجائش نکل سکی ایک ایک مضمون ہفتوں رکا رہتا ہے۔

لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے پی۔ ایچ۔ ڈی والے مقالے پر رپورٹ آپ بھیج چکے ہوں گے۔ پاس تو میں نے کر دیا لیکن یہ لکھ دیا ہے کہ بشرطیکہ دونوں ممتحنوں کو بھی اطمینان ہو دوسرے یہ کہ طبع و اشاعت سے قبل لازمی ہے کہ مقالہ نگار اس پر کامل نظر ثانی زبان وغیرہ کے لحاظ سے کریں۔

مقالہ نگار کا مطالعہ تو بے شک وسیع ہے لیکن بہ قسم کی خامیاں اور کوتاہیاں مقالے میں موجود ہیں، جیسی توقع تھی۔

ہمارے مخدوم ڈاکٹر وحید مرزا[1] ایسے مشفق و رحیم المزاج نکلے کہ انھیں بجائے کرسی عدالت پر بیٹھنے کے کسی یتیم خانہ[2] کا مہتمم ہونا تھا۔

الٰہ آباد میرے ایک عزیز[3] قریب اکسائز اسسٹنٹ کمشنر ہو کر پہونچ گئے ہیں محمود بونس نے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولس معراج الدین کے والد اور بڑے بھائی سے

بھی تعلقات رہ چکے ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) سابق صدر و پروفیسر عربی لکھنؤ یونیورسٹی۔

(۲) بہ حیثیت ممتحن بہت ہی زیادہ نرم۔

(۳) مولانا کے پھوپھی زاد بھائی حاجی حافظ محمد یونس صاحب کے چھوٹے صاحبزادے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ اکتوبر ۵۸ء مخدوم و مکرم السلام علیکم

مدت سے آپ کو خط لکھنے کو سوچ رہا تھا نوبت آج جاکر آرہی ہے۔ اکیڈیمی کو چھ آنریری فیلو انتخاب کرنے ہیں گو ظاہر ہے اُردو والوں میں بھلا انتخاب میں کوئی آسکتا ہے۔ تاہم اپنی طرف سے یہ چھ نام پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر کنزرو ۲۔ ڈاکٹر تاراچند ۳۔ جسٹس ملا ۴۔ ڈاکٹر صدیقی

۵۔ ڈاکٹر حفیظ سید۔ مسلمانوں میں اگر کسی کے منتخب ہوجانے کی تھوڑی بہت بھی توقع ہے تو آپ ہی ہیں بہرحال اگر ووٹ آگئے تو منظور فرمالیجئے گا۔

ہاں صاحب انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا نیا ایڈیشن آپ لے رہے ہیں پچھلے ہفتے باندے میں والدۂ مسعود الزماں مرحوم نے اپنے لختِ جگر کی یاد میں نو مہینے تڑپ تڑپ کر گذار کے وفات پائی۔ ۸۵-۸۶ کے سن میں۔ موت بڑی ہی اچھی واقع ہوئی بلکہ رشک انگیز۔ بعد نماز تہجد تسبیح ہاتھ میں لے رہی تھیں کہ کلمہ پڑھا اور معاً روح پرواز کرگئی۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) پنڈت ہردے ناتھ کنزرو جو انجمن ترقی اُردو کے صدر بھی رہے تھے۔

(۲) جسٹس آنند نرائن ملا یہ بھی اردو کے زبردست حامیوں میں ہیں۔

بسم اللہ

دریاباد

یکم اپریل ۵۹ء

برادر محترم! وعلیکم السلام

میاں سمیع کیا معنی میرا ہم زاد بھی اگر آپ کو میرے پروگرام سے متعلق کوئی روایت پہونچائے تو ہرگز اسے قابل قبول نہ سمجھئے جب تک کہ میں خود اس کی تصدیق نہ کردوں۔

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے

مجھے آپ کے ہاں حاضری دینا ہوتی تو خود ہی نہ لکھ دیتا۔ اپنے حسب معمول ـــــ یہ عنایت نامہ یہاں مل بے شک گیا تھا لیکن کس وقت عین اُس وقت جب میں سواری پر بیٹھنے جارہا تھا۔ اب اس وقت کتاب نکالنا کئی منٹ کے وقت کا طالب تھا۔ ماہ رمضان میں نفس سفر ہی میرے لیے ایک مجاہدہ ہوتا ہے چہ جائیکہ کسی کے ہاں جاکر اترنا عام اس سے کہ وہ روزہ دار ہو یا روزہ خور۔ آپ خود، حفیظ صاحب، محمود یونس سب کو اب کی بار الفط کرنا پڑا۔ اتنی دیر ویٹنگ روم میں رہا۔

مجلس ایگزیکٹو کی تھی اس میں اتفاق سے میں نے یہ سوال کردیا کہ کونسل کی میٹنگ آخر کب کیجئے گا اب تو سال بھی ختم ہوگیا جواب ملا کہ ارے آج ہی تو ہے سہ پہر کو کیا آپ کو اطلاع نہیں پہونچی۔ انا للہ دفتر سارا الزام ڈاکخانے کو دیتا رہا بہرحال اب میرے پاس اتنا وقت کہاں تھا بغیر اس میں شریک ہوئے ۴ بجے سہ پہر کی گاڑی سے روانہ ہوگیا۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۷ مارچ سنہ ۶۰ء　　مخدوم و مکرم!　　وعلیکم السلام

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے دو مزید حصے نکال کر ابھی سے رکھ لیے کہ چلتے وقت کہیں بھول نہ جاؤں۔

مرقع شعر اتلاش سے ملی نہیں۔ مزید تلاش کے بعد اگر مل گئی تو انشاء اللہ ضرور ساتھ آئے گی۔

جی ہاں اب تو عرصے سے ریزرویشن درجہ اوّل کے ساتھ مخصوص رہ گیا۔ آپ میری وجہ سے اپنے کھانے کے اوقات مقررہ میں ہرگز کوئی فرق نہ ڈالیے گا۔

والسلام نیاز کیش
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۳۰ دسمبر سنہ ۶۰ء　　برادر محترم!　　السلام علیکم

پچھلے ہفتے بھائی صاحب (ڈپٹی عبدالمجید) بالکل دفعتاً اللہ کو پیارے ہو گئے۔ خانگی نظام میں ایک سخت شگاف پڑ گیا بہرحال ؎

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

پبلشر کے ہاں سے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی جلد اوّل کی دو فنی آئی دو حصے آپ کی خدمت میں موجود ہیں وہ اگر کسی آسان ذریعے سے آسکیں تو جلد بندھوانوں اور اس کے پوری جلد اوّل کے بائیسوں حصے آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

خدا کرے آپ ہر طرح بہ عافیت ہوں۔

والسلام
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۳ مئی ۶۱ء

مخدوم مکرم!　　وعلیکم السلام

آپ کے اس مکتوب کا بیشتر حصہ صدق میں دینے کے قابل ہے اس کی اجازت چاہتا ہوں سے خاموشی کو دلیل اجازت سمجھوں گا اس لیے خواہ مخواہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

کمالات رحمانی لکھنؤ سے خدمت والا میں پہونچے گی جب تک چاہیئے رکھئے کتاب کچھ یوں ہی سی ہے۔ بہترین کتاب اس موضوع پر مولانا علی میاں ندوی کی تذکرۂ فضل رحمٰن ہے۔

ہاں صاحب آپ نے اپنے پہلے مکتوب میں اس درجہ شرمندگی کا اظہار فرمایا کہ الٹے مجھے شرمندہ ہوجانا پڑا کہ میں نے ناحق آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ وہی الہ آباد میں درد دولت پر ناکام حاضری کی۔ آپ کے سندیلے کے نئے پی۔ ایچ۔ ڈی شجاعت علی ڈاکٹر[1] اعجاز کی جگہ کے سلسلے میں کوشاں ہیں میں بھی چاہتا ہوں کہ ضرور کامیاب ہوجائیں۔ نئے لکھنے والوں میں سب سے غنیمت ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱)　سابق استاد شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی۔

بسم اللہ

دریاباد

۳۱ مئی ۶۱ء

مخدوم معظم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اب کی نوائے ادب[1] جو آیا میرے لیے ایک انمول تحفہ لایا۔

اردو ٹائپ کی چھپائی سے مجھے طبعی کراہت ہے اس لیے رسالہ بیشتر بے پڑھے ہی چھوڑ دیتا ہوں لیکن آپ کا جو مضمون وضع اصطلاحات پڑھنے کو اٹھایا (سلیم صاحب[2] سے نہ کوئی خاص دلچسپی نہ عقیدت) تو پڑھتا ہی چلا گیا اور بالکل آخر سطر پر جا کر دم لیا لکھنے والے نے لکھنے کا حق ادا کر دیا ماشاء اللہ وسبحان اللہ۔

اتنا پسند آیا کہ اس رسالے سے کاٹ کر الگ کر لیا اور "ضمیمہ اصطلاحات" کا عنوان اس پر ڈال کر اسے اصل کتاب کے ساتھ چپکا لیا اور عنقریب پرانی جلد توڑ کر اس ضمیمے کے ساتھ از سر نو مجلد کراؤں گا۔

یہ داد یقیناً تحسین ناشناس کی مصداق پھر بھی جی نہ مانا کہ آپ تک نہ پہونچا دوں جا بجا آپ کے اصلاحوں سے مستفید بھی ہوتا گیا کوئی ۸، ۱۰ مقام تو ضرور ایسے ہوں گے

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) بمبئی کا سہ ماہی اردو رسالہ۔

(۲) مراد وحیدالدین سلیم اردو میں اصطلاحات پر سند سمجھے جاتے ہیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ر اگست ۶۱ء

مخدوم و محترم! السلام علیکم

ابھی اخبار میں سند اعزاز[1] کی خبر پڑھی۔

سرکار نے یہ عزت افزائی آپ کی نہیں خود اپنی کی اور یہ ثابت کر دیا کہ کبھی کبھی جوہر شناسی بھی کر لیتی ہے۔

مادح خورشید مداح خود است

کیں دو چشمم نامراد و مرمد است

والسلام

عبدالماجد

(۱) یعنی ۱۵ر اگست ۶۱ء کو حکومت ہند کی طرف سے نیشنل اسکالر آوارڈ ملنے پر۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۵ر دسمبر ۶۱ء

برادر محترم! السلام علیکم

حفیظ صاحب[1] بے چارے آخر رخصت ہو گئے اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ میرے مخلص ترین دوستوں میں تھے۔ واللہ اعلم کہاں دفن ہوئے اور ان کے کتب خانے پر کیا گذری۔

ایسے موقع پر بہت سے مدعیان وارثت اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

اکیڈیمی کی سالانہ جلسہ ۱۴ر جنوری کو سہ پہر کو ہے دوپہر کو پہونچ کر واپسی انشاء اللہ شب

میں ہوگی اور برتھ کی ضرورت اس وقت ہوگی

والسلام دُعاگو

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۳ جنوری ۶۳ء

برادرِ مکرم! وعلیکم السلام

یہ رعایتی ٹکٹ کا ملنا آپ نے خوب یاد دلایا۔ میرے ذہن ہی میں نہ تھا خیر ٹکٹ خرید لوں تو انشاء اللہ آپ کو نمبر اور تاریخ لکھ بھیجوں گا۔

حفیظ صاحب مرحوم نے اپنا وصیت نامہ رجسٹری کرا کے کسی ہندو وکیل بھارگوا (پورا نام یاد نہیں پڑتا) کے پاس رکھا دیا تھا ان کا پتہ کسی کے ذریعے سے لگا ہے میں اس امید میں تھا کہ خود ہی مجھے لکھیں گے۔ مرحوم مجھ سے کہتے تھے کہ دو ٹرسٹیوں میں سے ایک ٹرسٹی تم کو کر رہا ہوں اب اپنی اس غلطی پر پشیماں ہوں کہ ان سے مانگ کر وصیت نامہ اس وقت پڑھ کیوں نہ لیا۔

احتشام حسین، فردوس فاطمہ، مولوی سراج الحق اور ڈاکٹر محمد احمد ان سب سے اس سلسلے میں ملنا چاہتا ہوں اگر ۱۴ کو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے صبح ان لوگوں کو اپنے پاس جمع کر سکیں تو سبحان اللہ ورنہ خود جا کر ان سے مل آؤں گا فاتحہ کے لیے قبرستان بہرحال جانا ہی ہے۔ آپ ہی کے ہاں انشاء اللہ صبح ۷ بجے کے بعد پہونچوں گا۔ اس کے بعد کچھ دیر ٹھہر کر وہاں جاؤں گا۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریا باد

۲۳ جنوری ۶۲ء

برادرم محترم! السلام علیکم

بھارگوا صاحب[1] کی طرف جب کبھی آپ کا جانا ہو تو ذرا یہ بھی دریافت کر لیجئے گا کہ حفیظ صاحب نے اپنی کتابیں کس کو دی ہیں۔

اور میری طرف سے دو درخواستیں بھی پیش کر دیجئے گا۔

(۱) میرے لکھے ہوئے کچھ اور خطوط اگر حفیظ صاحب کے ذخیرہ میں محفوظ مل جائیں تو وہ براہ کرم مجھے عنایت فرمائیں۔

(۲) حفیظ صاحب نے اپنی وفات سے کئی مہینے قبل میرے متعلق ایک تعارف نامہ یا سفارش نامہ انگریزی میں شاستری صاحب ہوم منسٹر انڈیا کو لکھا تھا اس کی ٹائپ شدہ نقل اگر مل جائے تو وہ بھی مرحمت ہو جائے۔

اس کام کی مجھے جلدی نہیں جب بھی آپ بہ اطمینان و سہولت ادھر جا سکیں جب ہی کے لیے اسے رکھئے محض اس کام کے لیے زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

ہاں صاحب یہ بھارگوا صاحب رہتے کس سڑک پر ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) ڈاکٹر حفیظ صاحب کے وکیل اور چیف ٹرسٹی۔

بسم اللہ

دریاباد

۶ ستمبر ۶۱ء

برادر مکرم! وعلیکم السلام

دونوں کارڈ ساتھ ہی ملے۔ دونوں تراشے رکھ لیے ہیں۔ انشاء اللہ دلچسپی سے پڑھوں گا ریاض الکریم سے میں بھی ناآشنا ہوں۔

نزول الماء کا مرض مجھے بھی شروع ہو چکا ہے خیر اسی نسبت سے آپ سے ہم چشمی حاصل ہے ورنہ آپ سے آنکھ ملانے کی میری کیا مجال تھی۔

کحل الجواہر میرٹھی یوں بہت اچھا ہے عام امراض چشم کے لیے قوی بعد ہے محافظ بصارت ہے لیکن اس خاص مرض کے لیے انھیں کے ہاں ایک دوسرا سرمہ سرمہ مروارید کے نام سے قیمت ۳ روپیہ کی شیشی کی ۱۲ اس کے موجد حکیم محمد مصطفےٰ مرحوم مجتہد فی الطب کا درجہ رکھتے تھے وہ اس سرمہ کے ساتھ کچھ اور باتیں بھی لکھ بھیجتے تھے اب ان کے شاگرد خصوصی اور داماد حکیم بنیاد علی کارخانے کے ناظم ہیں۔

چھوٹی لکھی کا شہد اگر تلاش سے مل جائے تو اسے بھی سلائی سے بطور سرمہ استعمال میں رکھئے۔

میں دونوں چیزیں استعمال میں رکھتا ہوں۔ باقی ان سے رُکے گا تو خیر کیا لیکن بہرحال اپنی والی سعی و تدبیر ہے۔

من طریق سعی می آرم بجا

لیس للانسان الا ما سعیٰ

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱۱) حکیم مصطفےٰ مرحوم میرٹھی کے دواخانہ کا مشہور و معروف سُرمہ۔

بسم اللہ

دریاباد

مئی سنہ ۶۳ء

برادر مکرم محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اکیڈیمی کا جلسہ سنیچر ۸ر جون کو ہے اور اب کی دو مجلسیں ہیں ایک صبح کی ایک شام اس لیے قیام بھی نسبتہً زیادہ یعنی بجائے دس گھنٹے کے ۱۵۔ ۱۶ گھنٹے کا ہوگا انشاء اللہ صبح کو پہونچوں گا۔ اور واپسی رات کی گاڑی سے ہوگی برتھ کے تحفظ کے لیے حسب معمول قدیم پھر ایک بار زحمت دے رہا ہوں ۸ر کو شب میں بنارس والی پسنجر سے لکھنؤ تک۔

خدا کرے آپ ہر طرح بہ عافیت ہوں

اخیر جنوری میں ایک برات میں سندیلہ گیا معنی خاص دو دو منزل چند گھنٹے کے لیے جانا ہوا تھا۔ آنکھیں بڑے اشتیاق سے آپ کو ڈھونڈھتی رہیں۔ رخصتی کا زمانہ اکتوبر کو طے ہوا ہے۔ میرے حقیقی پھوپھی زاد بھائی کے لڑکے محمود یونس ۴۔ ۵ سال ہوئے الہ آباد میں آبکاری کے اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ ان کے لڑکے کی شادی مولوی مرتضےٰ علی مرحوم کی پوتی کے ساتھ ہوئی۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۳ جنوری ۶۴ء

برادر محترم! وعلیکم السلام

مضمون استشتاق تالمود پر ضرور عنایت فرمایئے۔ ۱½ کالم کی جگہ انشاء اللہ ضرور اس کے لیے نکالی جائے گی۔ میں خود بھی ان صاحب کے مضمون کو کچھ یوں ہی سا سمجھ رہا تھا۔

اس انسائیکلوپیڈیا کا نام میں نے پہلی بار سنا حالانکہ انسائیکلوپیڈیاؤں کی ٹٹول میں رہتا ہوں اور ہر بڑی لائبریری جاکر پہلے انھیں کو دیکھتا ہوں

اکیڈیمی کی میٹنگ اگر ہو چکی ہو تو مجھے خبر ہی نہیں ہوئی حالانکہ اس وقت تو اس کا ممبر ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) صدق کے لیے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۷ فروری ۶۴ء

برادر محترم! وعلیکم السلام

یعقوب علی مرحوم کو ماہِ مبارک مل گیا اور پھر اس کا بھی اخیر عشرہ مسلمانوں کے لیے یہ بڑی مصیبت دری ہے۔ میرے کالج فیلو تھے مجھ سے جونیئر اللہ بال بال مغفرت کرے۔

صدق میں گنجائش کی بڑی قلت ہمیشہ ہی رہتی ہے۔ مضمون تین تین چار چار ہفتے تو برابر

ہی رُکے رہتے ہیں اکثر اس سے بھی زائد بہرحال اب اس کو نمبر ۱۳ کے لیے لگا دیا ہے (اس وقت نمبر ۱۲ زیر طبع ہے) چھپنے پر چند کاپیاں بے تکلف حاضر کر دی جائیں گی۔ زائد معارف طبع وغیرہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔

البتہ کاپی یا پروف کا الہ آباد جانا اور آنا دشوار ہے۔ ہمارے منیجر اس پر آمادہ نہ ہوں گے ماہ نامون اور ہفتہ واروں میں بڑا فرق اس لحاظ سے ہوتا ہے۔

والسلام دُعاگو

عبدالماجد

(۱) سندیلہ کے رہنے والے ـــــ ریٹائرڈ جج اور مکتوب الیہ کے داماد۔

بسم اللہ

دریاباد

۶ دسمبر ۶۵ء

مخدوم مکرم!　　وعلیکم السلام

ابن ہشام کے سابق اور مکمل ترجمے کا پورا نام[1]

حال میں شائع شدہ ترجمہ میری ملک نہیں لکھنؤ کی نیشنل لائبریری سے لے کر دیکھا تھا واپس کر دیا اب انشاء اللہ اس ہفتے وہاں سے پورا نام اور پتہ نقل کرا کے اسے خدمت عالی میں روانہ کر دوں گا۔

ولایت سے کتابیں منگانا اب آسان نہیں وہ زمانہ اب خواب و خیال ہو گیا۔ جب محض منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر بھیج دینے پر کھٹ سے کتاب آجاتی تھی۔ اب پہلے تو مہینوں کے کسی کتب فروش کو رام کرنا ہوتا ہے اور کتاب کے آنے میں ہفتے نہیں مہینے لگ جاتے تھے۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

آگے کی ایک سطر نقل میں رہ گئی ہے۔ مترجم کا نام Gul man تھا۔

بسم اللہ

نہ۔ یاباد

یکم اپریل ۶۶ء

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

مدت دراز کے بعد تن مُردہ میں جان پڑی یعنی ہندوستانی اکیڈیمی نے اپنی مجلس میں طلب فرمایا ہے۔ تاریخ ۲۰ فروری اتوار وقت دوپہر انشاء اللہ ۲ بجے کی صبح کو حاضر خدمت ہوں گا نہ سہ پہر کی گاڑی سے رخصت چاہوں گا۔

آپ کے علاوہ آپ کی خوش ہونے والی عزت سلمہا بھی تو ہیں۔

ہاں صاحب یاران قدیم میں سے کوئی صاحب اگر صبح ۹ - ۹½ پر آپ کے ہاں بے تکلف آسکیں تو سبحان اللہ مثلاً مولوی رفیع یا وحید الحسن صاحب۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا کے برادر نسبتی شیخ مسعود الزماں کی بڑی صاحب زادی۔ ان کا قیام مکتوب الیہ ہی کے ہاں تھا۔

بنام پنڈت سندرلال[1] صاحب الہ آباد نئی دہلی

بسم اللہ

دریاباد

۱۷ اگست

کرم گستر! وعلیکم السلام

آپ فاضلوں کے انگریزی ترجمے پڑھ چکے ہیں ایک ترجمہ[2] نیز فارسی بلکہ عامی کا اسی ڈاک سے رجسٹرڈ ارسال کرتا ہوں۔

شاہ و درویش و قلندر دیدۂ
سرمدِ سرمست در سودا رہ بیں

آپ کے استاد مرزا صاحب[3] کے اخلاص کا میں قائل ہوں لیکن تحقیق کا نہیں جن دو مشہور عالموں کے نام آپ نے تحریر فرمائے ہیں ان میں سے ایک صاحب اتفاق سے Too blind واقع ہوئے ہیں اور دوسرے Too Conservative۔

پبلشر نے آج تک صرف یہی دو پارے چھاپ کر دیے ہیں اور تخمیناً اس سے زیادہ مفصل ہے ۱۴ ۵ پارے تک شائع ہو چکی ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مشہور گاندھی بھگت لیڈر تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست علمبردار۔ مسلمانوں کے بڑے ہمدرد تھے۔

(۲) یعنی مولانا کا انگریزی ترجمہ قرآن ۔

(۳) مرزا ابوالفضل صاحب جنھوں نے قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا لیکن وہ تنزیلی ترتیب قرآن کے قائل تھے اور عقائد میں جمہور سے بہت دور رہتے ۔

بنام ملک غلام محمد صاحب گورنر جنرل پاکستان کراچی

بسم اللہ

دریابو

۴ ستمبر ۵۳ء

مخدوم و مکرم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جب سے سنا ہے کہ آپ کی صحت خراب رہنے لگی ہے دل برابر دعائے صحت میں لگا رہتا ہے ۔ یہ دعا ساری امت کی خلاق و بہبود کی خاطر ہوتی ہے اللہ آپ کی ذات سے کیسے کیسے کام لے رہا ہے ۔

یہ عریضہ محض اپنی ذاتی ضرورتوں سے لکھ رہا ہوں بہت ڈر کر اور بڑی جھجک کے بعد ۔ آپ کی مصروفیت کا پورا پورا اندازہ ہے لیکن یقین فرمائیں کہ اگر کوئی دوسرا ذریعہ موجود ہوتا تو آپ کی سی عالی مرتبت شخصیت کو ہرگز زحمت نہ دیتا دوسرے ذرائع جو بھی تھے سب اختیار کر کے دیکھ چکا ہوں ۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس خاکسار کا قرض کئی ہزار کا تاج کمپنی لاہور و کراچی کے ذمہ بسلسلہ اشاعت تفسیر قرآن مجید برسوں سے چلا آرہا ہے ۔ ایک رقم اب بھی ان کے ذمہ باقی ہے اور کسی طرح نہیں نکلتی ۔ ہر خط میں بس وعدہ ہی ہوتا ہے ۔ رقم قاعدے سے تو پاکستانی سکے میں

میں وصول ہونا چاہیئے۔ "رائیلٹی کا معاہدہ ۱۹۴۱ء میں ہوا تھا" پاکستان اسی سکہ پر قائم ہے صرف ہندوستان نے اپنا سکہ بدل دیا لیکن میں ہندوستانی سکہ کو غنیمت سمجھ کر قبول کر لوں گا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز آپ کی سرکاری مداخلت کی نہیں لیکن بہت ممکن ہے کہ آپ کا ذاتی اور نجی اشارہ ہی کارگر ہو۔

دوسری گذارش جس کا تعلق تنہا صدق سے نہیں یہاں کے تمام مسلم پبلشرز اور اکثر مسلم صحافت سے ہے وہ آپ کی گورنمنٹ کی عائد کی ہوئی مالی پابندیاں ہیں جسکی زد سب سے زیادہ ہم ہی لوگوں پر پڑ رہی ہے صدق کا چندہ آٹھ روپیہ ہندوستانی اور پانچ روپیہ نو آنہ پاکستانی ہے لیکن ہندوستان میں جو پاکستانی ایجنٹ کے ذریعہ وصول ہوتا ہے وہ پانچ روپیہ نو آنہ ہندوستانی ہے یعنی دو روپیہ سات آنے کا نقصان۔

تمام دنیا میں آزادانہ منی آرڈر، چیک ڈرافٹ اور بیمہ آتے جاتے ہیں ہم ہی بدنصیب دو ملک ایسے ہیں جو اس معمولی سی نعمت کو بھی ترس رہے ہیں۔ اگر آپ آسانی سے ان دونوں امور پر توجہ فرما سکتے ہوں تو اللہ آپ کو جزائے خیر دے گا۔ باقی اگر آپ کو کچھ زحمتیں پیش آ رہی ہیں تو آپ پر کسی فکر کا بار ڈالنا ہرگز مقصد نہیں۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا کی ملاقات ۲۵-۲۶ء میں ہوئی جب تحریک خلافت کا آخر زمانہ تھا ان تعلقات کا لحاظ ملک صاحب مرحوم نے آخر دم تک رکھا ۱۹۵۵ء میں انھوں نے بڑے اصرار سے مولانا کو پاکستان بلایا چنانچہ اپریل ۱۹۵۵ء میں وہ پاکستان گئے اور مکتوب الیہ کے کراچی میں گورنر جنرل ہاؤس میں ۸ دن مہمان رہے۔ راقم مرتب مولانا کے سکریٹری کے حیثیت سے ساتھ گیا تھا۔

خطوط بنام چودھری خلیق الزماں صاحب

بسم اللہ

دریاباد

۲۹ ستمبر ۵۳ء

بھائی صاحب! وعلیکم السلام

مشفق مرحوم کے واقعہ پر آپ کو تعزیت نامہ لکھتے لکھتے بس رہ ہی گیا۔ ارادہ بار بار کیا مگر ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی مانع پیش آگیا یہاں تک کہ دیر ہو گئی اور پھر ارادہ ہی ترک کر دیا۔ وقت گذرنے کے جذ چوٹ خود بخود ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ قدرت نے جراحت قلب کے اس مرہم کا انتظام خود ہی کر دیا ہے۔

کیا گذری ہوگی آپ کے دل پر دو چھوٹے بھائیوں کی موت پر اور وہ بھی یوں تابڑ توڑ اور بغیر کسی زیادہ نوٹس کے اور آپ سے بھی کہیں بڑھ کر دونوں کو جننے والی ماں بے چاری پر ہماری ممانی صاحبہ پر۔

لیکن پھر آپ لوگوں کے مرتبے آخر کس طرح اتنے بڑھے اور آپ لوگوں کو اجر ابرار و اتقیا والے کیسے ملے! جس کو وہ نوازنا چاہتے ہیں اس کے لیے بہانے بھی اضطراری مجادلات سے کیسے کیسے پیدا کر دیتے ہیں۔

نوبیش ہو جیئے اور عقل و ایمان کی مدد سے اپنے دل کو سمجھائیے کہ یہ قرض اس کے ذمہ باقی رہا جس کی شرح سود واپسی کے وقت بہ بینک سے بے اندازا اور بے حساب بڑھ کر نکلے گی اور آج کے غم و صدمے کی کوئی حقیقت و بساط بھی اس وقت کی مسرتوں اور راحتوں کے آگے نہ نکلے گی۔

اور سعید سندیلوی بے چارہ اب کیا کہا جائے اور کیا لکھا جائے۔ آپ کی تعزیت ان لوگوں تک میاں آفتاب کے واسطے تو پہونچ ہی چکی اب میں بھی پہونچا دوں گا۔

میاں آفتاب نے مجھ سے ذکر کئے بغیر آپ کو صدق کے چندے کے بارے میں لکھ دیا میں ہرگز نہ لکھنے دیتا آپ کا پچھلا عطیہ یوں ہی بہت زیادہ رہا ہے۔

باقی ۱۰ خریدار ہیں کہاں کچھ نہ پوچھئے۔ دیسٹرکٹ تعداد خریداروں کی کچھ ایسی کم نہیں بلکہ لائق پسند لیکن وقت پر پابندی سے چندہ دینے والے صرف ۳۳ فیصد اور کوئی دو سو کے قریب خریدار پاکستان میں ہیں ان کے پندرہ کے لیے تو کچھ بننا ہی تحصیل لاحاصل ہے۔

مملکتوں کے درمیان کی مالی پابندیاں سلامت رہیں ان کی زد سب سے بڑھ کر تو ہمارے یہاں پر آکر پڑی ہے یعنی اردو مصنفین ایڈیٹروں اور پبلشروں پر۔

اپنی خودگذشت ضرور لکھئے۔ یہ تو آپ نے بڑی خوشخبری سنائی۔ علاوہ دوسری چیزوں کے یہ خود آپ کی ذات سے بہت سی بدگمانیوں کو دور کر دے گی انشاء اللہ۔

پوپی کی اہمیت سے متعلق آپ نے جو نظریات قائم کئے ہیں ان سے سو فیصدی متفق ہوں ضرور ضرور اپنی lines پر لکھئے انگریزی کی کوئی اس قسم کی کتاب فوراً تو ذہن میں نہیں آئی لیکن برابر خیال رکھوں گا اور جس وقت بھی کوئی اچھی کتاب نظر پڑ گئی آپ کو لکھ بھیجوں گا۔

ہمارے ہاں آپ کا ذکر خیر اکثر ہوتا رہتا ہے۔ آپ کی بھتیجی صاحبہ تو خیر آپ کو یاد کرتی ہی (چنانچہ اس وقت بھی سلام کہہ رہی ہیں) باقی خود میری لڑکیاں بھی خصوصاً آفتاب اور حبیب کی بیویاں آپ کی معتقد لیگ کے زمانے سے چلی آرہی ہیں لیکن زندگی میں اب ملاقات کی کیا صورت؟

کئی بفتے ہوئے اسٹیٹسمین میں آپ کی تصویر فیملی گروپ (رفیع قدوائی صاحب کے ساتھ دیکھی تھی اس کا دل پر بڑا اثر ہوا تراشہ صدق کے لیے رکھ لیا تھا۔ کیسے کیسے عزیز قریب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں اور ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کو ترس رہے ہیں۔

تنسیخ زمینداری سے مسلمان گھرانے کثرت سے تباہ ہوئے ہمارے خاندان میں تو دو شخص

کہنا چاہئے کہ طے ہی ہو گئے ایک حامد دوسرے قدیر۔ جوار میں صرف بڑے گاؤں (نصیر الرحمٰن) اور بھیارہ (ولوی مسعود علی اور عبد العلی) والوں نے اپنے کو سنبھالے رکھا اور فارم وغیرہ محنت و مستعدی سے تیار کر کے اپنی مالی حالت پہلے سے بہتر کر لی۔

میرا حیدرآبادی وظیفہ مدت ہوئی بند ہو گیا تھا۔ یہاں سے مولانا ابوالکلام وزیر تعلیم اور ڈاکٹر تاراچند سکریٹری تعلیمات سے بڑی کوشش کی کچھ اثر نہ ہوا آخر میں رفیع صاحب کے کہنے سے میں دہلی جا کر خود پنڈت جی سے ملا جب جا کر یہ ہوا کہ پوری رقم تو نہیں البتہ سوا سو کا وظیفہ کھل گیا۔

محمد علی ــــ ذاتی ڈائری مکمل و مفصل کا مسودہ مدت دراز سے پبلشر کے انتظار میں رکھا ہوا ہے۔ آپ نے اس کا جو باکل ابتدائی ایڈیشن دیکھا تھا اس سے تگنی ضخامت کا ہے دو جلدوں میں آئے گی۔

آفتاب اور حبیب بدستور صحافت اور سکریٹریٹ میں ہاشم علی گڑھ میں پالٹکس میں لکچرر ہیں۔ سب سے چھوٹے ایم اے ایل ایل بی وغیرہ کرنے کے بعد انڈین اور پراونشل سروسز کے امتحانوں میں بیٹھ رہے ہیں اور دوسرے مسلمان نوجوانوں کی طرح ناکامی ہی کے تجربے کر رہے ہیں۔

خط بلا ارادہ بہت طویل ہو گیا اور لیجئے ایک ضروری بات رہی ہی جاتی ہے۔ اس خودگذشت کا مسودہ جتنا بھی تیار ہو گیا ہو اگر اسکی ایک ٹائپ شدہ کاپی مجھے دیکھنے کو مل جائے تو اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا شائد کہ کوئی کارآمد مشورہ بھی عرض کر سکوں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبد الماجد

(۱) مشہور کانگریسی اور خلافتی اور سنہ ۲۰ء سے مشہور تر مسلم لیگی لیڈر مولانا کے قریبی عزیز ہوتے تھے۔ چودھری صاحب کی پہلی بیوی مولانا کی رشتہ میں بہن ہوتی تھیں۔ مولانا چودھری صاحب سے متاثر تھے اور دونوں میں بڑے مخلصانہ تعلقات آخر دم تک قائم رہے۔

(۲) مراد چودھری صاحب کے بھائی مشفق الزمان صاحب جو پہلے ہاکی کے کھیل میں بڑی نامور

حاصل کر چکے تھے ۔ ۱۹۳۶ء سے انھوں نے مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں زبردست حصہ لیا اور تقسیم کے بعد کراچی منتقل ہو گئے ۔

(۳) دوسرے چھوٹے بھائی سعید الزماں تھے جو ریلوے میں اہم عہدے پر فائز تھے اور وہ بھی پاکستان منتقل ہو گئے تھے ۔

(۴) دونوں بھائیوں کا انتقال چند مہینے ہی کے اندر ہوا ۔

(۵) مولانا کی بھتیجی اور بھانجے کے منجھلے صاحبزادے اور شفاء الملک حکیم عبدالحبیب دریابادی مرحوم کے نواسے سعید الزماں جو بڑے ہی ہونہار اور صحیح معنوں میں سعید تھے ایک حادثے میں اچانک اپنے موقع میں شہید ہوئے ۔

(۶) یعنی حالات زندگی اردو انگریزی دونوں زبانوں میں یہ حالات زندگی Path way to Pakistan اور شاہ راہ پاکستان نام کی کتابوں میں شائع ہوئے ۔

(۷) مراد مولانا کی بیگم صاحبہ جنکے چودھری صاحب رشتے میں چچا تھے ۔ چودھری صاحب کے دادا اور مولانا کی بیگم کے پردادا سگے بھائی تھے ۔

(۸) یہ بعد میں دارالمصنفین سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۳ مارچ ۵۵ء

بھائی صاحب ! السلام علیکم

آپ کے گورنر جنرل بہادر کو اللہ نے میرے اوپر بے طرح مہربان کر دیا ہے ۔ اکتوبر میں دیوہ آئے تھے ۔ مجھے طلبی کے دو دو خط ملے ایک دریاباد اور ایک احتیاطاً لکھنؤ کے پتے پر ۔ خیر جب گیا تو ملے بھی خوب ۔

اس سے بڑھ کر یہ جنوری میں یہ عنایت نامہ آیا کہ ۱۵ مارچ کے بعد کراچی آکر مجھ سے ملو۔ مصارف سفر میرے ذمہ وغیرہ۔ میرے پاس بھی وقت کہاں لیکن ایسے دعوت نامے کو رد بھی کیسے کرتا یہ مشکل تمام کل وقت تین ہفتے کا نکالا ہے اس میں جانا اور آنا اور براہ بمبئی[2] واپس آنا اور جاتے میں لاہور تین دن کے لئے ٹھہرنا کراچی کے لئے وقت آٹھ دن کا نکل رہا ہے حسرت صرف اس کی ہے کہ کراچی ایسے وقت جارہا ہوں کہ جب آپ وہاں سے ہزار ہا میل دور[3] ہیں آدھا لطف سفر تو جاتا رہا اور یہی ہز اکسیلنسی کو میں نے لکھ بھی بھیجا ہے۔

بہر حال پروگرام لکھنؤ سے ۲ اپریل کو پنجاب میل سے روانگی کا ہے اور ۱۲ اپریل تک واپس پہونچ جانے کا۔ آگے اللہ مالک ہے۔

دیوہ میں راجہ غضنفر علی[4] بڑی محبت سے پیش آئے اور بڑی بات یہ ہے کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے جنرل اسکندر مرزا بھی بڑی آدمیت سے ملے۔

دیکھئے اس زندگی میں اب کبھی بھی ملاقات نصیب ہوتی ہے لکھنؤ ایک دن گیا تھا تالاب[5] جاکر شکیلن[6] سلمہا سے مل آیا تھا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) ملک غلام محمد مراد ہیں۔

(۲) بعد میں یہ پروگرام نہ رہ سکا اور واپسی براہ ٹرین لاہور سے ہوئی۔

(۳) مکتوب الیہ اس زمانے میں انڈونیشیا میں پاکستان کے سفیر تھے۔

(۴) یہ اس زمانے میں ہندوستان میں پاکستان کے ہائی کمشنر تھے۔

(۵) چودھری صاحب کے آبائی مکان۔

(۶) چودھری صاحب کی چھوٹی بہن جو اس زمانے میں پاکستان سے آئی ہوئی تھیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۸ر اکتوبر ۵۵ء

بھائی صاحب! وعلیکم السلام

شفقت نامہ مدت ہوئی مل گیا تھا اور دل خوش ہو لیا تھا جواب میں خلاف عادت و معمول وانتہائی تاخیر ہوئی جس سے بڑی ہی شرمندگی ہوئی۔

میں ذاتی طور پر ایسے مسائل کو متشابہات میں داخل سمجھتا ہوں اس لیے زیادہ زور کسی پہلو پر نہیں دیتا بس ایک کو صرف ترجیح دیتا ہوں اور یہی میرا مذہب عموماً فقہی اختلافات میں ہے گنجائش متعدد پہلوؤں اور مختلف احتمالات کی رہتی ہے عقیدے تو صرف وہ ہیں جنھیں خود قرآن مجید نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اپنا پروگرام پہلے سے لکھ بھیجیے لکھنؤ آمد کس تاریخ کو کس راستے سے ہوگی۔ قیام خاص لکھنؤ میں اور ہندوستان میں کب تک رہے گا۔ وغیرہا۔

عین وقت پر مجھے وقت نکالنے میں بڑی ہی دقت ہوتی ہے۔

چودھری شفیق الزماں مرحوم کو مرض الموت میں دیکھا بڑے صابر و شاکر مسلمان کی طرح جان دی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) یعنی انڈونیشیا سے کراچی جاتے ہوئے۔

(۲) سابقہ تعلقہ دار گڑھی بہلول۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۳ جنوری ۵۶ء

بھائی صاحب!

السلام علیکم

لکھنؤ میں تو صرف جھلک دیکھ سکا تھا۔ ۸ سال کے بعد اتنا بھی غنیمت رہا خدا کرے آئندہ جلد اور بہ خیریت کوئی صورت آپ کی آمد وطن کی نکل سکے۔

بڑی خوشی اس کی رہی کہ دہلی میں آپ کی ملاقاتیں خوشگوار رہیں اور لکھنؤ میں بھی آپ کے قدیم رفیقوں نے محبت کا برتاؤ جاری رکھا۔

آئندہ ہفتے کے صدق (یعنی نمبر ۱۳ جنوری کے لیے) ایک مختصر نوٹ آپ پر دے رہا ہوں۔ اشتیاق آپ کی اس کتاب کے دیکھنے کا ہے۔ لکھنؤ میں ذرا بھی موقع ملتا تو ایک سرسری نظر تو مسودہ پر ڈال ہی لیتا اور لکھنے لکھانے کے عمر بھر کے تجربے کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ مشورے تو ضرور عرض ہی کر دیتا۔

خیر اس کا موقع تو اب بھی حاصل ہے۔ ٹائپ شدہ ایک کاپی ڈاک سے آنا بھی ممکن ہے آفتاب سلمہٗ آپ کے جانے کے بعد سفر سے واپس آئے اور قدرۃً اپنی محرومی پر متاسف رہے سنا ہے کہ جہاں سلمہٗ ولایت سے ماشاء اللہ بہت سنبھلے سدھرے ہوئے واپس آئے ہیں لکھنؤ ان کے آنے کی بھلا کیا صورت ہے۔

سیاسی بات کوئی میں تو دہی نہیں لکھنا چاہتا لیکن خواہش اتحاد و اشتراک تو شاید کسی معنی میں بھی جرم نہیں خدا کے لیے اس کے واسطے اپنی والی پوری کوشش کر ڈالیے طرفین کا نفع اسی میں ہے اور جب تک یہ نہ ہوگا سب سے زیادہ تکلیف اور نقصان میں ہم ہی لوگ رہیں گے۔

وی پی، منی آرڈر وغیرہ کی بندش سے صدق محارف وغیرہ شدید و مسلسل نقصان برداشت کر رہے ہیں۔ ہاں صاحب مولوی مسعود علی ندوی بھی آپ سے ملنے کے مشتاق تھے مجھے خط میں لکھا ہے کہ دوبارہ آپ سے خواب میں ملاقات کر چکے ہیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) پنڈت جواہر لال نہرو، پنڈت گوند ولبھ پنت جو اس وقت گورنمنٹ آف انڈیا کے ہوم منسٹر تھے۔

(۲) مکتوب الیہ کی انگریزی خود نوشت

(۳) یعنی مکتوب الیہ سے ملاقات نہ ہو سکنے پر وہ تقسیم ملک سے قبل تنویر کے ایڈیٹر رہے تھے۔

(۴) چودھری صاحب کے صاحب زادے۔

بسم اللہ

دریاباد

۷ جولائی ۵۶ء

بھائی صاحب! وعلیکم السلام

گرامی نامے کے جواب[1] میں میں نے آیات متعلقہ سے اپنی تفسیر کے حصے نقل کرا کے بھیجنے مناسب سمجھے اور اس میں کئی دن کی دیر لگ گئی۔ اسی ڈاک سے رجسٹرڈ بوائی لفافے میں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ النجم کے وہ سارے حصے روانہ خدمت کر رہا ہوں۔

جن مسائل کی قرآن مجید نے تفصیل نہیں کی بلکہ مجمل چھوڑ دیا ہے ان کی کوئی سی تفسیر بالکل قطعی نہیں کہی جا سکتی صرف ظنی ہی ہوگی زیادہ سے زیادہ ظن غالب کہہ لیجئے معراج بھی انھیں مسائل میں سے ہے ایمان نفس معراج پر رکھنا کافی ہے باقی اس کی نوعیت اور تفصیلی کیفیت سے متعلق دونوں فریق اپنے اپنے دلائل رکھتے ہیں میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ کوئی ایسی صورت ہوئی کہ جس پر جسمانی اور روحانی دونوں کا اطلاق ہو سکتا ہے اور تفصیل دونوں کی ہمارے لیے نامعلوم ہے مثلاً کسی کیفیت کی طرح۔

سورۂ والنجم میں جو ضمائر مستعمل ہوئی ہیں ان کے بارے میں بڑی حد تک آپ سے متفق ہوں یعنی شدید القوی وغیرہ حضرت جبرئیل ہی کے لیے وما کذب الفواد وغیرہ آنحضرت صلعم کے لیے۔ تفسیر و تاویل کی بڑی گنجائش ان آیات کے تحت بھی ہے جو سا پہلو اختیار کیجئے انشاء اللہ ہرگز اس میں کوئی معصیت نہ ہوگی۔[1]

آپ کی کتاب کا کوئی حصہ شروع کا درمیان کا آخر کا کہیں کا کاش اشاعت سے قبل مائپ شدہ دیکھنا ممکن ہوتا۔

لکھنؤ میں والدۂ عتیق سلمہٗ سے مفصل ملاقات رہی سب لوگ سلام عرض کر رہے ہیں۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کو قرآن مجید سے بڑا شغف تھا اور برابر اس کی تفسیریں پڑھتے رہتے اور مولانا سے اکثر تفسیری سوال کرتے رہتے۔

بسم اللہ

دریاباد
۲۰ فروری ۵۷ء

بھائی صاحب! السلام علیکم

خوش ہوا کہ آپ[1] نیک نامی کے ساتھ وطن واپس آگئے۔ اس وقت پاکستان میں ہر شخص کی عزت انہیں ہی کے ہاتھ خطرے میں پڑی ہوئی ہے اللہ سب کو محفوظ رکھے پاکستان کی سب سے بڑی دشمنی میرے تجربے و تجزیے میں اس کی نفسا نفسی ہے ہر شخص ایک دوسرے کا دشمن۔

وہ آپ کی کتاب خدا معلوم کس منزل میں ہے اب خاص مشغولیت تو غالباً یہی کتاب ہو۔

مبشر میاں[۲] مرحوم بیچارے چٹ پٹ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

گھر میں سب لوگ سلام پہونچا رہے ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) انڈونیشیا کی سفارت سے سبک دوش پر۔

(۲) جسٹس مبشر حسین قدوائی جو الہ آباد ہائی کورٹ لکھنؤ بنچ کے جج تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۵ مارچ ۵۹ء

بھائی صاحب! السلام علیکم

تقریب سعید اللہ تعالیٰ بطرز مبارک کرنے اللہم الف مبارک سے پڑھے دیتا ہوں۔ دعوت نامہ کل شام کو ملا۔ آج شام کو انشاء اللہ عقد ہو رہا ہوگا۔

آپ کی اس کتاب کا انتظار ہے خدا معلوم کہاں طبع ہو رہی ہے اور کب تک نکل آئے گی۔

موہن لال سکسینہ[۲] کا مضمون کئی قسطوں میں نیشنل ہیرالڈ میں نکلا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب کے بیانات کے سلسلے ہیں۔ آپ کے پڑھنے کے قابل۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تحسین سلمہا کے عقد کی تقریب۔

(۲) یوپی کے پرانے کانگریسی لیڈر اور پنڈت دھری صاحب کے خاص دوستوں میں تھے۔

(۳) یعنی مولانا کی املا کرائی ہوئی کتاب

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ اگست سنہ ۶۰ء

بھائی صاحب! وعلیکم السلام

آپ اپنی والدہ مرحومہ کی تعزیت میں ایسی رواروی میں آئے کہ میری حاضری کی نوبت بھی نہ آنے پائی۔ ماں کی نعمت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور سن کچھ بھی ہو جائے بہرحال اسکی یہ حیثیت قائم ہی رہتی ہے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے میرے بزرگوں میں اب وہی ایک باقی رہ گئی تھیں آپ اور ڈاکٹر سلیم[۱] دونوں خوش قسمت ہیں کہ دونوں سے وہ راضی گئیں اور جنت جیت لینے کے لیے عجب نہیں کہ یہی ایک وصف کافی ہو جائے۔

تفسیر کو آپ نے محبت کی نظر سے دیکھا اس لیے اتنی پسند آئی۔

جن مسائل پر ہمارے اکابر کام کر چکے تھے وہ میں نے تقریباً سب انھیں سے لیے ہیں باقی جن مسائل کی طرف اپنے زمانے میں انکو توجہ کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ مثلاً قرآن مجید کے بیسیوں تاریخی جغرافی تلمیحات Allusions یا غیر مذاہب کے حوالے Reference ان امور میں اپنے بڑوں کی لکیر پیٹے جانا غلطی بلکہ معصیت ہے۔ انھیں اندازہ ہی نہ تھا کہ Goschen سے فلسطین آتے ہوئے نیل سرے سے پڑتا ہی نہیں۔ قرآن مجید نے 'بحر یم' وغیرہ سے جو بھی اشارے کیے ہیں ان سے مراد Red Sea کا شمالی دوشاخہ ہے۔

اسی طرح موسوی معجزہ سانپ (ثعبان — جان حیۃ) کی اہمیت جب تک

سمجھ میں آسکتی ہے جب یہ معلوم ہو کہ مصری مذہب میں سانپ کو ایک بڑے دیوتا کی حیثیت تھی۔ اسی طرح کے ایک نہیں سیکڑوں مسئلے ہیں۔ مسیحی مذہب، یہودی مذہب، مصری مذہب، بابلی مذہب، کلدانی ان سب کا مطالعہ آج کے مفسر کے لیے ضروری ہے۔

شروع پارہ سیقول کی آیت لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ سپارہ ششم کے شروع و سورۂ النساء کے رکوع ۲۰ کی مشہور آیت وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط کی تفسیر ضرور ملاحظہ فرمائیے۔

بڑے سے بڑا مفسر اور عالم بھی بہرحال بشر ہی ہوتا ہے۔ میں اندھا دھند کسی کی بھی تقلید کا قائل نہیں۔ انگریزی تفسیر میں بائبل کے حوالے بکثرت ملیں گے کہیں تائید کہیں تنقید۔ اس وقت English Bible خوب پڑھی تھی اور یہ خبط یہاں تک سوار ہوا کہ ترجمہ بھی اس کی زبان میں کیا۔ بڑے دکھ کی بات ہے کہ غلطیاں انگریزی اور اردو دونوں تفسیروں میں رہ گئیں بلکہ انگریزی میں اور زیادہ۔

میرا خاص بکسیلر آکسفورڈ کا Black Well ہے اسے اس زمانے میں Jewish Encyclopaedia کے لیے آرڈر دیا تھا انگلستان بھر میں نہ مل سکی آخر امریکہ سے اس نے ۱۲ ضخیم جلدیں منگا کر بھیجیں۔

انگریزی کا مرتوب مزید کرنے کی ہمت نہیں اردو تفسیر پر البتہ نظر ثانی کر رہا ہوں اور بہت کچھ اضافہ کرنا ہوگا۔ آئندہ ایڈیشن اگر نکلا تو انشاء اللہ ۴۰ فیصد اضافے کے ساتھ نکلے گا۔

ایلاف قریش کی ایک بالکل نئی تفسیر اب سمجھ میں آئی ہے اس کے لیے تاریخ قریش سے تفصیلی واقفیت کی ضرورت تھی۔

لیجیے میں نے اپنی ایک کتھا سنانی شروع کر دی۔ آپ کی کتاب کے اردو ایڈیشن کے بارے میں یہ عرض ہے کہ ہندوستان والے کاروباری دشواریوں کے باعث یوں ہی پاکستان

کسی آرڈر کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے جیسے وہاں والے یہاں کے آرڈر نہیں لیتے اور پھر آپ کی کتاب تو سراسر پولیٹیکل ہوئی اس کے تو نام ہی سے ذمہ دار. لیتے ہوئے گھبرائیں گے۔ اسے اُردو میں اپنانے کے لیے ایک موزوں نام مولوی رئیس احمد جعفری ندوی کا ذہن میں آتا ہے ایک زمانے میں تو آپ کے بڑے معتقد تھے یوں انکا مارکٹ ریٹ اونچا ہے لیکن آپ کے معاملے میں شاید اتنا اونچا نہ رکھیں۔ مستقل پتہ ان کا لاہور کا تھا مگر اب سُنا ہے کہ راولپنڈی چلے گئے ہیں ان کی والدہ اور بھائی عقیل احمد جعفری کراچی میں رہتے ہیں (بلاک نمبر ۵۰ پاکستان سکریٹریٹ)

بجنسہٖ ترجمہ مناسب نہ رہے گا دونوں زبانوں کے انداز بیان میں بڑا فرق ہے صرف مطالب کو اُردو میں ادا کر دینا ٹھیک ہوگا۔

ممکن ہو تو ڈاکٹر سلیم سلمہٗ بھی یہ خط پڑھ لیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) چودھری صاحب کے سب سے چھوٹے بھائی اور چوٹی کے سائنس داں (کیمسٹری)

(۲) اس باب میں چودھری صاحب بہت زیادہ بڑھے ہوئے تھے ماں کے ازحد مطیع اور فرمانبردار۔ محض ان کی خوشی کے لیے پہلی شادی خاندان میں اپنی خالہ زاد بہن سے کرلی

(۳) مکتوب الیہ نے مولانا کو لکھا تھا کہ وہ ان کی اس انگریزی کتاب کے اُردو ایڈیشن کی طباعت اور اشاعت کا انتظام ہندوستان میں کرادیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۳ اگست سنہ ۶۰ء

بھائی صاحب! السلام علیکم

تین دن ہوئے آپ کو مفصل خط لکھ چکا ہوں۔ یہ اس کا ضمیمہ سمجھیے۔

آفتاب[1] کو اطلاع ملی ہے کہ بمبئی کے جدید اخبار اردو ٹائمز[2] والے آپ کی کتاب چھاپ دینے پر آمادہ ہیں اس سے متعلق تفصیلات آپ وہیں محمد ابراہیم[3] قدوائی دریابادی سلمہٗ سے دریافت کر سکتے ہیں یہ مستقلاً بمبئی میں رہتے ہیں کئی اخباروں میں کام کر چکے ہیں ہمارے بھائی اور آپ کے اسکولی ساتھی محمد مقیم مرحوم کے بڑے لڑکے اس وقت وہیں کراچی میں آپ کے بھتیجے حمید الزماں سلمہٗ کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں فوراً ان سے گفتگو فرما کر دیکھیے۔

میں نے ترجمے کے سلسلے میں نام مولوی رئیس احمد جعفری نیر آبادی کا لکھا تھا بے چارے بیمار ہیں اور ان کا موجودہ پتہ خیر پور ریاست سندھ کا ہے۔

اس ترجمے کے سلسلے میں ایک نام اور خیال آیا عبدالوحید خاں مقیم لاہور۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) حکیم عبدالقوی صاحب کا عرف۔

(۲) بمبئی کا ایک کثیر الاشاعت اردو روزنامہ

(۳) مولانا کے ایک خالہ زاد بھائی محمد مقیم صاحب کے بڑے صاحب زادے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۸ جنوری ۶۱ء

بھائی صاحب! السلام علیکم

بڑی حیرت ہے کہ آپ کا پہلا تعزیت نامہ[1] نہ مجھے یہاں ملا اور نہ آفتاب کو لکھنؤ میں۔ اب یہ ۲۹ جنوری والا کل شام کو ملا۔ اور آفتاب کو بھی دکھلا دیا (کل جمعہ کے باعث وہ یہاں موجود تھے)

جی ہاں ہم لوگوں کے خاندان کے لیے واقعہ سخت ہوا اور پھر بالکل اچانک۔ خانگی نظم اچھا خاصا درہم برہم ہو کر رہا۔

کتاب کی جلد شائع ہونے کی خبر سے تو خوش بہت ہوا (لیکن خوف و اندیشہ شوق پر غالب ہے دیکھئے کیا کیا سننا اور برداشت کرنا پڑتا ہے)

یہ سن کر خوش ہوا تھا کہ اردو ایڈیشن کا کام بھی اس انگریز پبلشر کے سپرد ہوا ہے اپنے ہاں کے کسی ناشر سے معاملہ کرنا تو اپنی جان کو فت میں ڈالنا ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مولانا کے برادر اکبر مولوی عبدالمجید صاحب کے سانحۂ ارتحال پر۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۲ر اگست ۶۱ء

بھائی صاحب! السلام علیکم

ابھی اطلاع ملی ہے کہ آپ کی تہلکہ انگیز کتاب ۱۵ر اگست کو پریس سے باہر آرہی ہے۔ تاریخ کا انتخاب خوب رہا۔

ایک زلزلہ ۱۵ر اگست ۴۷ء کو آیا تھا دوسرا زلزلہ ۱۵ر اگست ۶۱ء کو آرہا ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) اس تاریخ کو ہندوستان کی آزادی اور تقسیم عمل میں آئی۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ر فروری ۶۲ء

بھائی صاحب! السلام علیکم

کیا بیان ہو کہ آپ کی کتاب کا کس درجہ اشتیاق تھا یہاں کہیں بھی نظر نہ آئی خیال تھا کہ انگریزی روزناموں میں ریویو کے لیے ضرور ہی آئی ہوگی تلاش ناکام رہی دف انڈین ایکسپریس نئی دہلی کے ہفتہ وار سنڈے اسٹینڈرڈ میں ریویو نظر سے گذرا جس میں داد کا حق خاصا تھا اور صرف ایک اور ریویو کا ذکر سنا جو ٹائمز آف انڈیا میں نکلا اور سنا ہی الفاتحہ تھا۔

خدا بھلا کرے آپ کے دوست لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید کراچی والے کا کہ انھوں نے اپنی کاپی عنایت کردی میں نے اسے دو چار دن کے اندر ہی پڑھا

کتاب انھیں کو واپس کردی۔ کتاب ظاہر ہے کہ اصلاً سیاسی ہے اور اس لیے میرے موضوع سے خارج پھر بھی دلچسپ اتنی ہے کہ سب کچھ پڑھ ڈالا جو شخص لکھنے لکھانے کا عادی نہ ہو اس کے قلم سے اتنی ضخیم کتاب فنی اعتبار سے بے داغ نکلنا آسان نہ تھا لیکن اللہ مبارک کرے کہ آپ اس کڑی منزل کو خوب طے کر سکے۔

ڈر رہا تھا کہ جناح صاحب کے ذکر میں بڑی تلخی ہوگی سو الحمدللہ کہ یہ بات بھی نہ ملی۔ مسائل پر تنقید دوسری شئے ہے اور لہجہ کی بلاوجہ تلخی دوسری۔ آپ کا قلم اس میدان میں کامیاب رہا۔

ڈان وغیرہ میں ریویو میری نظر سے نہیں گذرا۔

والسلام

عبدالماجد

بسم اللہ

دریابانہ

۱۶ جون ۶۶ء

بھائی صاحب! اسلام علیکم رحمۃ اللہ

یہ فرمائیے کہ آپ کی تازہ انگریزی کتاب کو دیکھنے کی کیا صورت ممکن ہے۔ پبلشر کا نام بھی مجھے نہیں معلوم۔

مسلم ریالڈ (کراچی) میں اس کی جو قسطیں نکلنا شروع ہوئی ہیں تو پہلی قسط والا پرچہ مجھے نہیں پہونچا صرف دوسری قسط نظر سے گذری اس لیے ربط و سلسلہ بھی پوری طرح سمجھ میں نہ آسکا۔

اب بہ ظاہر اس زندگی میں ملاقات کی کوئی صورت نہیں۔

گھر میں اب علیل بہت زیادہ رہنے لگی ہیں۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۳ مارچ ۶۸ء

بھائی صاحب! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

عیادت نامہ ملا۔ سرتاسر محبت و شفقت سے مملو۔ کھنسی نزلہ وغیرہ کی تھوڑی سی شکایتیں باقی ہیں ابھی دریاباد جانے کی اجازت نہیں ملی ہے۔ انشاء اللہ دو چار دن میں ملے جائے گی۔

اب لکھنؤ میں ٹھہرنا بہت کھل رہا ہے کام کا بہت بہت سخت ہو رہا ہے۔ تفسیر اردو کے نئے ایڈیشن کی تکمیل سے پہلے اگر دُنیا سے اُٹھ گیا تو ایک بڑی سخت حسرت ساتھ لے جاؤں گا لیکن دل مطمئن ہے کہ جس کا کام ہے اس کے ہاتھ میں بلا لینا بھی ہے اور یہاں رکھنا بھی۔

اب آپ سے زندگی بھر ملاقات کی صورت ہی کیا ہے۔

آپ کے میرے لیے محض افراطِ شفقت و حسن ظن نے اتنے مبالغہ آمیز الفاظ لکھوا دیے لیکن میں اپنی طرف سے واقعہ عرض کرتا ہوں کہ مجھے تو اپنے بالکے لیڈروں میں بعد محمد علیؒ سب سے زیادہ پرکشش اور دلکش شخصیت آپ ہی کی نظر آئی۔

بے چاری والدہ عتیق الزماں اللہ کو پیاری ہو گئیں اور مجھے تعزیت نامہ لکھنے کی بھی توفیق نہ ہوئی دُعائے مغفرت اسی وقت کر دی تھی۔ رفیقۂ حیات کا بڑا حق ہوتا ہے۔

شاہراہ پاکستان کے لیے چشم براہ ہوں۔

گھر میں بیوی سے لے کر لڑکیوں لڑکوں تک سب کو آپ کا خط دکھا دیا سُنا دیا سب ہی خوش ہوئے، اور انھیں میں میاں قدیر الزماں بھی ہیں ان کے لڑکے محمود جو بمبئی کی ایک بڑی کمپنی کے ایجنٹ انھیں اطراف کے لیے ہیں) کی شادی حبیبؔ کی لڑکی سے ہوگئی تھی ابھی چند ہفتے ہوئے کہ ایک بچہ ماشاءاللہ ہوا ہے زندگی کا طوفان کس بلا خیز تیزی سے رواں ہے میں نانا سے پرنانا ہوگیا۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) راقم مرتب کے بڑے بھانجے اور شیخ قدیر الزماں صاحب کے بڑے صاحب زادے

(۲) راقم مرتب کے منجھلے بھائی حبیب احمد صاحب قدوائی ایم اے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۸ر اکتوبر

بھائی صاحب!

السلام علیکم

بمبئی کے سیٹھ عمر ثوبانی مرحوم[1] تو آپ کے دوستوں میں تھے اگر ان کے کچھ حالات حافظے میں محفوظ رہ گئے ہوں اور ان کے لکھنے میں زحمت نہ ہو۔ تو براہ کرم کسی سے لکھوا دیجیے۔ جواہر لال میموریل کمیٹی والوں کو اس کی ضرورت آپڑی ہے اور ان لوگوں نے مجھ سے مدد طلب کی ہے۔

صدق انشاءاللہ اب پہونچ رہا ہوگا عجب اندھیر ہی اندھیر ہے۔

خدا کرے آپ ہر طرح بہ خیر و عافیت ہوں۔

والسلام دُعاگو

عبدالماجد

(۱) خلافت کے مشہور لیڈر

بسم اللہ

دریاباد

۲۱ اپریل ۵۴ء

بھائی صاحب! السلام علیکم رحمۃ اللہ

یہاں انگریزی میں ڈکشنری آف نیشنل بیاگرافی کئی ضخیم جلدوں میں مرتب ہو رہی ہے۔ چار مسلمانوں محمد علی، شوکت علی، خلیق الزماں لیاقت علی خاں پر مقالے میرے ایک مخلص ڈاکٹر مشیر الحق کے سپرد ہوئے ہیں۔ آپ پر مقالہ انھوں نے خاصا لکھا ہے میں نے بعض چیزوں کے اضافے کے لیے انھیں لکھ دیا ہے۔

اب مدت دراز سے تو نہ ادھر کی چھپی ہوئی چیز وہاں جا سکتی ہے اور نہ ادھر کی ادھر پہونچ سکتی ہے۔

جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

میری رائلٹی کی رقم کئی ہزار کی تاج کمپنی کے ذمہ پڑی ہوئی ہے یاد دہانی پر فرسٹ اسٹیٹ بینک کا ان کے نام کا انھوں نے بھیج دیا ہے کہ ہندوستان روپیہ بھیجنے کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۵ ارمئی ۵۴ء بھائی صاحب!

۲۹ اپریل کا خیریت نامہ ۴ ارمئی کی شام کو ملا اور ضائع نہیں ہوا یہی بہت بڑی بات ہے۔

ادھر سے تو کوئی بھی چھپی چیز کتاب اخبار رسالہ یہاں نہیں آسکتی مہینوں کیا برسوں اس پر ہو گئے۔ ادھر سے رسالے تو خیر پہونچ جاتے ہیں۔ صدق کا شمار اخباروں میں ہے اس لیے مغربی پاکستان میں کہیں بھی نہیں جا سکتا (مشرقی میں الحمدللہ جا رہا ہے)

گاندھی جی کے Collected Work کی جو جلدیں نکل رہی ہیں ان میں سنہ ۱۹۲۰ء وغیرہ کی جلدوں میں بڑی تفصیل خلافت کمیٹی سے متعلق مل جاتی ہے۔

آپ کی شاہ راہ پاکستان ابھی چند روز ہوئے محض اتفاق سے ہاتھ آگئی ہندوستان بھر میں شاید یہی ایک کاپی ہے جلدی جلدی میں ساری پڑھ گیا ماشاءاللہ نہایت دلچسپ ہے اور معلومات کا تو پورا خزانہ۔ یہ بات اس حد تک انگریزی کتاب میں نہ تھی۔

صدق میں انشاءاللہ اس کا مختصر تعارف کروں گا اور تراشہ آپ کی خدمت میں پہونچ جائے گا۔ آپ پر جو مضمون یہاں کی نیشنل ہیرالڈ میں نکلے گا اس کا ٹائپ شدہ مسودہ حاضر ہے لکھنے والے کی نظر سے اگر آپ کی شاہ راہ گذر چکی ہوتی تو مضمون یقیناً اس سے مختلف ہوتا بس یہی غنیمت ہے کہ ہندوستان میں ایسا مضمون لکھا گیا۔

میرا پچھلا خط آپ کو اس وقت تک تو ملا نہ تھا احتیاطاً اس کی نقل بھیجے دیتا ہوں۔

آپ اپنے ہندوستان کے کارناموں سے ہرگز شرمندہ نہ ہوں خدمت دین کے بیسیوں ڈھنگ اور حصول اجر کے سیکڑوں رنگ ہیں آپ نے اس رنگ سے ماشاءاللہ خوب خدمت کر لی جو آپ کی لائن کی تھی۔

اپنے متعلق آپ کے اپنے ہمت افزا کلمات پڑھتا ہوں تو بڑی شرم آتی ہے اپنے کمزوریوں۔ خطاؤں اور غلطیوں سے خود ہی خوب واقف ہوں۔

پچھلے مہینے ایک دن لکھنؤ میں عشرت سلمہ کے ہاں تھا کہ معلوم ہوا کہ تحسین سلمہا آئی ہوئی ہیں فوراً ان کے ہاں گیا سالہا سال کے بعد ملنے پر وہ بھی بہت خوش ہوئیں اور میں بھی شاہراہ انھیں کے ذریعہ سے نصیب ہوئی۔

آپ کے خط اور خیریت کے لڑکے اور لڑکیاں سب مشتاق رہتے ہیں ادھر سے جس طرح میاں آفتاب کا جانا بند ہو گیا ہے اسی طرح ادھر سے جمال میاں کی آمد بھی بند ہو گئی ہے۔ بڑی تسکین انھیں دیکھ کر ہو جاتی تھی۔

اب زندگی میں ملاقات کی اُمید ہی کیا ہو سکتی ہے بہر حال اللہ باری آپ سب کی مغفرت کرے تو اصل ملاقات تو وہیں کی ہے۔

والسلام دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی صاحب زادی جو پہلی بیوی سے تھیں۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۳ جون ۵۸ء

بھائی صاحب! وعلیکم السلام

عنایت نامے مسلسل پہونچے جزاک اللہ

۲۔ ڈاکٹر مشیر الحق رہنے والے ضلع غازی پور کے ہیں غالباً بجی آباد کے جہاں کے قمر احمد مرحوم ایڈیٹر خلافت تھے مولوی تھے اس کے بعد کناڈا گئے۔

۳۔ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن بابتہ ۱۹۶۸ء حصہ اوّل و دوم میں ایک علمی و تاریخی مقالہ کسی کرشن گوپال کے قلم سے خلافت کی تحریک پر نکلا ہے رسالہ کراچی میں ۳۔۴ جگہ جاتا ہے آپ کہیں سے دیکھ سکتے ہیں برٹش کونسل لائبریری انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ آرکیالوجی ڈپارٹمنٹ گورنمنٹ آف پاکستان، کراچی یونیورسٹی لائبریری۔

۴ ۔ میں نے اپنی رائلٹی کے سلسلے میں خود صدر پاکستان کو شروع جنوری میں لکھا تھا اس کا جواب خدا خدا کر کے دو ڈھائی ہفتے ہوئے فنانس منسٹری کی طرف سے آیا ہے کہ "آپ کے معاملے میں تاج کمپنی سے کاغذات طلب کئے گئے ہیں"

ڈاکٹر سید محمود سے ملاقات ہوئی ہوگی اسوقت کراچی ہی میں ہیں۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مرحوم ڈاکٹر مشیر الحق کے چچا تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۴ر نومبر ۵۰ء

بھائی صاحب! السلام علیکم

شورا[1] کا ایک مقالہ اسٹیٹسمین سے کاٹ کر روانہ خدمت ہے شاید کہ آپ کے دلچسپی کا ہو اور اب اس سے اپنی انگریزی کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں کام لے سکیں۔

پچھلے ہفتے لکھنؤ میں، میں ان شفیق و رفیق سلمہٗ سے ملاقاتیں رہیں اور دونوں بڑی محبت سے ملے برسوں کے بعد ان کی شکلیں دیکھنے میں آئی تھیں تقریب عقد بہت اچھی رہی کئی ہندوؤں سے بھی ملاقات ہوگئی مثلاً ترلوکی سنگھ۔ پشکر ناتھ بھٹ۔ یونس سلیم بھی اتفاق سے عین اسی دن دہلی سے آگئے تھے مہمان کی طرح نہیں ایک عزیز کی طرح شریک رہے۔

والسلام

(۱) مشہور صحافی۔

(۲) مکتوب الیہ کی پہلی بیوی سے صاحب زادگان جو اپنے بھانجے کی شادی میں شرکت کرنے پاکستان سے آئے تھے۔

(۳) یوپی کے پرانے کانگریسی رہنما اور مسلمانوں کے بڑے ہمدرد۔

بسم اللہ

دریاباد

۳۱ر اکتوبر ۵۱ء

بھائی صاحب! وعلیکم السلام

خیریت نامہ ملا۔ آپ کی کتاب شاہراہ پاکستان میرے پاس رہ کر خوب گشت میں رہی یوسف سلیم وغیرہ نے خوب پڑھی آپ کے ایک شدید دشمن سے بھی میں نے پڑھوالی۔ اب میاں افتخار[۱] کو واپس کر دی انھوں نے پٹنہ واپس بھیج دی ہوگی۔

اپنی تفسیر جلد دوم کی ایک کاپی کسی طرح آپ کے لیے مولوی حبیب[۲] ندوی کو کراچی پہونچا دی ہے ان کا پیام آیا ہے کہ پہلے وہ خود پڑھ کر آپ کو پہونچا دیں گے۔

العلم[۳] والے اگر کرم کرنا چاہیں تو رسالے کے وہ ورق الگ کر کے لفافے میں میرے پاس بھیج دیں اس طریقے سے چھپی ہوئی چیزیں آجاتی ہیں۔

عشرت میاں سے لکھنؤ میں ملاقات ہو جاتی ہے تو آپ کا تذکرہ بھی آجاتا ہے اور کبھی میاں اسحٰق بھی مل جاتے ہیں۔ علی گڑھ سال میں ایک دفعہ جانا ہو جاتا ہے تو آصف الزماں سلمہٗ سے بھی مل کر جی خوش ہو جاتا ہے۔

میاں آفتاب کا خود ہی جی کراچی کے دورے کا چاہتا ہے لیکن دیکھتے جو راستہ جانے کے قابل رہے۔

دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) چودھری صاحب کے بڑے بھائی شیخ سمیع الزماں کے صاحب زادے۔
(۲) پرانے خلافتی کارکن جو مولانا شوکت علی کے پرائیوٹ سکریٹری رہ چکے تھے۔
(۳) پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کا علمی رسالہ۔

خطوط بنام ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب[1]

وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی پشاور

بسم اللہ

دریاباد
۱۳ نومبر ۵۳ء

کرم گستر! السلام علیکم رحمۃ اللہ

اس نیاز نامہ کے حامل جناب قاضی محمد زاہد الحسینی[2] سے گو کبھی شرف لقا حاصل نہیں ہوا لیکن وہ مدت دراز سے مجھ پر اور صدق پر غائبانہ کرم فرما رہے ہیں اور دل اُن کے لیے شکر گزار اور دُعا گو رہتا ہے۔

آپ کے الطاف تو عام رہتے ہیں یقیناً ان کے ساتھ بھی ہوں گے لیکن اس عموم میں کچھ خصوص ان کے لیے پیدا ہو جائے تو یہ بھی آپ کے لطف و کرم سے کچھ بعید نہیں۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا شمار دنیا کے نامور ترین ماہر اور فاضل ریاضیات کی حیثیت سے ہوتا ہے

پہلے جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر تھے اور پاکستان منتقل ہونے کے بعد مدت تک پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے اور اس کے بعد اسلام آباد یونیورسٹی کے۔

(۲) قاضی صاحب موصوف پاکستان کے صاحب تصنیف عالم دین تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۵ اگست ۵۸ء

برادرم!

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ بہ طرح بہ عافیت ہوں۔ آپ کا مقالہ یا نشریہ آئین اسٹائن اور ردالحاد پر حال میں پڑھ کر بڑا جی خوش ہوا تھا اور صدق میں اس کا ایک حصہ نقل بھی کر دیا تھا۔

یہ نیاز نامہ ایک خاص غرض سے ہے سنا ہے کہ آپ کے ہاں ایم اے کلاس فلسفے میں بھی کھلنے والا ہے اور پروفیسر کے حیثیت سے کسی صاحب کا تقرر تقریباً ہو ہی چکا ہے۔ یہ اگر صحیح ہے تو سینئر لکچرر کی جگہ ابھی غالباً باقی ہو اس خالی جگہ کے لیے نام آپ کی توجہ کیلیے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا لانا چاہتا ہوں۔ وقت کے بہترین فلسفی ڈاکٹر سید مظفر الحسن مرحوم کے شاگرد رشید ہیں اور جہاں تک ان کی تحریروں کا تعلق ہے۔ یہ بے علم شہادت دے سکتا ہے کہ فلسفے خصوصاً اسلامی فلسفے پر فاضلانہ نظر ہے اور ہر طرح باوقعت ہیں۔ باقی کا تجربہ درس و تدریس تو میرے خیال میں وہ بھی کافی ہے کئی سال سے لاہور میں پڑھا رہے ہیں۔

بہر حال فیصلہ تو آپ ہی لوگ کریں گے میں نے ازراہ اخلاص ان کا نام پیش کر دیا۔ پشاور میں میرے جاننے والے کئی ایک ہیں ان میں ایک قاضی نورالحق ندوی ہیں جو آپ کے ہاں شعبۂ اسلامیات میں ہیں ایک عزیز خاص میرے بھی اور ناظر یار جنگ حیدرآبادی کے بھی ہوائی فوج میں غالباً Squadron Leader کے عہدے پر ہیں شیخ فہیم الزماں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) سابق پروفیسر صدر شعبۂ فلسفہ مسلم یونیورسٹی ان کی اسلامیت کے مولانا بے حد قائل تھے۔

مکتوبات بنام سید سلیمان صاحب ندوی

بسم اللہ

۳ ستمبر ۵۳ء

عزیزی سلمہٗ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

کیا لکھوں کہ خبر صاعقہ اثر سن کر دل پر کیا گذری۔ بہرحال جو مشیت تھی وہ پوری ہو کر رہی اور رسولؐ کا سیرت نگار اپنے اللہ کے حضور میں مزید انعام سے سرفراز ہونے کے لیے حاضر ہو گیا اس کے انعامات و سرفرازیوں کا کیا ٹھکانا۔ ہم دنیا والے تو اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن بہرحال ظاہری و مادی مفارقت سے صدمہ ہونا بھی انسان کے لیے ایک امر طبعی ہے۔ اللہ ہم سب کو صبر دے۔ یتیم ایک خاندان نہیں ساری ملت یتیم ہو گئی ہے اور جس کا جتنا رشتہ اور تعلق اسی قدر اس کا غم و صدمہ بھی بالکل قدرتی ہے۔

آں عزیز اپنے دل کو یہی کہہ کر تسلی دیں کہ اس سوگ میں دو چار دس بیس افراد خاندان نہیں لکھو لکھا افراد امت شریک ہیں تعزیت نامے میرے پاس بھی کثرت سے آ رہے ہیں اور صادق میں رفتہ رفتہ سب شائع ہوں گے۔

اپنی والدہ ماجدہ کو یاد دلائیں کہ بیوگی تو عورت کے حق میں قابل قدر رحمت و نایاب کرم ہے۔

عائشہ صدیقہؓ اور کتنی پاک بیویوں کو یہی برکت ملی۔ اس کی پوری قدر تو وہاں پہونچ کر ہوگی اور وہاں پہونچنے میں دیر ہی کتنی ہے اللہ ان کا سایہ مدتوں ان کی اولاد کے سر پہ رکھے بہرحال بڑی سے بڑی مدت بھی کٹتے کچھ دیر نہیں لگتی منزل سب کی ایک ہی ہے اور سب دوڑتے بھاگتے وہیں پہونچ رہے ہیں۔

آں عزیز نے کچھ اپنا حال نہ لکھا یعنی اب کیا کرتے ہیں پڑھائی کہاں تک پہونچی سلسلہ معاش اب کیا رہے گا وغیرہ۔

سیرۃ سلیمانی کے لیے نام غلام محمد حیدرآبادی[3] سلمہٗ کا ذہن میں آرہا ہے مدتم سب لوگ دیں گے۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے فرزند اصغر ہیں یہ اب ڈربن یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ کے استاد ہیں۔

(۲) یعنی حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے سانحہ ارتحال کی خبر سن کر۔

(۳) حضرت سید صاحب کے مسترشد جو حیدرآباد سے پاکستان منتقل ہوگئے تھے۔ یہ مولانا کے بھی بڑے ارادت مند تھے اور مولانا کے آخر زندگی تک ان کے خطوط برابر آتے رہے مولانا اخلاص کے ساتھ ساتھ ان کی فہم کے بھی بہت قائل تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ جون ۵۰ء

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

اگر آں عزیز نے اپنے کارڈ میں یہ لکھ دیا ہوتا کہ میں عنقریب ہی چند روز کے لیے والدہ ماجدہ کے ہمراہ سیتاپور جا رہا ہوں تو یہ غلط فہمی نہ ہوتی۔

بہرحال اب تو شاید دو ہفتوں بعد ہی لکھنؤ جانا ہو ملاقات جب ہی ہو سکتی ہے خدا کرے آپریشن ہر طرح کامیاب ہو گیا ہو۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۳ اگست ۵۰ء

عزیزم سلمہٗ اللہ! السلام علیکم

اللہ خوش رکھے بڑے کام کی بات بتلادی۔ واقعی بڑی فاحش غلطی کاتب اور پروف ریڈر صاحب کی عنایت سے رہ گئی تھی۔

'ختم' کا لفظ چھوڑ دینے سے مطلب ہی بالکل الٹ گیا۔

میں اس معاملے میں خاص طور پر بدنصیب اور مظلوم ہوں میری کتابوں اور مضمونوں میں غلطیاں بڑی ہی کثرت سے راہ پا گئی ہیں۔ اور اس میں بڑا دخل میری بدخطی کو بھی ہے میرے بعد خدا معلوم کتنے اعتراضات میرے اوپر انہی اغلاط مطبعی کی بنیاد پر ہوں گے اس کا

کوئی علاج نہیں۔ وداعی دعا کس زبان سے دوں۔ دل لگ جانے کے بعد اس دعا کو تو جی ہی نہیں چاہتا لیکن پھر یہ نہ کروں تو کیا کروں۔ اب طوعاً ہو تو کرہاً ہو تو بہرحال یہی کرنا ہے۔ خیر اللہ پھر خوشی کے ساتھ ملائے۔ تقسیم کے بعد ان جاں گسل مصیبتوں کا اندازہ کسی کو ہو سکتا تھا۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۳ اگست ۵۹ء

عزیزم سلمہ اللہ! وعلیکم السلام

خیریت نامہ خوب ملا۔ ہندوستان ہی سے۔

کاش ویزا میں لکھنؤ کا نام بھی ہوتا۔ ملاقات رہی ہی ہو جاتی۔ جلد جلد ملاقات ہوتے رہنے کے اب امکانات ہی کیا ہیں۔

موضوع کے لیے ہشام کا انتخاب خوب کیا ہے بنو امیہ کو میں مظلوم سمجھتا ہوں۔ کوئی تاریخ ان لوگوں کی بلکہ ان کے بارے میں لکھی ہوئی میری نظر سے نہیں گزری۔ جو کو فخالفین نے جس جس طرح چاہا بنا کیا! جیسے آج امریکہ کی تاریخ روس والے لکھ رہے ہیں یا برطانیہ کی تاریخ کوئی جرمن والے، یہ اندھا اور اندھا دھند تعصب گویا فطرت بشری کا ایک جزو ہے خدا کرے آپ عزیز کا قلم کچھ تو ان مظلوموں کی طرف سے دفاع کر سکے۔

ہاں محمود و عباسی کی تازہ خلافت، معاویہ و یزید نظر سے گزری ہوگی اگر کوئی مختصر تبصرہ اس پر ممکن ہو تو صدق انشاء اللہ اس کے لیے گنجائش نکالے گا۔ ابھی کب تک قیام یہ طے میں ہے؟ بہنوں کی بات چیت کہیں ٹھہری! عاصمہ میاں تو بخیریت ہوں گے

ہاں کراچی کا مستقل پتہ لکھیں سید حسین سلمہٗ کو سلام۔

والسلام دُعاگو و دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱۱) حضرت سید صاحب کے بھتیجے اور داماد۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ اپریل ۶۰ء عزیزم سلمہ اللہ! وعلیکم السلام

بارک اللہ۔ تقریب سعید اللہ ہر طرح مبارک کرے۔ اپنی والدہ صاحبہ کو خاص طور پر مبارک باد ہم سب کی طرف سے پہونچا دینا۔ یہ ڈاکٹر عطاء اللہ کوئی اپنے عزیزوں میں سے ہیں؟ یا اجنبی اور کہیں اور کے ہیں؟ عاصم میاں بھی ساتھ ہی رہتے ہیں؟ یا وہ بدستور اسی پرانے مکان میں۔ اپنا حال بھی ضرور لکھنا یعنی ایم اے کرنے کے بعد پھر اب کیا مشغل ہے۔

والسلام دُعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی بہن کی شادی۔

بسم اللہ

دریاباد

۴ مئی ۶۰ء عزیزی سلمہ اللہ! وعلیکم السلام

یہ ممکن کیوں کر تھا کہ میرٹھ سے خط پہونچے اور میں جواب نہ دیتا۔ بات عرصہ کی ہوگئی لیکن اتنا خیال پڑتا ہے کہ ایک خط ملا تھا اور اس کا جواب دے دیا تھا۔

جرمنی جانے کی خبر مسرت انگیز ہے عنوان دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مناسب ہیں۔ نظام الملک اور خوارج دونوں پر کام ہو سکتا ہے۔ مغربیوں خصوصاً جرمنوں نے کام اسلامیات سے متعلق بے شک بہت کیا ہے۔ لیکن جا بجا زہر افشانی بھی کرتے گئے ہیں بس اس شر سے اللہ محفوظ رکھے۔

اشرف خاں پشاوری کی تحریک پر خیال ہو رہا ہے کہ اپنے نام کے مکتوبات سلیمان مرتب کر کے چھاپ دوں۔ کام خاصا وقت لے گا اس لیے اب تک پس و پیش رہا۔ خطوط محفوظ رہ گئے ان کی تعداد ۳۸۲ ہے۔ پہلا خط ۱۳ بلکہ شاید ۱۲ کا ہے۔ اخیر زمانے میں مراسلت بہت کم رہ گئی تھی شروع میں بہ کثرت رہی۔ حاشیے بڑی کثرت سے دینے پڑیں گے معاصر شخصیتوں کا ذکر قدرتی بہت جگر ناگواری کے ساتھ ہے۔ اس خط میں عاصم میاں کا کچھ ذکر نہ تھا۔ آئندہ جب کبھی بھی خط لکھنے کی نوبت آئے تو اس کا منتظر رہوں گا۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۲۱ ستمبر ۶۰ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام

خط پا کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اللہ دینی اور دنیوی ہر طرح کی حسنات سے بہرہ ور کرے۔ وہ مضمون جو تیار کیا ہے اگر اسے ہندوستان میں شائع کرانا ہو تو اس کے لیے مدینہ (بجنور) بہتر ہوگا۔ وہی فریق مخالف کا خاص نقیب ہے۔ اور یوں تو پاکستان

میں متعدد پرچے ہو سکتے ہیں۔

تذکرۂ سلیمانی پہونچ گئی تھی جلدی جلدی اور بڑے شوق سے پڑھ ڈالی۔ بہ حیثیت مجموعی بہت خوب ہے اور جا بجا بڑی مؤثر۔ البتہ کتاب کے نصف اوّل میں بیان واقعات میں متعدد کوتاہیاں ہوگئی ہیں اور ایک جگہ تکلیف دہ حد تک۔ ایک مفصل نجی خط میں انشاء اللہ مصنف کو لکھ بھیجوں گا (آئندہ ایڈیشن کے لیے)

بہن کی شادی مبارک ہو اب تو اپنے لیے فکر کرنا چاہیئے۔ اپنی والدہ ماجدہ اور میاں عاصم سلمہٗ کے مشورے سے۔

والسلام دُعاگو

عبدالماجد۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۲ مئی ۶۱ء

عزیزہ سلمہا اللہ! وعلیکم السلام

اللہ بہن کا عقد ہر طرح مبارک کرے۔ دعوت نامہ کل ۱۱ کی شام کو موصول ہوا۔ اپنی والدہ ماجدہ کو دلی مبارک باد ہم سب کی طرف سے پہونچا دیجیے۔

دُعاگو

عبدالماجد۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۶ اپریل سنہ ۶۳ء

عزیزم سلمہ اللہ ! وعلیکم السلام

محبت نامہ بڑے وقت سے ملا۔ خوش وقت کیا۔

مارچ کے پہلے ہفتے سے بیمار پڑا۔ دو ہفتے کے بعد مجبوراً لکھنؤ آنا پڑا۔ ۱۲ سے یہیں ہوں اور اب بحمداللہ بہت بہتر ہوں۔ بخار بالکل جاتا رہا۔ البتہ کھانسی اب بھی خاصی ہے۔ خصوصاً رات کے وقت اور ضعف تو ظاہر ہی ہے۔ اب کوٹھے سے ایک بار نیچے آنے لگا ہوں۔ مسجد تک کی ہمت ابھی نہیں۔

کتبہ انشاء اللہ ۱۵ء میں نکلے گا۔ خوب ہے۔ آیت تو خوب ہی مل گئی غلام محمد کا کیا کہنا ایک ہی وقت میں صاحب دل بھی صاحب نظر بھی صاحب فہم سلیم بھی اور میں خصوصیت سے قائل و معتقد ان کے اس آخری وصف کا ہوں۔ بزرگ مل جاتے ہیں لیکن خوش فہم کوئی شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔

مکتوبات سلیمان کے لیے شرمندہ ہوں کہ کام بڑی سست رفتاری سے ہو رہا ہے (مشکلات کا پورا اندازہ کام شروع کرنے کے بعد ہی ہوتا ہے) اب بہار کے ایک صاحب نے جو میرے اور سید صاحب دونوں کے مخلص خصوصی ہیں ایک معقول رقم مبیضہ نویس کے لیے پیش کر دی ہے انشاء اللہ اب رفتار تیز ہو جائے گی۔ دوسرا مرحلہ چھپائی کا سامنے آیا ہے شروع کے خط مولانا ابوالکلام کے حق میں بڑے تند و سخت ہیں اور مولانا ابوالکلام کے بھی ایک بڑے اہم جوابی خط کی نقل دارالمصنفین سے مل گئی ہے۔

اب کی ملاقات کو وقفہ زیادہ طویل ہو گیا۔

میاں عاصم سلمہ تو کراچی میں بدستور و بہ عافیت ہوں گے۔ مدت

سے ان کی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔

والسلام
عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
۱۵ جولائی ۶۴ء

عزیزی سلمہ اللہ! وعلیکم السلام

مدت دراز کے بعد آج لکھنے کی نوبت آرہی ہے۔ کوئی خاص ضرورت بھی اس درمیان میں دائمی نہ ہوئی۔ انشاء اللہ ہر طرح خیریت سے ہوں گے۔

بڑی خوشی ہوئی یہ سنکر کہ آں عزیز کی اہلیہ بھی وہاں پہونچ گئیں۔ اس سن وسال کے لیے ایک طویل عرصے تک مجرد رہنا خصوصاً اس ماحول میں ایک بڑا آزما مجاہدہ تھا۔ الحمد للہ کہ یہ منزل کٹ گئی اور پردہ و حجاب کا انتظام تو وہاں کسی درجے میں کیوں بن پڑتا ہوگا۔

مکتوبات کی مانگ خدا کے فضل سے توقع سے بڑھ کر رہی۔ تبصرے ۲۰ کی تعداد میں اب تک نکلے اپنی عادت و معمول کے خلاف سب پڑھے اپنی کتابوں پر تبصرے نہیں پڑھا کرتا۔ ان میں تمام تر مدلحانہ تھے۔ ایک ۵۰ فیصدی صرف دو مخالفانہ بلکہ معاندانہ بدزبانی سے لبریز۔ ایک لاہور کے ہفت روزہ جس کی نظریں مستقل طور سے مبغوض ہوں۔ دوسرا بمبئی کے ایک گمنام ماہنامہ میں۔

حصہ دوم کا مسودہ صاف شدید پریس میں جانے کو تیار ہے۔ بس جوں ہی میری جیب اس کی اجازت دے کاغذ چھپائی وغیرہ کی جو بڑھی ہوئی شرحیں آج کل ہیں ظاہر ہیں۔

حکیم الامت کے سے ایڈیشن کے لیے مولوی رئیس احمد جعفری خود ہی تیار ہو گئے ہیں

مسودہ اسی ہفتے انھیں روانہ کر دیا ہے۔

مولانا محمد اویس نگرامی بحمداللہ سیٹ ہو گئے ہیں۔ صدق ہی میں انشاءاللہ نکلیں گے۔

علی میاں، مولانا عمران خاں، مولانا اویس، تینوں کے متحدہ ارشاد کی تعمیل میں میں نے استعفا دارالمصنفین کی صدارت و رکنیت سے واپس لے لیا ہے۔

اب کام کیا کیا ہو رہا ہے۔ اور کہاں تک پہونچا ہے واپسی کی توقع کب تک ہے۔

سید صحی احمد صاحب سندیلوی لکھنؤ کئی ہفتے سے آئے ہوئے ہیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) امریکہ کے ماحول میں۔

(۲) اردو کے مشہور مصنف اور مولانا کے بڑے معتقد۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۸ فروری ۶۵ء

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

نیریت نامہ خوب مفصل انشاءاللہ عصر میں مل گیا تھا۔ جواب آج کل پر ٹلتا رہا کوئی بات عجلت والی تھی بھی نہیں۔

خط کے بیش تر حصہ صدق کے قابل تھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دو تین نمبروں میں دے دیا۔

گائے مسلمان وغیرہ۔

جون ۶۵ء تک واپسی کی خبر سے کچھ تسلی ہوئی حالانکہ تعلق والوں کو اتنی مدت بھی پہاڑ معلوم

ہوگی اور والدہ بے چاری تو ایک ایک دن گن گن کر کاٹ رہی ہوں گی۔ کل ۱۹ کو انشاء اللہ عزم اعظم گڑھ ہے جشن طلائی ۲۰ - ۲۱ کو ہے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کی صدارت ہیں اور بھی بہت سے لوگ آرہے ہیں۔ منسٹر وغیرہ جمال میاں فرنگی محلی، مولانا عمران خاں وغیرہ کے ذریعہ سے چند روز خوب وصول ہوگیا۔ دھوم دھام رہے گی۔

میں نے ایک مقالہ ۲۰ - ۲۵ منٹ میں پڑھنے والا تیار کرلیا ہے عنوان ہے شبلی نعمانی مصنف مصنف گر لیکن زیادہ بڑے مجمع کے سامنے سنانے سے گھبراتا ہوں آواز بھی کام نہیں دیتی۔ کوشش کروں گا کہ نوبت ہی پڑھنے کی نہ آئے کوئی دوسرا سے پڑھ نہیں سکتا تاوقتیکہ میرے سامنے دو ایک بار مشق نہ کرے۔

مکتوبات حصہ دوم کو پریس میں گئے ہوئے کئی مہینے ہو چکے ہیں۔ اصل سوال جیب کا ہے ذرا جیب گرم ہوئے تو پریس سے تقاضا کروں۔

جلد اوّل پر اخباروں اور رسالوں نے تبصرے بہت اچھے کیے اور کتاب خوب نکلی مخالفت کا رقبہ بہت محدود رہا اور مخالفین میں ایک نمایاں نام مولوی نجیب اشرف ندوی کا۔

ع زخاک مکہ۔

اور کوئی بات خیال میں نہیں آتی۔ خیریت نامے کا برابر انتظار کرتا رہوں گا۔

دُعاگو و دُعا خواہ

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ ستمبر ۷۲ء

عزیزم سلمہ اللہ ! السلام علیکم

آں عزیز کی توجہ کے طفیل میں آخر مسلم ورلڈ آنا شروع ہو گیا ورنہ ہر طرف کوشش کر کے تھک گیا تھا ابھی تو پہلا نمبر آیا ہے جنوری ۷۳ء کا۔

بیرونی کتابوں کا قحط ایسا یہاں پڑ گیا ہے کہ کیا بیان ہو۔ نیم معمولی گرانی تو ظاہر ہی ہے ساتھ ہی نایابی بھی اور پاکستان سے تو مراسلت کی کوئی صورت ہی نہیں۔ مدتوں سے یہی حال چلا آرہا ہے۔ چند سال پہلے کون اس صورت حال کا خیال کر سکتا تھا۔

والدہ صاحبہ تو کراچی میں ان شاء اللہ بدستور بہ خیریت ہوں گی۔ میاں سید حسین ابھی تک آگرہ میں ایڈیشنل کمشنر تھے اس ہفتہ کہیں اور تبادلہ ہوا ہے غالباً فیض آباد میں۔

میاں غلام محمد اور اشرف خاں پشاوری کبھی کبھی بڑے چکر دار راستوں سے خط کا ارمان نکال لیتے ہیں۔

جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

باں کیا نیشنلٹی امریکہ کی لے لی ہے۔ کتنے سال مستقل قیام کے وہاں ہو گئے؟ والدہ کو دیکھنے کا جی نہ چاہتا ہوگا۔ کتنے بچے ماشاء اللہ اب ہیں؟ علمی مشغلیں کیا کیا طے کیں۔ حیات سلیمانی شاہ معین الدین احمد ندوی اختر کر کے بڑی حد تک پوری کر چکے ہیں کچھ حصہ اب بھی باقی ہے مسودہ میرے پاس آتا رہتا ہے۔ اگر نیشنلٹی امریکی ہو چکی ہے تو ہندوستان آنا تو نسبتاً آسان ہوگا لکھنؤ اور فیض آباد وغیرہ سے کا گشت ہو سکتا ہے۔ واشنگٹن کے اسلامک سنٹر کے صدر ڈاکٹر عبدالرؤف کون شخص ہیں کہاں کے ہیں؟ کیا کرتے ہیں؟ کیا پڑھتے ہیں۔

ہاں اپنی ذاتی غرض تو ابھی تک زبان پر لایا ہی نہیں مسلم ورلڈ کی دستیابی نے پیاس بجھا دی

نہیں کہیں زائد پڑھا وی ہے۔ اسی نمبر میں تین کتابوں کے نام ایسے دیکھے جن کے لیے دل بیقرار ہے۔
میں پہلے ہی اتنا شرمندہ ہوں کہ آگے ہمت زبان کھولنے کی نہیں لیکن بہرحال تینوں میں سے جو کتاب بھی اسکنڈ ہینڈ میں کوئی مضائقہ نہیں، میسر آسکے اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ قیمت اور ادائی کے طریق سے مطلع فرمادیجیو۔

یہاں تو غالباً ۵۹ء میں تھے ۱۳ برس دیکھے ہوئے ہو گئے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ اگست ۶۳ء

وعلیکم السلام ! نعیم سلمہ اللہ !

خیریت نامہ عرصے کے بعد ملا لیکن خوب ملا۔ دیر آید درست آید اسی کو کہتے ہیں کتابوں کا تحفہ تو علی نور سیرت پاک پر کتاب خصوصاً میرے کام کی نکلی۔

اور پھر وہ سارا قیمتی تحفہ گویا مفت ہی ملا۔ جزاک اللہ خیر الجزا کے سوا اور کیا کہوں سلیمان زادہ سے توقع بھی اسی کی تھی۔

ڈربن یونیورسٹی میں آجانے کی خبر سے خوش ہوں محبت نامہ کے حوالے سے (بہتیرا نام لائے ہوئے) صدقی میں دو ووٹ دے رہا ہوں۔

یہ بہت اچھا کیا کہ اپنی والدہ ماجدہ کو آکر دیکھ گئے اور یہ بھی بہت اچھا کیا کہ ان کی اور میاں غلام محمد دونوں کی خیریت لکھ بھیجی۔

آج بڑا اہم دن ہے۔ ہند و پاکستان کی کانفرنس دہلی میں ہو رہی ہے۔ اللہ اب۔

فریقین کی سمجھ درست کر دے تو بڑی بات ہے۔

ہاں اپنی اولاد کا دل کچھ نہ لکھا ماشاءاللہ کے بچے ہیں۔ حافظ اشرف خاں نے افغانستان کے واسطے سے ایک راستہ مراسلت کا نکال لیا ہے۔ مولانا عبدالباری بے چارے بہت زیادہ علیل رہنے لگے ہیں اور بڑی بات یہ کہ نسیان حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے ابھی بات کہی اور ابھی بھول گئے اپنی قومیت ابھی تک تو پاکستان ہی کی رکھی ہے ۱۹۴۷ء کی تو نہیں کر لی۔ علی میاں مدت سے ممالک اسلامی کے دورے پر تھے۔ آج ہی کل میں واپسی کا پروگرام ہے۔ مقالہ عبداللہ ابن زبیر کے چھپنے کا انتظار ہے اور اس انگریزی کتاب Islam in English literature کا اشتیاق تو باقی ہی ہے جب بھی اس کا پورا ہونا ممکن ہو۔

کیا انٹرنیشنل پاسپورٹ پر ہندوستان کی آمد بھی ممکن ہے!

میاں سید حسین توفیق آباد میں کمشنر ہیں؟ اب ماشاءاللہ حاجی ہو گئے ہیں۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مکتوبات بنام شعیب قریشی صاحب

بسم اللہ

دریاباد

۹ دسمبر ۵۳ء

برادرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن پاک کا مسودہ جیسا کہ آپ کو علم ہوگا تاج کمپنی کے ہاں سالہا سال سے پڑا ہوا ہے۔ اب شیخ عنایت اللہ کا بیان ہے کہ اور انتظام مکمل ہو چکا ہے۔

دیر صرف کاغذ ملنے کی ہے۔

اگر آپ کی توجہ سے انہیں کاغذ مل جائے تو یہ احسان میری ہی ذات پر نہ ہوگا بلکہ براہ راست خدمت قرآن ہوگی اور اس کی اہمیت آپ پر روشن ہی ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ علی گڑھ کے بڑے ذہین گریجویٹ تھے جنگ بلقان میں انصاری میڈیکل مشن گیا تھا اس کے یہ بھی اہم رکن تھے تحریک خلافت اور ترک موالات میں بڑے پیش پیش تھے۔ گاندھی جی کی گرفتاری پر ینگ انڈیا کے ایڈیٹر رہے۔ کانگریس کے جنرل سکریٹری بھی رہے نہرو رپورٹ کے مسئلے پر انھیں کانگریس سے اختلاف ہوا پھر نواب صاحب بھوپال نے اپنے ہاں بلالیا اور وہاں اونچے عہدے پر ممتاز رہے۔ مولانا محمد علی کی چھوٹی صاحب زادی گلنار بیگم سے ان کی ۱۹۳۰ء میں شادی ہوئی۔ پاکستان بننے کے بعد پہلے وہ بمبئی سندھ میں پاکستان کے ہائی کمشنر مقرر ہوئے اس کے بعد وزارت میں لیے گئے اس کے بعد انقلاب حکومت کی وجہ سے گوشہ نشین ہو گئے۔ اور ان کا انتقال مولانا سے خاصا پہلے ہوا۔

بسم اللہ

دریاباد۔

۲۰ جنوری ۵۵ء۔

برادرم! السلام علیکم

سفارت عراق کی خبر پڑھ کر سوچ ہی رہا تھا کہ مبارک باد کا تار دوں یا خط لکھوں کہ ایک ذاتی فوری ضرورت خط ہی لکھنے کی پیش آگئی۔

کسی کی سعی و سفارش کرنے میں میں خود بڑا کچا اور بدہمت ہوں لیکن اب اسے کیا کروں

کہ کبھی کوئی ضرورت ناگزیر سی پیش آجاتی ہے۔

میرے ایک عزیز ترین دوست و مخلص اور ہندوستان کے مشہور نثر نگار مولانا مناظر احسن گیلانی کے صاحب زادے محی الدین حسن گیلانی آپ کے ہاں حیدرآباد سندھ میں کنٹونمنٹ مجسٹریٹ ہیں۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں سی ایس ایس کا امتحان پاس کیا اور اب ڈپارٹمنٹل امتحانوں کی منزل سے گزر رہے ہیں ۹ پرچوں میں سے ۸ میں پاس ہو گئے ہیں صرف نویں پرچے میں جس کا تعلق شاید ریاضی سے ہے ان کے نمبر ۶۶ فی صدی سے کم آرہے ہیں اس لیے ناکام قرار دیئے جاتے ہیں اور اُن سے جواب طلب ہوا ہے کہ برخاست کیوں نہ کر دیے جائیں۔ خدانخواستہ کہیں ایسا ہوا تو وہ غریب بے موت مر جائے گا۔

اگر قانون قاعدے کے اندر کوئی گنجائش نکل سکتی ہو تو بیچارے کے بچانے کے لیے کوئی صورت ضرور نکالیے اور کسی نہ کسی طریقے سے مجھے یا اس کو مطلع بھی فرما دیجئے۔ آپ کے پوزیشن کی نزاکت کو خوب سمجھتا ہوں اور بار خاطر ہرگز بننا نہیں چاہتا لیکن اتنا کہے بغیر کوئی چارہ ہی نظر نہ آیا۔

مرحومہ آج ہوتیں تو آپ کے نئے تقرر پر کتنا خوش ہوتیں۔ زندگی نام ہی ان حسرتوں اور تمناؤں کا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوبات بنام زاہد شوکت علی صاحب

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ دسمبر ۵۳ء

عزیزم سلمہ اللہ ! وعلیکم السلام

ڈاکٹر سید محمود کو تو میں نے ہی آپ کا نام اپنے عوض میں لکھ بھیجا تھا خود اتنا وقت کہاں سے لا سکتا ہوں فصوصاً جب لکھنا انگریزی میں ہوگا اردو سے اس میں زیادہ ہی وقت لگتا ہے۔

ہمت کر کے آپ ہی بسم اللہ کیجئے سامان آپ کے پاس موجود ہی ہے۔ لکھنے میں نور الحسن صاحب وغیرہ سے پوری مدد لیجئے اور درمیان میں مجھ سے بے تکلف ہر قسم کا مشورہ کرتے رہیے اس کے جا بھی ضرورت سمجھئے تو نظر ثانی میں پوری طرح کر دوں گا۔ اس کا وعدہ کرتا ہوں۔

لکھنے میں دو ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔

(۱) ایک طرف تو مسلمان فصوصاً علی برادران اور محمد علی کی خدمات اور جد و جہد کی قیمت نہ گھٹنے پائے۔

(۲) لیکن دوسری طرف یہ بھی نہ ہو کہ تحریک خلافت کو محض ایک ضمیمہ انڈین نیشنل ازم کا سمجھ لیا جائے۔ علی برادران ان سب سے پہلے مسلمان تھے اور تحریک خلافت اصلاً مذہبی ہی تھی البتہ نہ ان کا اسلام و طینت کے منافی تھا اور نہ ان کی مذہبیت نے ان کے ولولے تازہ دمی میں کوئی کمی آنے دی۔

نیہ تیرا نامہ پا کر دل خوش ہو گیا لیکن اس میں کچھ خانگی حالات نہ لکھے۔ دل

ان میں بھی لگا ہوا تھا لڑکے اب ماشاء اللہ کیا کرتے ہیں؟ زہرہ بی بی کہاں ہیں بمبئی میں یا کراچی میں؟ بھائی ذوالفقار علی خاں صاحب کا نام مدت سے سننے میں نہیں آیا۔

میاں عثمان وغیرہ کہاں ہیں پچھلے خطاب یاد نہیں رہے خدا معلوم ان میں کیا لکھا تھا محمد علی ذاتی ڈائری کے چند ورق کا مسودہ دو جلدوں میں مدت سے لکھا ہوا پبلشر کے انتظار میں پڑا ہوا ہے۔ اس نومبر میں ایک چھوٹا سا فرمن شوکت علی پر مولوی رئیس احمد جعفری کی فرمائش پر ان کے ماہنامہ ریاض کے لیے بھیجا ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا شوکت علی کے بڑے صاحب زادے تھے اور مولانا محمد علی کے بڑے داماد اور انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ خلافت کے منیجر مولانا شوکت علی کی زندگی میں بھی تھے۔ مولانا کے انتقال کے بعد اپنی زندگی کے آخر تک خلافت کمیٹی کو زندہ رکھے رہے۔

(۲) غالباً ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ کے سلسلے میں تاریخ خلافت پر لکھنے کے لیے مکتوب الیہ نے مولانا سے فرمائش کی تھی۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۶ اپریل ۵۷ء

عزیز مکرم! السلام علیکم

۱۔ خلافت میں آں عزیز کے ناقابل فراموش کی خبر پڑھ کر دلی مسرت ہوئی اللہ شفائے کامل دے۔

۲۔ عابد سلمہ کا حال بھی مدت دراز کے بعد خلافت ہی سے معلوم ہوا اللہ انھیں بھی جلد اچھا کر دے دیکھئے کیسے بیگانہ بن گئے خطوط تک سے بیگانگی ٹپک رہی تھی۔

ہاں سید عزیز حسن[۲] بقائی مرحوم کی اتنی مدح و ستائش خلافت میں کسی طرح درست نہ تھی۔ علی برادران خصوصاً محمد علی کے ساتھ بوشیدہ بدزبانی علی بابا اور چالیس چور کے اس مصنف نے روا رکھی اور ہمیں آج تک اس نے کوئی پبلک معذرت نہ کی اسے کیسے بھلایا جا سکتا ہے آپ کے ایڈیٹر صاحب معلوم ہوتا ہے ان سے واقفیت کچھ یوں ہی سی رکھتے ہیں۔

۴ ۔ انقلاب کے ساتھ بجتا بھی اب ختم ہونا چاہیئے۔

ابھی اخبار میں پڑھا کہ سرکاری تاریخ جنگ آزادی کا کام ڈاکٹر تارا چند کے سپرد ہوا ہے یہ تارا چند (سری پرکاش کی طرح) اُن چند بے تعصب مسلم دوست ہندوؤں میں ہیں جن پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے کوشش کیجیے کہ اس تاریخ میں خلافت کمیٹی خصوصاً محمد علی کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی جو مکتوب الیہ کے انتقال کے بعد خلافت کمیٹی کے سکریٹری رہے۔

(۲) دہلی کے اردو اخبار نویس جو ایک رسالہ پیشوا نکالتے تھے۔

(۳) بمبئی کا مقبول اردو روزنامہ جس سے خلافت سے اس زمانے میں بڑی مخالفت تھی۔

بسم اللہ

ذکریا باد

۲۲ دسمبر ۵۸ء

عزیز مکرم! وعلیکم السلام

افاقہ نامہ پاکر دلی مسرت ہوئی۔ علالت کا حال برابر دوسرے ذرائع سے معلوم ہوتا رہا تھا۔ اللہ نے بڑا فضل کر دیا۔ اب علی برادران کی یاد آں عزیزی کے دم سے ہے۔

۴ جنوری کو جلسہ ضرور پورے اہتمام کے ساتھ کیجیے۔ کیا عرض کروں اگر تعمیل فرمائش کا ذرا بھی امکان ہوتا تو ضرور اس کے کرنے میں مسرت و سعادت محسوس کرتا لیکن اب کئی سال سے پبلک جلسوں میں (خواہ وہ کسی قسم کے بھی ہوں) شرکت قطعاً ترک کر چکا ہوں اگر ایک بار بھی قدم باہر نکالا تو پھر دوسروں کے سامنے کوئی عذر نہ چل سکے گا۔ ایک دعوت صدارت کی حیدرآباد سے اور دوسری مظفر پور بہار سے رد کر چکا ہوں اس لیے فرمائش کی تکمیل سے تو بالکل معذور ہوں۔ ایسی اگر کوئی صورت نکلے کہ ان یادگاری مقالات و مضامین کا کوئی مجموعہ شائع ہو سکے تو اس پر دیباچہ یا پیش لفظ بڑی مسرت سے لکھ دوں گا۔

آپ کی رجسٹری یہاں سنیچر ۲۰ کی دوپہر کو ملی جب یہاں سے ڈاک نکل چکی تھی۔ کل اتوار پڑ گیا یہ جواب پہلی ڈاک سے دوشنبہ کو روانہ ہو رہا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے بڑے اصرار سے ۴ جنوری کو بمبئی یوم محمد علی کے جلسہ کی صدارت کے لیے بلایا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۹ اپریل ۶۰ء

برادرم سلمہ اللہ! وعلیکم السلام

عید کارڈ کئی دن ہوئے مل گیا تھا اس سے آں عزیزہ اور زبیر اسلمہا کی علالتوں کا بھی حال معلوم ہوا۔ اللہ دونوں کو پوری شفا دے۔ اب علی برادران کی یاد دلانے والا اور رہ ہی کون گیا ہے۔

رام پور کے پرانے اور نئے ذاتی مکانات اور باغ وغیرہ اب بھی بدستور اپنے قبضے میں ہیں؟ یا ان پر بھی انقلاب کا کوئی اثر پڑ گیا ہے۔

بڑی لڑکی کا ارادہ اس سال حج کا ہے انشاء اللہ ۷ مئی کے جہاز سے ۴۔ ۵ آدمی قافلے میں اور ہوں گے شوہر اور (میرے بھتیجے) حکیم عبدالقوی روزنامہ تنویر مرحوم کے ایڈیٹر اور سیاست کان پور کے لیڈر راستہ بمبئی تک ساتھ جائیں گے۔ پہلا سا زمانہ ہوتا تو میں بے تکلف خلافت ہاؤس کا پتہ بتا دیتا۔ لیکن اب وہ حالت کہاں اور پھر دفتر جات سے فاصلہ بھی ہے اس لیے قیام مسافر خانہ صابو صدیق ہی میں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی بیگم صاحبہ

(۲) بیگم حکیم عبدالقوی۔

بسم اللہ

دریاباد

۳۱ مئی سنہ ۶۰ء

عزیزم سلمہ اللہ! وعلیکم السلام

خط جس میں خلافت ہاؤس[1] میں ٹھہرنے کی دعوت تھی مل تو گیا تھا لیکن ذرا دیر میں ملا لڑکی بمبئی کے لیے براہ باندہ مانک پور جبل پور روانہ ہو چکی تھی۔ باندے میں[2] اٹھارہ گھنٹے ٹھہرنے کے ارادے تھے۔ ایکسپریس تار باندے بھیجا کہ اب خلافت ہاؤس ہی اترنا۔ وہ تار وہاں بعد از وقت پہونچا۔ بہرحال اس محبت کے لیے دل آں عزیز کا شکر گزار تو ہوا۔

اب جب آں عزیز کو خط لکھنے بیٹھتا ہوں تو آں عزیز کا چہرہ آج سے ۳۰-۳۲ سال قبل کا یاد پڑ جاتا ہے اور اس کے ساتھ دہلی اور بمبئی کی یادیں اس وقت کی تازہ ہو جاتی ہیں۔

خدا کرے اب صحت بہتر ہو گئی ہو۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) جب مولانا سفر حج کے موقعہ پر خلافت ہاؤس میں کئی روز مع اپنے قافلہ کے مقیم رہے تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۳۰ ستمبر سنہ ۶۰ء عزیزم! السلام علیکم

پبلک جلسہ کسی قسم کا بھی ہو اس میں شرکت میں نے مولوم[1] کی وفات سے بعد ہی سے ترک کر دی ہے۔ اس ہفتہ ایک شدید خانگی صدمہ[2] میں مبتلا ہو گیا ہوں ورنہ بجائے

اس چند سطری پیام کے ایک مقالہ آپ کو لکھ بھیجتا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد مولانا محمد علی مرحوم ہیں۔

(۲) یعنی مولنا کے برادر بزرگ مولوی عبدالمجید صاحب کا سانحہ ارتحال۔

پیام بنام سکریٹری صاحب خلافت کمیٹی

خلافت ہاؤس بمبئی

بسم اللہ

عجب ہے کہ محمد علی کی یاد منانے کا احساس اب بھی قوم کو پیدا نہ ہوا حالانکہ وہ شہید ملت اس سے قطعاً بے نیاز ہو چکا ہے کہ کوئی اسے یاد کرے یا بھلائے رکھے۔

عشق من از پس من فاتحہ خوانم باقی است

لیکن مرحوم کی یاد صرف چند تقریریں اور چند نعرے نہیں۔ دین و ملت کے لیے سچی تڑپ، اخلاص کامل، جوش مجاہدانہ، مخلوق سے بے خوفی، بے پناہ سرگرمی عمل یہ ہیں محمد علی کی سچی یادگاریں۔ محمد علی کی ذہنی و علمی پرواز پناہ ہر ایک کی بس کی بات نہیں۔ لیکن یہ اخلاقی صفات تو ہر انسان کوشش کر کے اپنے میں کسی حد تک پیدا کر ہی سکتا ہے۔

بسم اللہ

دریاباد

۵ر جولائی ۶۳ء

برادرم سلمہ اللہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

خیریت نامہ عرصہ دراز کے بعد ملا۔ الحمدللہ تیسرا حج اللہ تعالیٰ بہ طرح مبارک کرے۔ زہرہ بی سلمہا تو شاید مدت کے بعد ہندوستان آئیں۔ ان کو اور بچوں کو ہر طرح کی دلی دعائیں جلسے کے لیے بمبئی آنے کی فرمائش میرے لیے بڑی ہی سخت ہے۔ مدت دراز سے جلسوں کی شرکت قطعاً ترک کر رکھی ہے سیاسی جلسوں میں شرکت تو مولانا محمد علیؒ کی وفات کے بعد ہی سے ترک کر دی تھی۔ رفتہ رفتہ ہر قسم کے پبلک جلسے اس میں آ گئے اور اب تو تفسیر قرآن وغیرہ کے تحریری کام سے مطلق اس کی فرصت ہی باقی نہیں رہی ہے اس لیے تعمیل فرمائش سے بالکل ہی معافی چاہتا ہوں

باقی بغیر کسی پبلک جلسے کے محض ملنے ملانے اور خلافت ہاؤس دیکھنے کے لیے سفر بمبئی کا دل مدت سے چاہ رہا ہے بیگم محمد علی کی قبر پر فاتحہ بھی پڑھنا ہے۔ دیکھئے کب اس کی نوبت آتی ہے۔ اللہ سب لوگوں کو خوش و مطمئن رکھے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۲۷ نومبر ۶۷ء

برادرم سلمہ اللہ! السلام علیکم

انشاء اللہ بخیریت تمام ہوں گے علی برادران کے خاندان والوں میں اپنے ہی عزیزوں کی طرح برابر دل لگا رہتا ہے۔ اس خط کے جواب میں نام بنام ان لوگوں کی بھی خیریت لکھ دینا کہاں کہاں ہیں؟ اور کیا کیا کر رہے ہیں؟۔ میاں طارق تو کراچی میں ہوں گے اور میاں عابد مشرقی پاکستان میں۔ شوکت صاحب کے ایک نواسے سے کراچی میں ملاقات ہوئی تھی کسی سفارت خانے میں تھے میاں عثمان میاں فاروق سب بخیریت ہوں گے اور سب سے بڑھ کر خود زہرہ بی۔

یہ خط ایک خاص ضرورت سے ہے۔ بمبئی میں کسی پڑھے لکھے یہودی سے ملاقات ہے؟ اگر ہو تو ان کا ذرا پتہ معلوم ہو جائے۔ یہودی مذہب اور تاریخ کی کتابیں انگریزی میں پڑھنا چاہتا ہوں اور اسرائیل سے کوئی انگریزی اخبار منگانا۔ بس اسی کے لیے کوئی ذریعہ ڈھونڈھ رہا ہوں۔ ان کے قونصل خانہ بمبئی سے جو پندرہ روزہ News from Israil نکلتا ہے اس کا خریدار ہوں لیکن وہ میری ضرورت کے لیے کافی نہیں اور زیادہ کتابیں اور رسالے وغیرہ چاہتا ہوں اس زحمت کو ضرور میرے لیے گوارا فرمائیں۔

والسلام دعاگو و خیریت طلب

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد
یکم دسمبر ۶۷ء

برادرم سلمہ اللہ ! وعلیکم السلام

شکایت نامہ[1] پاکر بڑی شرمندگی ہوئی ۔ اصل یہ ہے کہ بیسیوں اخبارات ہندو پاکستان کے بجوم و انبار میں صرف چار ہی پانچ اخباروں کے پابندی سے پڑھنے کا وقت ملتا ہے اکثر اخباروں پر بس محض ایک منٹ میں سرسری نظر ڈال لیتا ہوں اور ایک تہائی تو ایسے اخباروں کی ہے جس کے کھولنے ہی کی نوبت نہیں آتی ۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ ضروری ضروری خبریں ہی نظر سے رہ گئی ہیں خیر اللہ کا شکر ہے کہ اطلاع صحت کی بھی مل گئی بیماری تو ہر مسلمان کے لیے گناہوں کو دھونے والی اور اجر کو بڑھانے والی ہوتی ہے آں عزیز کو بھی ان شاء اللہ پورا صلہ اس شدید علالت کا مل گیا ہوگا ۔

عجیب اتفاق ہے کہ دو چار ہفتہ پہلے خود میں نے ایک خط بھیجا ہے جس میں علاوہ اپنی ضرورت کے خاندان علی برادران کی نام بہ نام ایک ایک کی خیریت دریافت کی ہے وہ پہونچ گیا ہوگا اور اس کا جواب بھی آرہا ہوگا ۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنی شدید علالت کا حال لکھا تھا اور اس کی شکایت کی تھی کہ باوجود خلافت میں اس کی خبر شائع ہونے کے مولانا کی طرف سے کوئی خط عیادت کے لیے نہیں گیا ۔

بنام قطب الدین احمد صاحب عرف ملا صاحب[1]

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ دسمبر ۵۳ء

عزیزم سلمہ اللہ! وعلیکم السلام

محمد سلمہ[2] کی تقریب اللہ ہر طرح مبارک کرے۔ خوب کیا جو اس سے یوں بہ خاموشی فراغت کرلی۔ لڑکے کا کچھ نام و نشان نہ لکھ لڑکیوں نے بتایا کہ جمیل میاں[3] کا لڑکا ہے۔ گھر کی نسبت کا کیا کہنا ہر چیز جانی بوجھی ہوئی۔ یہ اب بھی نہ معلوم ہوا کہ یہ صاحب زادے کرتے کیا ہیں۔

دل نے پہلے کہا کہ بڑے گاؤں[4] میں تقریبیں ایسی ہی ہوتی ہیں[5]؟ ساری دعوتیں ملنے نظر کے سامنے پھر گئے مگر پھر عقل نے معاً جواب دیا کہ وہ بڑا گاؤں اب رہا کہاں ہے اب تو یہی کرنا ہی تھا خدا کرے اب نمبر میاں ضیا کا بھی آجائے۔ لڑکی اور لڑکے میں فرق یقیناً ہے لیکن اس فرق کو بہت دور تک پہونچا دیا دوسرے سرے پر چلے جانا ہے۔

اس ہفتہ کے اندر دو مرتبہ لکھنؤ کا پروگرام ہے ایک ۲۵ - ۲۶ کو سید صاحب مرحوم کی تعزیت میں دوبارہ ۲۹ - ۳۰ کو ریڈیو تقریر میں ممکن ہے کہ کسی وقت ملاقات ہوجائے گو لکھنؤ کا پروگرام گڑبڑ ہی رہتا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) رشتے میں مکتوب الیہ مولانا کے بھانجے ہوتے تھے لیکن تعلقات کے لحاظ سے وہ

سگے بھائیوں سے بڑھ کر تھے طالب علمی ہی کے زمانے سے وہ مولانا سے بہت مانوس تھے اور ایک حد تک ان کی تربیت میں رہے اور ان کے بڑے ہی مزاج شناس اور مولانا کی تحریروں کے عاشق۔ ان کا انتقال ۱۹۸۳ء میں ہوا۔ مرحوم کی شادی بڑے گاؤں میں شفیق الرحمٰن قدوائی صاحب مرحوم کی بہن سے ہوئی تھی۔

(۲) موجودہ وزیر مملکت برائے صحت و سوشل ویلفیئر مکتوب الیہ کی منجھلی صاحب زادی ہیں۔

(۳) بڑے گاؤں کے رہنے والے اور پرانے کانگریسی لیڈر جلیل الرحمٰن قدوائی صاحب ان کا انتقال شروع ۱۹۸۳ء میں ہوا یعنی مولانا کے انتقال کے تقریباً سال بھر بعد۔

(۴) مکتوب الیہ کی سسرال۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء

عزیزی سلمہ اللہ! وعلیکم السلام

اب کو خط ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتا تھا۔ قدرۃً اس کے لیے وقت کئی دن کے بعد ہی نکل سکا اب کی تمہارا خط بڑے مزے دار مکر پڑھا۔ وسعت کے بعد عسرت خوشحالی کے بعد تنگی اللہ کا کوئی معمولی انعام نہیں جو نیا سانے ظرف کے لحاظ سے اس کے لیے چن لیے جاتے ہیں۔ یہ انعام انھیں کے نصیب میں آتا ہے جو خوش ہو کہ تمہارا شمار انھیں چنے ہوئے بندوں میں ہو گیا و لا یلقاھا الا الصابرون۔

جس شہر میں اور جن سڑکوں سے انسان ابھی دو پہیہ اور کبھی کی تک گدتا رہا ہو انھیں پر آج پیدل چلنا کوئی معمولی مجاہدہ نہیں ——— ورس آغاز کا انجام ابتدا ہی انعام ہی انعام۔

آج کل کچھ اپنا رنگ بھی ایسا ہی ہے (اور ایسا وقتہً فوقتہً ہوتا رہتا ہے) حیدرآباد سے پنشن دفعتاً بند ہوگئی جس بنا پہ بند ہوئی وہ منسلکہ سے ظاہر ہوگی اور وہ منسلکہ آج تک نہ ملا اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

ادھر یہ ہوا اور ادھر عین اس زمانے میں صدیق کی مالی حالت ایسی گر گئی کہ میری آمدنی جو اس سے ہوتی تھی وہ سو سے گھٹ کر ۵۰-۵۶ پر آگئی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں ابتلا عارضی ہیں لیکن اس وقت تو بہرحال تمہارے ساتھ ہم رنگی حاصل ہے۔ دہی پرانا مصرعہ۔ خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے۔

مرزا رسوا مرحوم کا ایک مصرعہ تصوف کے رنگ میں ہے دل میں خوش ہوتا ہوں جب رنج سوا ہوتا ہے اس کا مطلب اب سمجھ میں آیا۔ مناجات مقبول کو دعاؤں کو اس وقت پڑھو تو لطف کچھ اور آئے گا اس وقت زبان نہیں دل پڑھے گا۔ لذیذ غذاؤں کا پورا لطف بھوک کے وقت آتا ہے بلا بھوک نہیں۔

والدۂ رافت اپنی ہائے وائے میں مبتلا رہتی ہیں۔ باندے سے گذارے کی سالانہ آمدنی کا انھیں بڑا سہارا رہا کرتا تھا مدت ہوئی تنسیخ زمینداری کی نذر ہوگیا یہ تار چپ سادھ لو دن رات لگا ہی رہتا ہے کسی کو ہنسا کر رلاتے ہیں اور کسی کو رلا کر ہنساتے ہیں۔

نہجد اگر کبھی کبھی نصیب ہو جائے تب بھی بڑی خوش نصیبی ہے چہ جائیکہ تقریب پابندی کے ساتھ۔ رشک کے قابل نعمت ہے۔ نماز کے پابند تو ہمیشہ سے رہے ہو اب یہ مزا کرم وبیع ہوگیا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) کورٹ آف وارڈس کے محکمے ٹوٹ جانے سے مکتوب الیہ کی ملازمت ختم ہوگئی اور اس کی وجہ سے ان کو مالی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

(۲) اردو کے مشہور ناول نگار مرزا محمد ہادی رسوا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۱ اکتوبر ۵۴ء

عزیز سلمہٗ! وعلیکم السلام

مسعود میاں بے چارے کی شدید و خطرناک علالت کی اطلاعیں بانداز سے برابر آرہی ہیں اللہ رحم فرمائے۔ ان کی ہمشیر مضطر و مضطرب ہو کر کئی دن ہوئے جا چکی ہیں حالانکہ خود بھی شدید نزلے و اختلاج میں مبتلا تھیں۔

بڑے گاؤں جا کر ایک دفعہ فجی میاں مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھ آنا واجبات میں سمجھتا ہوں پہلے رمضان رہا پھر برسات آگئی اب جمیل میاں کو لکھ دیا ہے کہ کسی اتوار کو اپنے حسب فرصت سواری کا انتظام کر دیں کھڑی سواری گھنٹے دو گھنٹے کے لیے ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحق کی تعریف اور لوگوں سے بھی سنتا آیا ہوں مدارس والی اسکیم اور تفصیلات معلوم ہوں تو قطعی رائے قائم کروں بظاہر تو قبول کرنا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے لکھنؤ تک کا سفر کھل جاتا ہے معمولات میں فرق تو بہرحال پڑ ہی جاتا ہے لکچر اگر اردو میں ہوئے تو غنیمت ہیں اگر انگریزی کی قید لگا دی تو اس میں محنت کئی گنا بڑھ جائے گی۔

ضیاء سلمہٗ کا عقد بے شک اب ہو جانا چاہیئے بہت جلدی کی طرح بہت تاخیر غلط ہے اللہ ہر طرح مبارک کرے۔

خلیل سلمہٗ سے ایک بار بارہ بنکی اسٹیشن پر ملاقات ہو گئی رات کا وقت تھا میں کیا پہچانتا

انھوں نے خود ہی بڑھ کر سلام کیا پھر ان کے چھوٹے بھائی نے اپنا اور ان کا دونوں کا تعارف کرایا۔

والسلام دُعاگو

عبدالماجد

(۱) یعنی شیخ فضل الرحمٰن ق روائی صاحب ایڈووکیٹ سابق چیرمین میونسپل بورڈ

بسم اللہ

دریاباد

۲۵ ستمبر ۵۸ء

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

روانگی سے قبل لکھنؤ تو ایک بار آؤ ہی گے اور غالباً کھڑی سواری دریاباد بھی۔ دریاباد کا وقت نہ نکل رہا ہو تو ہفتہ عشرہ قبل سے مجھے لکھ دو میں لکھنؤ کے لیے وقت نکال لوں گا۔

یہ خط ایک خاص ضرورت سے ہے۔ بشیر میاں اور بھائی صاحب کے درمیان غلط فہمیوں کا سلسلہ ایک عرصے سے چلا آرہا ہے۔ آغاز کسی درگاہ کے انتظامی معاملات سے ہوا تھا۔ اختلاف رائے تو ہوتا ہی رہتا ہے یہاں کشیدگی کی صورت پیدا ہو گئی ہے جسے اب تو ہرگز باقی نہ رہنا چاہیئے مصالحت کرا دینے کا مقدور تم سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ جی چاہتا ہے اس کا اجر شکوفیصدی تم ہی کو ملے۔

لکھنؤ آؤ تو اسے بھی اپنے پروگرام کا ایک خاص جزو بنا کر آؤ۔

والسلام دُعاگو

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۸ر اپریل ۵۶ء

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

دونوں کارڈ مل گئے کوئی بات جواب طلب نہ تھی۔

پھر بھی دونوں مرتبہ پڑھا خاص اثر تم کیسے دیکھتے ہی دیکھتے تم پردیسی ہو گئے[1] یوں ملاقات تو یہاں رہ کر بھی جدید ہوتی تھی بارہ بنکی تک یہی صورت رہی لیکن بہ وقت طبیعت کو اطمینان کتنا رہتا تھا اب یہ صورت کہ بیک کتنے حجابات حائل ہو گئے اور مہینوں برسوں میں بھی ایسی ملاقات بس موہوم ہی سہی۔

بعد عید خیال ہوتا ہے کہ بڑے گاؤں کا سفر اختیار کر کے والدہ ضیاء سے بھی مل آؤں یہی سوچ کر بس یہ بھی اب پرائی اور پردیسی ہو چکیں مسئلہ کشمیر اور افطارات ادھر اور ادھر دونوں کے سلامت رہیں کہ بجائے قرب و اتحاد کے بعد روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔

اپنا حال خود لکھنا۔

ہاں کسی واقف کار سے پتہ چلانا کہ اردو ٹائپ رائیٹر وہاں کس قیمت میں مل جاتا ہے اور پھر وہاں سے اس کے آنے کی کیا صورت ممکن ہے۔

روزے ابھی تک تو یہاں آسان ہی گذرے ہیں پیاس نہیں ہے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) یہ خط مکتوب الیہ کے پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد لکھا گیا تھا۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۴ دسمبر ۵۶ء

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

تمہارے حال میں برابر دل لگا ہوا ہے کوئی صورت نکلی[1]۔ وہاں کی ہمہ وقتی انتشاری کیفیت کا اب ذاتی تجربہ ہوگیا ہوگا بے حد دل کڑھتا ہے مگر علاج کس کے ہاتھ میں۔

میاں شہاب[1] یہاں آئے تھے۔ کبیر میاں[2] کے ہاں قیام کئی دن مسلسل رہا دو تین ملاقاتیں مجھ سے بھی کیں۔

خیال تھا کہ ان کی والدہ وغیرہ سے ان کے جانے سے قبل بارہ بنکی یا بڑے گاؤں جاکر مل آؤں گا اس کا پتہ بھی چلنے نہ پایا بعد کو قیوم[3] سے معلوم ہوا۔ کبیر میاں اب اچھے ہیں بہت سخت اور عرصے تک بیمار رہے ٹائیفائیڈ وغیرہ میں۔

میاں تصور[4] ایسی کھڑی سواری آئے کہ دریاباد نہ آسکے اور میں شکل دیکھنے سے بھی محروم رہا۔

آبائی مکان[5] کے متعلق بھائی تجمل کریم صاحب کی کیا رائے ہے سنا ہے کہ اب فروخت کی عام اجازت ہوگئی ہے اور کوئی سکہ کا ووٹ نہیں رہی ہے یہاں یوں بھی اچھی قیمت کی توقع نہیں پھر جب کہ حالت بھی بہت زیادہ مرمت طلب ہوگئی ہے بہرحال اگر ارادہ فروخت کا ہو اور طبیعت اونے پونے قیمت پر قناعت کرنے پر آمادہ ہو تو شہر میں بھی ہمت کر جاؤں حاجی وصی[6] سے گفتگو کرلی ہے ان کا ارادہ لینے کا بالکل نہیں۔ ذوق دیکھتا رہتا ہوں اور اردو کے بھی روزنامے جنگ و انجام اللہ خیریت سے پھر بھی ملائے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے منجھلے صاحب زادے۔

(۲) مولانا کے سگے ماموں زاد بھائی شیخ عبدالکبیر۔
(۳) شیخ عبدالکبیر صاحب کے بڑے صاحب زادے
(۴) مکتوب الیہ کے بڑے ماموں کے صاحب زادے
(۵) مکتوب الیہ کے نانا کا مکان
(۶) ہم لوگوں کے جدی عزیز وصی الدین صاحب۔

بسم اللہ

دریاباد
۲۴ اگست ۶۱ء

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

خط خوب ملا۔ دل لگا ہی ہوا تھا لڑکیوں کا تفصیل سے حال لکھ دیا یہ بہت اچھا کیا۔ پبلک معاملات تو اخباروں سے معلوم ہی ہو جاتے ہیں نجی زندگی کا کوئی اور ذریعہ بجز خطوط کے نہیں۔

بابائے اردو کا کیا کہنا اپنے خدمات اردو کے لحاظ سے وہ دوبے نظیر تھے اور پھر میرے تو پرانے کرم فرما بلکہ محسن تھے۔ خبر[1] سبحان اسی وقت کراچی ریڈیو سے مل گئی تھی اور میں اس کے سننے کے لیے اپنے کو تیار کر چکا تھا نماز جنازہ کا مجمع قابل رشک رہا۔

بھائی صاحب[2] کی وفات سے زندگی کا ایک گوشہ بالکل سونا ہی ہو گیا۔ لڑکوں نے کمال کیا میں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ بہن کو شرعی حصہ دینا ان لوگوں نے اس کا پورا دگنا دے دیا یعنی بالکل اپنے برابر۔ میں سجدۂ شکر بجالایا۔

میاں آفتاب انشاء اللہ ستمبر کے تیسرے ہفتے میں لاہور کراچی کی بڑی سواری سے آئیں گے ایک روز بارہ بنکی میں بینک سے کام پڑ گیا تھا شناخت کا مرحلہ پیش آیا خلیل سلمہٗ

کی دکان پڑوس ہی میں تھی بے چارے کام آئے۔

بھائی خلیق الزماں کی کتاب اس وقت تو دیکھنے میں آئی نہیں اشتیاق ہر وقت ہے۔ کبیر میاں کے ہاں کا حال بدستور ہے میاں قیوم کا کاروبار باغ بانی وغیرہ کا ماشاءاللہ ترقی پر ہے ریڈیو بھی لے لیا ہے اور مکان کی توسیع ہونے والی ہے خط لکھنا تو باپ بیٹے دونوں کے لیے مشکل ہے۔ میاں طاہر کی صحت جس حد تک سنبھل گئی تھی بدستور ہے بے چارے پنشن وصول نہ ہونے کی وجہ سے تنگ دست ہو رہے ہیں۔

ہاشم سلمہ کا مقالہ ڈاکٹریٹ کے لیے منظور ہو گیا ہے انشاءاللہ عنقریب ہی ڈگری مل جائے گی۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) یعنی بابائے اردو کے انتقال کی خبر۔

(۲) مولانا کے برادر اکبر مولوی عبدالمجید صاحب۔

بسم اللہ

دریابانہ

۳ نومبر ۶۲ء

عزیزی سلمہ! السلام علیکم

شمیم کے سے لطیف و نفیس تحفے کا یوں ہی کیا کہنا پھر اس میں لانے والے کے خلوص کی شیرینی حل ہو گئی ہو نور علی نور بہرحال وہ بوتل ایک عرصے تک انشاءاللہ شیرینیِ حیات بخش رہے گی۔

اس روز موٹر راستے میں اتفاق سے بار بار بگڑا خیر جوں توں اسٹیشن پر لکھنؤ کے

یے ایک گاڑی مل ہی گئی۔

والدۂ رافت اپنی بھابھی جان کے ساتھ باندے جا چکی ہے ابھی دو ہفتے وہاں قیام کا پروگرام ہے۔

اس وقت تو لکھنؤ یا بارہ بنکی میں ہوں گے اور انشاء اللہ ہر طرح بہ خیریت۔

دُعاگو

عبدالماجد

بسم اللہ

دریاباد

۱۰ فروری ۶۵ء

عزیزی سلمہٗ!

وعلیکم السلام

خیریت نامہ و سفرنامہ مفصل مل گیا وہ حلوا تمہاری خالہ[1] کا بھیجا ہوا نہ تھا (شکریہ انھیں مفت ہی میں مل گیا) ان کی لڑکی کا بھیجا ہوا تھا یعنی زہیر کا علی گڑھ سے۔

اللہ کے احسانات تو اپنی جگہ سب ہی بندوں کے ساتھ رہتے ہیں اصل شے بندے کی طرف سے ان احسانات کا احساس ہے وہ بحمداللہ تم میں موجود ہے وریہ احساس بھی اللہ ہی کا ایک مزید کرم و احسان ہے۔

غلام السیدین سے اتنے گہرے تعلقات اچھا کیا تم نے لکھ دیا ممکن ہے کہ اپنے ایک دو ذاتی معاملے میں ان کی مدد کی کچھ ضرورت پڑے۔

شاہ عزیز عالم[2] آخر گذر گئے زمانہ ان کا ہمیشہ پایا وہ بھی اس کا فیض عشرہ تمہارے تو دوست ہی تھے مجھے بھی اچھا خاصا مکدمہ ہوا تمہارے ساتھ ان کی عیادت کا ارادہ کرتا ہی رہ گیا۔

اپنی خالہ[3] (والدہ عشیہ مرحوم[4]) کو ضرور میری طرف سے سلام پہنچا دیا کرو اکثر یاد آتی رہتی ہیں

اوران کے میاں بھی۔ بہ ظاہر اب زندگی بھر ملاقات کی کیا صورت ہے۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مراد مولانا کی بیگم صاحبہ ہیں جو مکتوب الیہ کی رشتے میں خالہ ہوتی تھیں۔

(۲) جو بارہ بنکی میں سپرنٹنڈنٹ پولس رہے تھے اور بعد میں ڈی آئی جی ہو گئے تھے۔

(۳) مراد مکتوب الیہ کی حقیقی خالہ جنھوں نے مکتوب الیہ کی پرورش اپنی بہن یعنی مکتوب الیہ کی والدہ کی خرابیٔ دماغ کے وجہ سے کی تھی۔

(۴) مراد محمد عشیر صاحب ایڈیٹر ڈان۔

(۵) ارتضیٰ کریم صاحب جو پاکستان منتقل ہونے سے پہلے امیر الدولہ اسلامیہ کالج کے اسکول سکشن میں استاد تھے۔

بسم اللہ

دریاباد

۲۰ جولائی ۵۰ء

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

سانحہ کی خبر میاں تو کل سلمہٗ کئی دن ہوئے دے چکے تھے اور پھر روزنامہ حریت میں محض اتفاق سے قرآن خوانی کی خبر پر بھی نظر پڑ گئی ہے! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تعزیت نامہ کئی روز ہوئے قصر جاوید کے پتے پر لکھ دیا تھا خدا معلوم وہ پتہ اب بھی ہے یا نہیں احتیاطاً ہم لوگوں کی طرف سے مکرر تعزیت اپنی خالہ کو پہونچا دینا ظاہر ہے کہ عورت کی زندگی شوہر کے بعد اُجڑ جاتی ہے۔ اور ان بیچاری کے لیے تو عشیر مرحوم ہی کا صدمہ کیا کم تھا لیکن اللہ کے ہاں اجر بھی تو ہر صدمہ کی مناسبت سے ملتا ہے صابر و شاکر بیوی

کے بڑے درجے ہوتے ہیں۔

میری بہنوں میں تو ایک وہی بے چاری اب باقی ہیں۔

تینوں لڑکوں کا حال خوب کیا لکھ دیا کریکٹر کا حال خصوصی دلچسپی سے پڑھا میاں ضیا کا کچھ ذکر نہ تھا اپنی جگہ پر بخیریت ہوں گے انشاء اللہ مزید ترقی کے ساتھ۔

میاں طاہر کریم[۲] کی موت بڑی اچھی واقع ہوئی جمعہ کو بعد مغرب۔ دوپہر کو غسل کیا جمعہ کو یاد کر کے مغرب کی اذان سن کر نیت باندھی آخری بار زبان سے اللہ کہا۔

بڑا کاؤں تمہارے بغیر بے لطف سا ہو گیا ہے صدق کے متعلق تمہارا یہی خط آفتاب کو دکھلا دوں گا۔ انھیں براہ راست لکھ دیا ہوتا تو اور اچھا تھا میں کسی انتظامی معاملے میں دخل بہت کم دیتا ہوں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے خانوادۂ قضی کریم صاحب کے انتقال کی خبر دی تھی۔

(۲) مولانا کے رشتے کے بھانجے اور مکتوب الیہ کے رشتے میں بھائی۔

دریاباد

۱۰ فروری ۶۹ء

عزیزی سلمہ! دعاگو السلام

۲۵ جنوری کا خط ۶ فروری کی شام کو ملا۔

[۱] نسانجہ کی خبر میاں ابراہیم[۲] کے خط سے کئی دن ہوئے معلوم ہو چکی تھی اور ابراہیم کے پتہ پر تعزیت نامہ بھی بھیج دیا تھا تمہاری خالہ (اب میری آخری بہن) بے چاری پر عجب وقت یہ آپڑا ہے۔

کن لفظوں میں ان سے شرکت غم و ہمدردی کی جائے بس اللہ ہی انھیں برداشت کی قوت اور ہمت دے اور وہی ضرور دے گا اتنا سخت امتحان تو بڑے ہی جوانمردوں اور جوان ہمتوں کا ہوتا ہے اور اس کا اجر بے حساب و بے اندازہ بھی بڑے ہی خوش نصیبوں کے حصہ میں آتا ہے اللہ اللہ مرحومہ کی والدہ کے ساتھ مرحوم کی بیوہ کو جنت کے اعلیٰ درجات کی بشارت ہو۔ صابرین کے بڑے بڑے درجے ہیں۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے منجھلے خالہ زاد بھائی محمد دبیر صاحب (محمد عشیر صاحب کے بھائی) کے انتقال کی خبر دی تھی۔

(۲) مولانا کے سگے خالہ زاد بھائی محمد مقیم صاحب کے بڑے صاحب زادے۔

بسم اللہ

دریاباد

۱۰ مارچ ۶۹ء

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

وہ دونوں خط مل گئے تھے یاد ہے کہ کم سے کم ایک کا تو جواب دے ہی چکا ہوں اب ہندوستان آنے اور ملاقات ہونے کی کیا صورت ہے۔

دولڑکیاں آج کل زیادہ بیمار ہیں (حمیرا اور زاہدہ) دل قدرۃً ان میں لگا ہوا ہے چھتاری کی لڑکی کی شادی آج ہوگئی ہوگی۔ میرے پاس بلاوا دونوں طرف سے آیا ہوا تھا۔

کبیر میاں کے لڑکے ماشاءاللہ خوب کما رہے ہیں باغ بانی اور کاشت کاری خصوصاً غلہ کی تجارت اور گنے اور پوستے کی کاشت ماشاءاللہ طرح طرح کی مشینیں منگا رہے ہیں بعض ولایتی

سے بھی۔

ہماری بہن صاحبہ کو اللہ معلوم ہوتا ہے کہ درجۂ ولایت پر پہونچانا چاہتا ہے کہ ایک طرف اُن پر غم والم کے پہاڑ ڈال کے ان کا دل بالکل توڑ دیا اور دوسری طرف عبادت و شب بیداری کی اتنی چاٹ لگادی درجۂ ولایت میں کوئی پر نہیں لگ جاتے بس جو اخلاص کے ساتھ اللہ کو راضی کرے وہی ولی اللہ بن جائے۔ تمہارے ہاں کے حالات پڑھ کے بڑا دل دکھتا ہے۔ قدم قدم پر تصادم اور ٹکراؤ!

کبیر میاں کو بلا کر تمہارے خط کا مضمون سُنا دیا بڑے خوش ہوئے سلام دُعا لکھا رہے ہیں اور اشتیاق ملاقات! مرحومہ کا حصہ شرعی کچھ انور اور ان کے بھائیوں کو پہونچتا تھا میں نے لکھوا بھیجا جواب لڑکیوں کے نام آیا کہ مجھے مل گیا اور تمھیں لوگ اسے میری طرف سے قبول کرو۔

حسنی سلمہا سُنا ہے کہ سیتا پور جا کر ہوائیں غضب کیا مجھے اگر پہلے سے اپنا پروگرام لکھ دیا ہوتا تو سیتا پور کھڑی سواری جا کر مل آتا۔ ظاہر ہے کہ اب زندگی ہوا اس کا کون سا دوسرا موقع آئے گا۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) نواب صاحب چھتاری کی پوتی۔

(۲) مراد شیخ انوار الزماں صاحب ایڈووکیٹ بانڈہ۔

بسم اللہ

حیدرآباد

۱۱ اپریل ۵۰ء

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

خیریت نامہ مدت دراز کے بعد ملا اور بڑا دل خوش ہوا۔

اپنی خالہ کو سلام کے بعد میری دلی مبارک باد پہونچا دینا انہوں نے صرف فریضہ ہی ادا نہیں کیا بلکہ اس میں ایک مجاہدہ بھی کیا۔ حج ان کا بھی قبول نہ ہوگا تو اور کس کا ہوگا۔ عبادت گذار اور اپنے والد کی خدمت گذار تو ہمیشہ رہیں اور اس سن میں وہی جوہر اور چمک اٹھے۔ مصیبتیں بھی انہوں نے خوب جھیلیں اور جنت برق خوب جھیلیا ابھی تازہ حج کیے ہوئے ہیں۔ میرے حق میں بھی دعائے خیر کریں اب تو نام کی وہی ایک بہن رہ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ عافیت دارین نصیب کرے۔

صدیق کا داخلہ بند ہونے کو کچھ نہ پوچھو جتنی تکلیف مجھے ہوئی اور اس کے سیکڑوں پاکستانی خریداروں کو بس میرا ہی دل جانتا ہے ؎

ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے

ادھر سے رسالے کتابیں اخبار سب مدت دراز سے بند ہیں آنکھیں ترس گئیں۔

لڑکوں کا حال لکھ دیا یہ بہت اچھا کیا۔ میاں تصدق کریم کا حال تو پہلے بھی نہیں معلوم ہوتا تھا اور اب مدت سے میاں توکل کریم اور میاں تصور کریم کا بھی کچھ حال نہیں معلوم۔

یہاں دو لڑکیوں کی صحت چوپٹ ہے چھوٹی مہینوں بلکہ برسوں سے بیمار چل رہی ہے کوٹھے پر چڑھنا بالکل بند بس معمولی سا چل پھر لیتی ہے۔ رافت بھی زیادہ بیمار رہنے لگی ہیں۔ میرے ساتھ یہاں ہمیرا رہتی ہیں ان کی صحت بھی خاصی خراب۔ زبیرا الحمد للہ علی گڑھ میں ہیں۔

۲۶ جنوری (یوم جمہوریت) کو اتفاق سے فوراً بارہ بنکی جانا پڑ گیا جلسہ گاہ سے گذر رہا تھا کہ جمیل میاں مل گئے اور چند منٹ بعد محمنہ بھی۔ یہ لوگ بارہ بنکی میں نہیں لکھنؤ میں تھے۔

عین اسی وقت مسافرانہ چلے آرہے تھے بڑا اصرار کرکے مجھے گھر لے گئے منہ کو کئی جگہ جانا تھا مگر بہ اصرار تمام کھانا تیار کر دیا اور بغیر کھلائے نہ چھوڑا۔

میری رائلٹی کی رقم تاج کمپنی کے ذمہ اکتوبر سے واجب ہوگی جنوری میں میری یاد دہانی پر خط آیا کہ ہم رقم اسٹیٹ بینک کے ذریعہ بھیج رہے تھے مگر بینک نے لکھ دیا کہ ہندوستان کو کوئی رقم نہیں جا سکتی (بینک کا خط ملفوف ہے)

مبین بھائی یہیں ہیں مع اپنے بہوؤں اور پوتوں کے۔ حسین کا قیام لکھنؤ میں رہتا ہے روزنامہ سیاست کانپور میں ہیں چھوٹے یعنی متین کلکتہ میں ایک تاجر کے یہاں کارگزار رہیں۔

آفتاب بے چارے گھٹنے کے درد کے مریض ہو گئے ہیں میں خود بحمداللہ اچھا ہوں سوا آنکھ کے روز افزوں ضعف کے اور مرحومہ کے غم کے جو روز بروز تازہ ہی رہتا ہے۔

دعاگو
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے چھوٹے ماموں مولوی تجمل کریم صاحب کے بڑے صاحب۔
(۲) تصدق کریم صاحب کے چھوٹے بھائی
(۳) مکتوب الیہ کے بڑے ماموں تفضل کریم صاحب کے صاحب زادے۔

بسم اللہ

دریا باد

۱۴ اگست ۷۱ء

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

میاں ضیاؔ[1] کی گمشدگی سے تم دونوں[2] پر جو کچھ گذری ہوگی اسے تو بس اللہ ہی جان سکتا ہے اور وہی اس کا پورا اجر بھی دے گا۔ باقی جب ہم لوگوں کا حال یہ ہوا ہے اور بہ قدرِ توفیق دعائیں بھی ہر شخص کر رہا ہے تو ظاہر ہے کہ تم لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ بجز دعا اور اجر بے نہایت کی اُمید کے اور انسان کے بس میں بھی کیا ہے۔ جب یعقوب پیغمبر تڑپ تڑپ کر رہے تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں[3]۔

دُعاگو

عبدالماجد

مکتوب الیہ کے بڑے صاحب زادے جو چٹاگانگ میں چائے کے باغات میں بڑے اونچے عہدے پر تھے جب مشرقی پاکستان یعنی موجودہ بنگلہ دیش میں بغاوت شروع ہوئی تو اسی میں شہید ہوئے اور اس کا حال بھی عرصے کے بعد معلوم ہو سکا۔

(۲) یعنی مکتوب الیہ اور ان کی بیوی پر

(۳) یہ مکتوب الیہ کے نام آخری خط تھا ان کا انتقال دسمبر ۷۳ء میں ہوا۔

مکتوباتِ ماہری

جلد دوم



